مجموعہ

رسائلِ امام شاہ ولی اللہؒ

التفہیمات الٰہیہ، البدور البازغہ دراصل حضرت شاہ صاحبؒ کے واردات قلبی، مکاشفاتِ روحانی، اسلامی احکام، معاشرتی مسائل، مصطلحات علوم اسلامی کا شاہکار نمونہ اور علوم الٰہیات کا نادر خزینہ ہیں۔

(جلد ہفتم)

(حصہ اول)

تحقیق و تعلیق

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی

SWI

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی

مجموعہ

رسائل امام شاہ ولی اللہؒ

التفہیمات الٰہیہ، البدور البازغہ در اصل حضرت شاہ صاحبؒ کے واردات قلبی، مکاشفاتِ روحانی، اسلامی احکام، معاشرتی مسائل، مصطلحات علوم اسلامی کا شاہکار نمونہ اور علوم الٰہیات کا نادر خزینہ ہیں

(جلد ہفتم)

(حصہ اوّل)

تحقیق و تعلیق:

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی

نام کتاب : مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد ہفتم

مرتبہ : مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی

قیمت : 300

سن اشاعت : دسمبر ۲۰۱۵ء

تعداد : 500

کمپوزنگ : ریاض احمد

آئی ایس بی این : 978-93-84153-04-5

ناشر : شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، مسجد کاکا نگر،

نزد (این، ڈی، ایم، سی پرائمری اسکول) کاکا نگر نئی دہلی ۔۱۱۰۰۰۳

بہ تعاون قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

Title	:	Majmua Rasail-e-Imam Shah Waliullah-VII
Editing	:	Maulana Mufti Ataur Rahman Qasmi
First Edition	:	December 2015
Price	:	Rs.300/-
ISBN	:	978-93-84153-04-5
Composing	:	Riyaz Ahmed

Published by

Shah Waliullah Institute

Masjid Kaka Nagar, Near (N. D. M. C.
Primary School) Kaka Nagar, New Delhi-110 003
Ph. : 011-26953430, Mob.9811740661
website : www.shahwaliullah.com
Email : shahwaliullah_institute@yahoo.in

فہرستِ کتب

مقدمہ

شیخ الاسلام حضرت الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ اٹھارویں صدی عیسوی کی نابغۂ روزگار شخصیت ہیں۔ آپ فی الحقیقت حجۃ اللہ فی الارض اور آیۃ من آیات اللہ ہیں۔ برصغیر میں تحریک رجوع الی القرآن والحدیث، اصلاح ودعوت اور اسلامی علوم وفنون کے احیاوتجدید کی تاریخ پر آپ نے بڑے گہرے اور دوررس اثرات چھوڑے ہیں۔ آپ نے امت کی اصلاح وتربیت کے لیے جو الہامی نقشہ اور لائحۂ عمل مرتب ومدون کیا تھا اور اپنی مساعی جمیلہ سے اس میں رنگ بھرے، اس کے نقوش وخطوط اور اثرات صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی زندہ وتابندہ ہیں اور آئندہ بھی مشعل راہ رہیں گے۔ آپ نے مختلف علمی میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ چنانچہ آپ کے علمی وتجدیدی کارناموں کا دائرہ بہت وسیع الاطراف ہے۔ امام غزالیؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ کے بعد امت میں کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آتی جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسی جامعیت، ہمہ گیری اور ہمہ جہتی کی حامل رہی ہو۔

حضرت شاہ صاحب ایک کثیر التصانیف مصنف اور عظیم مفکر ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے جہاں حجۃ اللہ البالغہ تصنیف کی جو برصغیر ہی میں نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں بڑی عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے اور بطور حوالہ پیش کی جاتی ہے۔ وہیں التفہیمات الالٰھیۃ جیسی معرکۃ الآرا کتاب لکھی جو تصوف کے اسرار ورموز اور احکام شریعت کے مسائل ومقاصد پر محیط ہے۔

التفہیمات الالٰھیۃ، حضرت امام شاہ ولی اللہؒ کی معرکۃ الآرا کتابوں میں ایک منفرد واچھوتی کتاب ہے، جس میں شاہ صاحب چند سطریں عربی میں تو چند سطریں فارسی میں اور چند صفحات عربی میں تو چند صفحات فارسی میں لکھ دیتے ہیں اور اسی رنگ وآہنگ میں پوری کتاب تصنیف ہوئی ہے۔ جس کا کوئی خاص موضوع نہیں ہے بلکہ متنوع موضوعات پر محیط ہے۔ دراصل یہ نادر کتاب حضرت شاہ صاحب کے قلبی واردات اور روحانی مشاہدات کا شاہکار نمونہ ہے۔ جس میں قرآنی آیات واحادیث کی تشریح، محدثین وفقہائے امت کے آثار واقوال کی توضیح،

مکاشفات ورویا کی تعبیر اور مصطلحات تصوف کی تفہیم و تلمیح پیش کی گئی ہے۔

گاہ بگاہ اسلامی احکام و عقائد پر عائد اعتراضات واشکالات کا مدلل و مفصل جواب بھی دیا گیا ہے اور فرق باطلہ کی تردید بھی کی گئی ہے۔

التفہیمات الالٰہیۃ کی دونوں جلدوں میں کل ۳۳۰ تفہیمات ہیں۔ان میں سے ہر تفہیم میں قرآن وحدیث، فقہ وکلام اور تصوف واحسان کے کسی نہ کسی مغلق وادق مسئلہ کی توضیح وتشریح کی گئی ہے اور حضرت امام شاہ ولی اللہ کا قلم گوہر بار اور معارف آگاہ، حکمت ومعرفت کے موتی بکھیرتا ہوا نظر آتا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ تفہیمات، فلسفۂ الٰہیات اور مصطلحات تصوف کی عقدہ کشائی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

التفہیمات الالٰہیۃ کی دونوں جلدیں پہلی مرتبہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں علامہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی نگرانی میں المجلس العلمی ڈابھیل، سورت، گجرات سے شائع ہوئی تھیں۔ جب یہ اساتذۂ کرام تلامذہ شیخ اور مشائخ حدیث دارالعلوم دیوبند میں بعض امور پر اختلاف پیدا ہوجانے کی وجہ سے ڈابھیل چلے گئے تھے اور اس وقت جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل نے دارالعلوم ثانی کا درجہ حاصل کرلیا تھا۔آج بھی اس جامعہ کا شمار گجرات کے اہم مدارس میں ہوتا ہے جس کے موجودہ مہتمم مولانا احمد بزرگ صاحب ہیں جن کے دادا حضرت مولانا احمد بزرگ صاحبؒ تھے جو حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد تھے ان ہی کی دعوت پر شاہ صاحب ڈابھیل گئے تھے۔مولانا موسیٰ افریقی صاحب بھی اس کے محرک تھے جو شاہ صاحب کے خادمِ خاص تھے۔حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب موجودہ مہتمم جن سے میری ملاقات مولانا معزالدین قاسمی صاحب کے دسترخوان پر ہوئی تھی،ان کے ہمراہ مولانا مفتی ابوبکر پٹنی صاحب بھی تھے۔علامہ انور شاہ کشمیری اوران کے رفقائے کار نے التفہیمات الالٰہیۃ کے دستیاب مختلف مخطوطات (قلمی نسخوں) کے موازنے و تقابل کے بعد صحیح ترین نسخہ تیار کیا تھا اور صحت متن کے ساتھ دو جلدوں میں شائع کیا تھا۔

اس المجلس العلمی ڈابھیل سے سب سے پہلے الخیر الکثیر شائع ہوئی تھی،جب کہ مقدمہ میں فاضل ناشر کی طرف سے البدور البازغہ اور تفہیمات الٰہیہ کو شائع کرنے کا عزم وارادہ ظاہر کیا گیا تھا۔

چنانچہ مولانا سید محمد احمد رضا بجنوری سکریٹری المجلس العلمی ڈابھیل لکھتے ہیں:

قد كنا وعدنا في اواخر مقدمة "الخير الكثير" ان نطبع المولفات الاخر المهمة لشيخ الاسلام الشاه ولي الله المحدث دهلوى قدس سره وقدذكر نا بخصوص في هذاالذيل اسماء الكتابين الجليلين له "البدور البازغه" و"التفهيمات الالهية" وهما من اعظم تاليفاته النادرة واجلها قدراً واكمل تصنيفاته الباهرة واتمهانفعاً.

"ہم نے "الخیر الکثیر" کے مقدمہ میں وعدہ کیا تھا کہ ہم شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کی دوسری مہتم بالشان تالیفات بھی شائع کریں گے۔ اس سلسلہ میں ہم نے شاہ صاحب کی دو اہم ترین کتابوں البدور البازغة اور التفهيمات الالهية کا ذکر کیا تھا، کہ یہ دونوں کتابیں آپ کی عظیم و نادر ترین کتابیں ہیں۔ قدر و منزلت کے لحاظ سے بہت بلند مرتبہ اور کامل ترین نیز نفع کے اعتبار سے مکمل ترین ہیں۔"

اس کے بعد مولانا محمد احمد رضا بجنوری التفهيمات الالهية کے دستیاب مخطوطات (قلمی نسخوں) کے موازنے و تقابل کے بعد صحیح ترین و مستند ترین نسخہ مرتب و مدون کرنے سے متعلق کلمۃ الناشر میں لکھتے ہیں:

توجهنا الى" التفهيمات الالهية" وقاسينا في جمع عدة نسخ منها ، والنسخ التي اعتمدنا عليها في هذه المطبوعه، النسخة الخطية في مكتبة مظاهر العلوم "السهارنفورية، ترتيب نسختنا في الاكثر على ترتيبها بحسب التقديم والتاخير في التفهيمات. ثم النسخة الخطية لصديقنا المحترم مولانا نورالحق الاستاذ في كلية الالسنة المشرقية بلدة لاهور (الهند)وهي نسخة حسنة الخط

"پھر ہم نے التفهيمات الالهية پر کام شروع کیا اور اس کے نسخے جمع کرنے لگے۔ اس سلسلہ میں ہم نے سب سے زیادہ اس قلمی نسخہ پر اعتماد کیا ہے جو مظاہر العلوم سہارنپور کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ یہ نسخہ ہمارے نزدیک نسق و ترتیب کے لحاظ سے سب سے بہتر ہے۔ اس لئے ہم نے اپنے نسخہ کی ترتیب یعنی تفہیمات کی تقدیم و تاخیر میں اسی کی ترتیب کو بنیاد بنایا ہے۔ اس کے بعد ہم نے صدیق محترم مولانا نورالحق استاذ كلية السنة المشرقية لاہور کے قلمی نسخہ کو بھی پیش نظر رکھا۔

جيدة الضبط، استفدنا منها كثيراً في تصحيح نسختنا ولكنها ناقصة، ليس فيها شطر من الكتاب ثم النسخة الخطية في مكتبة "الجامعه الانكليزية الاسلاميه" ببلدة على گره (الهند) وهي نسخة كاملة جيدة النسخ والضبط ايضًا والنسخة الخطية الاخرىٰ ايضاً في تلك المكتبة ، وهذه النسخة وان كانت ناقصة، لها اهمية خاصة من حيث انها اقدم النسخ التي وجدنا هاالان واصحها عندنا، وان عليها تحريراً (في صورة حاشية مختصرة) بيد الشيخ محمد عمر بن حضرة الشيخ مولانا محمد اسمعيل الشهيد الدهلوی قد سره وقدقابلنا نسختنا بهاتين النسختين كليهما ايضا من الاول الى الاخر" (صفحه ۲ كلمة الناشر)

یہ نسخہ خوشخط ہے۔ ہم نے اپنے نسخہ کی تصحیح میں اس سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے لیکن یہ نسخہ ناقص ہے کہ اس میں کتاب کا ایک حصہ موجود ہی نہیں ہے۔ پھر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی لائبریری والے قلمی نسخہ کو سامنے رکھا، یہ نسخہ نسخ و ضبط میں سب سے بہتر اور کامل ہے۔ ہمارے سامنے لائبریری کا دوسرا قلمی نسخہ بھی رہا ہے جو اگرچہ ناقص ہے پھر بھی اس کی اس حیثیت سے بڑی اہمیت ہے کہ اب تک ہمیں جو نسخے دستیاب ہوئے ہیں، ہمارے نزدیک ان میں یہ سب سے قدیم اور سب سے زیادہ صحیح نسخہ ہے۔ اس کے حاشیہ پر شیخ محمد عمر بن حضرت الشیخ محمد عمر بن حضرت الشیخ مولانا محمد اسمٰعیل شہید دہلوی قدس سرہ کے ہاتھ کی تحریر ہے۔ ہم نے ان دونوں نسخوں کو شروع سے آخر تک اپنے لئے بنیاد بنایا ہے۔"

ان مخطوطات کے علاوہ التفہیمات الالٰہیۃ کا ایک قلمی نسخہ رضا لائبریری رامپور میں بھی موجود ہے جس کے بارے میں ڈاکٹر ابوسعد اصلاحی لائبریرین رضا لائبریری رام پور لکھتے ہیں:

"مخطوطہ نمبر ۳۱۶۸ التفہیمات الالٰھیہ، فن سلوک
ورق ۱۵۷، بسطر ۲۶، سائز ۲۰+۳۲، خط نستعلیق، زمانہ بارھویں صدی ہجری
مصنف کے عہد کی نہایت اہم کاپی ہے، یہ کتاب شاہ صاحب کے واردات قلبی و وجدانی مضامین پر مشتمل ہے۔"

امام شاہ ولی اللہ اور ان کے افکار و نظریات
ص ۱۹۶ مطبوعہ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ مرتبہ مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی۔

اس کے علاوہ اس کے قلمی نسخے کہاں کہاں ہیں۔ اس کی تحقیق کی ضرورت ہے۔ اس کا ایک نسخہ غالبًا ماسکو میں بھی موجود ہے۔ میرے لیے سردست التفهيمات الالٰهية کے دستیاب مخطوطات کا موازنہ وتقابل کرنا مشکل ہے۔ البتہ جب میں اس مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ کی تحقیق وتدوین اور اشاعت سے فارغ ہو جاؤں گا تو پھر حضرت شاہ ولی اللہ کی عربی وفارسی کتابوں کو ان کے مخطوطات عربی وفارسی سے موازنہ وتقابل کے بعد صحیح ترین نسخے تیار کر کے شائع کروں گا۔ انشاء اللہ کیونکہ حضرت شاہ صاحب کی مطبوعہ کتابوں کو کمال صحت اور تحقیق متون کے ساتھ از سر نو شائع کرنا شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کے علمی منصوبوں میں شامل ہے۔

التفهيمات الالٰهية مطبوعہ المجلس العلمی ڈابھیل کا نسخہ میرے پیش نظر ہے، جو دو جلدوں میں ہے اور اسی مطبوعہ نسخہ ڈابھیل کا اردو ترجمہ کیا گیا ہے، جس کے شروع میں خطبۂ افتتاحیہ ہے، جس میں حضرت شاہ ولی اللہ نے خصوصیت کے ساتھ شیخ نور اللہ پھلتی ثم بڑھانوی کا ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے حضرت شاہ صاحب سے علوم تصوف کے اکتساب کے لیے پر صعوبت سفر کیا تھا اور حضرت شاہ صاحب سے استفادہ کیا تھا: جو آپ کے اجل تلامذہ میں تھے، جن کے نام حضرت شاہ صاحب کے ۲۹ مکتوبات ہیں۔ ان میں زیادہ تر مکتوبات مسائل تصوف پر ہیں۔

التفهيمات کے خطبۂ افتتاحیہ کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے شیخ نور اللہ بڑھانوی کا انتخاب، اشارہ غیبی کی بنیاد پر کیا تھا اور اس میں ان کے والد کا روحانی تصرف بھی شامل رہا ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے التفهيمات الالٰهية میں شیخ نور اللہ پھلتی کا ذکر بڑے واضح الفاظ میں کیا ہے۔

اور ''اخينا الفاضل اللبيب الكامل الحبيب الشيخ نور الله بن معين الدين البهلتي'' لکھا ہے، اس کے بعد ایک مکاشفہ کا بھی ذکر کیا ہے'' چنانچہ لکھتے ہیں۔

ثم بعد ذالك انا جالس عند قبر سيدى الوالد صاحب الكرامات الجزيلة والمقامات الجليلة المنوه به فى اعلى السطور ضاعف الله له الاجور اذ لوحت روحه الكريمة تلويحاً روحانيا تا مرنى ان القن صاحبى المذكور ملاحظة التهليل

''اس کے بعد جب ایک روز میں اپنے والد صاحب کی قبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا، جو بڑے صاحب کرامات اور قدر و منزلت کے حامل تھے۔ (اللہ تعالیٰ ان کے مرتبے و درجات مزید بلند فرمائے) ان کی روح نے اشارہ کیا کہ میں اخی مذکور کو نقشبندی بزرگوں کے نزدیک معتبر و مستند

على النمط المعتبر عند السادة النقشبندية سقاهم ربهم من السلسبيل ففاتحته بها من غير ان يسبق منه الطلب والسوال حيث كنت على بصيرة من تلويحات اكابر الرجال فكان ذلک ببركة نفسه.

قرار دی جانے والی تسبیحات و وظائف کی تلقین کروں۔ چنانچہ میں نے اس کی طلب کے بغیر اس کو ان امور کی تلقین کا سلسلہ شروع کر دیا جو مجھے میرے بزرگوں کی ہدایات و رہنمائی کے طور پر معلوم ہیں۔ اور یہ میرے والد قدس اللہ سرہ کی برکت کا نتیجہ تھا کہ اس میدان میں اس کو سہولتیں ملتی چلی گئیں۔"

حضرت شاہ صاحب جہاں متبحر عالم دین اور بلند پایہ صوفی کامل ہیں۔ وہاں عربی و فارسی کے صاحب اسلوب ادیب و شاعر بھی ہیں۔ آپ ان دونوں زبانوں پر یکساں طور پر عبور و کمال رکھتے ہیں۔ آپ نے شیخ نوراللہ پھلتی کے بارے میں دو شعر بھی کہے ہیں:

لقد بلوتک فی سلم و فی عتب
فما وجدتک الاخالص اللهب

میں نے تمہیں عیش و آرام اور سختی و پریشانی ہر میدان میں آزمایا اور پرکھا تو میں نے تمہیں خالص سونے جیسا ہی پایا:

ولم تسم بنورالله الا لانه
عما قليل تكون النورفارتقب

اور تمہارا نام صرف اس لیے نوراللہ نہیں رکھا گیا کہ نور تھوڑا رہے بلکہ اس کو بڑھاتے رہو۔

حضرت شاہ صاحب نے التفهيمات الالهية کے خطبۂ افتتاحیہ میں جس طرح شیخ نوراللہ پھلتی کا ذکر کیا ہے، اس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ کتاب دراصل حضرت شیخ نوراللہ پھلتی کی روحانی تعلیم و تربیت کے لیے لکھی گئی ہے۔ اور اس کا سبب تصنیف شیخ نوراللہ کی ذات ستودہ صفات ہی ہے۔ جس کے لیے غیبی اشارات کئے گئے ہیں۔ جو آپ کے اوپر حضرت والد صاحب کی قبر پر معتکف ہونے کے دوران منکشف ہوئے تھے۔

حضرت شاہ صاحب نے تفہیم اول میں تین عظیم امور کی تفصیل بیان کی ہے، جن کی طرف رسولوں اور نبیوں نے دعوت دی ہے اور یہی کار نبوت اور بار نبوت ہیں جو انبیا و رسل کے خاتم اور آخری رسول حضرت ذی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اصلاح کے لیے علما مصلحین

کے سپرد ہوئے ہیں۔ اور اب بھی رجال کار اور اصحاب دعوت، مسئول و ذمہ دار ہیں۔

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:

اما بعد فیقول خادم العلماء والصوفیه والمتمسک باذیالهم العلمیة ولی الله بن عبدالرحیم عاملهما الله بفضله العظیم ان من اجل نعم الله تعالیٰ التی لا یستطیع العباد شکرها ان بعث الانبیاء مترجمین عن الغیب لیهلک من هلک عن بینة ویحی من حی عن بینة ثم جعل لهم ورثة یقومون بعلمهم بین الناس و یحیون سننهم و یدعون الی رشدهم هادین الی طرق التقرب الی الله تعالیٰ ومعظم مادعت الی اقامة الرسل امور ثلاثة تصحیح العقائد فی المبدا والمعاد والمجازاة وغیرها وقد تکفل بهٰذا الفن اهل الاصول من علماء الامة شکر الله تعالیٰ مساعیهم و (۲) تصحیح العمل فی الطاعات المقربة والا رتفاقات الضروریة علی وفق السنة وتکفل بهٰذا الفن فقها الامة فهدی الله بهم کثیر ین واقام بهم فرقة عوجا و (۳) تصحیح الاخلاص والاحسان اللذین هما اصلاً للدین الحنیفی الذی ارتضاه الله لعباده (صفحه ۱۱ التفهیمات)

علما و صوفیا کا خادم اور ان کی اعلیٰ روایات کا حامل ولی اللہ بن عبد الرحیم عاملهما الله بفضله العظیم . کہتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں میں سے جن کا بندے شکر ادا نہیں کر سکتے، یہ بھی ہے کہ اس نے ان انبیا کو مبعوث فرمایا جو غیب کی ترجمانی کی رہنمائی کرنے والے ہیں، تاکہ واضح دلائل کے سامنے آ جانے کے کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب کی راہوں بعد جس کو ہلاک ہونا ہے، اس کو ہلاک کردے اور جس کو حیات نو حاصل کرنی ہو، اس کو حیات نو عطا کردے۔ پھر ان کے ایسے وارث بنائے جو لوگوں کے درمیان ان کے علوم و روایات کے علم بلند کرتے ہیں، اور ان کی سنتوں کو زندہ کرتے ہیں، اور ان کو رشد و ہدایت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اور رسولوں کی تعلیمات و روایات کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ان میں تین امور عظیم ہیں (۱) مبدا و معاد اور مجازاۃ وغیرہ کے سلسلہ میں عقائد کی تصحیح۔ اس فن کی ذمہ داری علماء میں سے اہل اصول نے سنبھالی۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں و مساعی کو کامیاب فرمائے (۲) سنت کے مطابق مقبول طاعات اور ضروری فوائد والے عمل کی تصحیح، اس فن کی ذمہ داری فقہائے امت نے سنبھالی۔ چنانچہ

اللہ نے ان کے ذریعہ بیشمار لوگوں کو ہدایت عطا فرمائی۔ اور ان کے ذریعہ راہ راست پر چلنے والے فرقہ کو قائم فرمایا۔ (۳) اور اخلاص و احسان کی تصحیح جو کہ اس دین حنیف کے اصول و بنیاد ہیں جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے۔

التفهيمات الالهية کے مندرجات میں خلافت ظاہرہ و باطنہ، عارف کا حال، کامل کے اوصاف، لاہوت و جبروت کی حقیقت، وجدان، انواع مکاسب، احکام ظاہرہ میں انبیاء ورسولوں کے درمیان فرق، ذات باری میں غور وفکر اور عجیب خطاب، حضور پر درود بھیجنے کے فائدہ کے انکار کا جواب، شیخ عبدالقادر جیلانی کے قول "حنفیہ مرجیہ ہیں" کے معنی، خوابوں کی تعبیر، باری تعالیٰ کا فیض، ایمان اور اس کی صفات کا بیان، شرح صدر کی حقیقت، رحمٰن کی تجلی، ابداع کی حقیقت، اوقات کی تاثیر، ذات الٰہی کا عکس، پردوں کا اصول، علم طلسمات، مقدس دائرہ، علم اور معلوم کا اتحاد، توجیہ حنفی، نبوت اور فطرت، اقطاب مرشدین کا ذکر، فرد اور قطب، معارف جلیلہ کا ذکر وثبوت اور وجود کے درمیان فرق، ازل کا معنی، پوشیدہ معارف، مخلوقات میں کواکب کی تاثیر، حلول سرمدی، توکل کا مقام، عقائد حق، کلی اور جزئی، ملاءاعلی کی حقیقت، حظیرۃ القدس، تجلی کی اصناف، ختم نبوت، اس کا راز، حکمت وعصمت اور سیادت کا راز، فنا النفس، حدوث عالم، محدث اور مقرب، صحابہ کی قسمیں اور علم تکوین کے اہم مباحث ومسائل زیر بحث آئے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت ہی اہم مباحث شامل ہیں۔ جن کا ذکر یہاں طوالت کے خوف سے چھوڑ دیا گیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے التفهيمات الالهية میں قرآن وحدیث کی آیات، صحابہ، صحابیات کے اقوال وآثار، فقہائے امت اور صوفیا ومشائخ طریقت کے فرمودات وآراء سے استشہاد واستدلال کئے ہیں، جن لوگوں کے کتاب مین حوالے منقول ہیں، ان میں حضرت جنید بغدادی، حضرت سفیان ثوری، حضرت عبدالقادر جیلانی، حضرت شیخ ابن عربی، شیخ امیر سید کلال، امام معروف کرخی، شیخ شہاب الدین نقشبندی، شیخ بہاء الدین زکریا، شیخ عفیف الدین تلمسانی، شیخ امام غزالی، شیخ صدر العالم، عبدالوہاب شعرانی، جاراللہ زمخشری، جنائی

معتزولی، جلال الدین سیوطی، ابو ہاشم، شیخ قطب الدین بختیار کاکی، شیخ رفیع الدین، خواجہ باقی باللہ، حضرت مجدد الف ثانی، شیخ نور اللہ بڑہانوی ثم پھلتی اور شیخ محمد عاشق پھلتی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے ان مباحث کو بڑے وجدانی، والہامی اسلوب میں لکھا ہے، اور ان کا فلسفیانہ ومنطقیانہ تجزیہ پیش کیا ہے۔ اور ان مسائل کا اتنی گہرائی سے جائزہ لیا ہے کہ ان کی گہرائی تک عام قارئین کے لئے پہنچنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

میں نے حضرت شاہ صاحب کی زیر تذکرہ کتاب کے علاوہ دوسری کتابوں کو بار بار پڑھا ہے۔ تاہم میں یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میں نے ان کی کتابوں کو کما حقہ سمجھ لیا ہے اور ان کے بیان کردہ مطلب ومقصد کو پورے طور پر اخذ کرلیا ہے۔ حالانکہ حضرت شاہ صاحب کا اسلوب بیان عام فہم اور بامحاورہ ہوتا ہے۔ البتہ بعض فلسفیانہ اور منطقیانہ مباحث میں اپنی وضع کردہ اصطلاحات ضرور استعمال کرتے ہیں کہ جن کو سمجھنے کے لیے ان کی دوسری کتابوں کا مطالعہ ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ ان کی وضع کردہ اصطلاحات کو سمجھنا خاصا مشکل ہے۔ چونکہ حضرت شاہ کا معمول ہے کہ وہ اپنی کسی نہ کسی کتاب میں اپنی وضع کردہ اصطلاحات کی تشریح وتوضیح ضرور کرتے ہیں اور دوسری جگہ ان اصطلاحات کو استعمال کرتے ہیں جن کو سمجھنے کے لیے صرف ان کا ترجمہ کافی نہ ہوگا اور جن مترجمین نے ان کی تشریح وتوضیح کو نظر انداز کرتے ہوئے ترجمہ کرنے کی جسارت کی ہے، انہوں نے دھوکہ کھایا ہے۔

تفہیمات کے آخر میں وصیت نامہ اور مختلف طبقات کے نام خطابات ہیں جو بڑے ہی موثر اور عبرت انگیز ہیں؟ حضرت شاہ صاحب صاحب نسبت بزرگ اور تصوف کے قائل تھے، لیکن آپ نے متصوفین اور اپنے عہد کے نام نہاد مشائخ سے دور رہنے کا مشورہ بھی دیا ہے اور ان سے بیعت نہ کرنے کی وصیت کی ہے۔

آنست کہ دست در دست مشائخ این زمان هرگز نباید داد و بیعت باایشاں نباید کرد و بغلو عام مغرور نباید بود و نہ بکرامات زیرا کہ اکثر غلو عام بسبب رسم است و امور رسمیہ را حقیقت اعتباری نیست وکرامات فروشان ایں زمانہ

"یہ ہے کہ اس زمانہ کے مشائخ کے ہاتھوں میں ہاتھ ہرگز نہ دیا جائے، اور ان کی بیعت نہیں کرنی چاہیے اور نہ غلو عام سے اور نہ ہی کرامات سے دھوکا کھائیں، اس لیے کہ اکثر غلو عام رسم کی وجہ سے ہے۔ اور امور رسمیہ کا

ہمہ الا ماشاء اللہ طلسمات و نیرنجات را کرامات دانستہ اند۔ (صفحہ ۲۴۰ التفہیمات)

حقیقت میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور اس زمانہ کے تمام کرامات فروش الا ماشاء اللہ طلسمات و فریب کو کرامات سمجھتے ہیں۔"

حضرت شاہ صاحب کی دوسری کتابوں میں بھی متصوفین و نام نہاد مشائخ کی مخالفت اور تصوف میں در آئی بے اعتدالیوں اور غیر اسلامی طریقوں پر تنقید ملتی ہے۔ جس کے ثبوت میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، لیکن یہاں اس کی گنجائش نہیں ہے، البتہ حضرت شاہ صاحب کی ہمہ جہت شخصیت کے متعلق ایک بات واضح طور پر محسوس کرتا ہوں کہ حضرت شاہ صاحب اپنے افکار و نظریات میں بالکل منفرد ہیں، اور انہیں کسی مخصوص حلقہ اور مخصوص موضوع و میدان میں محصور و مقید کرنا نہ صرف غیر مناسب بات ہے بلکہ شاہ عدم شناسی بھی ہے۔

میں حضرت شاہ صاحب کی کتابوں کو پڑھنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حضرت شاہ صاحب ایک مخصوص سوچ و فکر کے آدمی ہیں، ان کو اسی رنگ و آہنگ اور ذوق و مذاق میں دیکھنے پرکھنے کی کوشش کرنی چاہیے، اور ان کی شخصیت کو کسی مخصوص مسلکی گروہ میں رکھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ اور عجلت و جلدی بازی میں ان کی کسی کتاب یا کسی عبارت کے بارے میں یہ بدگمانی بھی نہیں کرنی چاہیے کہ یہ کتاب یا عبارت الحاقی ہے۔

میں **التفہیمات الالھیة** مطبوعہ المجلس العلمی ڈابھیل کے حال ہی میں کئے گئے اردو ترجمہ کے مطالعہ اور ترتیب و تقدیم میں مصروف تھا کہ ایک صاحب کی ایک تحریر نظر سے گزری کہ **التفہیمات الالھیة** مطبوعہ المجلس العلمی ڈابھیل میں ایک عبارت کے ذیل میں ایک لفظ الحاقی ہے اور کسی مخطوطہ کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ مخطوطات کی ایڈیٹنگ میں اس طرح کے امکانات ہوئے ہیں۔ اور ہو سکتے ہیں، مجھے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

میں **التفہیمات الالھیة** کے اردو ترجمہ (جو برصغیر ہند و پاک میں پہلی مرتبہ ہوا ہے) کی پروف ریڈنگ اور تنقیح میں اتنا مصروف تھا کہ مطبوعہ **التفہیمات الالھیة** ڈابھیل کا موازنہ و تقابل مخطوطات **التفہیمات الالھیة** سے نہ کر سکا۔ اس لیے سر دست میرے لیے کسی تحریر کی تردید یا تائید مناسب نہیں ہے۔ البتہ **التفہیمات الالھیة** مطبوعہ المجلس العلمی ڈابھیل حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا سید محمد احمد رضا صاحب کے اہتمام و نگرانی میں دستیاب مختلف مخطوطات کو سامنے رکھ کر **التفہیمات الالھیة** کا

یہ مستند نسخہ تیار کیا گیا تھا، جن کی دیانتداری وامانت اور تقویٰ وطہارت پر پورا پورا اعتماد وبھروسہ ہے۔ ان کی طرف سے کسی قسم کی علمی خیانت کا شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ والعلم عند اللہ۔

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ نے سر دست شیخ الاسلام حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے دستیاب تمام رسائل وکتب کو مجموعۂ رسائل شاہ ولی اللہ کے نام سے شائع کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ جس کے تحت اب تک ٦ شائع ہو چکے ہیں۔

ان مجموعہ رسائل کی اشاعت وطباعت کے بعد شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تمام عربی و فارسی کتابوں کو ان کے دستیاب مخطوطات (قلمی نسخوں) کے موازنے وتقابل کے بعد صحیح ترین اور مستند ترین نسخے تیار کرنے اور شائع کرنے کا جامع منصوبہ ہے۔ جس کے لیے ابھی سے عربی وفارسی کتابوں کے مخطوطات جمع کئے جا رہے ہیں اور ایک حد تک ان پر کام بھی شروع ہو گیا ہے۔ اہل علم سے اس سلسلہ میں علمی تعاون کی درخواست ہے۔ جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ نے اپنے طویل المیعاد جامع منصوبہ کے تحت امام شاہ ولی اللہ کی تمام عربی وفارسی کتابوں اور رسالوں کے دستیاب اردو تراجم کو تحقیق و تنقیح اور تقدیم وحواشی کے ساتھ شائع کرنے کا جامع منصوبہ بنایا ہے۔ جس کے تحت مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ کی ساتویں جلد آپ کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے اور اس کی آٹھویں جلد بھی جلد پہنچنے والی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی بیشتر عربی وفارسی کتابوں کے اردو تراجم ہو چکے ہیں۔ البتہ ان کی بعض اہم عربی وفارسی کتابوں کے ابھی اردو تراجم نہیں ہو سکے ہیں، ان میں ایک اہم ومعرکۃ الآرا کتاب التفہیمات الالٰہیۃ بھی ہے یہ کتاب جیسا کہ شروع ہی میں بیان کیا گیا پہلی مرتبہ ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء میں المجلس العلمی ڈابھیل گجرات سے شائع ہوئی تھی اور مدینہ برقی پریس بجنور یوپی میں چھپی تھی، اس کے بعد پروفیسر غلام مصطفیٰ قاسمی نے سندھ پاکستان سے شائع کی تھی۔ میرے سامنے المجلس العلمی ڈابھیل گجرات کا قدیم ترین مطبوعہ نسخہ ہے۔ پروفیسر غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب کا ترتیب دیا ہوا نسخہ مجھے دستیاب نہیں ہوا ہے۔

حیرت ہے کہ عرصہ دراز بیت جانے کے باوجود کسی صاحب علم وفضل نے التفہیمات الالٰہیۃ کا اردو ترجمہ کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ اس کے اسباب کچھ بھی ہو سکتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا اردو ترجمہ علامہ انور شاہ کشمیری سابق شیخ الحدیث

دارالعلوم دیوبند، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا سید محمد احمد رضا بجنوری صاحب مقیم ڈابھیل کے دور مسعود میں ہو جاتا تو زیادہ معیاری و مستند ہوتا، لیکن ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ التفہیمات الالٰہیہ اور البدور البازغہ یہ دونوں کتابیں المجلس العلمی ڈابھیل سے شائع ہوئی تھیں، اور حضرت انور شاہ صاحب کشمیری کی نگرانی میں ہوئی تھیں۔ یہاں ایک وضاحت طلب بات یہ ہے کہ التفہیمات اور البدور کے متون ان کے متعدد مخطوطات کو پیش نظر رکھ کر مرتب و مدون کیا گیا ہے اور ان میں کوئی حذف و اضافہ نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ ان مضامین و تفہیمات کے ذیلی عنوانات ناشر فاضل اور مرتب علام کی جانب سے لگائے گئے ہیں اور یہ عنوانات اصل مخطوطات تفہیمات، بدور میں موجود نہیں ہیں۔ شروع میں خود میرا ارادہ ہوا تھا کہ ان اضافی عنوانات کو حذف کر دوں اور مصنف کے ہی اصل متون ہی پر اکتفا کروں لیکن میں نے محسوس کیا کہ یہ اضافی عنوانات متون کے مطالب و مفاہیم کی تفہیم اور تعبیر میں بڑے معاون و مددگار ہیں۔ اس کے پیش نظر ان اضافی عنوانوں کو باقی رکھا۔

قارئین سے التماس ہے کہ ابواب و فصول کے ان ذیلی عنوانات کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے قائم کردہ عنوانات تصور نہ کریں اور ناشر اوّل کی جانب سے متعین کردہ عنوانات ہی خیال فرمائیں۔

آمدم بر سر مطلب! مولانا ڈاکٹر خلیل الرحمٰن راز جو اردو و عربی زبان کے ادیب و شاعر ہیں اور ایک طویل عرصہ تک دوحہ قطر میں رہے ہیں۔ ایک دن غریب خانہ پر تشریف لائے اور مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ کی مطبوعہ جلدیں طلب فرمائیں۔ میں نے ان کی خدمت میں یہ تمام جلدیں پیش کر دیں تو بہت خوش ہوئے اور شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کی علمی کاوشوں کو سراہا۔ جو شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کے لئے یقیناً اعزاز و افتخار کی بات ہے۔

اس کے بعد ایک دن مجھے اپنے در دولت پر طلب فرمایا اور میرے سامنے التفہیمات الالٰہیہ کی دونوں جلدوں کا اردو ترجمہ رکھ دیا اور فرمایا کہ انہیں آپ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ سے شائع کر دیں۔ مولانا ڈاکٹر عقیدت اللہ قاسمی صاحب نے ان کا اردو ترجمہ کیا اور میں نے ان پر نظر ثانی کی ہے۔ میں نے کہا کہ جب مولانا عقیدت اللہ قاسمی صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے اور آپ نے نظر ثانی کی ہے تو مجھے اس پر اطمینان ہے کہ اردو ترجمہ اچھا ہی ہوگا۔ مولانا

خلیل الرحمٰن راز صاحب نے یہ کہتے ہوئے ترجمہ میرے حوالہ کر دیا کہ پھر بھی دیکھ لیں۔

میں آپ کی ہدایت کے مطابق یہ اردو ترجمہ گھر لے آیا۔ ترجمہ کچھ دنوں تک یوں ہی رکھا رہا۔ میں عدیم الفرصتی کی وجہ سے اس کو دیکھ نہ سکا۔ کچھ دن بعد ترجمہ کو دیکھا تو **التفهيمات الالهية** کا اردو ترجمہ پسند آیا۔ بڑا سلیس و شگفتہ اور بامحاورہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ بڑی حد تک اس کی روح تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے۔

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کے ذمہ داروں سے برصغیر ہند و پاک کے اصحاب علم و دانش کی جانب سے برابر مطالبہ کیا جاتا رہا ہے کہ اس نادر و نایاب کتاب کا ترجمہ اردو زبان میں ہونا چاہیے تاکہ عوام و خواص اس کتاب کے اسرار و رموز اور مقاصد شریعت سے واقف ہو سکیں۔

مجھے خوشی ہے کہ مولانا ڈاکٹر عقیدت اللہ قاسمی صاحب اور مولانا خلیل الرحمٰن راز صاحب نے غیر معمولی کد و کاوش کے بعد اس کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ میں تحدیث بالنعمۃ کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ التفہیمات الالٰہیہ کا یہ اردو ترجمہ بلند پایہ و معیاری ہے اور یہ اس نئی صدی کا تحفۂ بیش قیمت ہے جو اہل علم و دانش کے ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے۔

اس مجموعہ میں شامل دوسری کتاب البدور البازغہ ہے، جو حضرت شاہ صاحب کی اہم کتابوں میں شامل ہے۔ جس کے متعلق خود حضرت شاہ صاحب البدور البازغہ کے خطبۂ افتتاحیہ میں لکھتے ہیں:

> ”امابعد! بندۂ عاجز ولی اللہ بن عبدالرحیم (اللہ تعالیٰ دونوں باپ بیٹے کو اپنے لطف و کرم سے نوازے) عرض کرتا ہے کہ زیرِ تالیف کتاب ان تفہیمات الٰہیہ پر مشتمل ہے جو خدائے مہربان کے فیضانِ عنایت سے پہلے میرے دل پر القا ہوئیں، پھر وہاں سے زبان اور پھر سر انگشت (پوروں) پر (تحریر و قلم کی صورت میں) ظاہر ہوئیں اور عصرِ حاضر (کی استدلالی ذہنیت) کا تقاضا ہوا کہ ان کو برہان و دلیل کے ساتھ پیش کیا جائے۔ میں نے اس کا نام ”البدور البازغہ“ رکھا ہے جو ایک مقدمہ اور تین مقالوں پر مشتمل ہے۔“

حضرت شاہ صاحب نے البدور البازغہ میں اسلام اور اسلامی ملک کے نظریۂ اقتصادیات، معاشیات، سیاسیات، سماجیات اور اخلاقیات سے بحث کی ہے۔ حضرت شاہ صاحب اسلامی معاشرہ اور اجتماعی زندگی کا سرچشمہ انسان کی ذات کو مانتے ہیں اور ان کا ماننا

ہے کہ انسان کے فطری تقاضے اجتماعی زندگی ہی میں پورے ہو سکتے ہیں۔

جماعتیں کس طرح تشکیل میں آتی ہیں، اور اس کے فطری تقاضے کیا ہوتے ہیں، الگ الگ فصل میں تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب ماہر اقتصادیات اور ماہر عمرانیات بھی ہیں۔ اسی وجہ سے اس میں اقتصادی اور عمرانیاتی نقطۂ نظر سے بحث کی ہے۔ جو اقتصادیات اور عمرانیات کے اسکالروں کے لیے نہایت ہی مفید کتاب ہے۔

اس میں خطبۂ افتتاحیہ کے علاوہ تین مقالات ہیں، اور ایک مقدمہ ہے، مقدمہ کے اندر مندرجہ ذیل قابلِ ذکر مباحث ہیں، مبحثِ وجود، جواہر اور اعراض کا امتزاج، انسان کی صورتِ نوعیہ اور اس کے طبعی تقاضے۔

اس کے پہلے مقالہ میں ۲۳ فصول ہیں، ان فصول میں نسمہ کی حقیقت، حکمت کی تعریف، ارتفاقات چارگانہ کے حقائق پر مجمل بحث، ارتفاق اول، ارتفاق ثانی، ارتفاق ثالث، اور ارتفاق رابع کے مباحث بڑے اہم ہیں۔ (شاہ صاحب کے نزدیک ارتفاق تدبیر منزل کے معنی میں ہیں)۔ اور حضرت شاہ صاحب نے ارتفاق کو ایک اقتصادی فلسفہ کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

کھانے کے آداب، زینت وزیبائش، آداب لطافت، مکان ومسکن، سفر، نشست و برخاست اور چلنے پھرنے کے آداب، صنفی تعلقات کے آداب، مرض کے آداب، تدبیر منزل، مرد اور عورت کی جسمانی اور ذہنی قوتوں میں اختلاف اور اس کے فائدے، مدارج معیشت میں اختلاف فطری امر ہے، ازدواج کی ضروریات اور آداب ان فصول میں حقوق و آداب برائے آقا وغلام، فنِ معاملات، اصول کسب، اہم ذرائع معاش، اختلاف مکاسب کے وجوہ، مبادلات وتبرعات، عقد مزارعت، عقد مضاربت۔

امام المسلمین کے فرائض، امام کے اخلاق سبعہ، امامت کے آداب، امیر کی سیرت و کردار، تعلیم وتربیت کی قسمیں، معلم کے اوصاف حمیدہ۔

متولی ونقیب کے آداب وفرائض، امام کے معاون، معاونوں کی ضرورت اور بنیادی شرائط، امام کے سات معادن۔

وزیر اعظم، سپہ سالار اعظم، امیر البحر، قاضی القضاۃ، شیخ الاسلام، حکیم وطبیب، ناظر خانہ، معاونین پر کڑی نظر رکھنا، امام کے فرائض میں ہے وغیرہ اہم مباحث ہیں۔

مقالہ ثانی میں معرفت باری تعالیٰ کا بیان، حیوانوں پر انسانوں کی فوقیت کی دو وجہیں، خداشناسی بذریعہ عقل معاشی، اللہ تعالیٰ کے اسماوصفات کا اجمالی اثبات، اسمائے حسنیٰ کی تشریح، ایمان بالقدر کے ثبوت، شرک کی حقیقت، تحریف کی حقیقت۔

تیسرے مقالہ میں ملتوں اور شریعتوں کا بیان، ملت کی حقیقت اور اس کے ظہور میں آنے کے اسباب، ملت حنیفیہ کی حقیقت، علم تشریع اور اس کے قوانین، تدابیر اصلاح، خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ کے مقاصد اور دینِ اسلام کے اصول وغیرہ مباحث زیر بحث آئے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے البدور البازغہ میں گاہ بگاہ تصوف اور الٰہیات کے مسائل پر بھی گفتگو کی ہے۔ یہ کتاب بھی دراصل تفہیمات الٰہیہ کے جز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور ان دونوں کتابوں کے مسائل بڑی حد تک مشترک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کتابوں کے بارے میں عمومی طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ شاہ صاحب کے وارداتِ قلبی اور مشاہدات روحانی کی عکاس ہیں۔

ان دونوں کتابوں کو مطالعہ کرنے والے اصحابِ علم اس نقطۂ نظر کو واضح طور پر محسوس کریں گے یہی وجہ ہے کہ میں نے ان دونوں کتابوں کو ایک ساتھ ہی شائع کیا ہے۔ اس کتاب کے اردو مترجم ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمٰن صاحب ہیں، ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمٰن صاحب کے حالات زندگی اور ان کے علمی کارناموں کے بارے میں مجھے زیادہ علم نہیں ہے لیکن ان کی ترجمہ نگاری اور شاہ شناسی سے انداز ہوتا ہے کہ یہ عربی اور فارسی زبان کے ماہر اور فکرِ ولی اللٰہی سے تعلق رکھنے والے صاحبِ علم بزرگ ہیں۔ جنھوں نے بڑا سلیس اور عمدہ ترجمہ کیا ہے۔ جس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ جسٹس مولانا عبدالقدوس قاسمی صاحب نے اس پر نظر ثانی کی ہے۔ یہ بھی صاحب نظر دانشور اور عالم معلوم ہوتے ہیں، اللہ ان کی خدماتِ علمی کو قبول فرمائے۔ یہ کتاب ادارہ مطبوعات اردو بازار لاہور سے ۲۰۰۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ اور میرے پیش نظر نسخۂ لاہور ہی ہے۔ جسے حضرت مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی صاحب پاکستان سے لائے تھے، میں نے حضرت مولانا کاندھلوی صاحب سے کچھ دنوں کے لیے مستعار لی ہے۔ مولانا نورالحسن کاندھلوی صاحب میرے کرم فرما اور فکرِ ولی اللٰہی کے ماہر عالم دین ہیں۔ اور ان کے ذاتی کتب خانے میں حضرت شاہ صاحب کی تمام نایاب کتابیں موجود

ہیں۔ میں ان کا شکر گزار ہوں کہ آپ ازراہ کرم شاہ صاحب سے متعلق کتابیں عنایت فرماتے ہیں۔ میں نے اپنے مقدمے کے شروع میں لکھا ہے کہ المجلس العلمی ڈابھیل سے حضرت شاہ صاحب کی تفہیمات الٰہیہ اور الخیر الکثیر شائع ہوئی تھیں۔ اور اسی مجلس علمی نے البدور البازغہ کو بھی مولانا محمد انور شاہ کشمیری اور ان کے رفقا و تلامذہ کی نگرانی میں شائع کی تھی اور شاہ صاحب کے تلامذہ میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا بدر عالم میرٹھی، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، اور مولانا سید احمد رضا بجنوری وغیرہ تھے۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ ان حضرات نے شاہ صاحب کی ان کتابوں کی تحقیق و ترتیب اور اشاعت میں ضرور دلچسپی لی ہوگی۔ میں یہاں ایک وضاحت حسب سابق کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ التفہیمات الالٰہیۃ کی طرح البدور البازغہ میں بھی فاضل ناشر اول نے فہرست سازی اور عنوان سازی کی ہے، اور یہ فہرست مضامین اصل مخطوطہ میں موجود نہیں ہے۔ اس فہرست مضامین کو حضرت شاہ ولی اللہ کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔ اور ناشر اوّل ہی کی طرف منسوب کیا جائے لیکن چونکہ یہ اضافی عنوانات البدور البازغہ کے مفاہیم و مطالب کی افہام و تفہیم میں بے حد مفید ہیں، اس کے پیش نظر ان اضافی عنوانات کو برقرار رکھا گیا ہے۔ امید ہے کہ قارئین حضرات دورانِ مطالعہ اس فرق کو ملحوظ رکھیں گے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے دوست مولانا محمد افتخار حسین مدنی شیخ الحدیث مدرسہ عبد الرب کشمیری گیٹ کا شکریہ ادا نہ کروں جنھوں نے اس کتاب کی تصحیح اور پروف ریڈنگ میں خاص مدد کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں شرور و فتن سے محفوظ رکھے۔

عطاالرحمٰن قاسمی
چیرمین

التفہیمات الالٰہیہ

(جلد اول)

تصنیف:

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

مولانا عقیدت اللہ قاسمی

نظر ثانی:

ڈاکٹر خلیل الرحمٰن راز

تحقیق و تعلیق:

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی

فہرست (جلداوّل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ اور شیخ نور اللہ کو بیعت و درس و ارشاد کی اجازت

الحمد لله الذی امر العلماء ان یدعوا الناس الیه وحث الناس
ان یهتدوا بهدیهم ویعضوا بنواجذهم علیه، نحمده ونستعینه
ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا
من یهد الله فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له، واشهد ان
لا اله الا الله وحده لا شریک له واشهد ان سیدنا محمدا
عبده ورسوله صلی الله علیه وعلی آله واصحابه وسلم.

امابعد۔ بندۂ ضعیف احمد المدعو بولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم تغمدهما الله تعالیٰ بفضله العظیم وجعل مآلهما النعیم المقیم عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بے پناہ فضل و کرم فرمایا ہے اور اپنے احسان و عنایات کی خوب بارش فرمائی ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے ان لربکم فی ایام دهرکم نفحات الا فتعرضوا لها (تمہارا رب تمہارے اوپر شب و روز فضل و عنایات کی بارش کرتا رہتا ہے، تم ان کو حاصل کرو) اس نے ان نعمتوں اور فضل و عنایات سے ہمارے بھائی فاضل دانشور شیخ نور اللہ بن معین الدین البھلتی (نور اللہ ظاہرہ و باطنہ بنور مرضیاتہ) کو بھی وافر حصہ عطا کیا ہے کہ ان کے دل و دماغ کو علوم دین، حدیث، تفسیر، فقہ اور اصول وغیرہ کے حصول کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی رہنمائی فرمائی اور ان کو توفیق عطا فرمائی۔ ان کے دل میں ان علوم کی طلب کا داعیہ پیدا فرمایا اور ان کے دل میں اس کی رغبت پیدا فرمائی۔ چنانچہ وہ

اپنے وطن سے چل کر میرے پاس پہنچے اور ان علوم کے حصول میں مشغول ہو گئے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے سفر اور غریب الوطنی کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ محنت و مشقت اور جدوجہد بھی کی۔ پھر بحمد اللہ مختصر اور مفصل جو کچھ مقدر میں تھا۔ خوب حاصل کیا۔ درس کے فروع واصول پر قدرت وغلبہ ومہارت حاصل کی۔ اس کے بعد جب ایک روز میں اپنے والد صاحب کی قبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا، جو بڑے صاحب کرامات اور قدر ومنزلت کے حامل تھے۔ (اللہ تعالیٰ ان کے مرتبے و درجات مزید بلند فرمائے) ان کی روح نے اشارہ کیا کہ میں اخی مذکور کو نقشبندی بزرگوں کے نزدیک معتبر و مستند قرار دی جانے والی تسبیحات و وظائف کی تلقین کروں۔ چنانچہ میں نے اس کی طلب کے بغیر اس کو ان امور کی تلقین کا سلسلہ شروع کر دیا جو مجھے میرے بزرگوں کی ہدایات و رہنمائی کے طور پر معلوم ہیں۔ اور یہ میرے والد قدس اللہ سرہ کی برکت کا نتیجہ تھا کہ اس میدان میں اس کو سہولتیں ملتی چلی گئیں۔ اس کے دل و دماغ کے قفل کھلتے چلے گئے اور اس راہ کی دشواریاں آسان ہوتی چلی گئیں۔ اللہ کی طرف سے اس کی مدد ہوتی گئی، اور وہ یکے بعد دیگرے اس میدان کی منزلیں طے کرتا چلا گیا، جن منازل کو اللہ کے نیک بندے طے کرتے رہے ہیں، وہ مئے توحید سے سرشار ہوتا گیا۔ ذاتی اغراض و مفادات کی خواہش اور خود غرضی کی تکمیل کے تصور سے آزاد ہو گیا۔ غرور و گھمنڈ کی غلاظت سے پاک ہو گیا۔ توحید کے میدانوں میں مقام بلند حاصل کر لیا۔ یہاں تک کہ خالص شہود کے مرتبہ پر پہنچ گیا۔ پھر صاف شفاف میدان کی طرف لوٹ آیا جیسا کہ سلف وخلف صالحین کا طریقہ ہے کہ جہاں تک خارق عادت واقعات کا تعلق ہے، وہ تو نفوس کے مزاج کے تابع ثمرات ہوتے ہیں، جو اصل یقین پر زاید ہوتے ہیں، اس دوران وہ میری صحبت میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارتا رہا۔ اس کے دل میں میری محبت ہر لحہ بڑھتی رہی۔ چنانچہ گزشتہ دنوں میں نے اس کی شان میں یہ دو شعر کہے:

لقد بلوتک فی سلم وفی عتب
فما وجدتک الا خالص الذهب
ولم تسم بنور الله الا لانه
عما قليل تكون النور فارتقب

''میں نے تمہیں عیش و آرام اور سختی و پریشانی ہر میدان میں آزمایا اور پرکھا تو میں نے تمہیں خالص سونے جیسا ہی پایا اور تمہارا نام صرف اس لئے نور اللہ نہیں رکھا گیا کہ نور تھوڑا ہی رہے بلکہ اس کو بڑھاتے رہو۔''

اب میں اس کو اجازت دیتا ہوں کہ لوگوں کو صوفیا کے مشاغل کی اس طرح تلقین کرے جیسے میں نے اس کو تلقین کی ہے۔ اور ان سے اس طرح بیعت لے جس طرح میں نے اس سے بیعت لی ہے۔ اور صوفیا کا خرقہ اس کو پہنائے جس کو اس کا اہل پاوے جیسے میں نے اس کو پہنایا تھا۔ ان تمام امور میں اس کا ہاتھ بمنزلہ میرے ہاتھ کے، اس کی زبان بمنزلہ میری زبان کے ہوگی۔ اور اس طرح کے معاملات میں میرے مشائخ میرے حق میں اور رسول اللہ کی سنت آپ کے امراء و خلفا کے بارے میں اسی طرح کہتے ہیں جیسا کہ فرمایا ان کی طاعت میری طاعت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا **ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ** ''جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں''۔ اور فرمایا **من اطاع الرسول فقد اطاع اللہ** ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی''۔ اور میں نے اس کو اس امر کی بھی اجازت دی کہ مجھ سے میری ان کتابوں اور رسائل کی روایت کرے جو میں نے تصوف وغیرہ کے سلسلہ میں تالیف کی ہیں۔ ان میں سے وہ بھی ہیں جو اس نے میرے سامنے پڑھی ہیں، جیسے کتاب فیوض الحرمین یا نہیں پڑھیں۔ اور مجھ سے صحیح بخاری، صحیح مسلم اور باقی صحاح ستہ اور مشکوٰۃ المصابیح و ریاض الصالحین، والحصن الحصین وغیرہ کی روایت کرے جن کی روایت کرنا میرے لئے ان شرائط کے ساتھ صحیح ہے جو اہل فن کے نزدیک معتبر ہیں۔ اور میں اس کو خاص اس کی ذات کے سلسلہ میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے، اور نفسانی خواہشات سے اجتناب اور اذکار کی پابندی اور غصہ کو پی جانے سوائے اللہ کے معاملہ کے، اور سنت کے راستہ کی پابندی کرنے، اور لوگوں سے سوال کرنے کو ترک کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اور یہ کہ محدثین و فقہائے اسلام اور مشائخ صوفیا سے حسن عقیدت کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے نفس کو خلاف شرع لغو و بے حیائی کی باتوں سے بچا کر رکھے اور اس کو اس کے ساتھ کے لوگوں کے معاملہ میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرے ''بھلائی کا حکم کرے اور برائی سے روکے'' اور اللہ کی اطاعت پر

ابھارے اور جہاں تک ممکن ہو فقراوغربا کے معاملہ کی اصلاح کے لئے جدوجہد کرے۔اور جو اس کی اتباع کریں، ان کو اذکار مسنونہ کی ترغیب دے۔اوران میں سے اہلیت رکھنے والوں کو اشغال قلبی اور مراقبہ کے لئے مخصوص کرے۔اوراس کو میں اپنی ذات کے سلسلہ میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ میرے لئے اللہ سے دعائے خیر کرے اور میرے لئے استغفار کرے۔اور ایسا ہی میرے مشائخ کے سلسلہ میں کرے۔سو اگر وہ ان شرائط کو پورا کرے تو وہ میری امیدوں پر پورا اترے گا اور اگر ان کی خلاف ورزی کرے گا تو سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون. "ظلم کرنے والے عنقریب جان لیں گے کہ وہ کس انجام کو پہنچیں گے۔"(الشعراء: ۲۲۷) اور اس فقیر عفا اللہ عنہ نے تینوں طرق نقشبندیہ و جیلانیہ (قادریہ) اور چشتیہ اپنے والد شیخ عبدالرحیم سے حاصل کئے اوران کی صحبت میں ایک طویل مدت گزاری اوران کی کرامات کو دیکھا۔اوران سے ان کے واقعات و کرامات اوران کے مشائخ کی کرامات کے سلسلہ میں جو کچھ سنا، ان کو یاد رکھا اوران کے دست مبارک سے خرقۂ فقیری پہنا۔اوران سے بیعت ہوا (رضی اللہ عنہ وجزاہ عنی خیرا)۔اوران سے احادیث روایت کیں۔اور شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم الکردی وغیرہ مشائخ الحرمین سے بھی خرقہ زیب تن کیا۔ اورہم نے اسانید کو اپنے رسائل میں تفصیل کے ساتھ بیان کردیا ہے۔اس لئے جو کوئی ان کے بارے میں جاننا چاہے، وہ ان سے رجوع کرلے۔ واسأل اللہ عز وجل ان یثبتنی وایاہ علی الطریقۃ المرضیۃ ویختم لی ولہ بالحسنی والحمد للہ اولاً وآخراً صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین (اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے بھی اوراس کو بھی اپنے طریقہ مرضیہ پر ثابت قدم رکھے اور میرا اوراس کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔اور تمام تعریفیں اول وآخر اللہ ہی کے لئے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سب سے بہتر ہستی محمدؐ اور آپ کی تمام آل واصحاب پر رحمت فرمائے۔

فقیر ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم غفراللہ لہ و لوالدیہ و احسن الیہما والیہ نے یہ سب کہا۔اور بروز جمعہ ۲۶ جمادی الاخریٰ ۱۱۳۶ھ کو لکھا۔

۱- تفهیم

تین امور عظیم اوران کی تفصیل جن کی طرف رسولوں نے دعوت دی

الحمد لله الذی انعم فاجزل واعطی فافضل، ونحمده ونستعینه ونستغفره ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یهد الله فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له، واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له واشهد ان سیدنا محمدا عبده ورسوله، صلی الله علیه وعلی آله واصحابه وبارک وسلم، قال الله تعالیٰ یایها الذین آمنوا اتقوا الله وابتغوا الیه الوسیلة وجاهدوا فی سبیله لعلکم تفلحون (المائده: ۳۵) وقال تعالیٰ فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون. (التوبه: ۱۲۲) وقال ان الذین یبایعونک انما یبایعون الله ید الله فوق ایدیهم فمن نکث فانما ینکث علی نفسه ومن اوفی بما عاهد علیه الله فسیؤتیه اجرا عظیما. (الفتح: ۱۰) اما بعد:

علماء وصوفیا کا خادم اوران کی اعلیٰ روایات کا حامل ولی اللہ بن عبدالرحیم عاملهما الله بفضله العظیم کہتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں میں سے جن کا بندے شکر ادا نہیں کر سکتے، یہ بھی ہے کہ اس نے ان انبیا کو مبعوث فرمایا جو غیب کی ترجمانی کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب کی راہوں کی رہنمائی کرنے والے ہیں، تاکہ واضح دلائل کے سامنے آ جانے کے بعد جس کو ہلاک ہونا ہے، اس کو ہلاک کر دے اور جس کو حیات نو حاصل کرنی ہو، اس کو حیات نو عطا کر دے۔ پھر ان کے ایسے وارث بنائے جو لوگوں کے درمیان ان کے علوم وروایات کے علم بلند کرتے ہیں، اوران کی سنتوں کو زندہ کرتے ہیں، اوران کو رشد و ہدایت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اور رسولوں کی تعلیمات وروایات کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ان میں تین امور عظیم ہیں (۱) مبدا و معاد اور مجازاۃ وغیرہ کے سلسلہ میں عقائد کی تصحیح۔ اس فن کی ذمہ داری علماء میں سے اہل اصول نے سنبھالی۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوشش و مساعی کو کامیاب فرمائے (۲) سنت کے مطابق مقبول طاعات اور ضروری فوائد والے عمل کی تصحیح،

اس فن کی ذمہ داری فقہائے امت نے سنبھالی۔ چنانچہ اللہ نے ان کے ذریعہ بیشمار لوگوں کو ہدایت عطا فرمائی۔ اور ان کے ذریعہ راہ راست پر چلنے والے فرقہ کو قائم فرمایا۔ (۳) اور اخلاص واحسان کی تصحیح جو کہ اس دین حنیف کے اصول و بنیاد ہیں جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے۔ ارشاد باری ہے وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء ویقیموا الصلوۃ ویؤتوا الزکوۃ و ذلک دین القیمۃ" اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں۔ اپنے دین کو اس کے لئے خالص کر کے بالکل یکسو ہوکر۔ اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں اور یہی صحیح و درست دین ہے۔" (البینۃ:۵) اور فرمایا ان المتقین فی جنت وعیون، آخذین ما آتھم ربھم انھم کانوا قبل ذلک محسنین، کانوا قلیلاً من اللیل ما یھجعون، وبالاسحارھم یستغفرون، وفی اموالھم حق للسائل والمحروم، وفی الارض آیات للموقنین، وفی انفسکم افلا تبصرون" یقیناً متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے، جو کچھ ان کا رب انہیں دے گا۔ اسے خوش خوش لے رہے ہوں گے کہ بیشک وہ اس دن کے آنے سے پہلے نیکوکار تھے۔ راتوں کو کم ہی سوتے تھے۔ اور راتوں کے پچھلے پہر میں معافی مانگتے تھے اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کے لئے حق تھا۔ ایمان و یقین اختیار کرنے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ اور خود تمہارے اپنے وجود میں بھی ہیں، کیا تمہیں سوجھتا نہیں"؟ (الذاریت ۱۵ تا ۲۱) اور رسول اللہؐ نے فرمایا انما الاعمال بالنیات "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے"۔ (بخاری)۔ اور حضرت جبرئیلؑ کے جواب میں فرمایا الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک "احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔" (متفق علیہ) اور قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ تیسرا امر مقاصد شریعت میں ماخذ کے لحاظ سے سب سے زیادہ دقیق اور اصل کے اعتبار سے سب سے زیادہ عمیق ہے۔ اور وہ تمام شریعتوں کے سلسلہ میں ایسے ہی ہے جیسے جسم کے لئے روح یا لفظ کے لئے معنی۔ اس کی ذمہ داری صوفیا رضوان اللہ علیہم نے اپنے کاندھوں پر لی۔ سو انہوں نے خود ہدایت پائی اور دوسروں کی رہنمائی کی۔ خود فیضیاب ہوئے اور دوسروں کو فیض پہنچایا۔ چنانچہ وہ بہت بڑی سعادت حاصل کرنے میں کامیاب

ہوئے اور بڑے حصہ کے مالک قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے نفع کو جس طرح عام کیا اور ان کے نور کو کمال کے درجہ پر پہنچایا، یہ اس کا فضل وکرم ہے۔

چونکہ علماء امت سے حق تعالیٰ کی رضا ہی تھی کہ وہ انبیا صلوات اللہ علیہم سے اخذ کردہ نور کی بقا اور اس کی اشاعت کے لئے سعی اور جدوجہد کریں اور لوگوں کو اس سے ہدایت حاصل کرنے کی ترغیب دیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے **فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فی الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون.** "ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقہ کے باشندوں کو خبردار کرتے، تا کہ وہ (غیر مسلمانہ روش سے) پرہیز کرتے۔" (التوبہ ۱۲۲) اور فرمایا **ولكن كونوا ربانيين بما كنتم تعلمون الكتاب وبما كنتم تدرسون** "سچے ربانی بنو جیسا کہ اس کتاب کی تعلیم کا تقاضہ ہے جسے تم پڑھتے اور پڑھاتے ہو۔" (آل عمران ۷۹) ہر زمانہ اور ہر طبقہ میں اپنے خلفا کے تقرر اور داعیوں کے مبعوث کرنے کی روایت وراثت میں پائی تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب محکم میں جو وعدہ فرمایا، وہ ان کے ذریعہ پورا ہو جائے۔ ارشاد ہے **انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون** "اس ذکر کو ہم نے ہی نازل کیا ہے اور ہم خود ہی اس کے نگہبان ہیں"۔ (الحجر ۹)

خلافت کی دو قسمیں ہیں، ایک خلافت ظاہرہ، دوسرے خلافت باطنہ۔ خلافت ظاہرہ کا مقصد جہاد، قضاء اور حدود کا قائم کرنا اور عشور وخراج کا جمع کرنا، ان کو مستحقین میں تقسیم کرنا اور اسلام کے پیروکار بادشاہوں کا عدل وانصاف کے ساتھ ان کی ذمہ داری کو اٹھانا ہے۔ اور خلافت باطنہ کی غرض کتاب وحکمت کی تعلیم اور پرزور و پراثر وعظوں اور پرکشش صحبتوں کے ذریعہ نور باطن سے ان کا تزکیہ کرنا ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا **لقد من الله على المومنين اذ بعث فيهم رسولاً من انفسهم يتلو عليهم اياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وان كانوا من قبل لفی ضلال مبين** "درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر مبعوث کیا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔

حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے" (آل عمران ۱۶۴) اور انہی کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا العلماء ورثة الانبياء "علماء انبیا کے وارث ہیں" اور فرمایا فضل العالم على العابد كفضلي على ادناكم "عالم کو عابد پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح مجھے تمہارے ادنیٰ ترین شخص پر ہے"۔ اور خلیفہ صرف وہی شخص ہوسکتا ہے جو مقاصد ثلاثہ مذکورہ کو جمع کرے، کتاب وسنت کو یاد کرے اور قوانین سلوک وتربیت سالکین کے قوانین کا عادی ہو۔

اور جہاں تک داعین کا تعلق ہے تو ان کے لئے صرف عدالت، نیک راستہ پر چلنے اور خلیفہ کی اس شرط کو پورا کرنے کو لازم قرار دیا جاتا ہے جو تبلیغ کے لئے اس کو ذمہ دار بنانے کا باعث ہوتی ہے۔ اور ان تمام امور میں جیسا کہ ہم نے دوسرے موقع پر اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے، نبیؐ سے یہی طریقہ چلا آرہا ہے۔

ہمارے بھائی شیخ محمد عابد بن علاء الدین بن سیف اللہ، حبیب اللہ صلوات اللہ علیہ وسلامہ کی اتباع کی بڑی رغبت رکھتے ہیں اور اللہ کے ذکر اور اس کی نعمتوں میں غور وفکر کے بڑے شیدائی ہیں، زاده الله فی توفیقه ۔ وہ میرے والد اور نانا قدس اللہ اسرارہما کی صحبت میں رہے ہیں۔ انہوں نے ان دونوں سے نقشبندی، جیلانی (قادری) اور چشتی تینوں طرق کے اشغال حاصل کئے اور بہت مدت تک ان پر عمل کرتے رہے ہیں۔ پھر ان دونوں کے بعد اس فقیر عفی اللہ عنہ کے ہم صحبت رہے اور سکون باطن اور جتنی چاہیں یادداشت حاصل کیں۔

بالآخر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے شرح صدر عطا فرمایا کہ ان کو طرق ثلاثہ کے اشغال کی طرف دعوت دینے والا قرار دے دوں۔ اور اللہ کے بندوں میں سے اصحاب توفیق کی صحبت کے فیض سے زندگیاں سنوارنے والے کی حیثیت سے پسند کرلوں۔ اور مجھے یہ الہام کیا کہ وہ اس کے مستحق ہیں کہ ان سے اشغال حاصل کئے جائیں۔ اور سالک ان کے نور صحبت سے ضیاء حاصل کریں۔ اور یہ کہ اللہ عزوجل ان کی صحبت میں لوگوں کے لئے خیر پیدا کرنے والے ہیں۔ اس لئے اب میں ان کو ان لوگوں کے لئے جن کے اندر وہ خیر وبھلائی دیکھیں، ان اوراد ووظائف کی تبلیغ کی اجازت دیتا ہوں جو انہوں نے مجھ سے اور میرے دونوں مذکورہ بالا بزرگوں سے سنے ہیں، اور ان پر عمل کیا ہے۔ اور ان کے آثار ملاحظہ کئے ہیں۔ جیسا کہ

مجھے میرے والد قدس سرہ نے نبی کریمؐ تک پہنچنے والی اپنی متصل سند اور صحبت و احسان سے اجازت دی تھی۔ اب انشاء اللہ تعالیٰ ان کا ہاتھ میرے ہاتھ کی طرح اور ان کا امر میرے امر کی طرح ہوگا۔

میں انہیں خاص ان کی ذات کے بارے میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے، خواہشات نفسانی سے احتراز، بادشاہوں اور امراء کی صحبت ترک کرنے، اذکار کی پابندی، سوائے اللہ کے معاملہ کے دوسرے امور میں غصہ پر قابو رکھنے، خوشی و پریشانی ہر حال میں سنت کا دامن تھامے رہنے اور لوگوں سے سوال کرنے سے بچنے کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ محدثین وفقہا کے بارے میں حسن اعتقاد رکھیں اور اپنے نفس کو خلاف شرع اور بے حیائی کی باتوں اور جن باتوں کو شریعت ناپسند کرتی ہے، ان سے حتی الامکان دور رہیں۔

اور ان کے ساتھ والوں کے سلسلہ میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے) کا کام کرتے رہیں۔ اور ان کو اللہ کی اطاعت پر ابھاریں۔ اور ان کے معاملات کی اصلاح اور ان پر شفقت کی کوشش کرتے رہیں۔ اور جو بھی ان سے بیعت کرے، اس کو اذکار مسنونہ کا حکم دیں۔ اور استعداد رکھنے والوں کو قلبی اشغال اور مراقبہ پر ابھاریں۔ اور میں اپنی ذات کے بارے میں انہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے میرے لئے دعائے خیر کریں، اور خود بھی خیر کا معاملہ کریں۔ اور میرے مشائخ کے ساتھ بھی اسی طرح کا معاملہ کریں۔ اب اگر وہ اس شرط کو پورا کرتے ہیں تو یہ میرا ان کے بارے میں حسن ظن ہے۔ اور اگر اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو ظلم کرنے والوں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس انجام سے دوچار ہوتے ہیں۔

اس فقیر عفی اللہ عنہ والحقہ بسلفہ الصالحین نے یہ طرق ثلاثہ اپنے والد شیخ عبدالرحیم سے حاصل کئے۔ ان کی صحبت میں ایک طویل مدت گذاری۔ ان کی بہت سی کرامات کا مشاہدہ کیا۔ وہ جو کچھ اپنے مشائخ سے روایت کرتے تھے ان کو بہت دھیان سے سنا۔ انہوں نے اپنے جن مشائخ اجلہ سے جو کچھ حاصل کیا تھا، ان میں ایک سید عبداللہ ہیں۔ انہوں نے شیخ آدم بنوری سے، انہوں نے شیخ احمد سرہندی سے حاصل کیا۔ اور ان میں خواجہ خرد ہیں۔ انہوں نے خواجہ حسام الدین اور شیخ الہداد سے، انہوں نے خواجہ محمد باقی سے حاصل کیا۔ اور

ان میں خلیفہ ابوالقاسم بھی ہیں، انہوں نے ملا ولی محمد سے، انہوں نے امیر ابویعلی سے اخذ کیا۔ ان میں شیخ عظمت اللہ اکبر آبادی نے اپنے والد سے، انہوں نے اپنے دادا سے، انہوں نے شیخ عبدالعزیز سے حاصل کیا۔ اور انہوں نے طریق چشتیہ قاضی خاں یوسف ناصحی سے، انہوں نے شیخ حسن سے اور طریق جیلانی (سلسلہ قادریہ) سید ابراہیم الایرجی سے حاصل کیا۔ ان تینوں سلسلوں میں سند کے اتصال کو جاننے کے بارے میں اس شخص کے لئے اتنا بیان کرنا کافی ہوگا جو قوم کے سلسلوں کو جانتا ہے۔ واسال اللہ عز وجلّ ان یثبتنی علی الطریقة المرضیة ویختم لی وله بالحسنی "میں اللہ عزوجل سے دعا کرتا ہوں کہ انہیں اور مجھے اپنی رضا کے راستہ پر ثابت قدم رکھے اور میرا اور ان کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔ والحمد لله رب العالمین اولا وآخرا وصلی الله علی خیر خلقه محمد وآله واصحابه اجمعین.

۲- تفہیم:

عارف کا حال، اس کے سامنے حقائق کی حقیقت آ جانے کے بعد

جان لو کہ عارف کے سامنے جب اسماء اور ان کے قدرتی تعینات سے وابستہ حقائق کی حقیقت اس طرح واضح ہو جاتی ہے جیسے حصولی اور حضوری دونوں طرح سے ساری دنیا کو معلوم ہیں تو اس انکشاف کے بعد اس امر سے محفوظ ہو جاتا ہے کہ اس حقیقت کے علاوہ کو اپنی توجہ کے لئے قبلہ اور اس کی حقیقت کے تعبد کے لئے امام بنائے۔ ہاں اس کے بعد یا اللہ کو ایسا تصور کرے جیسا کہ وہ نہیں ہے یہ دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک[1] اس حقیقت کی شرح اور ہر اسم کی علیحدہ معرفت۔ یہاں تک کہ شریعت کی اصطلاح میں معاملہ اسم اعظم تک اور تصوف کی زبان میں حقیقت محمدیہ اور اشراق کی اصطلاح میں عقل اول تک پہنچ جاتا ہے۔ جب معاملہ یہاں تک پہنچ جائے تو خالص ذات بغیر پردہ اور بغیر آئینہ کے پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔ جیسے اس معرفت کی حقیقت باری تعالیٰ کے ساتھ ہوتی ہے بلکہ اس عارف کی معرفت بعینہ اس حقیقت کی معرفت ہوتی ہے۔

اور دوسرے[2] اس عارف کی روح کا نشاط، حزن، جرأت اور بے حوصلگی کے احوال

میں ظاہر ہوتا ہے۔ سو جس حصہ کے ذریعہ یہ عارف کامیاب ہوتا ہے وہ بغیر کسی اختلاط کے اس حقیقت میں منحصر ہوتا ہے اور روح اس رنگ میں رنگی ہوئی ہوتی ہے۔ ان دونوں سے عجیب حالت پیدا ہوتی ہے جس میں عارف مستغرق ہوتا ہے اور معاملہ سرخ یا سبز شیشہ کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ چیز اس کے واسطہ سے دکھائی دیتی ہے جس کی وجہ سے شیشہ کا رنگ اور نظر آنے والی چیز اس کی حس مشترک میں مل جاتی ہے۔

۳- تفہیم :

"الکامل" اور اس کے اوصاف

وکم من بعاد کان قربا حقیقة

وکم من فراق کان للوصل جالبا

فلا تک فی تلک الوقائع ناظراً

الی الشبح لکن للحقیقة طالبا

ففی القرب للناسوت شوب وربما

بعاد لاهل السر ینفی الشوائبا

"کتنی ہی دوریاں ہیں جو حقیقت میں قرب ہیں اور کتنی ہی جدائیاں ہیں جو وصل کے لئے کھینچنے والی ہیں۔ پس دھوکہ اور فریب میں مبتلا نہ ہو بلکہ حقیقت شناس بنو۔ مادہ کے لئے قرب میں عیب ہوتا ہے اور کبھی اہل اسرار و راز داروں کے لئے عیوب کی نفی ہو جاتی ہے۔"

الکامل جس کا مبدأ وجود عقل مقدس ہوتی ہے۔ وہ ہے جو اسباب کی فراہمی کے وقت نفس کے وجود کا تقاضا کرتا ہے اور وہ جس نے بدن کی تدبیر کی اور نطفہ اور جنین کی شکل میں اور ان کے بعد کے حالات میں حسن تخلیق سے پورا پورا فیصلہ کیا۔ جب اس کی بدنی ترتیب بکھری تو اس کو جبروت، قدرتی جلال کے سلسلہ میں شامل کر دیا گیا اور اس کی عقل کو اللہ کے ناموں میں سے ایک نام قرار دے دیا گیا اور اس کا نفس جزئی تصرفات اور ارادات حادثہ میں اس عقل کا خادم بن گیا۔ تب بالفعل وہ کمال پیدا ہوا جو اس سے پہلے پیدا نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ کبھی یہ عقل نفس کے واسطہ سے زمینی ربط کی طرف قصد کرتی ہے تو اس میں داخل ہو جاتی ہے اور انسان کو

پیدا کردیتی ہے جو آدمیوں میں ایک آدمی ہو جاتا ہے۔اور اس تخلیق کی صورت یہ ہے کہ زمین سے تیار ایک حصہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے، پھر پختہ ارادہ سے کام لیتی ہے اور جمعیۃ خاطر سے چاہتی ہے کہ انسان بن جائے۔ اس طرح عقل کلی اور نفس کلی سے انسان کی صورت میں فیضان کے لئے سبب بن جاتی ہے۔اور کبھی اللہ کے بندوں میں سے کوئی دعا کرنے والا اس سے دعا کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس نفس کی قوت سامعہ سے سنتا ہے پھر جمعیۃ خاطر سے ہمت قویہ اس کی مدد کرتی یا اس کو بشارت دیتی یا اس سے بات کرتی ہے تا کہ اس جیسے نفس سے اچھی ساخت کے انسان کی شکل اختیار کر لے یا آگ سے مشابہت اختیار کرے جیسا کہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام وغیرہ کے ساتھ کیا جس کی اس کی مصلحت متقاضی ہوتی ہے۔اور اس مشابہت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اس کا ارادہ صورت مثالیہ کے منبع یعنی عالم مثال کے فیضان کا مددگار ہو جاتا ہے۔اس طرح ہیولی (مادہ) اس صورت سے تصور میں آنے لگتا ہے۔ چنانچہ وہ بشارت وغیرہ کا جو ارادہ کرتا ہے، وہ مکمل ہو جاتا ہے۔اور کبھی اپنی ماؤں کے پیٹوں میں پیدا ہونے والے۔جنینوں میں سے کسی جنین کے بدن میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جمعیۃ خاطر سے چاہتا ہے کہ انسان ایسا اور ایسا ہو جائے پس جیسا چاہتا ہے ویسا پیدا ہوتا ہے جیسا کہ ماں کا نفس اس کی طبیعت کے مطابق عمل کرتا ہے۔اور کبھی مصلحت انسان کی قوت کے ظہور یا پہاڑ کے پھٹنے جیسے خلاف عادت یا فضائی حادثوں میں سے کوئی عجیب حادثہ۔اس طرح اس نفس میں اس واقعہ کے مطابق صورت نقش ہو جاتی ہے۔ اس لئے عنایت رحمانی خیر مطلق اور پھر خیر نسبی کے لئے بہت فیاض ہے۔اور یہ عقل عنایت کی لڑی میں پروئی ہوئی ہے اور نفس اس کا خادم ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ سبحانہ جمعیۃ خاطر اور ہمت کے لئے اس نفس کے ارادہ کے مطابق ہی اس کے ظہور کا ارادہ کرتا ہے اور یہ اس کے بعد ہی ہوتا ہے کہ اللہ اس نفس سے اس کی انانیت سلب کر لیتا ہے۔چنانچہ اس کے اندر یہ خیال ہی باقی نہیں رہتا کہ وہ فلاں بن فلاں ہے بلکہ اس وقت اس کی ساری حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے کمالات میں سے ایک کمال کی شرح ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔اب میں اس درجہ اور اس کی شان کی بلندی کیسے بیان کروں۔اس وقت حق سے اس کی خوشی و مسرت اس طرح ہو جاتی ہے جیسے حق تعالیٰ کی خوشی و مسرت خود اپنی ذات سے ہوتی ہے۔اور جیسے اللہ تعالیٰ کے

ناموں کی خود اپنے آپ سے فرحت و سرور۔ اور حق بات تو یہ ہے کہ فوز کبیر بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور بالجملہ یہ امور ایسے ہیں کہ اگر موت نہ ہوتو ہم ان کو نہیں پا سکتے۔ ہائے موت کا شوق کہ ہم اس کے بعد ہی اللہ کے ناموں میں سے کسی نام کو دیکھ سکیں گے۔ اور حالت ایسی ہوگی کہ نہ ہی زبان نے اس کو بیان کیا اور نہ ہی کانوں نے اس کو سنا۔ واللہ اعلم

۴- تفہیم:

اسرار

لوگوں کو یہ بات پہنچاؤ کہ یہ فقیر مختلف زبانوں کا حامل ہے۔ ایک زبان سے ولی اللہ بن عبدالرحیم ہے۔ دوسری سے انسان ہے۔ ایک سے حیوان، دوسری سے نامی بڑھنے والا۔ ایک سے جسم، ایک سے جوہر، اور ایک سے موجود ہستی ہے۔ اور اس زبان کے اعتبار سے پتھر بھی، درخت بھی، گھوڑا بھی، ہاتھی بھی، اونٹ بھی، بکری بھی۔ لوگوں کے ناموں کی تعلیم کو میں تھا۔ اور جو کچھ نوح پر طوفان ہوا اور ان کی نصرت کا سبب ہوا، میں ہی تھا۔ جو کچھ ابراہیم پر گلزار ہوا، میں ہی تھا۔ موسیٰ کی توریت، میں تھا۔ مردے کو عیسیٰ کا زندہ کرنا میں تھا۔ مصطفیٰ کا قرآن میں تھا۔ والحمد للہ رب العلمین

۵- تفہیم:

صوفی کے علم کا حق جل شانہ کے علم کے ساتھ اتحاد

علم حق درعلم صوفی گم شود
این سخن کے باور مردم شود

"علم حق صوفی کے علم میں گم ہوجاتا ہے، یہ بات لوگوں کے لئے قابل یقین کیسے ہوسکتی ہے۔"

سالک ابتدا میں خود کو علم حضوری سے جانتا ہے اور خدا کو علم حصولی سے۔ جب وہ توحید سے مشرف ہوتا ہے، اس کا علم حضوری حق کے ساتھ نافذ ہوجاتا ہے۔ اور علم حصولی وقت استوا (نیم روز یا دوپہر) کے پیمانہ کے سایہ کے رنگ میں علم حضوری میں بے حقیقت یا گم ہوجاتا ہے۔ یہ بات نوافل کے قرب کے لحاظ سے ہے۔ عارف جب اس دنیاء فانی سے خلاصی پالیتا ہے تو حق تعالیٰ کے جوارح میں سے ایک جارحہ (آلہ قوت) اور اس کے حواس میں سے ایک

حاسہ ہوجاتا ہے۔آج حق سبحانہ کی عالمیت موجودات سے مشابہ ہوگئی ہے۔اس کی عالمیت سے صوفی کے تمام علوم کے اعتبار سے ان کے طبقات پر موجودات ہیں۔علم حق اس میں پوشیدہ ہے اورایک اعتبار سے سب کچھ علم حق ہے۔صوفی کا علم ایک مثال ہے نہ کہ غیر۔اس لئے کہ صوفی آج اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم ہے۔جیسا کہ فرمایا ہےاوراس کا قول حق ہے۔ **وھو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا وینشر رحمته وھو الولی الحمید** ”وہی ہے جولوگوں کے مایوس ہوجانے کے بعد مینہ برساتا ہےاوراپنی رحمت پھیلا دیتا ہےاوروہی قابل تعریف ولی ہے“(الشوریٰ ۲۸)۔تم بالکل نہیں جانتے کہ یہ کونسی صورت اختیار کرے گا۔ پھر کوئی نہیں کہتا کہ ولی کا باپ فلاں اور ماں فلاں ہےاوراس زمانہ میں اوراس مقام پر بشر تھا۔ اسی نکتہ پر صلح کرلو،مستی میں گیت یاد دلانے میں مصلحت نہیں ہے۔

۶- تفہیم:

ہرایک کیلئے نقطۂ لاہوت یا نقاط جبروت کی قربتوں میں سے ایک قربت ضروری ہے

بشنواز نے چوں حکایت میکند
واز جدائیہا شکایت میکند

”بانسری کی آواز سنو جب وہ حکایت بیان کرتی ہےاور جدائی کے بارے میں شکایت کرتی ہے۔“

کز نیستاں تامرا ببریدہ اند
ازنفیرم مردوزن نالیدہ اند

”کہ جنگل سے جس سے مجھے کاٹ کرلاتے ہیں،میرے نالہ وفریاد سے مردوزن روتے ہیں۔“

گرنگرد دباز مسکین زین سفر
نیست درعالم از و مجبور تر

”اگر مسکین اس سفر سے واپس نہیں لوٹتا تو دنیا میں کوئی اس سے زیادہ پریشان ومجبور نہیں ہے۔“

ہر شخص کے لئے نقطۂ لاہوت (ذات الٰہی) یا نقاط جبروت (طریقۂ صفات) کی تدلیات میں سے ایک تدلی ضروری ہے، اور معاملہ اسی طرح چلتا ہے، یہاں تک کہ انسان اللہ تک پہنچ جاتا ہے اور یہ عالم مومن کا درجہ ہوتا ہے۔ اور ہر شخص کو اپنے معاد کی سیر میں اس نقطہ تک پہنچنا پڑے گا جو وجود کا مبدا ہے، وہاں پہنچ کر مضمحل ہو جائے گا۔ اور جو اس کے وجود کے مبدا کا نقطۂ لاہوت ہے، وہ اکسیر اعظم ہے۔ کبریت احمر صدیاں گذرنے کے بعد وجود میں آتا ہے۔ قوائے فلکیہ اور طبائع عنصریہ سے جدائی کے وقت اس کو عجیب حالت پیش آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسم اعظم ہوتا ہے اور قیومیۂ حق دنیا میں اس کے واسطہ سے ہوتا ہے۔ اس وقت رحمت کے درجہ پر پہنچتا ہے اور اس جگہ سچی دوستی پیدا کرتا ہے۔ وہ اس کو نگل لیتا ہے اور یہ اس کو۔ پھر معاملہ ظاہر نہیں ہوتا۔

۷۔ تفہیم:

وجدان۔ واقعہ کے مطابق ہی ہوتا ہے، اس پر اعتراض اور اس کا جواب

وجدان ذاتی طور پر صرف واقعہ کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ اس قاعدہ پر وہ اعتراض وارد ہوتا ہے جس کے بارے میں ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا تھا۔ اس نے کہا تم شیخ محی الدین بن عربی کے ان دو باہم متضاد اقوال کے بارے میں کیا کہتے ہو جن میں سے ایک لازمی طور پر سچا اور دوسرا جھوٹا ہے؟ میں نے کہا اس کا تعلق زبانوں کے اختلاف سے ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس ذات انسانی کی بہت سی حقیقتیں ہیں اور ہر حقیقت کے کچھ خواص اور علوم ہیں۔ اور ہر خاصہ کی ایک زبان ہے جس کے ذریعہ تعبیر کی جاتی ہے۔ اس طرح عارف کبھی حقیقت شخصی کی طرف متوجہ ہوتا ہے، کبھی حقیقت انسانی کی طرف۔ اس طرح کبھی حقیقت حیوانی اور نامی کی طرف اور کبھی وجود ناسوتی و عالم اجسام کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ کبھی وجود روحانی کی طرف اور کبھی وجود جبروتی (خدا کے جلال) کی طرف۔ اور وہ ہر زبان میں بات کرتا ہے۔ جب کہ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ایک ہی حالت میں تمام زبانوں کو جمع کرے۔ اس طرح کبھی ایک حقیقت میں ہوتا ہے اور اس میں بات کرتا ہے اور دیگر حقائق کو بھلا دیتا ہے۔ پھر کسی دوسری حقیقت میں ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے کلام میں اختلاف نظر آتا ہے

جب کہ حقیقت میں کوئی تناقض نہیں ہوتا۔

سوال کرنے والے نے کہا تم شیخ کے کلام میں فرعون کے ایمان اور اس کے کفر سے متعلق جیسے اختلاف کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا کہ وجدان حقیقت میں یہ ہے کہ تم اپنے آپ میں کچھ محسوس کرو مثلاً جس کا معدہ خالی ہوتا ہے، وہ بھوک محسوس کرتا ہے۔ اور جس کو متلی کی شکایت ہوتی ہے، وہ بھاری پن محسوس کرتا ہے۔ اس طرح اگر تم اپنے نفس یعنی مزاج کی طرف اس صورت میں متوجہ ہو کہ وہ شر کے فیض کو قبول کرے، تو تم معاصی اور زمین میں فساد انگیزی کی طرف کشش محسوس کرو گے، اور اگر اپنے جسم کی طرف توجہ کرو گے تو کھانے پینے کی چیزوں کی اور ان تمام چیزوں کی جن سے بدن کو تقویت حاصل ہو یا جن کو بدن چاہے اور تقاضہ کرے، ان کی محبت تمہارے اندر پیدا ہوگی۔ اور اگر اپنے دل یعنی روح کی طرف دھیان دو گے۔ اس طرح کہ طبیعت سے اختلاط کرے اور شر والے نہیں بلکہ ملکی فیض کو قبول کرے تو ملائکہ کا الہام، کشادہ دلی اور وسعت نظر پاؤ گے۔ اور اگر اپنی روح یعنی اپنے اس وجود کی طرف دھیان دو گے جس کے بارے میں رب العالمین نے انسان کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل فیصلہ کر دیا تھا تو تم سے ہر وہ شر دور ہو جائے گی اور ہر قسم کا شرح صدر ہوگا نور اور لوگوں کی اصلاح والفت کا جذبہ ہوگا۔ فرشتے الہام کریں گے اور حکم مثالی باقی رہ جائے گا۔ اسی میں فلکی قوتیں شامل ہیں۔

پھر جب تم اپنے اندرون کی طرف دیکھو گے تو وجود میں صرف ایک تدبیر پاؤ گے جو مختلف رنگوں میں نظر آئے گی۔ اس طرح یہ سب وجدان کی قسمیں ہیں۔ یا یہ کہ تم اپنے نفس میں ایسی حالت پاؤ جو تمہارے اندر اس وقت جب تم بلند یا پست حقیقت کی طرف توجہ کرو، اس طرح نقش ہو جائے جیسے صورت آئینے میں نقش ہو جاتی ہے۔ تب تم اپنے نفس میں نقش ہونے والی اس حالت کو اس کے ملاحظہ کے لئے آلہ بنا لو جس پر وہ شے پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ تم آئینہ کو اس شے کے ملاحظہ کا ذریعہ بناتے ہو جو تم سے مخفی ہے۔ یہ وجدان کی دوسری نوع ہے۔

اس طرح خارجی طور پر پائی جانے والی اشیا کے وجدان سے علم کئی طرح سے ہوتا ہے۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی شے آپ کے خواب میں کسی شکل میں آئے یا آپ سے کوئی فرشتہ گفتگو کرے۔ یہ صورت حس سے گڈمڈ ہوتی ہے اور اکثر امور میں تعبیر کی محتاج

ہوتی ہے، سوائے نبی مرسل کے۔ اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ تم اللہ کی تخلیق میں اس کی تدبیر کی طرف متوجہ ہو۔ اس مقام پر شے کی کچھ آمادگی اور کچھ تقاضے ہوتے ہیں اور کچھ تقاضے اس کے عدم کے ہوتے ہیں۔ پھر رحمٰن وکریم خیر نسبی کا فیصلہ کرتا ہے تو کبھی تمہارے اندر ایک تقاضہ نقش ہو جاتا ہے اور تم اس کے ذریعہ بات کرتے ہو۔ اور تقاضوں کے اجتماع اور اس دن رحمٰن کی طرف سے خیر کے فیصلہ کے بعد اس کی طرف جو امر لوٹتے ہیں، وہ نقش نہیں ہوتے۔ تو اس طرح کے معاملات میں اختلاف اور تناقض واقع ہو جاتا ہے۔ لیکن عارف کا مقصد صرف اس تقاضہ کو بیان کرنا ہوتا ہے۔ اور جو کچھ وہ کہتا ہے، اس میں مثبت اور منفی کے لحاظ سے وہ سچا ہوتا ہے۔ اس کی غرض واقعہ سے صرف فرض کے طور پر ہوتی ہے اور اس کے قول کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ تقاضا متحقق ہو جائے اور اس کے لئے حکم ہو اور معاملہ اس طرح ہو۔ پھر اگر آپ پوری طرح غور وفکر سے کام لیں گے تو آپ کو وجدان میں تناقض نہیں ملے گا۔

۸- تفہیم:

ذات باری کے بارے میں غور وفکر اور خطاب عجیب سے مخاطب کیا جانا

ایک دن میں باری تعالیٰ کی ذات اور اس کے شرف وعظمت کے بارے میں غور وفکر کرنے لگا جو بڑے پردوں کے پیچھے پوشیدہ ہے۔ اس حالت میں مجھے عجیب طرح سے خطاب کیا گیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ اس عالم میں انسان پر واجب ہے کہ اس کی توجہ ان کی توجہ کی طرح اور اس کی عظمت وشرف ان کی عظمت اور شرف کی طرح ہو۔ اور محسوس ہوا کہ اشارہ جنات کی صنف کی حقیقت کی طرف ہے۔ **اللّٰہ اعلم من شانهم** : جب صورت ان کے نفوس یا خیال کی لوح میں نقش ہوئی تو قائم ودائم ہوگئی اور زائل ہی نہیں ہوئی۔ گویا کہ اس پر سیاہی غالب آ گئی۔ اس طرح اس کا خلاصہ خیالوں میں جاگزیں ہوگیا۔ اس طرح وہاں سے صورت کا محو ہونا دشوار ہوگیا۔ اور جب ان سے کسی چیز کی پسندیدگی قوت عزم میں جاگزیں ہوگئی تو پھر ایسا قصد وعزم ہوگیا کہ چھ ماہ تک بلکہ سال دو سال تک اس کا خیال نہ نکل سکا۔ واللہ اعلم۔ پس اس عالم کا کمال اس کے لئے ہوتا ہے جس کی روح قوی اور خشک ہو اور اس کی شان

یہ ہو کہ جب اس کے خیال میں ایک صورت بیٹھ جائے تو پھر زائل نہ ہو۔

۹-تفہیم:

کسب اور کمائی کی قسموں کا بیان

تجلی الٰہی چمکی۔ جس کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے کمانے والے بندوں کے لئے کسب وکمائی کی کئی قسمیں قرار دی ہیں جن سے ان کی معاشیات قائم ہوتی ہیں۔ ان قسموں میں سے ایک ان افعال پر مبنی ہے جو قوائے حیوانیہ سے صادر ہوتے ہیں جیسے بار برداری اور کاشت کرنے والے وغیرہ کے کام۔ اور ان میں سے ایک قسم ان افعال پر مبنی ہے جو ان قوائے حیوانیہ سے صادر ہوتے ہیں جو قوائے انسانیہ کے نور سے سجائے وسنوارے جا چکے ہوں۔ جیسے باریک بینی والی صنعتیں وغیرہ جن کے لئے فہم وذکاوت کی حاجت ہوتی ہے۔ اور ان میں ایک قسم ان افعال پر مبنی ہوتی ہے جو قوی انسانیہ سے صادر ہوتے ہیں۔ جیسے غزوات میں حصہ لینے والے اور شہروں کا نظم ونسق کرنے والے۔ اور ان میں ایک قسم ان افعال پر مبنی ہوتی ہے جو قوائے انسانی سے انوار ملکی کے نور سے تہذیب واصلاح کے بعد صادر ہوتے ہیں۔ جیسے اصحاب علم حاملین قرآن اور واعظ۔

اور کسب وکمائی کی سب سے اعلیٰ قسم وہ ہے جو انوار ملکی کے نور سے سجے سنورے قوائے انسانی سے صادر ہونے والے افعال پر مبنی ہے اور یہ دنیا میں سب سے کم پائے جاتے ہیں۔ تاہم یہ کبریت احمر سے بھی زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔ اور یہ وہ افعال ہوتے ہیں جن کی کمائی دعا ہوتی ہے۔ کہ جب بھی کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کرتے ہیں تو اللہ ان کی دعائیں قبول کر لیتا ہے۔ تجلی کہتی ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ احسان کیا کہ تمہاری فطرت کو کسب وکمائی کی اعلیٰ انواع میں بنایا۔

۱۰-تفہیم:

احکام ظاہرہ میں انبیا اور اولیا کے درمیان فرق

روایت ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس ملی تو فرمایا یہ میری زرہ ہے۔ لیکن یہودی نے آپ کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا اور زرہ آپ کو دینے سے انکار کر دیا تو آپ

مقدمہ قاضی شریح کے پاس لے گئے۔ وہاں قاضی شریح نے دلیل طلب کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابورافع اور حسن بن علی کو پیش کیا۔ تب قاضی شریح نے کہا جہاں تک حسن کا سوال ہے تو وہ آپ کے بیٹے ہیں، اس لئے ان کی گواہی آپ کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی۔ جواب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ آپ نے عمر بن خطاب کو نبیؐ سے یہ روایت کرتے ہوئے نہیں سنا انهما سید اشباب اهل الجنة "یہ دونوں (حسن و حسین) اہل جنت میں سے نوجوانوں کے سردار ہیں؟" اب اگر آپ کہتے ہیں کہ حسنین رضی اللہ عنہما کی طرح علی کرم اللہ وجہہ بھی ان لوگوں میں شامل ہیں جن کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ پھر انہوں نے قاضی شریح کو دلیل طلب کرنے پر یہ جواب کیوں نہیں دیا کہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو جنت کی بشارت دی جا چکی ہے کہ ان کا ظاہر صدق پر مبنی ہے اور دعویٰ کی سچائی نبی کی بشارت سے واضح ہے۔ یہ امر اس سے بھی زیادہ مکمل ہے جو دلیل وثبوت سے واضح ہوتا ہے۔ پھر گواہوں کے سلسلہ میں علی کے سلسلہ میں اجتہاد کی مخالفت کے جواب میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا قول اقضاکم علی "تم میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے علی ہیں" اور یہ ارشاد اللهم ادر الحق معه حیث دار (اے اللہ! حق کو ان کے ساتھ ساتھ گھمادے، جدھر بھی وہ گھومیں۔" پھر ان تمام امور میں شریح سے بحث کو ترک کرنے اور ان کو ایک جواب دینے اور دوسری بات کو چھوڑ دینے کی کیا وجہ ہے؟

میں کہتا ہوں کہ جن لوگوں کو نبیؐ کی زبان مبارک سے جنت کی بشارت دی گئی ہے، وہ دوسرے تمام لوگوں کی طرح نہیں ہیں اور نہ ہی ان کو ان کے ماسوا دوسروں پر قیاس کیا جائے گا کہ وہ خبائث سے بری ہیں۔ برے افعال اور شیطانی وسوسوں کی گندگی سے پاک ہیں۔ ان پر کوئی تہمت نہیں لگائی جا سکتی۔ اور ان کے بارے میں صرف وہی ظن وگمان کیا جا سکتا ہے جو ان کے شایان شان ہو۔ لیکن وہ بھی آسمانی شریعتوں پر عمل کے پابند ہیں اور وہ بغیر کسی امتیاز کے تمام انسانوں پر شرعی قوانین کے انعقاد کے سلسلہ میں دوسرے لوگوں کے ساتھ مشترک ہیں۔ چنانچہ ان کی مثال خوش حال مسافر جیسی ہے کہ اس کے لئے نماز کا قصر اور روزہ کا افطار کرنا دونوں جائز ہیں۔ کیونکہ ارشاد باری و ان کنتم علی سفر (البقرہ ۲۸۲) میں لفظ سفر کے ساتھ شرعی قانون بیان کیا گیا ہے۔ اگرچہ وہ حکمت جس نے سفر کو اس کے لئے سبب قرار دیا یعنی دشواری وہ یہاں مفقود ہے۔ یہی معاملہ شرع میں وارد ہونے والا فرمان نبوی

البینة علی المدعی والیمین علی من انکر ہرایک کے لئے ہے۔ حضرت علی کے لئے تسلیم کرنے کے سوا کچھ بھی ممکن نہ تھا۔ اگرچہ وہ حکمت جس نے اس کو شرعی قانون بنایا کہ لوگ اپنے مالوں اور خون کا دعویٰ کریں، یہاں مفقود ہے۔ اور اس طرح ان کو احکام ظاہرہ اور مناظرات میں دیگر تمام لوگوں سے اس فہم کی بنیاد پر ممتاز قرار نہیں دیا جاسکتا جس سے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ ان کو نوازا تھا۔ ورنہ ان کی اطاعت فرض قرار پاتی اور وہ انبیا کے مقام پر پہنچ جاتے کہ من اطاعھم اطاع اللہ ومن عصاھم فقد عصی اللہ"جس نے ان کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے ان کی نافرمانی یا مخالفت کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی"۔ پردہ زائل ہوگیا۔ اور تکلیف لازم ہوگئی اور یہ حکمت کا مقتضی نہیں ہے کہ یہ صرف نبی کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا"اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ (لوگوں کو حق وباطل کا فرق سمجھانے کے لئے) ایک پیغمبر نہ بھیج دیں (بنی اسرائیل ۱۵)۔ اس طرح تکلیف صرف ازالۂ خفا اور بعثت ودعوت کے ثبوت کے بعد ہی دی جاسکتی ہے۔ اس لئے علی کرم اللہ وجہہ اپنے اجتہاد کے سلسلہ میں لوگوں کے الزام سے بچنے کی غرض سے خاموش رہ گئے۔ حالانکہ آپ کا اجتہاد نبی کی دعا کی بنیاد پر حق تھا۔ اور جب شہادت کی عدم قبولیت مسئلہ اجتہادی پائی گئی اور یہ بات منصوص تھی ممن ترضون من الشھداء"گواہوں میں سے جن سے تم راضی ہو" تو قرابت وعداوت سے تہمت کے اسباب کا استنباط کیا اور اس کو بندہ کے سلسلہ میں عیب پایا۔ شہادت میں ان کے لئے پسندیدہ بات یہ تھی کہ اجتہاد کو ناقص قرار دیتے اور جن لوگوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے، ان کو ان کے قاعدہ سے مستثنیٰ قرار دیتے۔ اس لئے کہ اجتہادی قوانین ان پر لازم نہیں آتے۔ اور جان لو کہ افراد اور اولیا اس سارے معاملے میں ان لوگوں کی طرح ہیں جن کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ اور یہ بھی جان لو کہ یہ لوگ اگرچہ تمام عیبوں اور گناہوں سے بری اور پوری طرح پاک ہیں، پھر بھی لوگوں کو ان کے ساتھ مکلف نہیں کیا گیا ہے۔ اور نہ ہی ان کی اطاعت کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ اور کسی شخص کا ہر علم میں حق کہنے والا ہونا، اس کو مفروض الطاعت نہیں بناتا یعنی اس کی اطاعت کو فرض قرار نہیں دیتا جیسا کہ شیعوں نے اس کا ذکر اس امر کے جواز کے لئے کیا ہے کہ نہ خفا دور ہوا اور نہ لوگوں پر حجت لازم آئے۔

۱۱-تفہیم:

کہنے والے کا قول کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا کوئی فائدہ نہیں، اور اس کا جواب

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد واله اجمعين. امابعد. کہنے والے کا یہ کہنا خلاف نص ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ، درود بھیجنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ صلوۃ کے معنی رحمت یا عزت وشرف بڑھانا یا جزا و بدلہ دینا ہے۔ اور نبیؐ اس مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ اس پر کوئی زیادتی نہیں ہوسکتی۔ نص یہ ہے کہ من صلى على واحدة صلى الله عليه عشرا ''جس نے مجھ پر ایک بار صلوۃ درود بھیجی، اللہ اس پر دس بار درود بھیجے گا۔'' اس طرح یہ فائدہ خود صلوۃ درود بھیجنے والے کو ہی ہوتا ہے۔ پھر اس عمل کے ثواب کا سبب بننے کی علت کے بارے میں بحث کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ تمام اعمال کی جزاؤں کے سبب کی علت کے بارے میں بحث کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ عمل کے ثواب وعقاب کا سبب ہونے کے معنی میں حسن وقبح اہل سنت کے نزدیک شرعی ہیں۔ اور تمام دیگر امور سے قطع نظر نبیؐ کے لئے سوال کے آپؐ سے محبت وخلوص اور رب کی طرف تضرع کی جہت سے ثواب کا سبب ہونے میں کوئی بعد نہیں ہے۔

پھر کہنے والے کا کہنا کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے کوئی کمال منتظر نہیں ہے بلکہ آپ کو تمام کمالات حاصل ہو چکے ہیں۔ اگر ہم اس قول سے علم ظاہر کے لحاظ سے بحث کریں تو کہیں گے کہ کمال ایک ایسی صفت ہے جس سے صاحب صفت کی مدح وتعریف کی جاتی ہے۔ اور کتنی ہی صفات کے بارے میں صحیح احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ آپ کو قیامت کے دن حاصل ہوں گی۔ جیسے شفاعت اور جس طریقہ کی حمد کا ذکر حدیث میں آیا ہے اور جن نعمتوں کا اللہ تعالیٰ نے جنت میں دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ وہ کمالات ہیں اور وہ بالفعل حاصل نہیں ہیں بلکہ ان کا اللہ نے وعدہ کیا ہے۔ اب اگر کوئی یہ دلیل دیتا ہے کہ جس چیز کا آپ کے لئے ہونا ممکن ہے، اگر وہ آپ کو حاصل نہیں ہے تو اس سے نقص لازم آتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ نقص منفی یہ ہے کہ گناہوں اور عیوب سے متصف کیا جائے۔ یہ

کیسے ہوسکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے بالآخر آپ کے لئے آپ کے دین کو پوری طرح بیان کردیا اور آپ کو فتح مبین عطا فرمادی۔ باوجودیکہ آپ کو نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد نقص سے متصف فرمایا۔ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ انبیا علیہم السلام میں سے اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی۔ تو جس کو فضیلت حاصل ہے، لامحالہ اس کو ایسا کمال حاصل ہے جو اس کے لئے مخصوص ہے۔ جس پر فضیلت عطا کی گئی ہے، اس میں وہ کمال نہیں پایا جاتا۔ جب کہ اس کو ناقص بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ پھر یہ جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان سے صفات الواجب جل مجدہ، علم بالغیب، تخلیق عالم پر قدرت وغیرہ کی نفی کی جائے اور یہ بھی کوئی نقص نہیں ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کا بھوک، پیاس، فقر و حاجات وغیرہ سے متصف کیا جانا ثابت ہے، اور یہ بھی کوئی نقص نہیں ہے۔ اور نبی کا ایسی صفات سے متصف نہ کیا جانا جن کی بنیاد پر ان کے بعض امور میں لوگوں کی مدح کی جاتی ہے کیونکہ ان کے اشرف وافضل ہونے کا ثبوت ہے جیسے لکھنا اور شعر کہنا اور جو اس سے متعلق ہیں نقص نہیں ہے۔ اور بالجملہ نقص کے کوئی معنی نہیں ہیں بلکہ آنے والے امور میں کمال ہیں یا آپ کی صنف، یا نوع قریب یا جنس بعید یا واجب اور ممکن سے زیادہ عام موجود کی شان ہے، بلکہ وہ امور ہیں جن کو شرعاً یا عرفاً عیب قرار دیا جاتا ہے۔

اور اگر ارشاد باری تعالیٰ اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی "میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی" (المائدہ ۳) سے دلیل لیتا ہے تو ہم کہیں گے کہ دین کے مکمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نہ اس کے بعد کوئی حکم منسوخ کیا جائے گا اور نہ اس میں کوئی زیادتی کی جائے گی اور نعمت کے تمام پوری کرنے کا مطلب ان کے ماسوا پر ان کو فضیلت اور بلند درجات عطا کرنا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ارشاد فرمایا ویتم نعمته علیک "اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے گا" (یوسف ۳) پھر اس آیت میں خطاب آپ تک محدود نہیں ہے بلکہ آپ ساری امت کے ساتھ مخاطبوں میں شامل ہیں۔ اب اگر اس آیت سے یہ دلیل پکڑی جائے کہ کوئی کمال آپ کا منتظر نہیں، سب کچھ حاصل ہوچکا ہے تو یہی بات آپ کی امت کے لئے بھی لازم آئے گی جب کہ اس کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے۔ اور اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

اس ارشاد سے دلیل لی جائے فتجلی لی کل شی ''میرے لئے ہر چیز واضح ہوگئی'' تو ہم کہیں گے کہ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے فی التوراۃ تفصیلا لکل شیئ ''تورات میں ہر چیز کی تفصیل دیدی گئی ہے''۔ کہ عام امور میں اصل مناسب تخصیص ہوتی ہے۔ اور اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے تو یہ اللہ کے اپنا ہاتھ آپ کے کاندھوں کے درمیان رکھنے کے وقت ہے پھر جب وہ دور ہوگیا تو اس میں کوئی بعد نہیں رہا کہ ان امور کی تعلیم دوبارہ دوسری حالت میں نعمت مشکورہ کے طور پر ہو۔ اور ان سب کے بعد نعمتیں تعلیم میں منحصر نہیں ہوتیں بلکہ وہ نعمتوں میں سے ایک نعمت ہوتی ہے۔ جہاں تک شاعر کے قول کا تعلق ہے

فان فضل رسول الله ليس له
حد فيعرب عنه ناطق بفم

''بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی کوئی حد نہیں ہے کہ جس کو کوئی بیان کرنے والا اپنی زبان سے بیان کرسکے۔''

پھر یہ جاننا چاہئے کہ ہمارے قول ليس له حد او غير متناه ''اس کی کوئی حد نہیں ہے یا اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔'' کے تین مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ حساب کرتے وقت ہمارے اندر جو طاقت پائی جاتی ہے۔ وہ عددوں میں محصور نہیں کی جاسکتی۔ جیسے ہم کہتے ہیں بنو تميم ليس لهم حد او هم غير محصورين ''بنی تمیم کی کوئی حد نہیں ہے یا وہ لامحدود ہیں۔'' اور اسی امر پر شاعر مندرجہ بالا شعر سے اشارہ کرتا ہے۔ مزید یہ کہ:

دع ما ادعته النصارى في نبيهم
واحكم بما شئت مدحا فيه واحتكم

''نصاریٰ اپنے نبی کے بارے میں جو دعویٰ کرتے ہیں اس کو چھوڑ دو اور ان کی مدح کے سلسلہ میں جو چاہے حکم لگاؤ اور فیصلہ کرلو۔''

اور دوسرا یہ ہے کہ وہ نہ کسی حد پر رکتا ہے نہ اس سے تجاوز کرتا ہے۔ اس معنی میں متکلمین کا یہ قول ہے مقدورات الله تعالىٰ غير متناهية اللہ تعالیٰ کی مقدورات غیر متناہی ہیں'' اور تیسرا یہ ہے کہ شے بالفعل غیر متناہی ہو۔ اس بارے میں یہ قول ہے وجود مالا يتناهي محال ''غیر متناہی کا وجود محال ہے''۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے لو صلى عليه مصل

بقوله اللهم صل علی محمد بعدد معلوماتک فقبلت صلوته "اگر نمازی نے آپ پر ان الفاظ میں صلوۃ درود بھیجی ۔اے اللہ! محمد پر اپنی معلومات کے عدد کے مطابق درود فرما تو نماز قبول ہو جائے گی۔" کہ اس کا کوئی مطلب ہی نہ رہا۔تو جاننا چاہئے کہ بظاہر یہ ایک مشکل سوال ہے اس لئے کہ اللہ کی معلومات غیر متناہی، لامحدود ہیں کیونکہ ان میں موجود، معدوم ،واجب اور ممکن و ممتنع سب شامل ہیں۔ہم کہتے ہیں کہ علم کا تعلق حقیقت ممتنع یا اس کے مفہوم سے ہے۔اس لئے کہ یہ دونوں تقدیروں پر صادق آتا ہے کہ وہ معلوم ہے۔تو اگر ہم ان کے عدد کے لحاظ سے صلوۃ فرض کرلیں تو ان میں برہان تطبیق جاری ہوگی لیکن ہمیں اس کی نظیر حدیث میں ملتی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا سبحان اللّٰہ مداد کلماته اور کلمات غیر متناہی ہیں جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے لو ان ما فی الارض من شجرة اقلام الآیة(لقمان ۲۷) "اس کے ظاہری معنی غیر متناہی ہونے کے ہی ہیں۔اس لئے اس کی تاویل کرنا ضروری ہے۔ اور مجھے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ تنزیہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہر اس صفت کے ثبوت سے ثابت ہے جو مخلوقات سے اعلیٰ و برتر ہے۔اس لئے کہ تنزیہ کے معنی اس کے حدوث کی صفات سے بعد کے ہیں۔اور وہ اپنے سے اعلیٰ صفات کے اختلاف سے مختلف ہو جاتے ہیں۔اس طرح سبحان اللّٰہ مداد کلماته کے معنی وہ عظیم تنزیہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے کلمات کے ثبوت کے اعتبار سے ثابت ہوتے ہیں۔اس طرح اس کا یہ قول صرف ایک تسبیح ہوتا ہے جو تمام تسبیحات سے اعظم و برتر ہو۔اسی پر قیاس کرتے ہوئے صلوۃ مذکورہ کا معنی ایسی عظیم رحمت کی طلب ہے جس کی عظمت غیر متناہی سے مشابہ ہو۔اور اگر ہم اس بارے میں علم باطن کے لحاظ سے بحث کریں تو کمال کا مطلب اللہ تعالیٰ کا اس کے ناموں اور صفات کے ساتھ بقا ہوگا۔اور اللہ نے عبد کے لئے تجلی کی اور اس کے قریب ہوا وغیرہ۔اور عارف کے لئے ذات اسماء اور تجلیات سب کی طرف وصول برابر ہے۔ہم کہتے ہیں کہ وصول الی الذات کا مطلب اس کا علم وادراک ہے،اور اس مسئلہ کے بارے میں محققین کے کلام سے ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے،اس کے خلاف جو وہم پیدا ہو،اس کا مطلب علم واحاطہ کی نفی ہے،نہ کہ نفس وصول کی نفی۔اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ سالک جب اس حقیقت تک پہنچ جاتا ہے جس کو انا سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کو اس کے کم تروں سے دور کر دیتا ہے تو اس کا التفات،تحقق،تقرر اور وجود کی طرف ہو جاتا ہے اور ان سب کی اصل

وجود مطلق ہے اور اس کے نیچے بہت سی شکلوں میں مختلف منزلیں ہیں تو اس سلسلہ میں اس شکل اور منزل کے احساس سے ہر شکل اور منزل کے التفات کو پہچان لیتا ہے پھر مثال کا صرف مثال سے ادراک کرتا ہے اور روح کا صرف روح سے۔ اسی طرح رجعت قہقری ہوتی ہے یہاں تک کہ اس حقیقت کا ادراک کر لیتا ہے جس سے اوپر کوئی حقیقت نہیں تو وہاں وصول ہوتا ہے۔ وہاں نہ انا کے بغیر علم ہوتا ہے اور نہ ہی انا کے بغیر ادراک۔ اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیخ عارف عفیف الدین التلمسانی نے بہت ہی اچھی بات کہی ہے

دعوا منکری فوزی بها یتفطروا
یحق لهاتیک القلوب انفطارها
وما ذا علی من صار خالافخدها
اغار ابوها ام تنبه جارها

"میری کامیابی کا انکار کرنے والوں کو چھوڑ دو کہ وہ پھٹ پڑیں۔ ان کے دل پھٹنے ہی کے لائق ہیں۔ اور اس پر کیا الزام ہے جو کہ ماموں ہو گیا اور اس کے رخسار پر کیا باپ نے غیرت کی یا اس کے پڑوسی کی نیند اڑی ہے۔"

اس طرح ان کے لئے کمال وصول الی الذات بالفعل متحقق ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اسمائے تجلیات کے اصول سے فنا، بقا اور تحقق ہے۔ اس میں ان کے لئے حالت منتظرہ کا ہونا جائز نہیں ہوتا۔ ہاں اس کے بعد ان تمام نشاتوں سے جن کا انسان یکے بعد دیگرے تصور کرتا ہے۔ ہر نشاۃ سے خاص احکام ہوتے ہیں۔ گویا کہ ان دونوں اصولوں میں اس کا اجمالاً احاطہ کر لیا ہے۔ اب تفصیل کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ اس طرح اس معنی میں کمال کی ترقیات غیر متناہی ہیں۔ تو ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کی صلوۃ سے رحمت اور شرف و مرتبہ اور ثواب حاصل ہو، باوجودیکہ آپ کے لئے معنی اول میں کمال منتظر نہیں ہے۔

۱۲- تفہیم:

شیخ عبدالقادر الجیلانی کے قول "حنفیہ، مرجئہ ہیں" کے معنی

الحمد لله رب العلمين وصلى الله على سيد المرسلين وبارک وسلم وعلى آله وصحبه اجمعين. امابعد. مجھ سے ایک شخص نے غنیۃ میں امام

طریقت قطب الحقیقت شیخ عبدالقادر الجیلانی کے فرق غیر ناجیہ کے ذکر کے دوران ارشاد کردہ اس قول کے بارے میں سوال کیا جہاں انہوں نے مرجئہ کی بارہ قسمیں بیان کی ہیں اور ان میں ایک فرقہ حنفیہ کو بھی قرار دیا ہے۔ پھر تفصیل بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ جہاں تک حنفیہ کا تعلق ہے وہ ابوحنیفہ نعمان کے اصحاب ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ایمان، اقرار، معرفت اور اللہ اور اس کے رسولوں اور جو کچھ اس کے پاس سے آیا ان سب کا اقرار ہے جیسا کہ کتاب الشجرہ میں برہوتی نے ذکر کیا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ شیخ قدس سرہٗ کے اس قول سے خود انہی پر دو طرح سے اعتراض وارد ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ حنفیہ بالاتفاق اہل سنۃ میں سے ہیں۔ اس صورت میں شیخ کا ان کو فرق مرجئہ میں شمار کرنا، گمراہ قرار دینا اور ان کے سلسلہ میں غیر ناجی ہونے کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے۔ اور دوسرے یہ کہ شیخ نے ان عقائد کو بیان کیا ہے جن کی وجہ سے مرجئہ کو مرجئہ کہا گیا ہے اور حنفیہ کو ان میں شامل کیا ہے تو ان کے کلام کا مقتضی یہ ہوتا ہے کہ حنفیہ ان عقائد کو مانتے ہیں جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ شیخ نے کہا ہے کہ مرجئہ کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کیونکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جب کسی مکلّف نے **لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ** کہہ دیا اور اس کے بعد تمام معاصی کا ارتکاب کرتا رہا پھر بھی وہ بالکل بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔ جب کہ اس میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں کہ حنفیہ اس اعتقاد سے بالکل بری ہیں۔ میں نے اس شخص سے کہا کہ ارجاء (مرجئہ۔ ارجاء مصدر کا اسم فاعل ہے) کی دو قسمیں ہیں ایک ارجاء وہ ہے جس کا قائل سنت سے خارج ہو جاتا ہے۔ دوسرے وہ جس کا قائل سنت سے خارج نہیں ہوتا۔ اول وہ جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جس نے اقرار باللسان اور صدق بالجنان کا عمل پورا کر لیا یعنی زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کر لی۔ اس کو معصیت، گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچاتے۔ دوسرا وہ ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اگرچہ عمل ایمان کا حصہ نہیں ہے لیکن ثواب اور عذاب اس پر مرتب ہوتے ہیں۔ اور ان دونوں کے درمیان فرق کا سبب یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین کا مرجئہ کو غلط قرار دینے پر اتفاق ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عمل پر ثواب وعقاب مترتب ہوتے ہیں۔ اب ان کی مخالفت کرنے والا گمراہ اور بدعتی ہے۔

جہاں تک دوسرے مسئلہ کا تعلق ہے وہ ان مسائل میں سے نہیں ہے جن کے بارے میں سلف سے اجماع ظاہر ہوا ہے بلکہ دلائل متعارض ہیں۔ چنانچہ بہت سی حدیثیں، آیتیں اور امر اس

بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ایمان، عمل سے الگ ہے اور بہت سی دلیلیں قول وعمل کے مجموعہ پر ایمان کے اطلاق پر دلالت کرتی ہیں۔ تنازعہ صرف لفظی ہے کیونکہ سب کا اتفاق ہے کہ عاصی گنہگار آدمی ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور وہ عقاب کا مستحق ہوتا ہے۔ پھر دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ ایسا مجموعہ ہے اس کے ظاہر سے ذرا سی توجہ سے صرف نظر کی جا سکتی ہے۔

اور امام ابوحنیفہ دوسرے قول کے قائلین میں سے ہیں۔ اور وہ اہل سنت کے اکابر اور ائمہ میں شامل ہیں۔ البتہ ان کے مذہب کے پیروکاروں اور ان کی اتباع کرنے والوں میں فروعات میں مختلف آرا پیدا ہوگئی ہیں۔ ان میں سے معتزلہ بھی ہیں جیسے الجبائی، وابی ہاشم اور زمخشری۔ ان میں مرجئہ بھی ہیں اور دوسرے لوگ بھی ہیں۔ یہ لوگ فقہی فروعات میں امام ابوحنیفہ کی اتباع کرتے تھے۔ اصولی اعتقاد میں امام صاحب کی اتباع نہیں کرتے تھے۔ پھر بھی اپنے باطل عقائد کو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اس طرح اپنے مذہب کی اشاعت کرتے تھے اور امام ابوحنیفہ کے بعض اقوال سے تعلق قائم کرتے تھے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے حنفیوں میں سے اہل حق طحاوی وغیرہ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے امام ابوحنیفہ کے مذہب کو وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور آپ کی طرف جو باتیں ان لوگوں نے منسوب کردی تھیں، ان کو چھانٹ کر الگ کردیا۔ اس امر پر بہت سے اقوال شاہد ہیں۔ جس نے بھی کتابوں سے رجوع کیا ہے اس پر یہ سب مخفی نہیں ہیں۔ اس طرح حنفیہ اور اہل سنت کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔

جب آپ کو یہ معلوم ہوگیا تو یہ بھی جان لیجئے کہ شیخ رضی اللہ عنہ نے گمراہ مرجئہ فرقوں میں ان اہل ارجاء کا ذکر کیا ہے جو سنت سے خارج ہیں۔ اور اس لئے فرمایا انما سموا مرجئۃ الخ اور ان میں حنفیہ کا ذکر فرمایا یعنی ان لوگوں کا جو فروع میں امام ابوحنیفہ کا اتباع کرتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اس مذہب میں ان کے موافق تھے۔ پھر ان چیزوں کا ذکر کیا جو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لئے فرمایا زعم ان الایمان ھو الاقرار الخ. اب جب ہم نے اس طرح وضاحت کردی تو دونوں اعتراض بیک وقت کمزور پڑ گئے۔ اور یہ ظاہر ہوگیا کہ شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ امام ابوحنیفہ پر اتہام لگایا ہے اور نہ ہی حنفیہ میں سے ماتریدیہ پر۔ اعاذہ اللہ من ذالک اور مرجئہ میں

ان لوگوں کی طرف کچھ منسوب کیا ہے سو کیا ہے۔ وہ اپنی نسبت فروع میں امام ابوحنیفہ کی طرف کرتے ہیں اور آپ کے ظاہری قول سے اپنا تعلق بیان کرتے ہیں اور امام صاحب کے کلام کو بے موقع و محل استعمال کرتے ہیں۔

۱۳- تفہیم:

باری تعالیٰ جل مجدہٗ کا فیض

جب میں نے دیکھا کہ ایک کامل مرادات میں سے کسی چیز میں غور و خوض کر رہا ہے۔ اور اس کے زمانہ میں کوئی جماعت اس سے الجھ رہی ہے تو میں نے سمجھ لیا کہ معاملہ دو حال سے خالی نہیں ہے، یا تو یہ کہ اس مراد میں غور و خوض اور اس کی تحصیل میں کوشش کسی نشاۃ کے حکم کی تکمیل کے لئے ہوگی۔ اس نے بھوک، پیاس اور حرارت و برودت پر پیدا کیا ہے اور اس کا نفس ذکی اور مستعلی پیدا کیا گیا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر اس جبلت کا حکم اس کی پوری معاش میں چلتا ہے، یا یہ کہ قدر دنیا کی نشاۃ کے پورا ہونے سے پہلے ہی اس طرح جاری رہے کہ اس سے آثار صادر ہوں اور یہ جاہ و مرتبہ اور مال یا علم میں انتہا تک پہنچ جائے۔ یا کسی قطعۂ زمین میں امام ہو یا ملت میں کجی پیدا ہونے کے بعد اس کو درست کرنے والا یا اللہ کی زمین میں اس کا خلیفہ ہے جس کی طرف ہر مظلوم رجوع کرتا ہے۔ یا ہادی ہے جس کے ذریعہ اللہ اپنے بندوں کی جماعتوں کو ہدایت سے سرفراز فرماتا ہے۔ اس طرح جب بھی اس شے کے ظہور پر جس کو اللہ نے اپنے علم میں جو پہلے سے اس کے پاس موجود ہے، اس کے لئے مقدر کر دیا ہے، اسباب پیدا ہو جائیں گے، اس کے نفس کی لوح میں اس واقعہ کے لئے محبت کی صورت ڈھل جائے گی۔ اس لئے وہ اس کی تحصیل کے لئے کوشش کرے گا، اور اس کی تکمیل میں بہت محنت کرے گا۔ یہاں تک کہ جب مطلوب پورا ہو جائے گا نہ اس میں کوئی کوتاہی کرے گا، نہ کسی کمزوری سے کام لے گا، نہ کسی کا کوئی اثر قبول کرے گا جس کے لئے اس کو طلب کیا اور طویل مدت تک اس کے ساتھ رہا۔ اور آخری بات یہ کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی بندہ کے حق میں مقدر کر دیا کہ وہ ملت مصطفیٰ کے لئے مجدد بن جائے، اس کے اسرار کو بیان کرے جو اس کے سامنے آئیں جیسے کوئی تازہ نباتات ہو جس کو نہ ہاتھوں نے میلا کیا، نہ

ہی اس سے اوہام نے کھلواڑ کیا، نہ ہی اس کے بندوں کے کلیجے مشتاق ہوئے۔ اس کے علوم کی نہروں سے اپنی استعداد کے بقدر سیراب ہوتے ہیں اور خوب سیراب ہوتے ہیں۔ تو یہ بندہ ایسا ہے کہ اس کی تقدیر نے اس کے اندر اس راز کی تکمیل کے لئے ایک داعیہ ودیعت کردیا ہے۔ اور کبھی کبھی میں اس کا اس حال میں مشاہدہ کرتا ہوں کہ اس کے ہاتھ میں نور کا نیزہ ہے اور وہ اللہ تبارک وتعالی کے گھر کی طرف چلتا ہے اور وہ نیزہ بڑھتا اور طویل ہوجاتا ہے یہاں تک کہ آسمان کی بلندی کو پہنچ گیا اور سورج کا نور بن گیا۔ پھر اس کا نور پوری طرح مکمل ہوگیا۔ زبانیں اس کا وصف بیان کرنے سے عاجز رہ گئیں۔ پھر اپنی سابقہ حالت کی طرف لوٹ گیا۔ اس وقت گردنیں اس کے سامنے جھک گئیں اور نفس تابع فرمان ہوگئے۔ پھر کچھ زمانہ کے بعد بادشاہوں اور امرا نے اس کی زیارت کی اور نیک وصالح لوگوں اور علما نے اس سے استفادہ کیا۔ اس طرح وہ باطل کے زوال اور حق کے ظہور کا سبب بن گیا۔ اس کے اوپر ظاہری وباطنی نعمتوں کی بارش ہونے لگی۔ اس کی ذریت واصحاب میں برکت دیدی گئی۔ پھر جب پینسٹھ سال کے درمیان میں پہنچا تو اس نے اس نشاۃ سے اس سے اوپر والی نشاۃ کی طرف انتقال کیا۔ تب اللہ کے جوارح اور اسباب میں شمار ہونے لگا۔ پھر ایسی عقل ہوگیا جس کی خدمت نفس کرتا ہے۔ اور وہ اس سے سننے، دیکھنے اور کلام کرنے لگا۔ میری اپنی ذات کی قسم! اگر وہ نہ ہوتا تو دنیا پیدا نہ کی جاتی۔

مصلحت نیست کہ ازپردہ بروں افتدراز
ورنہ درمحفل رنداں خبری نیست کہ نیست

"پردہ اٹھانے میں مصلحت نہیں ہے۔ پردہ اٹھانا مصلحت کے خلاف ہے، ورنہ رندوں کی محفل میں ہر خبر موجود ہے۔"

۱۴- تفہیم:

خوابوں کی تعبیر

ایک صاحب کے خوابوں کی تعبیر کے سلسلہ میں۔ جن خوابوں کے بارے میں لکھا گیا ہے، اگر وہ سؤ مزاج کے قبیل سے نہ ہوں جو کہ بیماری ہوتی ہے، وہ بقا کے حصول پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ بقا اس وقت تک درست نہیں ہوتی جب تک بندہ خود حضرت حق کی

شان کبریائی نہ دیکھے۔ بعض خوابوں میں خود کو عورتوں کی صورت میں دیکھتا ہے اور عورتوں سے متعلق کام انجام دیتا ہے۔ اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ خواب میں جس چیز کو دیکھا گیا ہے یہاں اس کا مادہ سے پاک ادراک یہ ہے کہ اس بندہ کا نفس اس کے رنگ میں رنگ گیا اور اس میں فنا ہو گیا اور اس کے ساتھ اس کی بقا رہ گئی۔ لیکن جس معاملہ میں مادہ سے پاک اس ادراک کی شرح و بیان صورتوں اور مناسب قالب یعنی جسم کے قیام سے کرتے ہیں تو اگر یہ رنگ کامل ہو اور نفس کو تمام جہتوں، غضبیہ، شہویہ و حکمیہ وغیرہ سے گھیر لیتا ہے تو مجبوراً عورتوں کی صورت میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اس لئے کہ قوت شہویہ کا ترتیب دینے والا عورتوں کی صورت کے سوا کسی چیز کا تصور نہیں کرتا کہ وہ اس قوت کا قبلہ ہوتی ہیں۔ اس فقیر نے کھنبایت میں خواب دیکھا گویا حضرت حق تعالیٰ ایک ایسے خوبصورت حسین جوان کی صورت میں سامنے آئے جو اپنی بیوی کے ساتھ کھیل رہا ہے اور اس کو چاندی کی ایک چیز دے رہا ہے اور میں بھی ان کے ساتھ ہوں اور ان کے ساتھ کھیل میں شریک ہوں اور چاندی دینے میں ان کے درمیان واسطہ کا کام کر رہا ہوں۔ درحقیقت قوت شہویہ کی بقا کی جہت سے وہ خوبصورت جوان میں ہی ہوں اور وہ چاندی فرمان الٰہی سے میرے حق میں دنیا کا مال و دولت تھا کہ عارف کے لئے ہر چیز قربانی ہو جاتی ہے جب کہ برے لوگوں کے حق میں جداگانہ تقرب پاتا ہے۔

اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھنا کہ بچہ کی دیکھ بھال کر رہے ہیں جو کہ آپ کی بہترین اور خاص صفت ہے۔ اور دوسرے کام کر رہے ہیں۔ یہ خاص طور سے فرائض سے قربت کے معنی میں ایک قسم کی صورت آرائی ہے۔ گویا حضرت حق جل مجدہ ملت کے سلسلہ میں کوئی معاملہ چاہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مطلوبہ امر کی تکمیل کے سلسلہ میں جوارح اور عوامل کی حیثیت میں ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح دیکھنا کہ مکہ فتح کر رہے ہیں اور چند لوگ بھاگ رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قوم آپ کی رہنمائی سے ہدایت پا گئی ہے اور آپ کی سفارش سے ان کے اسلام نے قبولیت کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ اس خواب میں دوسری بشارت یہ ہے کہ یہ طریقت کے معاملہ میں قدم کی پختگی پر دلالت کرتی ہے کہ ہم نے اس کو حضرت پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام سے سند متصل سے پایا ہے۔

حق سبحانہ تعالیٰ نے اس بندۂ عاجز اور تمام دوستوں اور مخلص احباب کو شریعت، طریقت اور

حقیقت کے آداب کے سلسلہ میں ثابت قدم قرار دیا کہ ہمیں سلسلہ مجددیہ کا علمبردار گردانے۔ وانہ لا یخلف المیعاد۔ ''وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا''۔ اور جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ ہم نے ابتدائے کلام میں سؤ مزاج سے عدم اختلاط کی جو قید لگائی ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ اہل تحقیق کے ارشادات اس امر پر متفق ہیں کہ جو خواب کوئی بیمار دیکھے اور اس میں سؤ مزاج کا دخل ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ واللہ اعلم

۱۵- تفہیم:

ایمان کا بیان اس کی تمام صفات اور اطوار سمیت، اور ایمان کے ادوار کا بیان

تصویر: لفظ ایمان دو معنوں میں بولا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک وہ ہے جس پر امن اور جان و مال کی حفاظت کے سلسلہ میں دنیاوی احکام نافذ ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں لفظ کفر آتا ہے۔ اور اس کی بنیاد اللہ، اس کے رسول اور یوم آخرت کا یقین رکھنا اور زبان سے اقرار کرنا ہے۔ اگرچہ اس میں کتنی ہی خطائیں پائی جائیں۔ اس کو اسلام بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ لغت کے اعتبار سے اس کے معنی اطاعت اور اتباع کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قالت الاعراب آمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم ''وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، ان سے کہو تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مطیع و فرماں بردار ہو گئے۔ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔'' (الحجرات ۱۵) اور دوسرے وہ ہے جس پر نجات، درجات کی کامیابی اور بندہ کا اللہ سے اس کے گروہ اور شکر سے قریب ہونا جیسے آخرت کے احکام لاگو ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں لفظ نفاق اور دل کا مرض آتا ہے اور اس کی بنیاد پر صحیح عقیدہ، پسندیدہ و نیک عمل اور بہترین مہارت ہے۔ اس طرح یہ نیکی کی تمام قسموں کے لئے ایک عام نام ہے اور اس میں کمی و بیشی ہوتی ہے اور یہ خارج و داخل بھی ہوتا ہے۔ اور جب بشاشت قلب، خوش طبعی کے ساتھ داخل ہو جاتا ہے تو ارتداد سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

اور اسی طرح لفظ نفاق بھی دو معنی کے لئے بولا جاتا ہے۔ خواہ وہ لفظ کے اشتراک سے

ہو یا معنی کے اشتراک سے۔ ایک ظاہری طور پر اطاعت وفرماں برداری اور پوشیدہ طور پر کفرو انکار۔ اور ایسا کرنے والا جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں جائے گا۔ اور دوسرے بندہ کا گناہوں میں غرق ہونا اور اس حالت پر مطمئن ہونا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے واطمئنوا بالحیوۃ الدنیا ''وہ دنیاوی زندگی پر مطمئن ہیں'' اور لذتوں اور رسموں کا غالب ہونا۔ اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کفر ظاہر کرتے ہیں اور ایمان چھپاتے ہیں، ایسا کرنا ہمارے نزدیک کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ اور اس کا حکم ان لوگوں جیسا ہے جنہوں نے استطاعت کے باوجود مکہ سے ہجرت نہیں کی تھی اور ان کے بارے میں نازل ہوا ان الذین توفٰھم الملئکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا فاولئک ماواھم جھنم وسائت مصیراً'' جو لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کررہے تھے جب ان کی روحیں فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے۔ فرشتوں نے کہا، کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور وہ بڑا ہی برا ٹھکانا ہے۔'' (النساء ۹۷) اور ان میں کچھ وہ ہیں جو عمل صالح کرتے ہیں اور نیکیاں و خیرات ملاتے ہیں۔ اور وہ بھی ہیں جو اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ ملاتے ہیں۔ اور اسی طرح وہ لوگ بھی ہیں جو نفاق اور ایمان کے درمیان تردد میں مبتلا رہتے ہیں، اس شخص کی طرح جو ہمیشہ اس کے دربار میں حاضر رہتا ہے پھر بھی نماز نہیں پڑھتا یا شراب پیتا ہے۔

تاکید (استوار کرنا): یہ تفصیل قرآن کریم کی آیتوں اور رسول اللہ کی حدیثوں سے معلوم ہوتی ہے اس لئے ہم ان کا ذکر کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا جس نے ہماری طرح نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کو قبلہ بنایا، اس کی طرف رخ کیا اور ہمارے ذبیحہ کو کھایا وہ مسلمان ہے۔ جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ذمہ لیا ہے۔ تو اللہ کی ذمہ داری میں عہد شکنی مت کرو۔ اور فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں۔ جب انہوں نے یہ کرلیا تو مجھ سے اپنے جان و مال کو محفوظ کرلیا، سوائے اسلام کے حق کے۔ اور فرمایا مجھے نمازیوں کو قتل کرنے سے منع کردیا گیا ہے۔

اور ایسے شخص پر مسلمانوں والے حکم کے اجراء پر اجماع ہے جس نے اپنی زبان سے

اسلام کا اقرار کرلیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم ایماناً وعلی ربھم یتوکلون، الذین یقیمون الصلوۃ ومما رزقناھم ینفقون، اولئک ھم المومنون حقاً "سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں۔اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں" (الانفال ۲ تا ۴)۔اور فرمایا انما المؤمنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون "حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔وہی سچے لوگ ہیں۔" (الحجرات ۱۵) اور فرمایا قد افلح المومنون، الذین ھم فی صلوتھم خاشعون "یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے۔جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔" (المومنون ۱-۲) اور اسی طرح جب جب بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مومنوں کی صفت بیان کی ہے، وہ صفت ایمان کی حقیقت کھولنے والی ہوتی ہے۔دوسرے وہ ہے کہ جس کے بارے میں ہم چاہتے ہیں کہ اس موقع پر آپ کو سکھائیں۔ وراس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی تفسیر ہر ایک خیر سے کی ہے۔چنانچہ فرمایا لدین النصیحۃ. المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ. اذا سرتک حسنتک وسائتک سیئتک فانت مومن. لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ. لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ "دین خیر خواہی کا نام ہے۔مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلم محفوظ ہوں۔جب تمہیں اپنی نیکی سے مسرت اور برائی پر افسوس ہو تو تم مومن ہو۔تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہو۔تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس کے تابع نہ ہوں جو میں لایا ہوں۔" اور آپ سے ایمان کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا

الصبر والسماحۃ یعنی ایمان صبر اور فیاضی وسخاوت کا نام ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں فرمایا یقولون لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منھا الاذل ''وہ کہتے ہیں ہم مدینہ واپس پہنچ جائیں تو جو عزت والا ہے، وہ ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کرے گا۔'' (المنافقون ۸) اور ان کی صفات دھوکہ وفریب اور اللہ کی آیات کا جھٹلانا اور مذاق اڑانا بتائیں۔اور یہ بھی بتایا کہ وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔اور حدیث میں ہے، چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا۔اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہوگی، اس میں منافق کی ایک خصلت ہوگی، یہاں تک کہ وہ اس کو چھوڑ دے۔ وہ یہ ہیں کہ اس کے پاس کوئی چیز بطور امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔اور بات کرے تو جھوٹ بولے، اور کوئی عہد کرے تو غدر، عہد شکنی کرے، اور لڑے تو گالیاں بکے۔اور فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کو دیکھتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان پہنچ جاتا ہے تو کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا واذا قاموا الی الصلوۃ قاموا کسالی یراء ون الناس ولا یذکرون اللہ الا قلیلا ''اور جب وہ نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اٹھتے ہیں اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔'' (النساء۱۴۲) اور فرمایا فاعقبھم نفاقاً فی قلوبھم الی یوم یلقونہ ''انہوں نے اللہ کے ساتھ جو بدعہدی کی اس کی وجہ سے ان کے دلوں میں قیامت کے دن تک کے لئے نفاق بٹھا دیا۔'' (التوبہ ۷۷)

احاطہ (گھیراؤ): یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے اس کی نوعیت کے لحاظ سے اس کے بدن کی ایک مخصوص ہیئت بنائی ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ ہر فرد بشر کا چہرہ مکھڑا، قد وقامت کے لحاظ سے معتدل، بڑے ناخن اور گول سر ہو۔اور اسی طرح اللہ نے اس کے ڈھانچہ کی بھی نوعیت کے لحاظ سے ایک مخصوص ہیئت بنائی ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ اس کو عقل کا ایک ایسا درجہ حاصل ہو جو حیوانوں کے درمیان اس کے لئے مخصوص ہو۔اور اس کے ہر فرد کو حاصل ہو۔ہم ''الخیر الکثیر'' میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ مرکز وجود اس کے حقائق میں سب سے نچلا درجہ ہے۔

اب یہ جان لینا چاہئے کہ کمال کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وجود کی نشاۃ، پیدائش میں حق

ظاہر ہو۔ اور یہ کہ وہ شرور کی آلودگی سے پاک جبلت ہے، ایسی پاک جو روح کی تخلیق کے لائق ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام "ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے"۔ اور اس کا راز خیر تام سے اس کی تخلیق میں اس کا قرب ہے لیکن اس کی دو قوتیں ہوتی ہیں، عاملہ اور عاقلہ۔ قوت عاملہ کھانے، پینے، لباس، نکاح اور ظلم پر انتقام اور اپنے ابنائے جنس پر تکبر کا تقاضہ کرتی ہے۔ جب کہ قوت عاقلہ کلام، احساس، تخیل اور وجود میں ہر قوت کا مطالبہ کرتی ہے اور اس کی شان یہ ہے کہ جب مشق ہوجاتی ہے تو ہر روز بڑھتی ہے۔ اور جب غالب آجاتی ہے تو نفس اس کی پیروی کرتا ہے۔ اور اس کا راز دنیا میں وجود کے مطابق فیض الٰہی کا تنہا جاری ہونا ہے۔ پھر جب ظرف وسیع ہوجاتا ہے تو اس میں پانی بھی کثرت سے آتا ہے۔ پھر جب دونوں قوتوں کے اقتضا میں وجود بھیجا جاتا ہے تو اس سے جڑیں زمین کی گہرائیوں میں چلی جاتی ہیں اور مستحکم ہوجاتی ہیں اور اس عالم میں آلودگی کی وجہ سے مطمئن ہوجاتی ہیں۔ اور روح متصلہ واحدہ ہے جیسا کہ بدن متصل واحد ہوتا ہے۔ پھر جب اس کے ایک طرف کا حصہ ماؤف ہوجاتا ہے تو آفت دوسری طرف منتقل ہوجاتی ہے۔ اور عالم ارواح کے قرب کے علوم میں سے یہ ہے کہ یہ سرکشی ایک طرح کی گرمجوشی ہے جو شیطان کی طرف سے پیدا کی جاتی ہے اور اس بارے میں ہم "الخیر الکثیر" میں بیان کرچکے ہیں۔ شریعت میں اس لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ گمراہی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے اور ایمان کا دوران شرور کے دور کرنے اور فطرت کی بقا سے عبارت ہے۔ اور اس مقصد کے لئے انبیا مبعوث کئے گئے اور قرآن نازل کیا گیا۔ جیسا کہ آپ کو آگے چل کر معلوم ہوگا۔ اور اس سے جنت میں داخلہ متعلق ہے۔ اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاروں میں نہیں بلکہ واضح عبارتوں کے ذریعہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ چنانچہ جب فطرت تعلیمات الٰہیہ اور تنبیہات حقانیہ کے ذریعہ پاک ہوجائے اور دار آخرت وغیرہ کو یاد کرنے لگے تو کمالات کے لحاظ سے اس کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔

اوّل عفاف: اس کا مطلب ہے، اخلاقی اور عملی طور پر لذت کوشی میں مبتلا نہ ہونا۔ اور یہ قوت عاملہ کے لحاظ سے ہے۔ اس لئے قوت عاملہ صرف ان امور میں استعمال ہوتی ہے جن کی رب تبارک وتعالیٰ نے اجازت دے رکھی ہے اور ایمان کے دور کی بنیاد قوتوں اور ان

کے آلودہ آثار کی بقا پر ہوتی ہے لیکن وہ بھی اس وقت جب اس بارے میں اذن دیا جائے۔ اس صفت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو متقین اور صالحین سے موسوم کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا فی ذلک آیات لقوم یتقون "اس میں متقی قوم کے لئے آیات اور نشانیاں ہیں۔" اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی فطرت تنبیہات حقانیہ کے ذریعہ پاک ہوگئی جس کے نتیجہ میں ان کے دلوں کی آنکھیں کھل گئیں۔

دوسرے علم: اس کا مطلب ہے ان امور پر حکم لگانا جو الٰہیات اور معادیات (آخرت و قیامت) وغیرہ کی قسم سے غائب ہیں، سامنے موجود نہیں۔ چنانچہ اثبات واجب یعنی اللہ تعالیٰ کے بیان کی بنیاد پر ان پر یقین کیا جاتا ہے۔ اللہ کا نہ جسم ہے نہ ہی اس کی ہماری طرح آنکھ یا قوت بینائی ہے۔ اس کے باوجود وہ موجود ہے اور دیکھتا ہے۔ اور آیات اور نشانیوں سے مقصود قوت عاقلہ اور محسوسات سے فوری طور پر اللہ کی عظمت اور اس کی قدرت کی طرف ذہن کا منتقل ہونا اور مانوس محسوسات سے اس کے ربط کا ختم ہونا ہے۔ اس صفت کے لحاظ سے اللہ نے مومنوں کو علماء، عقلاء، متفرس (اصحاب فراست) اور متوسم (صاحب بصیرت) کہا ہے۔

اور تیسرے سکینہ ہے: اس کا مطلب ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والا ایک نور۔ اس کی علامتوں میں سے عبادتوں کے وظائف کی پابندی، پریشانیوں اور سختیوں پر صبر اور اللہ کے دشمنوں پر خفا و غضبناک ہونا ہے۔ اس کو روح کے اندر راسخ ملکہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من صام رمضان ایمانا و احتسابا "جس نے ایمان اور خود احتسابی کے ساتھ رمضان کے مہینہ میں روزہ رکھا۔" مطلب یہ ہے کہ جس نے سکینہ کے غلبہ اور حال کی قوت سے اس طرح روزہ رکھا کہ اس حالت میں برقرار رہا۔ جیسا کہ آدمی غیظ و غضب کے غلبہ کی حالت میں اپنی عادت کے لحاظ سے انتقام لیتا ہے اور دونوں قوتوں میں سے ہر ایک کی طرف یکساں طور پر اس جامع ہیئت کے مطابق ہے جو اپنی نسبت، اتصال کے ساتھ پوری طرح وجود پر طاری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین والزمھم کلمۃ التقوی و کانوا احق بھا واھلھا "اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر سکینت نازل فرمائی اور مومنوں کو تقوی

کی بات کا پابند رکھا کہ وہی اس کے زیادہ حق دار اور اس کے اہل تھے۔" (الفتح ۲۶)

اکتناہ (کنہ، حقیقت کا پتہ لگانا): یہ خصائل جو ہم نے بیان کیے ہیں، ایمان کی بنیاد اور ستون ہیں۔ اور اگر زیادہ ہو جائیں تو ان کے کلیات ہوتے ہیں جو ہم نے بیان کیے ہیں۔ ان میں ایک توحید ہے اور یہ شرک کی تمام قسموں کو دور کرنا اور اللہ تعالیٰ سبحانہ کے شایان شان اس کی تعریف کرنا ہے۔ دوسرے نشاط، حسن رغبت، اور شرح صدر کے ساتھ احتساب نفس کرتے ہوئے سکینت کے ساتھ عبادت کرنا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے کمال شوق کا مظاہرہ کرے۔ یہاں تک کہ غیظ وغضب ختم ہو جائے۔ اس کے ذریعہ اس کے غضب کے حق کی ادائیگی کے لئے آثار ظاہر ہوں نہ کہ اس سے نیچے دفع ضرر کے لئے ہو اور نہ جلب منفعت کے لئے۔ یا جن چیزوں کا وعدہ کیا گیا ہے ان کی تصدیق کرتے ہوئے اور ان پر یقین رکھتے ہوئے۔ تیسرے حسن خلق، خیر خواہی، صلح و چشم پوشی اور صدق اور اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کے ساتھ مختلف معاملات میں سے جن امور کے لئے آپ کو مبعوث کیا گیا ان پر عمل کا ملکہ۔ اور چوتھے بدعات سیئہ سے دور رہنا۔ بدعات کی تین قسمیں ہیں۔ ایک جن باتوں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر پابندی کیے ہوئے ترغیب دی ہے ان پر سختی سے عمل کرنا جیسے تراویح۔ یہ بدعت حسنہ ہے۔ دوسرے ان مباح چیزوں کی عادت بنا لینا جن کی اسلاف میں پابندی نہ کی گئی ہو اور یہ ظاہر ہے۔ اور تیسری قسم مسنون کو ترک کرنا یا مشروع میں تحریف کرنا ہے اور یہ گمراہی ہے۔

پانچویں کبیرہ گناہوں سے دور رہنا ہے۔ اور یہ ہمارے نزدیک وہ چیزیں ہیں جن پر اللہ نے وعید فرمائی ہے یا اس کو کفر یا فحش قرار دیا ہے یا اس پر حد لگانے کا حکم دیا ہے۔ چھٹے دل میں نقش ان ملکات سے دور رہنا جن کی وجہ سے آدمی حق کے انکار اور زمین میں فساد پر اکسایا جاتا ہے۔ اور نفاق کے سلسلہ میں جامع بات یہ ہے کہ یہ گھٹیا ورذیل ملکہ میں فنا ہوتا ہے۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ ملکہ اس کے دل میں راسخ ہوگا۔ کبھی کبھی اس سے قول یا فعل صادر ہوتا ہے جب کہ وہ اس کے خواص میں سے ہوتا ہے اور اس پر اکساتا ہے۔ چنانچہ کبھی یہ ملکہ بخل ہوتا ہے اور کبھی کھانوں کی لذتوں اور نفیس لباسوں اور شہوت رانی اور پاکیزہ خوشنما و شاندار رہائش گاہوں وغیرہ کا شوق ہوتا ہے۔ اور کبھی حسد اور کینہ و بغض ہوتا ہے۔ الغرض اس کے بہت سے

شعبے ہوتے ہیں۔ اور ان میں سب سے زیادہ شدید وہ ہے جس میں کئی رذیل خصلتیں جمع ہوں۔ اس سے ایک مجموعی ہیئت صاف ہوجاتی ہے، اس میں نفس فنا ہوجاتا ہے۔

اور احادیث و آیات میں ان باتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن میں اصحاب بصیرت کے لئے بہت کچھ موجود ہے، جیسے زمین میں فساد پھیلانا، جن امور میں اللہ نے قطع تعلق کا حکم دیا ہے، ان میں تعلق قائم کرنا، اطاعت میں بخل سے گریز، ہوا وہوس، خواہشات نفسانی کی اتباع، ہر صاحب رائے کا اپنی رائے پر مغرور ہونا، جب لڑے تو حد سے تجاوز کرے اور جب عہد کرے تو عہد شکنی کرے اور بات کرے تو جھوٹ بولے۔ ارشاد باری ہے **والذین یبخلون ویامرون الناس بالبخل** "اور جو خود بھی بخل سے کام لیتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں"۔ (النساء ۳۷) اور جو باہمی سرگوشیوں اور تحقیر و تذلیل اور فحش گوئی وغیرہ سے مومنوں کو اذیت پہنچاتے ہیں۔ اور نفاق کی اکثر وجوہ کا وجود، محسوسات سے طبیعت کا اس طرح مانوس ہونا کہ یہ نہ سمجھے کہ اس سے بڑھ کر بھی کوئی امر ہے جس کی فطرت، الٰہیات کی فطرت جیسی نہیں ہے۔ چنانچہ تشبیہ کی طرف مائل ہوجائے اور اللہ کے سوا دوسروں کو رب بنالے۔ اور معادیات کی طرف کوئی توجہ نہ کرے۔ جو عادتوں کے سلسلہ میں قریب تر ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دو لوگوں کی بات چیت کا قصہ بیان کیا ہے کہ جب ان میں سے ایک نے کہا **ما اظن ان تبید هذه ابدا وما اظن الساعة قائمة ولئن رددت الی ربی لاجدن خیرا منها منقلبا** "مجھے تو توقع نہیں ہے کہ قیامت کی گھڑی کبھی آئے گی۔ تاہم اگر کبھی مجھے اپنے رب کے حضور پلٹایا بھی گیا تو ضرور اس سے بھی زیادہ شاندار جگہ پاؤں گا"۔ (الکہف ۳۶) اس کا مطلب یقینی انکار نہیں بلکہ انسیت کی پختگی اور ان امور کو بعید الامکان قرار دینا ہے۔ اگرچہ ان کا عادت کے طور پر اقرار بھی کیا۔ بالجملہ اس کی نماز، دعا، صدقہ اور ذکر یا تو تمام عادتوں کی طرح ہوتی ہیں کہ نہ اس کے لئے کمزوری و حقارت کا احساس پاتا ہے اور نہ ہی بشاشت۔ اور اس لئے کہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کے ذریعہ آدمی لوگوں کی نظروں میں عظمت حاصل کرتا ہے۔ اور یہ پہلی بات سے بھی زیادہ قبیح ہے۔

ہدایت: جو شخص یہ مرتبہ حاصل کرنا چاہتا ہو، اس کے لئے ضروری ہے کہ قرآن کریم کو وضاحت کے ساتھ پڑھے، پھر برابر اس کی تلاوت کرتا رہے کہ اس میں اللہ کی نشانیوں اور

جزاو سزا کا ذکر ہے۔ اس میں قصے ہیں، مواعظ ہیں، بحثیں اور دلیلیں ہیں اور اس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منکر و نکیر سے متعلق سوال والی حدیث میں اشارہ فرمایا انهما یسألان المؤمن بم ثبت ذلک عندک فیقول تلوت کتاب اللہ سبحانہ ''وہ مومن سے سوال کریں گے تمہارے نزدیک یہ کیسے ثابت ہوا؟ وہ کہے گا، میں نے اللہ کی کتاب کی تلاوت کی تھی۔'' اور اس شخص پر یہ لازم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھے جن سے اس کی طبیعت میں نرمی پیدا ہو اور اس کے اخلاق سنوریں اور اس کے عقیدے درست ہوں اور سنت و سیرت کا علم حاصل کرے۔ اور جو شخص قرآن و حدیث کی ان تفصیلات سے جن کے بغیر چارہ نہیں۔ فنون عربی کے زیادہ حصول اور علم اسماء رجال وغیرہ اور لوگوں میں رائج تاریخ اور اصول فقہ علم کلام اور تمام فنون کے گہرے مطالعہ میں مشغول ہو تو وہ علماء زهرة الحیوة الدنیا ''دنیاوی زندگی کا حسن و جمال قرار پانے والے علماء میں سے ہے۔'' اس کے لئے ایمان کی حقیقت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ یہی معاملہ مشائخ صوفیا کے اوراد و وظائف میں مشغولیت کا ہے۔ اور ان کی مشقتوں میں اصلاً کوئی چیز نفع دینے والی نہیں ہے۔ اس پر لازم ہے کہ ہر دن، رات اور گھڑی میں موت کو یاد کرے۔ اللہ کے عذاب کا دھیان رکھے اور اللہ کی عظمت کو یاد کرے اور ایک گھڑی میں اس طرح اللہ کی تسبیح بیان کرے۔ لا الہ الا اللہ اور اس کی تکبیر اس طرح کہے کہ اس کے قلب میں اس وقت اللہ کے علاوہ کسی چیز کی کوئی خواہش و گنجائش نہ رہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول طاعات کو، ان کے علاوہ جو دوسروں سے منقول ہوں، اپنے لئے لازم قرار دے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ وظائف میں سے فرض نماز اول وقت میں، اطمینان قلب، ترتیل قرأت اور حضور قلب کے ساتھ اور تہجد اور چاشت و اشراق کی نمازوں کی پابندی کرے۔ اور تہجد میں سنت یہ ہے کہ تقریباً دو سو آیتیں پڑھے۔

اور اسباب سے متعلق نمازوں میں صلوۃ الکسوف (سورج اور چاند گرہن کے وقت کی نمازیں) اور صلوۃ استسقا، تحیۃ الوضو و تحیۃ المسجد کی نمازیں اور استغفار ہیں اور روزوں میں رمضان کے ہر مہینہ تین دن کے، یوم عاشورہ اور ذی الحجہ کے نو روزے اور صدقات میں اگر اس کے پاس مال ہو تو جن صدقات کا احادیث میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، ورنہ ہر چیز میں

سے ایک صاع صدقہ فطر طبیعت کی بشاشت اور شرح صدر کے ساتھ ہے اور اس کے اس کھانے کے لئے جو کچھ بھی ہو اس میں مسکینوں کا بھی حصہ مقرر کرے۔ اس طرح جو بھی اس کے پاس پہننے کے لئے ہو اس میں ان کا حصہ رکھے۔

تحقیق: اس منصوبہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی معرفت، اس کی تسبیح وحمد بیان کرنا ہے۔ تسبیح کا مطلب اس کی طرف اس طرح توجہ کرنا ہے کہ وہ اس سے اعلیٰ و برتر ہے کہ کوئی اس کو احاطۂ خیال میں لاسکے۔ اس طرح نہ ہو کہ اس کا ادراک حاصل کیا جاسکتا ہے یا اس کا احاطہ کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ کہ وہ انتظار و حیرت سے مشابہ حالت ہے جیسے کوئی شخص کسی چیز کو دیکھنے کا ارادہ کرتا ہے لیکن اس کو نہیں پاتا۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ شے موجود ہے، اس لئے ہمت کر کے دوبارہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کوشش میں ہر چیز سے غافل ہو جاتا ہے۔ اور یہ حالت انسانوں، درندوں اور پرندوں سب کو ان کے وجود کے مطابق پیش آتی ہے۔ اور جو علم اس کے ضمن میں کھلے اگرچہ اس کے تقاضوں میں جو اس کے جاتے رہنے سے غافل ہو جائیں۔ اور اس کی طرف اللہ سبحانہ نے یوں اشارہ فرمایا **تسبح له السموات السَّبْعُ والارض ومن فيهن، وان من شيء الا يسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبيحهم** ”آسمانوں اور زمین میں جو بھی کچھ ہے، سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد و تسبیح نہ بیان کرتی ہو، لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔“ (بنی اسرائیل ۴۴) اور ان کے درمیان انسان کی ایک خصوصیت بغیر احاطہ و ادراک کے صفات واجبہ کا اثبات ہے۔ اس لئے وہ کہتا ہے اللہ سننے والا ہے لیکن ہماری طرح نہیں۔ دیکھنے والا ہے لیکن ہماری طرح نہیں، علم والا ہے لیکن ہمارے علم کی طرح نہیں۔ اور اس کی جو حمد و تسبیح بیان کی جاتی ہے، اور اس دور میں پھیلی ہوئی مکمل معرفت اس کی حمد و تسبیح استعاذہ اور اس استغفار سے تجاوز نہیں کرتی جو اس کے مماثل ہے جو کہ شر سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔ اس کی تفصیل ہم نے ”**الحجة البالغة**“ میں انبیاء سے مخصوص علوم کے سلسلہ میں بیان کردی ہے۔

اور اس منصوبہ میں واضح ہو کر سامنے آنے والی توحید یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک کی تمام وجوہ سے برأت کا اظہار کیا جائے جیسا کہ عنقریب ذکر کیا جائے گا۔ اور یہ کہ اللہ کے انعامات اور سزاؤں پر جو اس نے اپنے بندوں پر ظاہر کئے ہیں، ایمان لایا جائے۔ اور یقین یہ

ہے کہ نفسانی خواہشات کو اس کے مخالف امور کی طرف میلان پر مجبور نہ کریں اور اللہ کے وعدوں اور وعیدوں کی تصدیق کی جائے۔اور توکل یہ ہے کہ بدفالی بیماری، کھوپڑی، بھوت، ماہ صفر، اس میں تزلزل پیدا نہ کریں۔اور محبت یہ ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں، نکاح، لباس، اہل وعیال اور مال واسباب کو اللہ کے غیظ وغضب کے معاملہ میں ہلکا سمجھے۔اگرچہ اپنی جبلت وطبیعت کے مطابق مذکورہ بالا اشیاء سے بھی محبت کرے۔اور خوف یہ ہے کہ اللہ کی سزا وگرفت دنیا میں مصیبتوں اور آخرت میں عذاب سے ڈرے۔اور رجا یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ کی نعمتوں کی امید رکھے۔اور فنا یہ ہے کہ صغیرہ گناہوں پر اصرار اور کبیرہ گناہوں اور ہر اس چیز کی مخالفت میں جن کی لذت کوشی سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ ناخوش ہو خود کو فنا کرلے، اور عبادتوں میں جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور اللہ کی حمد وتسبیح کرے۔اور جب آدمی ان سے ترقی کرکے شرح صدر کے درجہ پر پہنچتا ہے تو یہ امر، دوسرے امور بن جاتے ہیں۔اور آدمی کو مال کی محبت اس وقت کوئی نقصان نہیں پہنچاتی جب کہ وہ اس طرح نہ ہو جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔اس طرح نہ ریاست کی محبت اور نہ کھانے پینے کی چیزوں لباس، نکاح کی محبت۔اور اپنی ذات کے لئے انتقام بھی اس وقت تک ضرر ونقصان نہیں پہنچاتے جب تک ان میں زیادتی اور حق کا انکار نہ ہو۔والحمد للہ اولاً وآخراً۔

تعلیم: معلوم ہونا چاہئے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام مخلوق کے سامنے دورۂ ایمان کے ساتھ آئے۔اور یہ بھی جان لینا چاہئے کہ مقربین میں سے ہر شخص کے لئے خواہ وہ قرب کے فنون میں کتنا ہی ماہر ہوگیا ہو، ایسا قرب ضروری ہے جس میں اس کو ثابت قدمی حاصل ہوجائے۔اور تمام فنون اس کے تابع ہوجائیں۔

پھر یہ جان لینا چاہئے کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ایمان کے معاملہ میں ثابت قدم ہوگئے۔چنانچہ ان کے لئے تمام کمالات شعار اور راز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان کے حال اس طرح مستقل نہیں رہتے کہ اصلاً ہر طرف سے اس میں گھر کر رہ جائیں۔اور ایمان اوپر سے اوڑھے ہوئے کپڑے کے مانند ہے، کہ اس کے اوپر ان کے اشارے منطبق کئے جاتے ہیں اور اس کی طرف ان کی عبارتیں منسوب کی جاتی ہیں۔اس میں راز یہ ہے کہ ان کے تمام کمال اس اسم کے کمال سے منضبط ہوتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک سے ظاہر ہوتا

ہے۔ اور وہی ہے جس سے اللہ سبحانہ نے ایمان کا دورہ قائم کرنے کا ارادہ کیا۔

جہاں تک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو آپؓ ایک جہت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار تھے اور وہ قرب کمال کا دورہ ہے۔ اور اس جہت سے ایک خاص مرتبہ پر فائز ہوئے اور وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف توجہ ہے۔ اور اس طرح اولیا کے لئے یادداشت کی مثال ہے۔ پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک جہت سے رسول اللہ تعالیٰ کی پیروی کرنے والے ہیں اور وہ قرب فرائض ہے۔ اور عثمانؓ ایمان کے معاملہ میں رسول اللہ کی اقتداء کرنے والے ہیں۔ آپؓ کے لئے قرب وجود کی طرف آپ کی فطرت کی صفائی کی حیثیت سے ایک راستہ ہے اور جب معاملہ آپ کے ذریعہ پورا ہو گیا تو خالص ایمان کی طرف اتر گئے۔ اور جہاں تک علیؓ کا تعلق ہے تو ان کے قدم قرب وجود میں گڑ گئے اور ان سے جڑیں زمین کی گہرائیوں میں پیوست ہو گئیں۔ اور ان کو شریعت کی حکمتیں حاصل ہوئیں۔ پھر انہیں وہ شریعت دکھائی گئی جس کو عالم ارواح اٹھائے ہوئے ہے۔ پھر آپؓ کو اس کی طرف عروج حاصل ہوا پھر رسول اللہ کی شریعت اور دین کی شرح میں لگ گئے۔ اور یہی وصایہ یا وصیت ہے۔

اور جہاں تک مہاجر وانصار تمام صحابۂ قدما کا تعلق ہے، تو ان میں سے کچھ ایمان کے معاملہ میں کم درجہ والے ہیں۔ ان کی جستجو حکمت کی طرف ہے، انہیں فقہ تقوی اور وسیلہ میں مقام و مرتبہ حاصل ہوا۔ پھر جہاد اور تنازعات کی طرف تحقیق ہے۔ اور جن لوگوں نے احسان و بھلائی کے ساتھ ان کی اتباع کی، وہ ایمان کے دورۂ ایمان میں نچلے درجہ پر ہیں۔ ان کے لئے شرح صدر کی تحقیق ہے اور وہ سب خیر خواہی، استقامت اور تشبہ بالتحقیق کے ایک درجہ پر ہیں جو ان کے علاوہ کسی کے لئے کبھی ثابت نہیں ہوا۔ اور سنی وہ ہے جو وضع مستقیم میں ان کی موافقت اختیار کرے۔

افادہ: دورۃ الایمان کے مناصب میں سے ایک منصب مجددیہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا **یبعث اللہ فی امتی بعد کل مائۃ سنۃ رجلا یجدد لھا دینھا** "میری امت میں اللہ تعالیٰ ہر سو سال بعد ایک ایسا شخص پیدا کرے گا جو اس کے دین کی اس کے لئے تجدید کیا کرے گا" اور مجدد ایسا شخص ہوتا ہے جس کو اللہ سبحانہٗ قرآن اور حدیث کے علم سے ایک حصہ عطا کرتا ہے، پھر سکینہ کا لباس پہناتا ہے اور حرام، واجب، کراہیت ومستحب اور مباح کو ان کی جگہ پر رکھتا ہے۔ اور موضوع احادیث، قیاس کرنے

والوں کے قیاسات اور ہر افراط وتفریط سے شریعت کی تنقیح کرتا ہے۔ پھر اللہ نے دلوں کو اس کی طرف مائل کیا تو انہوں نے اس سے علم حاصل کیا اور اس (مجدد) کے اور وحی کے درمیان فرق یہ ہے کہ وہ ظاہر علم سے متعلم ہے۔ اور وصی نے رسول اللہ کی شرح سے حصہ لیا۔ پھر اس کو ظاہر علم کے موافق بنایا۔ اور ہمارے نزدیک سو سال کا لفظ محض اندازہ اور تخمینہ کے لئے ہے۔ تعین کے لئے نہیں۔ اور اس کا اعتبار آپ کی وفات سے کیا جاتا ہے۔ پھر مجددیت سے سب سے زیادہ قریب محدث متقدمین ہیں جیسے بخاری و مسلم وغیرہ۔ اور جب مجدد پر دورۃ الحکمہ پورا ہو گیا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجھے مجددیت کی خلعت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ میں نے مختلف امور کے درمیان جمع کرنے کا علم معلوم کر لیا اور یہ بھی جان لیا کہ شریعت میں اپنی رائے کا استعمال تحریف ہے اور قضا کے معاملات میں معظم ومکرم ہے۔

تتمیم (تکمیل): رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم تین قسم کے ہیں۔ ان کے سوا سب زاید ہیں۔ (۱) آیات محکم یا (۲) سنت قائمہ یا (۳) فریضۂ عادلہ۔ آیات سے مراد قرآن کا علم ہے۔ اور سنت سے وہ باتیں مراد ہیں جو عبادات و عادات وغیرہ کے سلسلہ میں رسول اللہ سے منقول ہیں۔ اور فریضۂ عادلہ سے مراد علم القضاء ہے کہ آپ کے لئے اس میں اپنی رائے سے عمل کرنا جائز ہے۔ اب اگر آپ سے پہلے کوئی ایسا شخص موجود ہے جس کو وہ امر پیش آیا ہے اور آپ کا خیال بھی اس سے موافقت کرتا ہے تو اس سے تجاوز نہ کرو اور وہ اجماع ہے۔ سنت میں نہ اجماع کے لئے کوئی گنجائش ہے نہ قیاس کا کوئی دخل ہے۔

۱۶- **تفہیم:**

اسلام کے لئے شرح صدر۔ شرح صدر کی حقیقت اور اس کی مختلف شکلوں کا بیان

تاسیس (بنیاد): اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ** ''اب کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا اور وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر چل رہا ہے (اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس نے ان باتوں سے کوئی سبق نہ لیا ہو)'' (الزمر ۲۲) اور فرمایا **فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح**

صدرہ للاسلام ''اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے، اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی علامات کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: التجافی عن دار الغرور والانابة الی دار الخلود والاستعداد للموت قبل نزولہ ''دارفنا سے من کا خالی ہونا اور دار بقا کی طرف میلان ہونا اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لئے تیار ہونا۔'' اور اللہ تعالیٰ نے محسنین کی تعریف میں فرمایا کانوا قلیلا من اللیل ما یھجعون، وبالاسحار ھم یستغفرون، وفی اموالھم حق للسائل والمحروم ''وہ راتوں کو کم ہی سوتے تھے، پھر وہ رات کے پچھلے پہروں میں معافی مانگتے تھے ۔اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کے لئے حق تھا۔'' (الذاریت ۱۷تا۱۹) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احسان کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اَنْ تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک ''تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر تم نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔'' اور اس کی حقیقت وجود کے جوہر میں جذب کی چوٹ سے اس کا ٹوٹ جانا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وجود اپنے علم کی طرف رحم ومہربانی کے ساتھ اس کی ضروریات کو دیکھتے ہوئے مائل ہے۔اس کا وزن اس کی قوت عاقلہ وعاملہ میں معلوم ہے۔ چنانچہ اس کے اوپر نشاۃ ثانیہ کا حکم غالب آجاتا ہے۔اس کی کشش اس کے عالم کی طرف ڈھل جاتی ہے اور اس کا اپنے تقاضوں وضروریات کا طلب کرنا اور اس کے آثار کا اس کی قوت میں متعین وزن سے افراط وتفریط کے لحاظ سے زائل ہوجانا ہے۔اور یہ ہر موجود شے کا اللہ سبحانہ سے رابطہ ہے، یہ اس کے عین تعبد کی شرح ہے اور اس کی حقیقت کے سجدہ کے لئے ازل سے ابد تک ایک مثال اور نمونہ ہے۔

موجودات میں سے کچھ قوی کشش والے ہیں اور کچھ ضعیف۔اور کشش اسی طرح موجود شے ہے جس طرح اس عالم میں دوسرے امور پائے جاتے ہیں۔اور کشش تیز چلنے والی ہوا کی طرح ہے کہ جس چیز کے اوپر سے بھی گزرتی ہے، اس کے جوہر کو توڑ دیتی ہے، یعنی اس کے مخصوص آثار کو اس سے دور کر دیتی ہے، جس کی وجہ سے وہ فیض کے مشابہ ہوجاتی ہے جو اس کے قوام سے نشاۃ ثانیہ کے قوام کو پیدا کرتا ہے۔اور ہمارا طریقہ عموم کشش کے اصول پر رکھا گیا ہے جو وجود کے طبقات اور نفس اور آنکھ کو یکے بعد دیگرے کاٹنے والی ہے۔اور یہ

ٹوٹ پھوٹ کبھی پہلے قوت عاقلہ میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی عاملہ میں۔ اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو قرب صحابہ کے لئے مقدمہ الجیش ہوتے ہیں اور کچھ ولایت اور فنا کے لئے۔

تعریف: شرح صدر کی حقیقت ایک ہی ہوتی ہے اور وہ وجود کے جوہر کا ٹوٹنا ہے۔ اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی اس عالم سے اعراض کرنے والا بن جائے، اس کی لذتوں سے آنکھ بند کر لے جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ اس کی طاعات پر غیرت کرتے ہوئے کسی عورت کو دیکھوں یا کسی دیوار کو۔ جیسا کہ ایک انصاری صحابی نے جن کو ان کے باغ میں جب وہ نماز پڑھ رہے تھے، میٹھے انگور کی بیل اچھی لگی، کہا، میں اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کروں گا کہ اس نے مجھے نماز سے غافل کر دیا۔ ان کو ان معاملات میں اپنی ذات کے لئے غصہ نہیں آیا جو کہ عام طور سے عادت ہوتی ہے کہ دار آخرت میں باغ بناتے ہوئے غصہ دکھائیں۔ ان پر طاعات کے وہ وظائف آسان ہو جاتے ہیں جو کہ دوسروں کے لئے دشوار ہوتے ہیں۔ یہ صورت صحابہ میں پائی جاتی تھی، گویا کہ یہ قوت عاملہ کی جانب ٹوٹ پھوٹ کا ظہور ہے۔ ان میں سے علم بھی ہے۔ اس سے میری مراد سکینہ کے نور اور ٹھنڈک میں کمزوری ہے جو بلاؤں پر صبر میں دکھاتا ہے۔ اور طاعات، امر بالمعروف ونہی عن المنکر (بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے) اور اللہ کے دشمنوں کے ساتھ مجاہدہ پر صبر، تابعین اور ان کے بعد کے علماء میں بہت پایا جاتا تھا۔ وہ اس قسم کے کمال میں کامیاب رہے تھے۔ ان کے ذریعہ امت کا نظم درست ہوا، اور جب یہ لوگ جوان ہوئے بیسیوں صحابہ موجود تھے۔ اور ان میں سے ایک بھی اس طریقہ پر نہیں تھا جو یہ سمجھتا ہو کہ وہ بیکار ہیں۔ اور حدیث میں آیا ہے العالم فضله على العابد كفضلي على ادناكم "عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسے مجھے تمہارے معمولی آدمی پر ہے۔" اس میں وہی لوگ مراد ہیں۔ اور ان میں یہ بھی ہے کہ ایسے خواب دیکھے جو طاعات کی قبولیت پر کثرت سے دلالت کریں۔ اور جن میں بشارت بھی پائی جائے اور ڈرایا بھی جائے۔ اس طرح وہ واقعہ کے مطابق ہو جائیں۔ اور اس پر ماضی اور مستقبل کے امور کا کشف ہو۔ اور انبیا و اولیا وغیرہ کے وجود دکھائے جائیں۔ اور اس کو بلند آواز سے بھی پکارا جائے اور الہام بھی کیا جائے اور دل میں بھی خیالات آئیں اور ان میں توحید المحبۃ (محبت کی توحید) بھی ہے جو دنیا اور جو

کچھ اس میں ہے، سب سے اس کے نفس کی جڑوں کو اکھاڑ دے اور اس کو دوام حضور حاصل ہو جائے اور اس کی طبیعت کی اصلاح ہو جائے۔ اور اس کی اور بھی صورتیں ہیں جن کو ہم نے ''الخیر الکثیر'' میں بیان کیا ہے۔

ہمیں معلوم اس کی بہترین صورتوں میں سے فناء اللطائف (باریکیوں کی فنا) ہے۔ اور اس صورت کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں ایک بہترین صورت وہ ہے جس سے اللہ سبحانہ نے مجھے خاص طور سے نوازا ہے کہ میرے علم میں اللہ نے مجھ پر اولاً افاضہ اور فعالیت کی صورت میں تجلی فرمائی پھر وہ مجھ سے غائب ہوگئی۔ اور دوسری تجلی افاضہ کے لئے ملکہ کی صورت میں فرمائی پھر وہ بھی غائب ہوگئی پھر تیسری تجلی تمام امور اور قابلیتوں کے مجموعہ کی صورت میں ہوئی۔ اور چوتھی ممکنہ عیوب کے سلب کی صورت میں اور پانچویں فقط ذات کے متعین کرنے کی صورت میں۔ اور اس دن میں ششدر و حیران تھا کہ معاملہ کس طرح ظاہر ہو رہا ہے پھر غائب ہو رہا ہے۔ اس کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ یہ فناء اللطائف ہے۔ پھر ذات میں لوٹنے کی قوت کمزور ہوگئی اور فناء تام متحقق ہوگئی۔ اور اس کی قسموں میں سے توحید افعالی ہے۔ چنانچہ اللہ سبحانہ کو فاعل فی الوجود دیکھتا ہے پھر وہ نہ کسی سے ڈرتا ہے اور نہ کسی سے امید رکھتا ہے۔

توقیف (توقف کرنا): شرح صدر کے کئی احوال ہوتے ہیں۔ ان میں سے تجلی اور پردہ ہیں۔ آدمی کو قدسی چمک اپنے گھیرے میں لے لیتی ہے اور وہ یہ ہے کہ نفس ناطقہ اس عین کے جو خالص امر قدسی ہے، اور اس وجود کے درمیان جو اس عالم گندگی کے امور میں سے ایک امر ہے، برزخ ہے۔ چنانچہ جب وجدان امور کو خود سے دور کر دیتا ہے جن پر اس کی جبلت بنائی گئی ہے اور احکام نفس میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس کے لئے معرفت کی ایک قسم واجب ہو جاتی ہے، جو مجرد عن المادہ کے مشابہ ہوتی ہے۔ اس وقت وہ تجلی ہوتی ہے۔ اور جب وہ اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے تو پردہ ہو جاتی ہے۔

ان میں خوف و رجا بھی ہیں۔ ان کا راز یہ ہے کہ وجود کی جبلت دو صورتوں میں ہوتی ہے۔ ایک وہ اوہام ہوتے ہیں جو ناامیدی اور بزدلی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اور یہ سردی و رطوبت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ دوسرے وہ اوہام ہیں جو حسن امید اور شجاعت کی طرف مائل

ہوتے ہیں۔اور یہ حرارت اور خشکی کی وجہ سے ہوتا ہے۔اور یہ اوہام کبھی عام علوم سے مل جاتے ہیں تو وجود میں ہیئت کا فائدہ دیتے ہیں۔ان کا نام نشاط اور حزن رکھا جاتا ہے۔اور کبھی ان علوم سے ملتے ہیں جو حضرت شارع علیہ السلام لائے۔ان کو خوف ونشاط کہا جاتا ہے۔اور کبھی اس سے قدسی چمک ملتی ہے۔تب اس کو قبض وبسط کہا جاتا ہے۔اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ایک چمک کے حصول سے پہلے ہوتی ہے تو وہ بسط کہی جاتی ہے اور اس کا حصول نہ ہو تو قبض ہو جاتا ہے۔اور دوسری اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرنے والی اور امید پیدا کرنے والی صفات سے چمک کے حصول سے پہلے ہوتی ہے۔اور علم الاسما صرف اہل ذوق کو حاصل ہوتا ہے جب کہ دوسروں کو صرف علم صفات ہوتا ہے۔اور صفات ہمارے علم کے مطابق خبریں اور افعال ہوتے ہیں۔ اور ظاہر میں کتنے ہی اسم حقیقت میں صفت ہوتے ہیں۔اور اہل ظاہر ان کا ادراک صرف صفات میں کرتے ہیں۔اور خوف پیدا کرنے والے یا امید پیدا کرنے والے اسماء کا حکم تجلی الٰہی پر ظاہر ہوتا ہے۔بعض کے نزدیک اس کو قبض وبسط کہا جاتا ہے لیکن ہم اس کو جلال و جمال کہتے ہیں۔

تعلیم: شرح صدر والے کے لئے تین امور کا حاصل ہونا ضروری ہے۔ایک ذکاء حالی اس کو تلطیف السر (راز کی باریکی) بھی کہتے ہیں۔اور دوسرے اللہ کو اس کے علاوہ سب پر ترجیح دینا۔اور تیسرے اوہام وجوارح کا حالت انشراح کا مطیع ہونا۔اور اس کے حصول میں تدریج ضروری ہے۔اور کیا ذکاء وخیر اور تنبیہ دو قسمیں نہیں ہیں؟ ایک ذکاوت علم میں ہوتی ہے۔چنانچہ کتنے ہی لوگ ایک لحظہ میں خفی چیز کا ادراک کر لیتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو صریح مقصود کا ادراک دو تکرار کے بعد ہوتا ہے۔دوسرے ذکاوت حال میں ہوتی ہے چنانچہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ غم زدہ کے پاس بیٹھتے ہیں تو غم ان کی طرف بڑھتا ہے یا نشاط والے کے پاس بیٹھتے ہیں تو ان کی طرف نشاط بڑھتا ہے۔اور کتنے ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی یہ حالت تکرار کے بعد ہوتی ہے۔ہم نے اس سے جو مراد لی ہے، وہ تیقظ حالی (حال کی بیداری) ہے۔

اور کچھ لوگ ہیں جو خوشی کے نغمے سن کر لطف اندوزی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور کبھی وحشت کے نغمے سنکر اور کبھی دنیا سے بے رغبتی اور آخرت سے رغبت پیدا کرنے والے اور

سخاوت وشجاعت کا جذبہ ابھارنے اور پاکیزہ عشق پیدا کرنے والے وعظ سن کر۔ اس طرح جب وہ دل کے تعلق کے ساتھ اس کے محاسن وشمائل کے ذکر اور اپنے نفس کے نزدیک عشق کی صفت کی تحسین کے ساتھ چلتا ہے تو اس کو عشق کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اس سے اس کے دل کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ پھر جب وصل کی کیفیت بڑھتی ہے اور محبوب اس کی طرف توجہ کرتا ہے تو اس کے دل کو نشاط اور شرح خاطر حاصل ہوتے ہیں۔ اور جب ہجر وجدائی کی کیفیت شدت پکڑتی ہے اور محبوب اس سے منہ پھیرتا ہے تو وہ غمزدہ ورنجیدہ ہوتا ہے اور اس کو انقباض خاطر ہوتا ہے۔ پھر جب بار بار اس پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو اس کو معنوی لذت حاصل ہوتی ہے جو حسی لذتوں سے بھی زیادہ لذیذ ہوتی ہے۔ اور اس کو معنوی بدمزگی معلوم ہوتی ہے تو وہ جائز کھانے پینے والی چیزوں سے بھی زیادہ بدمزہ ہوتی ہے۔ جبکہ ہمارے نزدیک حس لطیف، واعظ کے کلام اور کتاب اللہ کو تدبر کے ساتھ پڑھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ آخرت کا عذاب اس کی آنکھوں کے سامنے رہتا ہے گویا کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے چنانچہ اس کو ناپسند کرتا رہتا ہے۔ جیسا کہ زید بن حارثہ نے اپنے نفس کے بارے میں ذکر کیا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال فرمایا تھا ماحقیقة ایمانک ''تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ اور ان کے اسرار کا لطف یہاں تک پہنچ گیا تھا کہ ادنیٰ تحریک سے مر گئے۔ وہ عادتوں کے معاملہ میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اور قریب ہے کہ تم ان کی کتابوں کو غور سے دیکھو تو پاؤ گے کہ ایک شخص نے قوال کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا

کل بیت انت ساکنه
غیر محتاج الی السرج

''جس گھر میں بھی تم رہتے ہو، اس کو چراغ کی ضرورت نہیں ہوتی۔'' تو وہ وہیں مر گیا۔

الہام: اصحاب طریقت کے درمیان اس قانون کی تشکیل میں جس سے شرح صدر حاصل ہوتا ہے، مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے، اللہ نے مجھے الہام فرمایا کہ میں نے تمہیں سلوک کا سب سے قریب کا اور سب سے یقینی طریقہ عطا فرمایا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی تمہاری طرف راغب ہو تو اس کو نفی اور اثبات کی تعلیم دو (لا الہ الا اللہ) شرط یہ ہے کہ وہ نفی کے سلسلہ میں اس کے ماسوا سب سے لاتعلقی کا اظہار کرے۔ اور

اثبات کے سلسلہ میں کلی طور پر اللہ سبحانہ کی طرف راغب ہو۔ یہاں تک کہ جب اس کے اندر محبت راسخ ہو جائے اور اس سے وسوسے زائل ہو جائیں تو اس کو حضور خالص کی تعلیم دو جو حرف و آواز سے خالی ہو۔ یہاں تک کہ جب اس کے حضور کو دوام حاصل ہو جائے اور اس کی طبیعت کی اصلاح ہو جائے تو اس کو توحید افعالی کی تعلیم دو۔ اور وہ خلق الافعال اور فعل کے ساتھ استطاعت کا مسئلہ ہے۔ یہاں تک کہ جب اس کا توکل اور تفویض مکمل ہو جائے تو اس کو یہ تعلیم دو کہ ہر صفت اللہ سبحانہ کی صفات میں سے ہے۔ اور یہ توحید صفاتی ہے یہاں تک کہ جب اس کے لئے یہ صحیح ہو جائے تو اس کو اللہ عزوجل کے تقرر میں فناء التقرر (تعین کا فنا ہو جانے) کی تعلیم دو۔ یہاں تک کہ جب مدرِک اور مدرَک کے درمیان اتحاد تک معاملہ پہنچ جائے تو اس کے اور اس کے امر کے درمیان معاملہ چھوڑ دو۔ اور اس کا امر حضور مجرد سے ہے۔ اور اس کے نفس کی حد بندی توڑنے میں سعی کرو۔ تو جب فناء قریب آ جائے تو لامحالہ فنا ہو جائے گا۔ اور جب کمالات کے رنگ میں پوری طرح رنگ گیا تو ہم نے یقینی طور پر جان لیا کہ قرب کے لئے سیدھا طریقہ وہی ہے جس پر رسول صلوات اللہ علیہم اجمعین چلے تھے۔ اور جو مشقت بھری طاعات جیسے مسلسل صوم الدھر، رات کے آخر تک قیام اور ہر رات میں ختم قرآن وغیرہ سے شرح صدر کے دور میں عام باریکیوں سے حاصل ہوتا ہے۔

اور جن دقیق مسائل کی طرف احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت رہنمائی کرتی ہیں، ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس میں اللہ کا طریقہ کیچڑ بھرا ہے۔ جس نے اپنے نفس سے ٹال مٹول سے کام لیا اور ہمیشہ کے لئے زمین میں داخل ہو گیا تو اس کو کیچڑ نے اس کے ٹخنوں تک یا گھٹنوں تک یا نرخرہ تک جکڑ لیا۔ سعید و نیک بخت وہ ہے جو نہ راستہ کی پرواہ کرے، نہ راستہ میں پائی جانے والی چیزوں کی۔ اور مقصود میں چاروں طرف سے گھر گیا اور ساری رات اور صبح کو بھی بغفسہ جلدی کی یہاں تک کہ دورۂ شرح کے شخص کی طرح موت سے ہمکنار ہو گیا۔ کہ ان میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا، ان میں سب سے زیادہ اس سے محبت کرنے والا، سب سے زیادہ اس کا ذکر کرنے والا، سب سے زیادہ سخی، سب سے اچھے اخلاق والا، یعنی امور میں سب سے کم مشغول ہونے والا، وسیع النفس، عدل کے اعتبار سے کامل عقل والا، اللہ کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت، اللہ کی کتاب کو سب سے زیادہ جاننے والا، اپنے

قلب میں اللہ کی طرف دعوت کا جذبہ رکھنے والا کہ اسی کے لئے حکم دے اور اسی کے لئے روکے، سب سے زیادہ صبر کرنے والا، سب سے زیادہ شکر کرنے والا اور یہ وہ مقدار ہے کہ جس کو عام لوگ انبیا صلوات اللہ علیہم اجمعین کی نبوت پر یقین کے بعد پہچان لیتے ہیں۔

۱۷-تفہیم:

رحمٰن کی تجلی اور دنیا میں جو کچھ بھی پایا جاتا ہے، سب اسی سے ہے

اجمالی تشریح: جاننا چاہئے کہ وحدت کبری یا وجود اقصی اس کو کچھ بھی کہیں، اس کی تفسیر مسلسل سامنے آنے والی تجلیوں سے کی جاتی ہے کہ اس کا معاملہ اس تجلی کی طرف مائل ہوجائے جس کو شریعت کی اصطلاح میں الرحمٰن کہا جاتا ہے۔ اور اسی طریقہ سے پھیل گیا اور فطری طور پر موجود شرط کے ساتھ پایا گیا جو کہ دو امور کا مجموعہ ہے۔ عرش جس پر الرحمٰن مستوی ہوا اور پانی جو کہ عالم امکان پر قوی ہے۔ اور یہ تمام صورتیں عرش میں ہیں اور ہر صورت عرش سے تجاوز کرتی ہے۔ چنانچہ وہ عدم محض اور امتناع ذاتی ہے۔ عرش سے میری مراد عرش تکوین ہی ہے جو جسمانی و روحانی امر ہے۔ اپنے طریقہ اور شرط قضا دونوں امور کے لئے جامع ہے۔

الرحمٰن نے عرش کی شرط سے سب سے پہلے جو فیصلہ کیا، وہ عناصر اور افلاک کی ان کی طبیعتوں کے ساتھ ایجاد ہے۔ چنانچہ افلاک، فاعل کے اصنام ہیں اور عناصر قابل کے اصنام۔ تو عرش وہ ہے جو موجودات کے اصول سے اس کو جمع کرے یا اس پر قبضہ کرلے۔ جیسا کہ ہم نے ایک شخص کے لئے کہا، اس کی عین ثابتہ ہے۔ میری مراد وہ ہے جو عین کے مشابہ ہے۔ تحصیلات کی ایسی عبارت سے تعبیر کرتے ہوئے جس سے مغائرت محسوس ہوتی ہے۔ اور وہ الرحمٰن ہے۔ اس کو فلاسفہ نے اپنی اصطلاح میں عقل فعال کہا ہے۔ اور اس کا نفس ناطقہ ہے جو کہ اس کی ایسی شخصیت ہے جس کی بنیاد پر اس کا وجود ہے۔ اور اس کا ایسا وجود ہے جو عناصر و افلاک سے اس کے اعضا میں جاری و ساری رہتا ہے۔ اور افلاک ہر تدبیر کا مرجع ہیں جو اس کے لئے مخصوص ہے۔ اور اس کی طبعی قوتیں ہیں جو اس کے اعضا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور قوی ادراکیہ ہیں جو پوری طرح اس کے اوپر طاری ہیں۔ اور اس کے قوی قلبی ہیں۔ ان میں سے جزئی احکام ہیں۔ اس کے بعد معدنوں کا فیصلہ کیا، پھر نباتات کا، اس کے طویل زمانوں کے

بعد حیوانات کے بارے میں فیصلہ کیا اور حیوانات کو پیدا کیا، اور ان کے بہت زمانوں کے بعد انسانوں کے بارے میں فیصلہ کیا۔ پھر قریب تھا کہ اس کے تمام اعضا میں فساد پھیل جاتا تو سب کمزور پڑ جاتے اور عرش اور پانی کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہتا۔ اور ہوائے عدم ان دونوں پر یکے بعد دیگرے چوٹیں مارتی، عرش سے اس کی عرشیت کے ذریعہ اور پانی سے اس کی مائیت کے ذریعہ جو ہر وقت معدوم ہوتی۔ اور امر واجب کے لحاظ سے ہر لحہ باقی رہتی جو کہ دونوں اس کے سایہ ہیں۔ اس وقت نہ کوئی عنصر باقی رہتا، نہ آسمان، نہ خیال اور نہ کوئی ادراک کرنے والا۔ تب مملکت بغیر محافظ کے ہوتی۔ پھر خلوتام سے ایک خاص مدت کے بعد الرحمٰن شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ اپنی فیاضی اور سخاوت سے معاملہ کرتا ہے اور آسمان اور زمین کو پیدا کرتا ہے جیسا کہ وہ تھے۔ اس طرح اس دورہ کا حساب ان امور میں سے ہے جو انسان بلکہ فلک سے بھی ممتنع ہیں۔ اور دورہ سابقہ کی باتیں کہیں مذکور نہیں ہیں، نہ ہی ان کی طرف کوئی اشارہ پایا جاتا ہے، نہ آسمان میں، نہ زمین میں، نہ خیال میں نہ کسی ادراک کرنے والی قوت میں، اور نہ ہی کوئی زبان اس کی تعبیر بیان کرتی ہے۔ اور نہ ہی دل میں اس کا خیال آتا ہے۔ ہم نے الرحمٰن میں اضمحلال دکھایا تو اس راز کو سمجھا۔

ومن العجـــائب ان افوه بـذكرها

ولقد اغـــار بـــان يمربخـــاطری

"اور عجیب بات یہ ہے کہ میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اس حد تک غیرت آتی ہے کہ وہ میرے دل سے بھی گزر جائے۔"

تصویر (نقشہ کشی): جاننا چاہئے کہ انجاس (کسی چیز کے جاری ہونے اور پھوٹنے) کی دو قسمیں ہیں۔ ایک التسمی (نام پانا) اور دوسرے خلق، پیدا ہونا۔ نام پانے کا مطلب ہے حقیقت صادقہ کا ذات سے جدا ہونا۔ چنانچہ اسم اور ذات یقینی طور پر ایک لحاظ سے ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں اور ایک لحاظ سے ایک دوسرے پر صادق آتے ہیں۔ تفارق یا ایک دوسرے سے جدا ہونا، ان کی اصل کے لحاظ سے ہے۔ اور تصادق (ایک دوسرے پر صادق آنا) ہر ایک کے دوسرے کے لئے شامل ہونے کے لحاظ سے ہے۔ اور خلق کا مطلب ہے حقیقت غیر صادقہ کا ذات سے جدا ہونا۔ اس طرح حقیقت غیر صادقہ اور ذات ہر لحاظ سے

ایک دوسرے سے جدا ہوتی ہیں۔ جب کہ اصل وجوہ کی دوسری وجہ سے ایسا نہیں ہوتا۔ اور تفارق اول کی پختگی کا مطلب اطلاق اور مطلق سے مطلق کے لئے شرح کرنا ہے۔ اور پختگی ثانی کا مطلب تقید، قید میں ڈالنا اور مقید سے مطلق کی شرح کرنا ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ مفہوم کلیات میں سے ایک کلی ہے۔ اور کلی مفہومات میں سے ایک مفہوم ہے۔ اور یہ دونوں اپنی حقیقت میں ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں۔ مفہوم وہ ہے جو سمجھا جائے اور جس کا ادراک کیا جائے۔ اور کلی وہ ہے جو عام ہو اور شامل ہو۔ اس طرح اس مثال سے تلطف (نرمی و مہربانی) کر سکتے ہیں اور اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ یہ نسبت ایک ایسی نسبت ہے جس کو تفارق بالذات اور تصادق بالعرض کہا جاتا ہے۔ اور یہ نسبت اللہ کی ذات اور اس کے ناموں اور ایک نام اور دوسرے نام کے درمیان واقع ہے۔ اس طرح ذات ایک لحاظ سے عین اسماء ہے اور دوسرے لحاظ سے غیر اسماء ہے۔ اسی لئے اس جدائی کو ہم نے مطلق رکھا ہے۔ اس کے مقابلہ میں التسمی (نام پانا) ہے۔ اس طرح بات ثابت ہو جاتی ہے۔

تحقیق: کیا میں آپ کو اطلاق کی حقیقت کے بارے میں بتاؤں؟ کیا وجوب، موجود کو دو جہتوں، جہت فاعل اور جہت قابل سے نہیں گھیر لیتا؟ ایسی صورت میں اس موجود کا راز ان دونوں میں محفوظ ہے اور موجوب کا سلسلہ وجوب حق پر منتہی ہوتا ہے۔ اس طرح موجودات کے تمام اسرار ٹوٹ کر ایک راز میں جمع ہو جاتے ہیں، جو کہ اس میں داخل ہوتا ہے۔ اور وجوب حق یا وجوب یقینی، قطعی یا وحدۃ قصوی جو چاہو تم کہہ لو۔ پھر کہئے کہ وہ اطلاق اول ہے۔ پھر ہر وہ چیز جو اس پر بالعرض صادق آئے اگر چہ بالذات مطلقاً جدا بھی ہو۔ اور اطلاق کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ مطلق کے لئے صورت اور مادہ نہ ہو۔ اس کے اعتبارات مختلف ہیں بلکہ امر واحد ایک اعتبار سے موجود جہت واحد کی شرح اور ایک اشارہ ہے۔ اس طرح اطلاق کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ اور اس کی وحدت میں کثرت ہے۔ جہاں تک وحدت کا تعلق ہے تو ہر وجود کی وجود قطعی کی طرف ایک نسبت ہوتی ہے۔ تو جب قید سے کوئی آلودگی نہ ہو تو آپ کے لئے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ وجود قطعی کے لئے وجود شرح ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اور جہاں تک کثرت کا تعلق ہے تو وہ بالذات شارح اور مشروح اور اشارہ اور مشار الیہ کے تعدد کے لئے ہوتی ہے۔ اور یہ دونوں وجہیں وحدت اور کثرت بیک وقت

ساتھ ساتھ صدور اور ظہور میں خلط ملط ہوتی ہیں۔ چنانچہ خواہ وہ کتنی ہی چمک دار ہوں، ناظر کے لئے اپنی ازلی نظر میں ان کے درمیان فرق کرنا کبھی بھی صحیح نہیں ہوتا۔ واضح رہے کہ عقل کے تصرف اور مطلقات کا ایک طویل سلسلہ ہے، جس کا اول آخر ہوتا ہے۔ یا ایک دائرہ ہے، جس کا مرکز اس کا احاطہ کئے ہوئے ہوتا ہے۔ آپ چاہیں تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس کی مثال سورج کی شعاعوں جیسی ہے جو آفاق میں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کی ایک وحدت ہو جس سے آگے کوئی چہرہ نہ ہو۔ اس تحقیق کو ذہن نشین کرلو۔

تمیز: اسم کا جو مفہوم عام لوگ اپنے محاوروں میں لیتے ہیں اس کا گمان نہ کرو۔ وہ لوگ اس کو ایک ایسے امر کے مقابلہ میں مطلق رکھتے ہیں جس کا ذہن احاطہ کرتا ہے یا زبان سے بولا جاتا ہے۔ جب کہ ہمارے نزدیک وہ حقیقت قدسی ہے جو ان موجودات سے زیادہ برحق ہے جس کا عام لوگ عقل یا وجدان یا احساس سے احاطہ کرتے ہیں۔ البتہ وہ غیر مادی ہوتا ہے اور وہ کسی اشارہ یا زمانہ کے تحت نہیں ہوتا۔ اور اس کا پایا جانا زیادہ موکد ہوتا ہے۔ اور اسماء اور صفات کے درمیان فرق ہوتا ہے کہ اسماء حقائق مجردہ ہوتے ہیں اور اسماء اور صفات اور ذات واجب کے درمیان تفارق بالذات اور تصادق بالعرض کی نسبت ہوتی ہے۔ اور صفات ان امور کی خبر میں ہے جو تنزہ، تقدس اور عزت و کبریائی کے سلسلہ میں حقیقت میں اللہ عزوجل سے متعلق ہیں، اور یہ سب اس زبان میں ہیں جس کو عام لوگ سمجھتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کے اسماء کا علم ان امور میں سے ہے جن کا ادراک صرف ذوق سے کیا جاتا ہے۔ اس لئے رسول صلوات اللہ علیہم نے ان کے بارے میں سکوت اختیار کیا اور اللہ سبحانہ کی صفات کا علم ان امور میں سے ہے جن کے لئے صرف وہی قوت کافی ہے جس کو ہم عقل وجودی کہتے ہیں۔ اس لئے اس کے بارے میں رسولوں نے کلام کیا ہے۔ اور کتنے ہی بظاہر اسماء حقیقت میں صفت ہیں۔ اس طرح کتنی ہی بظاہر صفات قرار پانے والے حقیقت میں اسم ہیں۔

تنزل: قارئین عزیز! ہم نے بڑی محنت و کاوش سے تحقیقات کو آپ کے ذہن کے قریب تر کردیا ہے۔ چنانچہ ہم نے کہا ہے کہ اسم اول نہ اس طرح واقع ہوتا ہے کہ اس سے پرے کوئی شے ہو اور نہ ہی وہ کوئی صادر ہونے والا ہے۔ وجوب حق کی طرف اس کی نسبت تقرر یا فعلیت یا ذات یا ماہیت کی طرف تحقیق کی نسبت ہے اور ہم ان الفاظ کی پرواہ نہیں

کرتے جن کے بارے میں فلاسفہ نے خود گمان کیا۔ پھر اس اسم سے اسم وجودی صادر ہوا۔ گویا کہ وہ تحقق میں وجود قطعی کے ظہور کی جہت کا بیان ہے یا اسم اول، چاہے آپ اس کو کچھ بھی نام دیں اور اسم سلبی گویا کہ وہ عریاں کرنے کی جہت کی شرح ہے جس کے مقابلہ میں نہ معقول آتا ہے نہ موجود اور نہ مفروض۔ اور جس کو تحقق کہا جاتا ہے اس کی شرح ایسے ہی ہے جیسے آپ کہیں، میں شئے مطلق کو توصیف کے دائرہ میں لے آیا۔ اور وہ جس پر مبنی ہے، اس کے بارے میں خبر دینے کا عمل مطلق کیسے ہوسکتا ہے؟ اصلاً وہ عالم قید میں قطعی مطلق کے مقابلہ میں ہے۔ پس اس پر غور کرو۔

کیا یہ امر عجائبات میں سے نہیں ہے کہ لازم اول، اطلاق اول سے پیچھے نہیں رہتا، نہ وجود میں اور نہ سلب میں۔ جہاں تک وجود کا تعلق ہے تو وہ بنفسہ ہے اور سلب اس کی مشابہت سے ہے۔ اس بارے میں سب سے اچھی بات ہمارا یہ قول ہے **لم یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا** "اس نے تو نہ کسی چھوٹی چیز کو چھوڑا نہ بڑی کو، سب کا احاطہ کرلیا" اس بارے میں آپ کو جس نے یہ بتایا کہ اس کو کسی عدم نے ڈھانپ لیا ہے اس کو وہم ہوا ہے۔ جہاں تک اسم وجودی کا تعلق ہے اس سے کچھ نکلا۔ اس میں ظہور کو واضح کیا، پھر ایک مجموعہ کے بعد ظہور تقیدی کے لئے ملکہ بدلا، پھر ظہور بالفعل تبدیل ہوا اور اسی سے ازل محض کا نظام مکمل ہوا۔ دوسری طرف اسم سلبی سے شاخیں نکلیں جو ہر ظہور پر متفرق ہوجاتی ہیں گویا کہ وہ سیف ازل ہے جو ہر فاسد کو کاٹتی اور صحیح کی حمایت کرتی ہے۔ اور ہم نے آپ کو ایسے اسماء دیئے ہیں کہ ان سے ایجاد کے بھید وابستہ ہوتے ہیں۔ اور آپ کو نہیں معلوم کہ شاید اس وضاحت کے نتیجہ میں ناموں کے حقائق برآمد ہوں۔ آپ سوچیں گے کہ ہم اس کی شرح نہیں کرسکتے۔

معذرت: ہم نے "الخیر الکثیر" میں تفارق اسماء اور ان کے ایک دوسرے سے ممتاز احکام کو کثرت سے بیان کردیا ہے اور وہاں ہمارے طریقہ سے دو طرح سے ہٹا ہے۔ اول یہ کہ ہم نے ازل کے حکم کو مختلف احکام میں تقسیم کردیا ہے اور ان میں سے بعض کو ثبوتی اور بعض کو سلبی قرار دیا ہے۔ اسی طرح بعض کو بالقوہ اور بعض کو بالفعل۔ اگرچہ یہ تقسیم واقعہ کے مطابق ہے لیکن وہ عرفان جو واقعہ کی اصل سے زیادہ مشابہ ہوتا ہے وہ اس کو اس قسم سے مفید ہوتا ہے جو غلبۂ حال کے حکم سے متغیر ہوتی ہے۔

دوسرے یہ کہ ہم نے ہر مرتبہ کو اسماء حسن میں سے اسم کے حال اور ذوق کے تقاضہ کے مطابق قرار دیا ہے۔شاید کہ قرآن عظیم میں ان سے مراد وجود کی لغت میں صفات نہیں اور عارف احوال کی تبدیلی اور مقامات کے اختلاف میں لازمی طور پر ہمیں معذور قرار دے گا۔ شاعر نے کہا ہے

وعذرالهوی العذری بین جفونها
اذاهي لامت عاشقيها يلومها

''اور عشق کے عذر والا عذر اس کی پلکوں کے درمیان ہے وہ جب اپنے عاشقوں کو ملامت کرتی ہے تو وہ عشق اس کو ملامت کرتا ہے۔''

اور حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انی لست کل کلام الحکیم اتقبل ولکن اتقبل همه وهواه فان کان همه و هواه فی طاعتی جعلت صمته حمداً لی ووقارا وان لم یتکلم ''میں حکیم کے ہر کلام کو قبول نہیں کرتا لیکن اس کی نیت اور خواہش کو قبول کرتا ہوں۔اگر اس کی نیت اور خواہش میری اطاعت گزاری میں ہوتی ہیں تو اس کی خاموشی کو بھی اپنی حمد اور وقار بنالیتا ہوں، چاہے وہ بولے بھی نہیں۔'' (دارمی)

تحدیق (گہری نظر ڈالنا): کیا ایسا نہیں ہے کہ ہر شے اپنے آپ میں ایک غیر شے ہے اور کبھی شے نہیں ہے یعنی وہ اپنے آپ میں اپنا غیر نہیں ہے۔ورنہ آپ کے لئے اس پر حکم لگانے کا موقع نہیں ہوتا کہ وہ ایسا ہے اور ایسا نہیں ہے۔تو وہ نہ وحدت حقہ ہے اور نہ ہی اطلاق حق۔کہ وحدت حقہ اور اطلاق حق جو کہ وہ ہوتے ہیں اور وہاں غیر مثبت یا منفی نہیں ہوتے۔پھر جب تم کسی چیز کو پاؤ اور اس کی نسبت اس کی طرف کرو تو آپ کے لئے یہ نہیں ہوگا کہ غیر کہو۔ پھر کتنا آسان ہے کہ تم یقین کے ساتھ کہو کہ اطلاق عالم تقیید کے گرد جمع ہوتا ہے اور وحدت، کثرتوں پر۔اور یہ کہ کتاب اطلاق اگر اب تقیید کو شامل نہیں ہوتی تو کسی چیز میں اطلاق نہیں ہوتا۔کیا ایسا نہیں ہے کہ ہر موجود اس وقت تک نہیں پایا جاتا جب تک اس کو اوپر اور نیچے سے علتیں نہیں گھیر لیتیں، اور گھیرا ہوا وجوب تک نہیں پہنچ جاتا۔چنانچہ جب واجب اپنے طریقہ سے ہوتا ہے تو موجود کو پیدا کر لیتا ہے۔

پھر یہ واجب اگر سرّ واحد اور کلمۂ واحدہ سے پایا جاتا ہے تو وہ اپنی علت پر صادق ہوتا

ہے، اور اگر مختلف کلمات میں پایا جاتا ہے تو آلودہ ہوتا ہے۔ اور علت کے ساتھ صرف اس لئے متحد ہوتا ہے کہ وہ اس سے پایا جاتا ہے۔ اور مختلف کلمات میں پایا جانے والا جب کہ اس کی خصلت میں تعدد ہے تو اس کو اسمیت سے معزول کر دیتا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ انیات ازلیہ کی دو وجہیں ہوتی ہیں۔ ایک وجہ فعلیہ جو کہ غیر منتظرہ ہوتی ہے اور اس کے نزدیک واقع نہیں ہوتی کہ اس کے پیچھے کوئی امر ہوا ہے۔ دوسرے وجہ القوہ کہ ہر وجہ فعلیہ اسی سے ہوتی ہے کیونکہ ہر فعلیہ ایک دوسری فعلیہ کے ساتھ جمع ہوتی ہے جو اس کے پیچھے ہوتی ہے۔ اس طرح ہر موجود میں کل ہوتا ہے جو اطلاق کی شرح ہوتا ہے۔ ان دونوں کا حق ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور جب یہ اصول واضح ہو گیا تو لازمی طور پر یہ تصدیق ہو گئی کہ اسماء ازلیہ کے لئے ایک خاتم اور عالم تقیید کے لئے ایک مبدا ہے۔ اور وہ اسم مطلق ہے جس کے طریق سے موجود کل پایا جاتا ہے۔ اور یہ کہ موجود کل میں دو ضم (ملاوٹیں) ہیں۔ ضم فعلیت اور ضم قوت۔ اور اصطلاح کا سلسلہ اس طرح چلتا ہے کہ خاتم الاسماء کا نام الرحمٰن رکھا گیا اور موجود کل کا انسان اکبر اور فعلیت کو عرش اور قوت کو ماء (پانی) کہا گیا۔

توضیح: میں آپ کو عموم اسم الرحمٰن کے بارے میں کیسے بتاؤں جب کہ وہ ان فعلیات کے ساتھ جمع ہے جو رحمت و مہربانی کی جہت سے ملا ہوتا ہے۔ اور یہ بالفعل افاضہ ہے کیونکہ محض ازل سے ممتاز ہے۔ حقیقت اعلیٰ پر پوری طرح صادق آتا ہے۔ ارشاد ہے **فادعوا الله او ادعوا الرحمن ایا ما تدعوا فله الاسماء الحسنی** "اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، کسی بھی نام سے پکارو، اس کے سارے نام اچھے ہیں۔" (الاسراء:۱۱۱) اور میں کہتا ہوں کہ رحمان وہ طریق ہے جس سے افاضہ ہوتا ہے اور تجلیات ازلیہ کی شرط سے ازل وابد میں انسان اکبر پر تحقق اور تقرر ثابت ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ انسان اکبر ایک ایسا شخص ہے جس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک وجہ سے وہ شئے عام ہے جس کی بنیاد پر اس کا وجود ہے یا جو اس کے ہم شکل ہے۔ اور دوسری وجہ سے وہ شئے خاص ہے کہ اس خصوص کے بغیر وہ ممکن ہی نہیں۔ اور انسان اکبر وجہ اول کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ اور دوسرا شرط اول اور اس کے واسطہ سے ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ دو بناوٹیں ہیں بلکہ وہ ایک ہی بناوٹ اور کلمہ واحدہ ہے۔ کیا ہم آپ کو یہ نہیں بتا چکے ہیں کہ کلی اور جزئی دو امر ہیں۔ جو تعقل کی صنعت سے ہیں،

اور وہ دونوں اس شخص کے نزدیک جو تعقل سے مقام کے لحاظ سے بلند و برتر ہے، امر واحد ہے۔ اوران دونوں کی شان، شان واحد ہے اور جہت کے لحاظ سے واضح ہے۔ اس طرح کلی اپنے مرتبہ میں جزئی ہے اور جزئی اپنے مرتبہ میں کلی ہے۔ اور مطلق اپنے اطلاق کے دائرہ میں متعین ہے اور اس کا تعین، تعین آخر ہے کہ اس کا اطلاق متصادم نہیں ہوتا۔ اور متعین تعین کے دائرہ میں مطلق ہے۔ اور اس کا اطلاق، اطلاق آخر ہے، اس کا تعین متصادم نہیں ہوتا۔ اس طرح یہ مبائن مادہ کی قید میں بند عقل کی بدعتیں ہیں۔

اور میں کہتا ہوں کہ اس عرش کی شان ان چیزوں جیسی نہیں ہے جو کسی ایک ہی صورت میں پائی جاتی ہیں بلکہ اس کی تمام صورتیں اپنے حقائق کے ساتھ مجمل طور پر بالفعل موجود ہیں اور ہر صورت جو عرش سے ماورا ہو وہ معدوم محض اور ممتنع خالص ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ عرش اور پانی میں سے ہر ایک میں چار معنی شامل ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ یہاں ہے یا وہاں۔ دوسرے یہ کہ وہ آج ہے یا کل۔ تیسرے یہ کہ اگر وجود میں ملایا جائے گا تو وجود میں آ جائے گا اور اس کو کھویا جائے گا تو کھو جائے گا۔ چوتھے یہ کہ وہ بالفعل ایسا ہے یا ایسا نہیں ہے۔ تو اہل خرد نے اس کی فساد نظر کے لحاظ سے کئی قسمیں قرار دی ہیں۔ اور ان کو مکان، زمان اور ہیولی اور صورت کے نام دیئے ہیں۔ جب کہ دوسرے لوگوں نے ان کو وہم قرار دیا ہے۔

تاسیس (بنیادی بات) عرش کے واسطہ سے پانی میں رحمٰن کا فیصلہ یا اس کی ایجاد یا تکوین آپ کچھ بھی کہہ لیں، ازل میں بھی اور ابد میں بھی ایک ہی ہوتا ہے۔ اس کا اول آخر ہوتا ہے اور آخر اول۔ یہاں ایک ہیئت فیاضی ہوتی ہے جس کی قضا دوسری سے ممتاز نہیں ہوتی اور وہ ہر اس ممکن صورت کی قضا کے لئے کافی ہے جس سے تحقق کی مملکت پوری طرح ڈھانپ دی گئی۔ القاء کرنے والے کے القا سے قضا ممتاز ہوگئی۔ تو جب کبھی قبول کرنے والا عام ہوتا ہے تو اس سے قضائے عام پھیلتا ہے اور جب وہ خاص ہوتا ہے تو اس سے قضاء خاص پھیلتا ہے اور وہ جہتیں اور اعتبارات جو اپنے مرتبہ میں صنعت عقل کے اعتبارات سے مشابہ ہوتے ہیں تو اپنے بعد آنے والے موجود کے وجود یا تحقق کے تحقق کے مثل ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ بعد میں آنے والے کا جانب اول میں اعتبار ہوتا ہے اور اس کی شانوں میں سے صرف یہی ایک شان ہوتی ہے۔ اور مجھے معتبر وثقہ ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ جس شخص کو کتا کاٹ

لے اس کا مزاج کتے جیسا ہو جاتا ہے، وہ کتے کی طرح بھونکنے لگتا ہے۔ پھر اس کے پیشاب کے قطرات میں کتے جیسی صورتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اس سے یہ پتہ لگانے کی کوشش کرو کہ جس شے کا کوئی خاص مزاج ہوتا ہے۔ اس کے اجزا میں سے ایک جز پر ایسی صورت ظاہر ہوتی ہے جو اس کے مزاج کے مشابہ ہوتی ہے۔ اس طرح یہ اہم اصول ہیں ان کو مضبوطی سے گرہ میں باندھ لو یہاں تک کہ آپ کے سامنے ان کے اعمال کا موقع آ جائے۔

تمہید: انسان اکبر کی روح عرش اور پانی سب میں چلتی ہے۔ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ جو انسان اصغر اپنی صورت پر پایا جاتا ہے، اس کی روح خود اس کے نفس کے مد مقابل ہوتی ہے؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ تمام انسان اکبر شخص واحد ہوتا ہے۔ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ شخص واحد نہ ہو، جب کہ وہ کلمہ واحد یعنی خاتم الاسماء سے پایا جاتا ہے۔ اور واحد کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ کلمۂ واحد سے ہو اور اس کا ایک نفس ہو۔ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کا نفس نہ ہو جب کہ وہ اپنی اصلی شکل میں ہی پایا جاتا ہے اور کوئی نفس ایسا نہیں ہوتا کہ یہ حیوان اس سے متعلق نہ ہوتا ہو۔ اور کوئی نفس ناطقہ ایسا نہیں ہوتا کہ یہ حیوان ناطق اس سے متعلق نہ ہوتا ہو۔ اور اس کا ایک جسم ہوتا ہے اور اس کا جسم کیوں نہ ہو درانحالیکہ آپ جسموں کو دیکھتے ہیں۔ کیا یہ اس کے بغیر ہوتا ہے" ہرگز نہیں؟ بلکہ اس کے بغیر کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اور اس کی طاقتیں ہوتی ہیں کہ آپ جن چیزوں میں اجسام کا مشاہدہ کرتے ہیں، کیا ان میں قوتوں کا مشاہدہ نہیں کرتے؟ کیا وہ انسان اکبر کی قوتوں کے بغیر ہوتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ اس سے خارج کوئی قوت نہیں ہوتی۔ تو اب جب کہ آپ نے ان اصولوں کو تسلیم کر لیا تو آپ کے لئے لازم ہے کہ ایک ایسی قوت جسمانی کا اعتراف کریں کہ تمام قویٰ اس کی طرف رجوع کرتے ہوں۔

تقریب (بات کو قریب الفہم کرنا): روح کی قوتوں کے لحاظ سے انسان اکبر کی تین قسمیں ہیں، جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ اور اسی طرح انسان اصغر کی روح کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک علمی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اس تدبیر کے صدور کے بارے میں جو کہ موجودات کی اصل اور اس کے کمالات کی جامع ہے اس علم کے بغیر کچھ کہیں جس کو تدبیر سے پہلے یا اس کے بعد جانتے ہوں؟ کیا مادہ اور اوقات کے اختلاط سے خالی اوقات کا انتشار تدبیر نہیں ہے؟ چنانچہ اس کے علم سے علم تعقل اور علم توہم اور علم تخیل کا ہونا

ضروری ہے۔اور کبھی بھی روح کے تعلق کا انکار نہ کرنا۔اس سلسلہ میں جو امر حق ہے اس کے بارے میں ہم آپ کو جلد ہی بتائیں گے۔

اوران میں سے ایک طبعی ہے۔کیا ایسا نہیں ہے کہ کوئی بھی جسم گرمی یا سردی سے اپنی وضع میں طول یا قصر لمبے ہونے یا چھوٹے ہونے جیسی صفات سے خالی نہیں ہوتا۔اور جسموں کا معاملہ موجودِ کل کی طرف لوٹتا ہے۔اس طرح ہر قوت جس کا آپ مشاہدہ کرتے ہیں، کل کی قوت کا ایک حصہ ہے۔

اوران میں سے ایک قلبی ہے۔کیا ایسا نہیں ہے کہ علم تدبیر سے ہے۔وہ تدبیر کا انتشار نہیں ہے۔چنانچہ ضروری ہے کہ اس کے تحت ایک قوت جامعہ ہو جوان دونوں قوتوں کو مسخر کرلے۔اور اپنے نفس سے ایک اثر کو صادر کرلے۔اگر دونوں قوتوں کا اجتماع نہ ہوتا تو وہ ظاہر نہ ہوتا۔کیا ایسا نہیں ہے کہ جیسا ہم نے اس کو کشف کیا ہے کہ وہاں ایجاب واحد ہے جس سے تاثیر میں انتشار کے بغیر موجودات پیدا ہوتی ہیں۔اور اصطلاح یہ بھی ہے کہ موجود کل کے تعقل اور اس کے توہم اور تخیل کو نمونہ اور مثال کہا جاتا ہے۔اور قوت، قلبیہ قضا ہے۔اور ہمیں عام لوگوں نے اوران کے خواص نے بھی قوت طبعیہ کے بیان سے بے نیاز کردیا ہے۔اس لئے دوسری قوتوں کے احکام کو جمع کرو اوران کو دھیان سے سنو۔

تفتیش: قوت علیہ کے احکام میں سے جن کا ہم نے ذکر کیا کہ وہ عالم حیات ہیں ،ان میں غیر زندہ کا پایا جانا ممکن نہیں ہے۔کیا ایسا نہیں ہے کہ حیات کے بہت سے مراتب ہوتے ہیں؟ چنانچہ آپ کی پوری حیات کا ایک مرتبہ ہے۔اور آپ کے گوشت یا اعصاب کی حیات اس سے ناقص ہے اور آپ کے بالوں یا ناخنوں کی حیات اس سے بھی زیادہ ناقص ہے۔ اسی سے اندازہ لگالو کہ عالم مثال اور اسی طرح عالموں میں سے ہر عالم کی حیات، انسان اکبر کی حیات سے ناقص ہے جب کہ ان میں سے بھی بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔اور ہر وہ وجود جو جسم سے جدا ہے، اس کی حیات اس کے مقابلہ میں زیادہ مکمل ہے جو اس سے ملا ہوا نہیں ہے۔

اوران میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی بنیاد معانی کے جسم اور جسموں کی روح پر ہے۔ ہم نے تمہیں جو کچھ سکھایا ہے کیا اس میں ایک ایسا علم نہیں ہے جو تمام عالموں کی نگہداشت کرتا

ہے۔ پس جان لو کہ ہر معنی کا ایک جسم ہوتا ہے اور ہر جسم کا معنی ہوتا ہے۔ اس طرح یہ منتقلی موجودات مثالی کا مادہ ہے۔

اوران میں سے یہ بھی ہے کہ جو بھی عالم اجسام میں موجود ہے، وہ اس تشخص اور اسی کلمہ کے ساتھ عالم مثال میں بھی موجود ہے۔ اور تمہارے خیال کے لحاظ سے یہ بات زیادہ معتبر معلوم ہوگی کہ چیز سے اس کی اصل صورت جدا ہو جاتی ہے اور اگر تمہارا خیال غلط ہو جائے تو موجود کل غلط نہیں ہوگا بلکہ وحدت اور کثرت، شے سے متعلق اس کے علم سے پیدا ہوتی ہیں، خواہ وہ واحد ہو یا کثیر۔ ایسا نہیں ہوتا کہ اس کا علم خارج کے مطابق ہو۔ اس طرح وجود مثالی لطیف ہوتا ہے جو جسم میں پوشیدہ ہوتا ہے پھر جب وجود ختم ہوتا ہے تو معاملہ اس کی طرف لوٹتا ہے۔ اور انسان یا تو اپنی صفات اور ہیئتوں کے لئے باقی رہ جاتا ہے یا اس کلمہ کے ساتھ جس کے ساتھ خاص اس کا تعلق ہوتا ہے، کسی غیر کے ساتھ نہیں۔

اوران میں سے یہ بھی ہے کہ عالم مثال میں اشخاص کا اپنے خواص اور اپنی قوتوں کے ساتھ پایا جانا ممکن ہوتا ہے۔ کہ اس کا وجود مثال سے خارج نہیں ہوتا۔ اس کی حیات ہماری حیات کے مشابہ ہوتی ہے بلکہ زیادہ مکمل اور فراخ و وسیع ہوتی ہے۔

اوران میں سے یہ بھی ہے کہ اس قوت کی دو وجہیں ہوتی ہیں ایک وجہ وہ کہ رحمان کی وحدت میں درج ہونے والی قدر اسکے مقابل ہوتی ہے پھر یکے بعد دیگرے اس سے قضا ظاہر ہوتی ہے۔ پھر جب رحمٰن عرش کے اوپر سے کسی امر کا فیصلہ کر دیتا ہے تو صورت پوری طرح تعقل میں نقش ہو جاتی ہے پھر جب اسماء جزئیہ اور استعداد عالم کے مطابق اس قضا کی شرح ہوتی ہے تو توہم میں نقش ہو جاتی ہے۔ پھر خیال میں صورت متعین ہوتی ہے۔ پھر فیصلہ خارج میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور دوسری وجہ وہ ہوتی ہے کہ عالم شہادت اس کے مقابل ہوتا ہے۔ اس طرح کوئی واقعہ ایسا نہیں ہوتا جس کی کوئی ایسی صورت نہ ہو کہ تم گمان کرو کہ عالم کے اوپر دوسرا فیصلہ کیا جائے گا اور وجہ اول مثال کے ساتھ خاص ہوتی ہے اور دوسری نگراں حال یا صحیفۂ عاملہ کے ساتھ۔

اوران میں سے یہ ہے کہ جب انسانِ صغیر رحمٰن کی عطا کی ہوئی شکل میں پایا جاتا ہے اور اس کے اوپر تعقل اور توہم اور تخیل غالب ہوتا ہے تو ان میں سے ہر ایک کے لئے اس قوت کی طرف ایک راستہ ہوتا ہے۔ ان سے اس کے خواص اور علوم میں مدد آتی ہے تو تعقل کی مدد

سے امور عامہ اور حکمت الٰہیہ کے دقائق اور علوم صوفیا ہوتے ہیں اور توہم کی مدد سے علم جفر و رمل اور خطابت اور علوم شعراء اور حساب اور مہندس (انجینئرنگ اور جیومیٹری) کے علوم ہوتے ہیں۔ اور تخیل کی مدد سے خواب اور حادثات وغیرہ ہوتے ہیں۔

اور ان میں سے تخیل کے دو درجے ہوتے ہیں۔ ایک درجہ ہمارے حافظہ کے مشابہ ہوتا ہے اور دوسرا ہماری حس مشترک (کومن سینس) کے مشابہ ہوتا ہے اور دوسرے میں فرشتوں اور جنات کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس عالم کے عجیب عجیب امور ظاہر ہوتے ہیں۔

تفحص (کھود کرید کرنا): قضاء ہیئت ایجابیہ ہے۔ قوی کے لئے وحدانیت ہے۔ اس کی وحدت مختلف علتوں پر مبنی ہے اور اس کے اٹھانے والے ہیں جنہیں عرش کو اٹھانے والے کہا جاتا ہے۔ اور یہ وہ معاملہ ہے کہ رحمٰن کا پہلا فیصلہ امور کلیہ ہوتے ہیں جن کو اس کی قوتیں اٹھاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ کے لئے مثال جنین کی حالت میں موجود ہے کہ اس کی پہلی تکوین قلب اور طبیعت اور دماغ کی تکوین ہوتی ہے۔ پھر اشخاص کلیہ کا فیصلہ کیا جاتا ہے کہ ان میں سے بعض گویا مکمل عالم ہیں اور بعض اس کی کوئی ایک نوع ہیں۔ پھر ان کے اعیان پر تجلی کی جیسا کہ ہم عنقریب بتائیں گے تو ان کی تجلی کا حکم ہی قضا ہو گیا۔ تو جب کبھی عالم بصورت فیضان کے لئے تیار ہو گیا تو فرشتوں کے امام اور سید کے دل میں وجہ کلی کی بنیاد پر اس کے وجود کے ساتھ معاملہ نازل ہو گیا۔ پھر جب کبھی تیاری زاید ہو گئی، ان کے دلوں میں وجہ تشخص کی بنیاد پر پختگی آ گئی اور اس کے وجود کے ساتھ معاملہ نازل ہو گیا۔ اس طرح انسان صغیر کے اعیان کے امام کو یہ علم خلط ملط ہو گیا اور رحمٰن نے اس پر ارادہ، قضا، خلق اور تکوین کے ساتھ تجلی کی اور ان کے حواس و جوارح کو اس تجلی کے مطابق اپنا غلام بنا لیا۔ اس طرح جب روح نے کہا کہ اللہ ایسا اور ایسا ہے تو اس کی مراد یہ تھی کہ اس صورت میں تجلی کی۔ پھر جب تم علوم ارواح میں دور تک چلے جاؤ گے تو یہ تمہاری نظروں کے سامنے ہو گا جس کی طرف تم اشارہ کر سکتے ہو۔

۱۸- تفہیم:

ابداع کی حقیقت کا بیان

السلام علیکم۔ امابعد۔ میں اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کے نبی اور ان کی تمام آل پر صلوٰۃ بھیجتا ہوں۔ تم نے ابداع کے بارے میں معلوم کیا ہے کہ وہ کیا ہوتی

ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ وہ بغیر مادہ کے کسی شے کی ایجاد ہے اور اولین مبدع (ایجادات) قلم ہے پھر لوح، پھر عرش اور پانی ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں اشارہ کیا گیا ہے۔ و کان عرشه علی الماء ''اور اس کا عرش پانی پر تھا'' پھر اللہ تعالیٰ نے پانی سے جو چاہا پیدا کیا۔ اور اسی مقام سے تخلیق کا عمل شروع ہوا۔ اور وہ بغیر نام کے ہے۔ اور تم نے مجھ سے بعض لوگوں کے اس قول کے بارے میں سوال کیا ہے کہ بعض صفات کمالیہ وجوبیہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے انسان کامل کے واسطہ سے ثابت ہوتی ہیں۔ اس بارے میں، میں کہتا ہوں کہ ایسا دو وجہوں سے ہوتا ہے۔

ایک یہ کہ عرش اور نفوس افلاک سے جو کچھ عرش کے جوف میں ہے، اس کے لئے اس کے رب کی معرفت ہے۔ اور کسی چیز کی معرفت اس وقت تک صحیح نہیں ہوتی جب تک نفس عارف سے صورت علمیہ قائم نہ ہو جائے جو کہ اس شے کو ظاہر کرنے والی ہے۔ اور اگر عارف اس صورت کی طرف متوجہ نہ ہو تو بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ ان کے نفوس کی الواح میں صورت علمیہ ثابت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے کمالات ابداع اور خلق وغیرہ کو ظاہر کرنے والی ہے۔

اور نفوس بشری جب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ اس کی معرفت حاصل کرلیں تو ان کے اوپر عرش کی، اور جو کچھ اس میں ہے، اس کی معرفت کی روشنیوں میں سے کوئی روشنی واقع ہوتی ہے۔ اس طرح یہ روشنی اس کی معرفت کے لئے گمان کی جاتی ہے جیسا کہ انسان کسی چیز کو دیکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنی آنکھ کو کھول کر شے کی طرف دیکھتا ہے۔ تب اس کے اوپر سورج اور تمام ستاروں کی روشنی پڑتی ہے۔ اس طرح اس شے کی صورت آنکھ میں بنتی ہے یا اس کی بینائی کی شعاع شے سے متعلق ہوتی ہے اور وہ بینائی کے انکشاف کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ ہم نے اس کا یقینی ادراک اللہ تعالیٰ کی مدد سے حاصل کیا۔ اور یہ صورت علمیہ قربتوں کی اصل و بنیاد ہوتی ہے۔ پس جو قربت حظیرۃ القدس (ملا اعلیٰ) میں ہوتی ہے اور اس سے شریعتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کا انعقاد اس قربت کی روحانیت کے اس نزدیکی کے لئے اجمالی استعداد سے ملنے سے ہوتا ہے۔ اور جو قربت معاد میں ظاہر ہوتی ہے بندہ بغیر ترجمان کے بالمشافہ کلام کرتا ہے۔ اس کا انعقاد اس قابلیت کی روحانیت کے ملنے سے ہوتا ہے جو اس انسان کے مثل ہوتا ہے جس کو شریعتوں میں روح اعظم کہا جاتا ہے اور جس کی تعریف کثیر چہروں، زبانوں اور لغتوں سے کی جاتی ہے۔ چنانچہ انسان کامل کی تعبیر عرش سے

اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس سے کی جاتی ہے کہ وہ انسان اکبر ہے اور یہ کمالات اس کے واسطہ سے ظاہر اور متحقق ہوتے ہیں۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کا کمال اس کی روح کے جسم سے جدا ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ خصوصیات کی چادر سے نکل جانے کے بعد دیکھتے ہیں۔ اس وقت اس کے نزدیک نہ صبح ہوتی ہے اور نہ شام ہوتی ہے اور نہ ہی وہ فلاں یا فلاں سے مخصوص ہوتی ہے۔ اور نہ ہی اس کے نزدیک اخلاق اور علوم ہوتے ہیں۔ جو اس کے بدن کے یا روح کے مزاج کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔ اس وقت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ اس وقت وہ باری تعالیٰ کے جوارح کا ایک حصہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ کبھی مصلحت بندہ کے دل میں کسی شے کے الہام کی ہوتی ہے۔ اس وقت اس کا ارادہ ملأ اعلیٰ میں منعقد ہوتا ہے۔ تب اس نفس میں الہام کے لئے درستگی مترشح ہوتی ہے۔ اور اگر یہ بندہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کا مقصد پوری قوت کے ساتھ یہ ہو کہ یہ قوی الٰہیہ میں سے ایک قوت ہے۔ یہ نہیں کہ وہ کوئی نفس یا فرشتہ یا کوئی چیز ہے تو وہ بہت ساری مصلحتوں کے لئے سبب ہوتا ہے۔ اور اگر یہ بندہ ذکی، ذہین و سمجھ دار ہوتا ہے تو اصلاً اس نفس کے واسطہ سے بالکل نہیں سمجھتا۔ وہ یہی گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے قلب میں الہام کیا ہے۔ یہی انسان کامل ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے جود و کرم کی بہت ساری باتوں کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

اور تم لوگوں نے مجھ سے آنجناب رضی اللہ عنہ کے اس قول کے بارے میں دریافت کیا ہے کہ "وجودی آمیزشوں میں اپنے رب پر نظر کامل یا کامل پر نظر حق کو تدبیر کہا جاتا ہے" تو یہ کونسی تدبیر ہے؟ میں کہتا ہوں کہ یہ حق تعالیٰ کی تدبیر کا ایک شعبہ ہے۔ اور اصل تدبیر ازل میں حق کا یہ ارادہ ہے کہ انسان اکبر اپنے تمام اعضا اور ہیئتوں کے ساتھ پایا جائے۔ پھر وقتاً فوقتاً جو کچھ متحقق ہوتا رہتا ہے وہ اس کا سرمایہ اور اس کے تحقق کی اصل ہے اور یہی ارادۂ قدیم ہے۔ پھر جب عارف پر اطلاق کے گوشہ کا انکشاف ہوتا ہے تو وہ ایسی نظر پاتا ہے جو حق کو اخذ کرنے والی ہوتی ہے اور اس کی طرف منتہی ہوتی ہے۔ تربیتوں میں داخل ہو جاتی ہے اور تربیت میں الگ ہی رنگ میں ظاہر ہوتی ہے اور وہ خالص اسی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ وہ نظر ہے جس کو ہم وجاہت کہتے ہیں۔ اور وہی ہے جو اس کے نفس میں کمال کے ساتھ متحقق ہوتی ہے۔

اور کبھی کبھی ہم اس کو اس کے بعض آثار کے ظہور کے وقت تجلی کمالی کہتے ہیں۔

اور جان لو کہ کامل کی روح اس برکت کے درجہ میں ہو جاتی ہے جس میں صاف پانی ہوتا ہے۔ جس میں سورج کی روشنی اندر تک پہنچ جاتی ہے پھر اس میں صورت علمیہ پیدا ہو جاتی ہے اور شخص اکبر سے اور مقدس دائرہ سے اس کو جان لیتا ہے یا اس سے غافل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کبھی کامل دنیوی باتوں یا کسی لذت کے عمل میں مشغول ہوتا ہے، یا تکان کا شکار ہوتا ہے، یا کسی کام میں مشغول ہوتا ہے۔ اس حالت میں یہ صورت یاددہانی اور حفظ اور دل میں خیال کے طور پر پیش نہیں آتی ہے، اور اس حالت میں اس کی طرف ذہین آدمی ہی متوجہ ہوتا ہے اور اس سے مدد حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے حق میں وہ صورت تمام معارف الٰہیہ کو کھولنے والی ہو جاتی ہے اور عارف اس کو محسوس نہیں کرتا۔

اور جان لو کہ بندہ کی اپنے رب کی طرف توجہ اور اس توجہ کے دوام سے حاصل ہونے والی کیفیت کو نسبت اور سکینہ کہا جاتا ہے۔ اور نسبت کی کئی اقسام اور انواع ہوتی ہیں۔ لیکن جمہور اہل اللہ پانچ اقسام میں سے کسی ایک سے خالی نہیں ہوتے۔ اور ہر قسم کا ایک خاص اثر ہوتا ہے اور ہر قسم کا آئینہ کے درجہ میں ایک خاص منبع ہوتا ہے اور ان کی جہت شمال کی طرف ہوتی ہے۔ اس لئے اس میں کواکب شمالی ظاہر ہوتے ہیں پھر ان کی جہت جنوب کی طرف ہوتی ہے۔ تب ان میں کواکب جنوبی ظاہر ہوتے ہیں۔

ان میں پہلی وجود واحد میں موجودات کے اضمحلال کی نسبت اور اس میں ان کا اندراج ہے۔ اور ان کا اس کے ساتھ قائم ہونا ہے اور ان کا آفاقی اثر خیر و شر کے درمیان فرق کے لئے کم ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس کا اثر نفسی اطلاق کے دائرہ کے لئے استعداد اور خصوصیت کی قمیص کا اتارنا ہے اور اس کا منبع ابداع و خلق کا کمال ہے۔

دوسرے احسان کی نسبت ہے اور دو چیزوں سے مرکب حالت ہے۔ ایک طہارتوں اور اذکار سے پیدا ہونے والے انوار کا مطالعہ اور مثال میں منعقد ہونے والی حقیقت کو جان لینا اور یہی وہ چیز ہے، جس کا ہم نے ذکر کیا ہے کہ وہ خضوع اور تعظیم کے وصف کے ساتھ صورت علمیہ ہے۔ اور اس نسبت کا اثر شریعتوں سے لذت حاصل کرنا اور انسان کا اس سے بصیرت پر ہونا ہے۔

تیسرے ارواح کی لڑی میں پروئے جانے کی نسبت ہے اور وہ انسیت اور انشراح کے ظہو

راور گھٹیا قسم کی ہیئتوں کے خاتمہ اور ہیات ملکہ کے اختیار سے ہے۔اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بہت سارے خواب نظر آتے ہیں اور مبشرات صادقہ حاصل ہوتے ہیں۔اور اس کے لئے برکت عظیم ظاہر ہوتی ہے اور اس کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔اور لوگوں کو خوابوں میں ایسی باتیں نظر آتی ہیں جو اس کے عظیم المرتبہ ہونے اور اس کے منبع کے مقدس دائرہ میں ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

چوتھے عشق کی نسبت ہے۔اس سے میری مراد شوق اور قلق ہے۔اور اس کی بہت سی تہیں ہوتی ہیں جن کے اندر مغز بھرا ہوتا ہے۔مغز کا مطلب وجود کے تخفی معنی کی اصل کا اس کے منبع کی طرف میلان ہے۔اور چھلکے کچھ وہمیہ ہوتے ہیں، اور کچھ فطریہ یا طبعیہ اور کچھ عام جو اوہام وغیرہ سے مرکب ہوتے ہیں۔یہ سالک کی ایک ایسی حالت ہوتی ہے جو اس پر غالب ہوتی ہے۔اس کو عشق کہا جاتا ہے اور مغز محبت ذاتی ہوتی ہے اور اس کے اہل کم ہی لوگ ہوتے ہیں۔

پانچویں حق تعالی کے لئے مثالی صورت علمیہ کی طرف توجہ ہے۔اور اس سے مثال کا نیچے اترنا اور نفس میں سرایت کر جانا ہے۔ان میں سے بعض کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔البتہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا نفس اصل فطرت میں غبی ہوتا ہے۔اس لئے اس کو یہ بات صرف ہیات وہمیہ کے ضمن میں ہی تحقق ہوتی ہے۔اس بات کو ہمارے اس مقالہ میں آخری ہونا چاہئے۔والحمدللہ اولا وآخرا

۱۹-تفہیم:

وجود کے نظاموں کا ان کی انواع سمیت بیان

جان لو کہ وجود میں بہت سارے نظام ہوتے ہیں، علوی بھی، سفلی بھی اور مثالی بھی۔ ان کا حکم بڑے بڑے حوادث میں جمع ہوتا ہے جس طرح دیکھنے والے اور آئینہ کا حکم آئینہ میں ظاہر ہونے والی صورت میں جمع ہوتا ہے۔اور ان میں ایک کا حکم دوسرے کے بعد آتا ہے۔ اور نظام مثالی کا بیان یہ ہے کہ روح اعظم کا سایہ ولادت کی حالت میں اس وقت تک واقع نہیں ہوتا جب تک کہ انسان میں بہت ساری مناسبتیں اور بہت ساری استعدادیں پائی جائیں۔پھر ایک مزاج (مکسچر) انسان کامل کو تمام وجوہ سے مستحق ہوتا ہے اور ایک مزاج غیر انسان کے لئے لازم ہوتا ہے۔اور ان دونوں کے درمیان بہت سارے مزاج ہوتے

ہیں۔ جیسے ہوا کو ٹھنڈ لگتی ہے تو وہ پانی بن جاتی ہے پھر شدید گرمی لگتی ہے تو وہ دوبارہ ہوا بن جاتا ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان یکے بعد دیگرے بہت سارے درجات ہوتے ہیں۔ پھر یہ کہ بشر کا احاطہ کرنے والے انوار میں جو صورت حاصل ہوتی ہے وہ ولادت کی حالت میں اس کے عکس کے وقوع کے لئے سبب ہوتی ہے۔ اس طرح دور (چکر) ہوجاتا ہے۔ چنانچہ مناسبتوں یا منافرتوں کا وجود انوار اعلیٰ میں اس کی صورت کے نقش ہونے کا سبب ہوتا ہے اور اس کا نقش ہونا بشر پر اس کے عکس کے وقوع کا سبب ہوتا ہے۔ اسی طرح سلسلہ جاری رہتا ہے یہاں تک کہ قیامت آجائے گی اور منقش صورتوں سے اس کے مدارک خالی ہوجائیں گے۔ چنانچہ جب طرح طرح کے بشر پائے جائیں گے تو ان کی استعداد کا اختلاف لازم آئے گا کہ ان میں سے بعض ان سہاروں کے خلاف حرکتیں کریں جن پر نظام بشر مبنی ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے بعض حالات کے لحاظ سے چوپایوں سے جاملیں گے اور یہ کہ انہیں تکلیف اور تکان جو جس کی وجہ سے ان کو تنگی اور دشواری ہو اور وہ چیخ و پکار کرنے لگیں گے۔ پس جب یہ باتیں بہت زیادہ ہوجائیں تو نفوس اعلیٰ میں ایسی ہیئت نقش ہوجائے گی جو روح اعظم کے اسی طرح خلاف ہوگی جیسے گرمی پانی کی حقیقت کے خلاف ہوتی ہے۔ پھر وہ ہیئت شر کا ذخیرہ ہوجاتی ہے۔ وہاں سے شیطان الہام کرتے ہیں اور ان کے اندر بڑھاوا دیتے ہیں۔ اور بشر میں ان کا عکس واقع ہوتا ہے، تب اکثر میں ان کا مادہ سخت نفوس کے فیضان کے لئے تیار ہوتا ہے۔ ان کے راستے قبول الہام کے لئے بند ہوجاتے ہیں، جب کہ شیطان کے الہام کو کثرت سے قبول کرنے والے ہوجاتے ہیں۔ یہی شر اول ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تدبیر یہ ہے کہ وہ کسی بھی ایسی شر کو پیدا نہیں کرتا جس کے مقابلہ میں کوئی خیر پیدا نہ کرتا ہو۔ تاکہ حق، باطل کو مٹادے۔ اس لئے کہ وہ مٹنے ہی والا ہوتا ہے۔ اور اس شر کے مقابلہ میں جو حق نازل ہونے والا ہوتا ہے، وہ فرشتے کا پھیلاؤ اور بشر سے ان کی سختی کا ظہور ہے۔ چنانچہ فرشتہ بنی آدم میں صورت انسانیہ کی طرف سے داخل ہوتا رہتا ہے۔ اور خون کی طرح رگوں میں دوڑتا رہتا ہے اور اس سے فرض کی ادائیگی کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس طرح شیطان بھی بنی آدم میں طبیعت کی طرف سے داخل ہوتا رہتا ہے اور خون کی طرح رگوں میں دوڑتا رہتا ہے اور اس سے اپنے شیطانی فرض کی ادائیگی کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس طرح دو سختیاں

باہم متعارض ہوتی ہیں۔ ایک تحتی خیر کی طرف بلاتی ہے اور دوسری شر کی طرف۔ اور کبھی ان میں سے کوئی ایک اپنے نفس کے معنی میں غالب آ جاتی ہے۔ اس صورت میں شیطان کی طرف سے بہت سی تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ فرشتے ان کو باطل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور فرشتوں کے اجتماعات ہوتے ہیں جن میں وہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور مومنوں کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔

دوسری طرف شیطانوں کے بھی اجتماعات ہوتے ہیں جن میں وہ بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لئے حیلے کرتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔ پھر وہ اس شر کو انوار اعلیٰ میں نقش کرتا ہے جس سے اس کی میٹنگ منعقد ہوتی ہے جو پہلی والی کے بہت زیادہ خلاف ہوتی ہے۔ اور اس کا خزانہ وسیع ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کا عکس زمین میں واقع ہوتا ہے۔ اس طرح اکثر میں ان کا مادہ دجالی اور فرعونی نفوس کے فیضان کے لئے تیار ہوتا ہے۔ جو خیر کے الہامات کی تلقین کرنے والوں اور سمجھانے والوں کے مقابلہ میں شر کے الہامات القا کرنے کو لازم تصور کرتے ہیں۔ خواہ رویت کی شکل میں ہوں یا فیضان کی صورت میں۔ تب خلاف عادت امور اور ہمت کی تاثیر ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ اس طرح لوگوں پر ان کے دین اور ان کے وسائل کو مشتبہ بنا دیتے ہیں۔ اور فرشتوں کی دعوت اور اقلیموں کی حفاظت میں سے جن کا اعتبار کیا جاتا ہے، وہ سمٹ جاتی ہیں۔ پھر زلزلوں، وباؤں، آندھیوں، جانوروں میں وبا اور اموات کے ذریعہ عذاب دیا جاتا ہے۔ اور چیخوں کے ذریعہ شہر تباہ ہو جاتے ہیں اور مصیبتیں غالب آ جاتی ہیں چنانچہ طبیعت کلیہ ایسے عضو کے منقطع ہونے کی تیاری کرنے لگتی ہے جس کے منقطع ہونے سے اس کی صحت برقرار رہتی ہے۔ اور حق جو اس کے مقابلہ میں نازل ہوتا ہے اور اس کو مٹاتا ہے کیونکہ وہ مٹنے ہی والا ہے، وہ رسولوں کو بعثت اور لوگوں میں سے تمام عالم کے لئے ایک امت کی تیاری ہے۔ اور ان کے دلوں میں جہاد کا داعیہ اور اللہ کے معاملہ میں مخاصمت پیدا کرتا ہے، اور ایسے مضبوط خلیفہ کا پیدا کرتا ہے جو انہیں خیر پر مجبور کرتا ہے، خواہ وہ اس کو چاہیں یا اس کا انکار کریں۔ اور اس وقت اللہ کے دشمنوں کو قتل کرنا پوری پوری تنبیہات کا قائم کرنا اور مقررہ شریعتوں کا نزول ہی حق ہوتا ہے۔

اور یہ جان لو کہ جب بھی زمانہ کو پیچھے کی طرف لوٹایا جاتا ہے، عالم اس کے لئے تیار

ہو جاتا ہے جو بعض کے حق میں بشر کی تقدیم کی جہت سے پہلے سے زیادہ سخت اور شدید ہوتا ہے، یہ ایک ہیئت مخالف ہوتی ہے، اور اس کے لئے بھی تیار ہو جاتا ہے جو بشر کی ترقی کی جہت سے پہلے سے زیادہ ذہین اور گہرا اور خیر کی معرفت میں زیادہ شدید ہوتا ہے۔ یہ مجالس کاملہ ہوتی ہیں جو قوم کے لئے آگے پہنچنے والا اجر اور ذخیرہ آخرت ہوتی ہیں۔

اور چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں پھیلا ہوا شر، توحید کی فراموشی تھی، حق تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں توحید کی اشاعت اور طہارت، صلوۃ، زکوۃ، حج وصوم اور ذکر جیسی عبادتوں کی ترویج کو نازل کیا۔ اور جب ہمارے نبی محمدؐ کے زمانہ میں پھیلا ہوا شر ملتوں کا بگاڑ اور خاص طور سے اصحاب وسائل کا انقلاب تھا اور معاملہ بہت شدید اور سخت تھا، حق تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں جہاد، عبادتوں کی اشاعت اور ان کے لئے مقررہ اوقات نازل کئے اور روم وعجم کی مملکتوں کے زوال اور چوتھے وسائل کی ہیئت کی طرح امر نبوت کے انتظام کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ نبی کریمؐ نے خیر کا ایک باب کھول دیا جو آپؐ سے پہلے نہیں کھلا تھا اور اس کے ذریعہ لوگوں میں سے اس امت کا انتظام کیا جو لوگوں کے لے نکالی گئی بہترین امت ہے۔

اور ہم سے وعدہ کیا کہ آخر زمانہ میں ایک ایسا شخص نکلے گا جو شر کی کنجی ہوگا، وہ دجال اکبر ہوگا۔ پھر اس کو عیسیٰ علیہ السلام مٹائیں گے اور بڑی بڑی جنگیں پیش آئیں گی، پھر وہ جنگیں احاطہ کرنے والے انوار کی طرف لوٹیں گی، پھر ان کا عکس پڑے گا، تب عالم، فضا کے واقعات میں سے ایک واقعہ عظیمہ کے لئے تیار ہوگا۔ انسان اور تمام مخلوقات ہلاک ہو جائیں گی اور ہر عنصر اپنے محل کے لئے لوٹ جائے گا۔ پھر بارش ہوگی اور معتدل ہوائیں چلیں گی اور زمین میں اس کا شباب پھونک دیا جائے گا۔ پھر تمام جاندار جو مر چکے تھے، اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور وہ جسم کے لئے رب سے زیادہ شدید سرگشتگی ہوتی ہے۔ اور اس کی دم کی جڑ باقی رہ جائے گی یعنی وہ علامت جس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ فلاں کا بدن ہے، وہ جسم پر چمٹ جائے گی اور وہ زندہ ہو جائے گا۔ اور جنس آخر محبت کی دیوانگی ہوتی ہے لیکن اس کی دم کی جڑ باقی نہیں رہتی۔ پھر زمین سے جسم میں اعتدال پھونکا جائے گا اور جنس آخر ارواح کے ہیجان کے وقت مستحق ہوتی ہے۔ اور اس کی بلندی یہ ہے کہ وہ مثالی جسد جیسے فرشتوں اور شیاطین سے تقویت حاصل کرتا ہے، اس صورت میں وہ حیات ابتدائی نہیں ہوگی بلکہ اس کے اندر پائے

جانے والے مجازات کی تکمیل کے لئے ہوگی۔ پھر وہ جسم ہیئت مادی حاصل کریں گے، اور حشر کے مسائل سے دوچار ہوں گے، اور جس طرح بشری ہیئتوں کا احاطہ کرنے والے انوار کی طرف لوٹتے ہیں، اسی طرح شیاطین کے ساتھ ملائکہ کا جہاد پہلے مرحلہ میں اس کی طرف لوٹتا ہے اور کفار کے ساتھ مخاصمت رکھنے والے انبیا کے فیضان کے لئے تیار ہوجاتے ہیں اور دوسرے مرحلہ میں اللہ کی طرف متوجہ ہونے والی ارواح کی ہیئتیں اپنے علوم کے ساتھ لوٹتی ہیں۔ اور علوم کی اشاعت کا فائدہ دیتی ہیں اور عصری، عربی اور شرعی علوم پھیلتے ہیں۔ جو پہلے سے موجود نہیں تھے۔ اور تیسرے مرحلہ میں یہ ارواح ان علوم کے ساتھ لوٹتی ہیں تب عالم سے ہیئت کے جدا ہونے کا فائدہ دیتی ہیں۔ اور جب ان کی ہیئت ملاء اعلیٰ میں نقش ہوجاتی ہے تو وہاں عالم حشر کے لئے تیاری کے سوا کچھ نہیں رہتا۔

۲۰- تفہیم:

اوقات کی تاثیر

جان لو کہ نفس ناطقہ بدن کے اندر اتر جاتا ہے اور بدن دوسری تمام چیزوں کے مقابلہ میں اس ہوا سے زیادہ متاثر ہوتا ہے جو اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور ہوا رات اور دن کی ساعتوں میں سورج کی وضع کی تبدیلی سے تبدیل ہوتی ہے۔ اس سے میری مراد سردی اور گرمی وغیرہ نہیں ہیں بلکہ ان ساعتوں میں اس کی خاصیت کے ساتھ تاثیر ہوتی ہے۔

اس تاثیر کے معاملہ کا میں نے کئی بار خود اپنے اوپر تجربہ کیا کہ رات کا آخری حصہ تضرع میں عجز و انکسار اور مناجات میں نفس کو لذت کے حصول کا وقت ہوتا ہے۔ اور فجر کا وقت اللہ کے جلال پر مطلع ہونے سے نفس کے اندر پائی جانے والی خوشی و مسرت سے لذت کے حصول کا وقت ہوتا ہے۔ اشراق، طاعات اور طہارتوں کے انوار کے ظہور کا وقت ہے۔ ظہر اس قوی تاثیر کی قبولیت سے حاصل ہونے والی لذت کا وقت ہے جو باطن میں بے قراری پیدا کرتی ہے۔ اور اس میں اس کلمہ کی طرح جدوجہد اور قوت کے ساتھ داخل ہوتی ہے جو عشق کو برانگیختہ کرتا اور قلق پیدا کرتا ہے۔ ضحیٰ یا چاشت، اشراق اور ظہر کی حالتوں کے درمیان کیفیت متوسط کے ظہور کا وقت ہے۔ ان میں سے ہر ایک سے کچھ نہ کچھ اخذ کرنے کا وقت ہوتا ہے۔

مغرب تھوڑے سے قلق اور ہلکے سے شوق کا وقت ہے۔ اور ظہر اور مغرب کی دونوں حالتوں کے درمیان کی حالت کے ظہور اور ان دونوں سے اخذ کرنے کا وقت ہوتا ہے اور عشا تامل اور گہری نظر سے غور و فکر کا وقت ہے۔ اس طرح نفس جب حیوانی پردوں اور سختی سے خلاصی حاصل کر لیتا ہے اور اس پر کوئی کیفیت غالب نہیں آتی تو ہماری بیان کردہ کیفیتوں میں سے کسی کیفیت کی طرف رخ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

۲۱-تفہیم:

شیخ صدر عالم کے رسالہ کا ذکر

شیخ صدر عالم نے ایک رسالہ تالیف کیا اور اس میں چند واقعات بیان کیے۔ ان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رویت اور ان کا بعض علوم کی تعلیم فرمانا بھی ہے۔ ان میں شق قمر کی رویت بھی ہے، ان میں ایک حضرت علی کے ذریعہ پیش آیا۔ پھر بدر کامل شق ہوا۔ ایک صبح صادق کا سفیدہ ہے اور یہ تمام واقعات پیش آئے ہیں جن سے حقیقت میں نشانات محمدی معلوم ہوتے ہیں۔ اس رسالہ کی بنیاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب کے بیان پر ہے جس میں تمام صحابہ پر حضرت علی کی کلی فضیلت ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تالیف کے بعد انہوں نے یہ رسالہ اس فقیر کو بھیجا۔ اس کے مطالعہ کے بعد یہ اشعار حوالۂ قرطاس وقلم کیے۔

رعاک اللہ یا صدر الموالی
وطول الدھر کان لک البقاء

"اے صدر موالی! اللہ آپ کی حفاظت فرمائے، اور آپ طویل مدت تک زندہ باد و پائندہ باد رہیں۔"

لقد اوتیت فی الآباء فخرا
وبالآباء یرتفع العلاء

"آپ کو آباؤاجداد پر فخر کی دولت سے نوازا گیا ہے، اور آباؤاجداد سے درجات بلند ہوتے ہیں۔"

وجدّک آیة لا ریب فیها
وبحر لا تکدّرہ الدلاء

''اور آپ کے جدامجد بلاشبہ ایک نشانی ہیں، وہ ایک ایسا سمندر ہیں جس کو ڈول آلودہ نہیں کرتے۔''

وفی کشف المعارف کان فردا
وما فی القوم کان لہ کفاء

''اور وہ حقائق ومحاسن کے انکشاف، ان سے پردے اٹھانے والے فردواحد ہیں۔ قوم میں ان کا کوئی ہم پلہ نہیں ہے۔''

لقد کوشفت ما کوشفت حقا
وفضل اللہ لیس لہ انتہاء

''آپ کے اوپر جو کشف ہوئے حق ہی کشف ہوئے، اللہ کے فضل کی کوئی انتہا نہیں۔''

اتاک الثلج والایقان لما
رایت الشق والکشف اللواء

''آپ کو شق قمر کے دیکھنے سے فرحت وسرور اور یقین کی دولت حاصل ہوئی اور آپ نے اس نشان سے پردہ اٹھادیا۔''

واذ ادناک سیدنا علی
باکرام وعلم ما یشاء

''اور چونکہ آپ کو سیدنا علی سے اکرام کے لحاظ سے قریب کردیا تو جو چاہا آپ کو سکھادیا۔''

تؤلّف فی مناقبہ کتابا
وعند اللہ فی ذاک الجزاء

''آپ ان کے مناقب میں کتاب تالیف کرتے ہیں تو اللہ آپ کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائیں گے۔''

ومکثر مدح مولانا علی
مقل لا یکون لہ وفاء

"مولانا علی کی جتنی بھی مدح کی جائے گی، کم ہی رہے گی، وہ کبھی پوری نہیں ہوگی۔"

فما من مشھد الا وفیہ
لہ فخر کبیر وازدھاء

"کوئی بھی جگہ ہو ہر جگہ ان کے لئے فخر ہی کی جگہ ہوگی۔"

وما من منھل الا وفیہ
لہ شرب عظیم وارتواء

"اور کوئی بھی گھاٹ ہو ان کی سیرابی کے لئے وہاں عظیم سامان موجود ہے۔"

وللقرآن تنزیل وظھر
یقاتلھم علیہ الانبیاء

"قرآن کریم کی ایک ظاہری صورت ہے جس کی بنیاد پر انبیا لڑتے اور جنگ کرتے ہیں۔"

وللقرآن تاویل وبطن
یخاصمھم علیہ الاوصیاء

"اور قرآن کریم کے دوسرے باطنی معنی ہیں۔ جن کی بنیاد پر اوصیا خصومت کی راہ اختیار کرتے ہیں۔"

قبول الناس للتنزیل فیہ
سیاسات لہ منھا نماء

"اس میں نازل شدہ احکام وتعلیمات کو لوگوں کا قبول کرنا، اس کی تدبیر وسیاست ہے جس سے ان کو فروغ وترقی حاصل ہوتے ہیں۔"

فمنھا رد تحریف وسد
لاسباب لہ منھا انتشاء ۹

"اس میں تحریف کو رد کردیا گیا ہے اور اس کے دروازے بند کردئے گئے۔ ان اسباب کی وجہ سے ان میں ایک دیوانگی اور سرور ہے۔"

وصلح واختصام والتلاف
باقوام قلوبھم ھواء

"اوران لوگوں کے ساتھ صلح، لڑنے جھگڑنے اور تالیف قلب کی باتیں ہیں جن کے دل خواہشات کے غلام ہیں۔"

لهذا القسم اسرار عظام
وللشيخين فيه اعتلاء

"اس باب کے بہت بڑے بڑے اسرار ہیں، اوراس میں شیخین کو بہت بلند مرتبے حاصل ہیں۔"

وفي علم النبوة ان هذا
ملاک الامر ليس به خفاء

"اور علم نبوت کے دائرے بہت وسیع ہیں، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔"

وما زال الصحابة عارفيه
يقينا مثل ما طلعت ذكاء

"اور یقیناً صحابہ ان کو پہچانتے تھے جیسا کہ سورج نکلتا ہے۔"

فاثبت ذاک للشيخين واختر
من الاوصاف مدحا ما تشاء

"تو اس سلسلہ میں شیخین کے اوصاف ثابت کرو اور جتنی چاہے ان کے بعد کسی کی مدح کرو۔"

۲۲- تفهیم:

ذات الٰہی کا عکس اور ذات کے لئے لازم ظل کثرت

آج رات دل میں یہ بات آئی کہ جب نفس کلیہ ظہور میں آیا، اس میں ذات الٰہی کا عکس اور ذات کے لئے لازم ظل کثرت دونوں منقش ہوئے۔ اور یہ معنی حقائق کے تعین کا منشا قرار پائے۔ اور حضرت حق کی قربتوں میں قربت اعظم کی ذات کا عکس ہیں۔ اور حقائق امکانیہ کی پیدائش ظل کثرت ہے۔ پھر اس ظل ذات کے جو کہ قرب عظیم ہے، تقید کے عالم میں بہت سے عکس ہیں۔ اور اس کا عکس افراد وتحل کے نفوس کے عالم میں ہے اور اعراض

کے عالم میں شریعتیں اور ملائکہ کے عالم میں جبرئیل ہیں۔ مشاہدہ یہ ہوا ہے کہ اس قرب کو ہر فرد سے نسبت نظری ہے جو اس کی ذات کی اصل میں نفوذ رکھتی ہے۔ پس اس فرد کا نفس ناطقہ سب سے غفلت قبول کرتا ہے اور اس نظر کے پیچھے رہتا ہے۔ اس کے ساتھ باقی اور دیگر سب سے فانی ہوتا ہے۔ اس مرحلہ میں اس پر احدیت کا دروازہ کھلتا ہے اور وہ حقیقت کو انا کے ضمن میں دیکھتی ہے۔ لیکن اس انا کے ضمن میں نہیں جو روح اور مادہ کا مقولہ ہے بلکہ وہ انا جو کہ اس کی تعین کے اصل کا مقولہ ہے۔ جس فرد کا اس مقام پر وجود عنصری ہوتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ عجیب جامعیت رکھتا ہے اور اس قرب کے اجمالا یا تفصیلا ظہور کی اکثر انواع دریافت ہوتی ہیں۔ چونکہ دین کی تجدید اور طریقہ کا قیام وغیرہ اس سب کے باوجود انتہائی ہوشیاری سے ہوتا ہے اور اصلا اس کے مقام کے آس پاس کوئی مست و دیوانہ نہیں ہوتا۔ والسلام

۲۳- تفہیم:

پردوں کا اصول

رسول اللہؐ نے فرمایا اس کے حجاب نور ہیں۔ اگر وہ ان پردوں کو اٹھا دے تو اس کی مخلوق میں سے جہاں تک اس کی نظر پہنچے، اس کے چہرہ کے جلال سے سب جل جائیں۔ اس سلسلہ میں، میں کہتا ہوں کہ پہلا پردہ موجودات کے حقائق پر پھیلا ہوا وجود ہے، اور وہ نور ہے۔ پھر وہ پانی ہے جس میں مخلوقات کو پیدا کیا۔ پھر عرش کو اٹھانے والے فرشتے اور افلاک کے نفوس ہیں۔ چنانچہ ایک بشر سورج کی روشنی کے دیکھنے کے لئے تیار ہونے کے درجہ میں ان نفوس کی تیاری سے علم حق تک پہنچتا ہے۔ پھر ملاء اعلیٰ اور مقدس دائرہ اور عناصر اور انسانیت پر پیش قدمی کرنے والی صورتیں ہیں۔ اور یہ پردوں کے اصل ہیں، اگرچہ ان کی تفصیل کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ چنانچہ اگر اللہ پردوں کو اٹھا دے تو منزلہٴ ارض میں مخلوقات باقی نہ رہیں۔ مثلاً اگر وہ پردے نہ ہوتے تو ان سے پیدا ہونے والی مخلوقات نہ ہوتیں اور نہ ہی صورت کلیہ انسانیہ کے مرتبہ پر ہوتیں۔ اگر وہ نہ ہوتیں تو یہ فرد نہ ہوتا۔ یہاں مخلوقات سے مراد اکثر مخلوقات ہیں۔ ورنہ اس کے اور اس کے رب کے درمیان تسلسل کو ختم کرنے کے لئے کوئی پردہ نہیں ہے۔

۲۴- تفہیم:

علم طلسمات اور علم شرائع کی بنیادیں

جاننا چاہئے کہ انسان سوتے وقت جو خواب دیکھتا ہے، ان میں زیادہ تر صورتوں میں سے کوئی صورت نظر آتی ہے۔ اور اسی طرح اس کے دل میں کوئی خیال آتا ہے۔ چنانچہ اس خیال سے دوسرا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ذہن کی یہ منتقلی کسی عقلی لزوم کے قبیل سے نہیں ہوتی بلکہ یہ دوسری نوعیت کی ہوتی ہے۔ اور اسی طرح کے انتقالات پر عالم مثال میں نظر آنے والے موثی ہوتے ہیں۔

اب جب آپ نے یہ بات سمجھ لی ہے تو یہ جان لیجئے کہ انسان جب کسی کی صورت اور ڈھانچہ کو دیکھتا ہے اور اس کا خیال کرتا ہے تو اس تصویر اور ڈھانچہ پر قوی فعالہ کے لئے برانگیختگی پیدا ہوتی ہے اور اس پر علم طلسمات اور نیرنگ مبنی ہوتے ہیں۔ اور پھر علم شرائع مبنی ہوتے ہیں۔ اور اس کا راز یہ ہے کہ افراد بنی آدم جب ان حقائق کے ساتھ ان فکر انگیز امور سے تعلق زیادہ رکھتے ہیں تو ان کے اور حقائق کے درمیان اختلاط ہو جاتا ہے اور عالم مثال میں مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ ان کے نفوس کے اندر نقش ہو جاتا ہے۔

۲۵- تفہیم:

مقدس دائرہ

نفس کلیہ ایک آئینہ ہے جس میں مبدأ المبادی، اول الاوائل کی صورت نقش ہو جاتی ہے اور تمام ممکنہ استعدادات کی صورتیں مصلحت کلیہ کے مطابق ہوتی ہیں۔ پس مبدأ المبادی کی صورت موجود الکل میں بمنزلہ قلب کے ہوتی ہے اور وہ اس کے تمام اعضا و اطراف میں تصرف کرتی ہے اور ملائکہ کی ہمتیں اور کاملین کی ارواح اس کو گھیر لیتی ہیں۔ اس لئے اس مقام کو مقدس دائرہ کہتے ہیں۔ چنانچہ جب گھیرے کی کثرت ہو جاتی ہے تو صورت الہیہ انتہائی تیزی میں بمنزلہ جوہر شفاف ہو جاتی ہے۔ اس سے نظر اس سے اوپر والے کی طرف نفوذ کرتی ہے۔ اور کوئی اس بات سے نہ واقف ہوتا ہے، نہ سمجھتا ہے کہ وہاں ایک شے متوسط تھی، پھر اس کا احاطہ جوہر کثیف بمنزلہ چونہ کے کر لیتا ہے تب بعض انوار بعض کی طرف پلٹ آتے ہیں۔ اور منعکس ہو کر محسوس طور پر نظر آنے والے ہو جاتے ہیں، تو یہ قرب، اوّل امر ہوتا ہے اور یہ

لوٹنا اور پلٹنا نیا نظر آنے والا ہوتا ہے۔

۲۶- تفہیم:

علم اور معلوم کا اتحاد

جاننا چاہئے کہ تجلیات خواہ کتنی ہی زیادہ ہوں، ان کا مرجع دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک صورت علمیہ جو حواس خمسہ میں سے کسی ایک میں نقش ہوتی ہے۔ پھر اس صورت علمیہ کی دو وجہیں ہیں، وجہ واحد سے وہ نفس عالم میں قائم عرض ہے اور دوسری طرف سے وہ معلوم کے ساتھ نوع اتحاد سے متحد ہو جاتی ہے اور اس وجہ سے وہ ادراکی یا خیالی یا وہمی ساخت میں معلوم کے لئے تجلی ہوتی ہے۔ اور دوسری رقیقہ ہے جو ذات الٰہیہ کے مقابل ہوتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مثلاً جب زید نے اس میں گہری نظر سے دیکھا تو ظاہر ہوا کہ وہ انسان، حیوان، جسم، ناطق، حساس، صاحب ارادہ، نامی (بڑھنے والا) چلنے والا، لکھنے والا، ہنسنے والا، شاعر، رومی، حبشی وغیرہ ہے۔ اور ہم نے جو کچھ کہا ہے وہ ذاتیات اور عرضیات کے باب سے ہے۔ چنانچہ وہ ایسا امر کلی ہے جو اس فرد کے ساتھ تقید سے مشخص ہوتا ہے۔ اور وہ نفس امر میں کسی وطن یا میدان میں موجود ہے اور ہم اس موجود کو رقیقہ کا نام دیتے ہیں۔

اور رقیقہ جو ذات الٰہی کے مقابل ہوتی ہے، وہ موجود میں ایک لمبا چمکدار نقطہ ہوتا ہے اور وہ چونکہ موجود ہے، اس لئے اس میں وہ وجود ہے جس میں موجودات اور وجود برابر ہوتے ہیں۔ وہ ذلت سے نیچے اترتا ہے۔ چنانچہ ان مراتب میں جن میں وجوب کے احکام غالب ہوتے ہیں، یہ نقطہ ظاہر ہے اور تمام مراتب میں پوشیدہ ہے۔ چنانچہ جب ظاہر ہوگا، وہ شخص ایک فرد ہوگا اور بہت زیادہ تامل کرتا ہے یہاں تک کہ اس نقطہ تک پہنچ جاتا ہے، پھر اس میں فنا ہو جاتا ہے اور اس کے علاوہ سے غافل ہو جاتا ہے۔ اور وہی تجلی ذاتی ہے اور یہی رقیقہ بعینہا شخص اکبر میں موجود ہے۔ اور وہ اس میں بمنزلۂ روح ہے اور وہ اللہ اور نفس کلیہ کے درمیان واسطہ ہے۔ اور وہ پہلو جو اس نقطہ پر ختم ہوتا ہے، مقدس دائرہ ہے۔ لیکن اس نقطہ کے لئے مراتب ملکی و روحی میں فضیلتیں مظہر و نمود اور تجلیات ہیں۔

اور ان مراتب کے لباس ہیں جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں حاصل ہوئے۔

اور وہ لباس تجلی کے مغایر امر نہیں ہیں بلکہ بمنزلہ شعائر اللہ ایسی شے ہیں جس میں اثر الٰہی پھونک دیا جاتا ہے۔ تب بنی آدم کے ساتھ رسولوں اور کتابوں کے ظہور سے عقد تشریع اور ارادۂ خیر متحقق ہوتا ہے۔ اور وہی لباس نبی الانبیاء ہے۔ پھر اس لباس کے لئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں فراخی و وسعت اور ظہور ہوا، اس لئے آپ کی ملت ثابت قدم ہوگئی اور بعد میں فنا نہیں ہوئی۔

٢٧- تفہیم:

توحید حنفی کیا ہے

میرے نزدیک یہ بات متحقق ہوگئی ہے کہ اول دور میں اکثر حوادث قوی الافلاک پیدا ہوئے۔ چنانچہ بنی آدم کے افراد پر ان کی مناسبت والے علوم کی بارش ہوئی۔ بعض پر وحی کے ذریعہ بعض پر غور و فکر اور خوابوں کے ذریعہ۔ چنانچہ ان علوم کے کچھ مقدمات ہیں جن پر احوال نجوم مثلاً ہیئت، ہندسہ اور سیاروں کی حرکات کا پتہ لگانے کے ذریعہ زائچہ کی معرفت موقوف ہے۔ اور ان میں احکام نجوم بھی ہیں، اور وہ بھی جو کواکب، بروج بیوت اور منازل پر امور موجودہ کی تقسیم سے متعلق ہیں۔ پھر فصول اربع چار موسموں کے درمیان مقابلہ کا بیان ہے، اور ان میں ان کے لواحق ہیں جیسے کواکب کو بلانا، طلسمات اور جادو کا علم۔ ساری دنیا ان علوم سے بھری پڑی ہے۔ جس نے سب سے پہلے یہ باب کھولا وہ ہراسہ (نجوم کے علما) میں سے ایک ہرسہ تھا۔ (مشتری سیارہ سے متعلق فرشتہ کا ہم نام عالم)

پھر مقدس دائرہ کا قوی عالم ظاہر ہوا۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کے لئے قرب عظیم ظاہر ہوا۔ پھر وہاں سے بنی آدم کے اشخاص پر اس قرب سے مناسبت رکھنے والے علوم برسے۔ اور یہ باب سب سے پہلے جس نے کھولا، وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ آپ حنیف خالص مسلم تھے۔ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ آپ نے نجوم کو باطل قرار دیا اور ان کے احکام سے اختلاف کیا، مگر تھوڑا سا۔ اور تمام علوم اس قرب اور ملاء اعلیٰ کی دعاؤں کی طرف سونپ دیے گئے اور ان شریعتوں کے مقابلہ میں جن کو اول دورہ والے اٹھائے ہوئے تھے، وہ شریعتیں نازل ہوئیں جو اللہ سے قربت پیدا کرنے والی ہیں۔ پس کعبہ پایا گیا جب کہ سورج اور چاند کے ہیکل اور مندر تھے اور نماز، روزے،

ہدایت، ذبح، تسبیحات اور اللہ کی ثنا اسی طرح نازل ہوئیں جیسے پہلے لوگ سورج اور چاند اور تمام کواکب کے ساتھ معاملہ کرتے تھے۔ اور اس زمانہ میں نفع رسانی کی قربت اور ملاء اعلیٰ سے قرب اور ان کی رحمت قریب ہو گئے۔ چنانچہ وہی شریعتیں نازل ہوئیں جو قدس کے دائرہ میں راسخ تھیں۔ اور یہ رسوخ طویل مدت کے بعد ہوتا ہے۔ اور تمام امور ملاء اعلیٰ کی طرف بلند ہوئے لیکن وہ ان تک صعود کرنے اور پہنچنے میں برابر نہیں ہوتے بلکہ بعض، بعض سے زیادہ قوی ہوتے ہیں۔

الغرض جب بھی کوئی شے ملاء اعلیٰ میں نقش کے قابل قدس کے دائرہ میں منعقد ہوتی ہے، اس کے مطابق شریعتیں نازل ہوتی ہیں اور شریعتوں کا معاملہ بارش کے مشابہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جس طرح بھاپ اور دھواں زمین سے بلند ہوتے ہیں اور فضا میں چڑھتے ہیں اور سخت ٹھنڈ کی قوت اس پر چوٹ مارتی ہے تو وہ برسنے والے بادل بن جاتے ہیں۔ تب آسمان سے زمین کی طرف نازل ہوتے ہیں اور اس سے چشمے اور نہریں جاری ہوتی ہیں اور سبز گھاس اگتی ہے۔ اسی طرح لوگوں کے علوم، عقائد اور اعمال کا معاملہ ہے جن کو وہ کثرت سے استعمال کرتے ہیں تو ان کی تدبیر کے مقام، قضا کے محکمہ اور ان پر ہونے والی عنایت کی جگہ یعنی قدس کے دائرہ تک بلند ہوتے ہیں۔ پھر ان پر حق کی جود وسخا اور تدبیر چوٹ مارتی ہے تو فرشتہ متوجہ ہوتا ہے۔ اور اس دن اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ پاکیزہ پائے جانے والے قلب پر نازل ہوتا ہے پھر اس شخص سے لوگوں کے قلوب کی طرف انوار ملکیہ جاری ہوتے ہیں جو اس ناموس کلی سے پھوٹنے والے علوم جزئی کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔

۲۸- تفہیم:

نبوت اور فطرت

جاننا چاہئے کہ نبوت، فطرت کے تحت ہے اور جس طرح انسان کے خلوص دل اور اس کے نفس کی جڑ میں کبھی علوم وجود داخل ہوتا ہے اس کا فیضان اس کے اوپر خوابوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ خواب میں ان امور کو دیکھتا ہے جو اس کے دل میں جمع ہیں۔ اسی طرح ہر قوم و اقلیم کی الگ فطرت ہوتی ہے جس پر ان کو پیدا کیا جاتا ہے۔ ان کے امور کی بنیاد پوری طرح اس فطرت پر ہوتی ہے جیسے ذبح کو قبیح قرار دینا اور عالم کے قدیم ہونے کا قول وہ فطرت ہے جس پر

ہندوؤں کو تخلیق کیا گیا ہے۔اور ذبح کا جواز اور عالم کے حادث ہونے کا قول وہ فطرت ہے جس پر عرب اور فارس کے بنوسام کو پیدا کیا گیا ہے۔ چنانچہ جب نبی آتا ہے تو ان کے پاس جو اعتقاد اور عمل ہوتا ہے۔وہ اس میں غور وفکر کرتا ہے پھر ان میں سے جو کچھ تہذیب نفس کے موافق ہوتا ہے۔ اسی کو ان کے لئے برقرار رکھتا ہے۔اور اس کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے، اور جو کچھ تہذیب نفس کے خلاف ہوتا ہے اس سے ان کو روکتا ہے۔اور کچھ اختلافات جو دوستا کے نزول کے اختلاف کے قبیل سے ہوتے ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ مجوس کی توجہ آسمانی قوتوں کی طرف ہوتی ہے اور حنفا (مسلمانوں) کی توجہ ملاء اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے، کسی غیر کی طرف نہیں۔ جیسا کہ ہم نے تمام انبیا کے برخلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے عموم اور آپ کی خاتمیت کا ذکر کیا۔ چنانچہ نبوت بمنزلہ کسی چیز کے بنانے کو مہذب کرنے اور اس کو اتنا احسن بنانے کے ہے جو کہ مناسب ہو، خواہ وہ چیز موم ہو یا مٹی۔اور فطرت اور ملت بمنزلہ مادہ اور شمع اور مٹی کے ہیں، اس لئے انبیاء علیہم السلام کے احوال کے اختلاف اور ان کے ان امور کے اختلاف پر تعجب نہ کرو جن کا تعلق مادہ سے ہے۔ چنانچہ اصل نبوت اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے عقیدہ، اس کی طرف توجہ اور ایسے اعمال کے ساتھ تہذیب نفس ہے جو دنیا اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے نجات دے اور سیئات سے بچائے۔ چنانچہ دورہ اولی میں نہ بعث بعد الموت کی معرفت پر موقوف ہوتا ہے اور نہ فرشتوں پر۔اور دوسرے دورہ میں اللہ پر اور صفات تعظیمیہ اور فرشتوں اور اس کی کتابوں اور رسولوں اور بعث بعد الموت کے ایمان پر موقوف ہوتا ہے۔

جہاں تک عالم کے قدیم اور حادث ہونے کا مسئلہ ہے اور تناسخ اور ذبح کی تحریم و حلت اور اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا تعلق ہے جن میں تجدد، تنقل اور صفات محدثہ کی ایک نوع ہے جیسے اللہ کی رویت، نزول، ارادۂ متجددہ اور آغاز فطرت وغیرہ تو ان تمام کا تعلق فطرت اور مادہ سے ہے۔اور نبوت اصلاً ان سے بحث نہیں کرتی۔

۲۹- تفہیم:

عارف الی اللہ کے دو طریقے

جاننا چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک

طریقہ واسطوں کا ہے اور دوسرے میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں اسی طرف اشارہ ہے من ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسي ومن ذکرني في ملاء ذکرته في ملاء خیر منه "جو شخص میرا ذکر اپنے نفس میں کرتا ہے، میں اس کا ذکر اپنے نفس میں کرتا ہوں اور جو میرا ذکر لوگوں کے درمیان کرتا ہے، میں اس کا ذکر اس جماعت میں کرتا ہوں جو اس کے لوگوں سے بہتر ہیں۔ اور ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ ذکر اور طاعات کا رنگ نفس میں داخل ہوتا ہے تب نفس اس کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ پھر اس رنگ کا خلاصہ نفس سے نفس ناطقہ کی طرف چڑھتا ہے۔ پھر اگر نفس ناطقہ میں شخص اکبر میں قوت عازمہ کی طرف پہنچنے والی ہمت پائی جاتی ہے، اس سے میری مراد مبدأ المبادی کی صورت ہے، تو کیفیت قدس کے دائرہ کی طرف ہمت کے طریقہ سے بلند ہوتی ہے اور نبی کریمؐ کے ارشاد سے یہی مراد ہے۔ اتق دعوة المظلوم فانه لا حجاب بینها وبین الله "مظلوم کی دعا سے بچو کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا" اور آپؐ کے اس قول سے بھی یہی مراد ہے لااله الاالله لا حجاب بینه و بین الله کہ لا الہ الا اللہ اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔ اور اس طرح شے کی طرف شوق کی کیفیت اور اس کے حدوث کی وہ ہمت ہے جو شخص اکبر کے قلب تک پہنچتی ہے۔ پھر اگر وہاں اس کی ہمت کو روکنے کی مصلحت حاکمہ نہ ہو تو اس کو قبول کر لیا جاتا ہے اور یہ طریق باطن ہے۔

اور کبھی اللہ تعالیٰ بآواز بلند ذکر کرتا ہے تو ذکر کی صورت اس سے قریب والے فرشتوں کے نفوس میں واقع ہوتی ہے اور وہ عنصری ہوتے ہیں جو بمنزلہ نور کے شعلہ کے ہوتے ہیں۔ ان کے بعد ان سے دور والوں کے نفوس میں، پھر ان سے دور والوں کے نفوس میں واقع ہوتی ہے یہاں تک کہ ملائکہ کی وہ جماعت اس کا ذکر کرتی ہے جو ذکر سے متعلق ہے۔ پھر ان کے رنگ ان فرشتوں کی طرف اٹھتے ہیں جو اس جماعت سے اوپر ہوتی ہے۔ اور اسی طرح قدس کے دائرہ تک پہنچ جاتی ہے۔ چنانچہ طریق اول میں نفس ناطقہ کے رنگنے اور اس کی ہمت کے دائرہ قدس کے کمال تک پہنچنے کی شرط لگائی جاتی ہے اور دوسرے میں ملائکہ سے لاحق ہونے اور انہی سے مشابہت کی شرط لگائی جاتی ہے، کسی دوسرے سے نہیں۔

اب جب آپ نے اس تحقیق کو سمجھ لیا تو آپ پر اذان سے متعلق نبی کریمؐ کی اس

حدیث کا راز کھل گیا ان الحجر والمدر تشهد له یوم القیامة وانما شهادتهم ظهور لما عمله فی الدنیا ''اس کے حق میں قیامت کے دن پتھر اور ڈھیلے گواہی دیں گے اور قیامت کے دن ان کی گواہی اس عمل کا ظہور ہوگی جو وہ دنیا میں کرتا رہا ہے۔'' اور آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لسانی اور بدنی اعمال کی تاثیر طریق ثانی میں زیادہ واقع ہوتی ہے اور وہ زیادہ شدید ہوتی ہے۔ اور مراقبات اور ہمت وغیرہ کی تاثیر طریق اولیٰ میں زیادہ واقع اور زیادہ شدید ہوتی ہے اور ملائکہ عنصریہ کے نفوس میں نقش ہونے والی صورت جس کا ہم نے مشاہدہ کیا ہے، شعلۂ نوریہ سے قریب ہوتی ہے اور آپ پر اس حدیث کا راز بھی کھل گیا اذا ذکر العبد ربه اخذ الملک ذلک الذکر بعینه فصعد به فحی بها وجه الرحمن ''بندہ اپنے رب کا ذکر کرتا ہے تو فرشتے بعینہٖ اسی ذکر کو اخذ کر لیتے ہیں اور اس کو لے کر اوپر کی طرف چڑھتے ہیں تب رحمٰن اس کا استقبال فرماتا ہے۔'' الغرض شریعت دائرہ قدس میں اس قرب عظیم کی زبان ہے اور دائرہ قدس کا ذکر بہت ساری حدیثوں میں آیا ہے۔

۳۰- تفہیم:

قصیدۂ تائیہ

الا کل حال دون حالی ورتبتی
لقد فاق عن حد المدارک صبوتی

''یاد رکھو! ہر حال میرے حال اور مرتبہ سے کم تر ہے، میرا اشتیاق حواس و مشاعر کی حد سے بالاتر ہو گیا۔''

ولم یبق لی حالی سوی الحق نفسه
تساوت لی الحالات من بعد نسبتی

''میرے لئے حق کے سوا کوئی حال خود باقی نہیں رہا، میری نسبت کے بعد میری طرف حالات برابر ہو گئے۔''

وکانت مقامات تحل بنسمة
بفسحة صدر او طهارة فطرة

"اور ایسے مقامات تھے جو دل کی وسعت یا فطرت کی طہارت سے نفس کے اندر اترتے ہیں۔"

وکانت مقامات تحل بانفس
تجل صراح اوبجذب محبة

"اور ایسے مقامات تھے جو خالص طور پر یا جذب محبت سے نفوس سے حل اور روشن ہوتے ہیں۔"

فجاء ت رجال بعدهم ففطنوا
بان کمال العین اعلی الوسیلة

"چنانچہ ان کے بعد لوگ آئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ عین کا کمال سب سے اعلی وسیلہ ہے۔"

وجاء ت رجال مفهمون ففهموا
باسرار ذی الجبروت و جلّت وعزّت

"اور سمجھنے والے لوگ آئے اور انہوں نے سمجھا دیا کہ عظمت وقدرت والے کے اسرار بہت عظیم اور بلند ہیں۔"

ونبئت بالرحموت عز مکانها
لکل من الجبروت والدهر عمت

"اور بڑی رحمت کے ذریعہ مجھے رحمت کی اور طاقت وقدرت کی اور سارے زمانہ کی خبر دی گئی۔"

کان هناک الدهر شجرة سدرة
وجبروتها نار الکلیم تجلت

گویا وہاں زمانہ شجرۂ سدرہ تھا اور اس کی طاقت کلیم کی آگ تھی جو بہت روشن تھی۔

کان هناک الدهر جوهر عنصر
وجبروتها فیض الحیوة لنسمة

"گویا وہاں زمانہ عنصر کا جوہر تھا، اور اس کی طاقت نفس کے لئے زندگی کا فیضان تھا۔"

كان هناك الدهر ارض كثيفة
وجبروتها شمس وضرب اشعة

"گویا وہاں زمانہ ایک موٹی تہہ والی زمین تھی، اور اس کی طاقت سورج تھی اور شعاعوں کی مار تھی۔"

كان هناك الدهر جسم طبيعة
وجبروتها كم سرت فتساوت

"گویا وہاں زمانہ ایک طبیعی جسم تھا اور اس کی طاقت ایک آستین تھی جو چلی اور برابر ہو گئی۔"

فشاهدتها في الحق غارت عيونها
وما ثم من وجد وصحو ونشوة

"میں نے ان کا مشاہدہ ذات حق میں کیا جہاں ان کی آنکھیں دھنس گئیں، اور وہاں پھر نشہ اور مستی کچھ نہیں۔"

وشاهدت ان الامر فيه مرتب
طواه تفاصيل الوجود بوحدة

"اور میں نے مشاہدہ کیا کہ اس میں معاملہ مرتب شکل میں ہے، وجود کی تفصیلات وحدت میں لپٹ گئیں۔"

وكل تجل حكمه في مقامه
وان ليس من بعد المقام بصولة

"اور ہر ایک اس کے حکم کی ہر تجلی کے مقام میں ہے، اور یہ کہ مقام کے بعد کوئی غلبہ و دبدبہ نہیں رہتا۔"

وكل كلام من تجل فانما
ينادى لمن تحت التجلى بجهرة

"اور ہر کلام کی ایک تجلی ہے، اور جو تجلی کے تحت ہے، اس نے اس کو اعلانیہ پکارا۔"

وكل تجل شمس حق شعاعها
الفاضات انوار بصرف الصحوة

"اور ہر تجلی حق کا سورج ہے جس کی شعاع، بے نیازی کے تصرف سے انوار کا فیضان ہے۔"

اذا ما اقتضی امرا واوجب موجبا
تصرف فیه بالوجوب بسطوة

"جب بھی کسی امر کا تقاضا کیا اور کسی فریضہ کو، اس کے وجوب کی مداخلت کے غلبہ کے ساتھ واجب کیا۔"

وذلک ان العبد فیه محدق
بحق وباضمحلاله فی الحقیقة

"اور وہ یہ کہ بندہ اس میں گہری نظر کرنے والا ہے، حق سے اور حقیقت میں اس کے اضمحلال سے بھی۔"

فان لاح ترکیب هیولی وصورة
لعدت معانیه له من طبیعة

"اگر ھیولی اور صورت کی ترکیب ظاہر ہو جائے، تو اس کے معانی طبعًا شمار کئے جائیں گے۔"

ترکنا الصیاصی العنصریات خلفنا
ومتنا عن الناسوت ایة موتة

"ہم نے عنصریات کے قلعوں کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا اور ہم اس مادی دنیا سے مردوں کی طرح مر گئے۔"

هناک وجدنا الناس خمسة اضرب
وخمسین صنفامن تفاصیل صنعة

"وہاں ہم نے لوگوں کی پانچ قسمیں پائیں، اور صنعت کی تفصیلات سے وہ پچاس قسمیں تھیں۔"

ومتنا عن الاحداث من بعد هذه
وسرنا عن الحقر الحقیر بمرة

"اور اس کے بعد ہم تمام حادثات سے آزاد ہو گئے، اور حقارت و ذلت کی دنیا سے

ایک ہی بار چلے گئے۔"

ارانی طباع الانس من بعد ھذہ
اماما لاعیان الانام بنزھة

"میں نے دیکھا اس کے بعد انسانوں کی طبیعتیں مخلوق کے خواص کے لئے امام کی حیثیت سے ہنسی خوشی رہتی ہیں۔"

اری کل انسان یصول لجردة
کعضو من الاعضاء من بین جثتی

"میں نے ہر شخص کو دیکھا کہ وہ ننگے پن پر غالب آ گیا جیسے جسم کے اعضا میں سے کوئی عضو غالب آ تا ہے۔"

اری الکل معذوراً بما قد اصابه
قلیلاً او کثیراً من تقاسیم رحمة

"میں نے ہر ایک کو جو اس کو پہنچا اس کے سلسلہ میں رحمت کی تقسیم سے کم یا زیادہ معذور پایا۔"

ظفرنا خیال العرش لا بد ظفرة
وصرنا وجودا من تصاریف کلمة

"ہم نے عرش کے خیال میں کامل کامیابی حاصل کی، اور ہم نے کلمہ کی تصریفات میں ایک وجود کی حیثیت اختیار کر لی۔"

تعریت من تیک الملابس کلھا
ولم نک عرّجنا علی نحو صورة

"میں نے ان تمام لباسوں کو اتار دیا، اور ہم کسی صورت کی طرح بلندیوں پر نہیں چڑھے۔"

فشاھدت امرا لیس یوصف شانه
اذا الوصف یستدعی قیام علامة

"پھر میں نے ایک امر کا مشاہدہ کیا جس کی شان بیان نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے کہ بیان علامت کے قیام کا تقاضہ کرتا ہے۔"

وكل لسان النطق عند ظهوره
واعطى تمام العلم والفهم حيرتي

''اور بولنے والی ہر زبان نے اس کے ظہور کے وقت میرے تمام علم وفہم کو حیرت زدہ کر دیا۔''

ويرجو ولي الله في حق نفسه
وفي الصحب والاولاد اوسع رحمة

''اور ولی اللہ اپنے نفس کے حق میں اور اپنے اصحاب واحباب اور اولاد کے حق میں رحمت واسعہ کی امید کرتا ہے۔''

۳۱- تفہیم:

عقل کے لحاظ سے حقائق کی تمیز کا بیان

قلم اعلیٰ کے درجہ میں جس کو عقل بھی کہتے ہیں، اشیا کے حقائق تمیز کی ایک قسم سے متمیز ہوتے ہیں۔ اور وہ تمیز اشیا کے تعین کا مبدأ قرار پاتی ہے۔ اور ان سب سے ایک نمونہ ذات الٰہی اور اس کی مشابہت آتی ہیں اور دیگر نمونوں اور مثالوں کے حقائق ذات میں پوشیدہ استعداد ہوتی ہیں۔ پھر جب معاملہ نیچے اترا اور لوح نے صورت اختیار کر لی اور وہ تمام حقائق دوسری شکل میں تمیز سے متمیز ہو گئے تو وہ حقیقت جو ذات کا نمونہ ہے بمنزلہ قلب لوح اور تمام حقائق بمنزلہ جوارح ہو گئے۔ اور اس کے قوی اور اصل دائرہ قدس قلب ہے۔ اور ہر نفس جزئی میں نقطہ کی میراث کے حکم میں ہے جس کا بازار قلب ہے۔ مثلاً زید موجود ہے، وہ ناطق بولنے والا، ماشی چلنے والا، لکھنے والا اور ہنسنے والا وغیرہ ہے۔ یہ تمام معمولات جو احکام صادقہ میں مذکور ہوتے ہیں، لامحالہ زید میں مصدر و مصداق حملی رکھتے ہیں۔ ورنہ صرف زبردستی کا حکم اور عقل کا فیصلہ ہوگا۔ اور ان سب میں یہ محمول موجود ہے کہ جب ہم اس کی حقیقت میں غور وفکر کرتے ہیں تو حقیقۃ الحقائق پیدا ہو جاتا ہے جس پر موجودات کا سلسلۂ امر ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ زید میں ایک ایسا نقطہ ہے جو حقیقۃ الحقائق کی حکایت بیان کرتا ہے۔ اور یہ امر بہت زیادہ دقیق ہے جو کافی غور وفکر کے بغیر واضح نہیں ہوتا۔ چنانچہ آپ کے اوپر تا مل صادق لازم ہے۔ اور افلاک اور ان کے عناصر کی اصل، قوی و جوارح ہیں۔ پھر جب افلاک وعناصر پیدا

ہو گئے اور دریائے حقیقت میں دوسری موجد پیدا ہوئی اور نفس کلیہ کی قوت ادراک جو کہ ان کی لوح ہے اور تمام افلاک کے نفوس، سلسلۂ واحد ہو گئے اور آشکارا اور کشادہ عالم مثال ظاہر ہو گیا۔ اور اس جگہ بھی تمام حقائق متشکل ہو گئے، اور ذات کی صورت نے اس قلب کے ساتھ پیوست ہو کر اس کی شرح وتفصیل کر دی اور دائرہ حظیرۂ قدس کی وسعت کا سبب سامنے آ گیا، چنانچہ عالم مثال سے صورت اجمالیہ میں پنہاں یہ حقیقت جبل اللہ ہے کہ اس کی مدد کے بغیر اس کی حقیقت تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ اور تجلی اکبر ہے کہ اس کے بغیر اس قلب کو جو ذات کا نمونہ ہے، شناخت نہیں کیا جا سکتا۔ اور قربتوں کی اصل یہی صورت ہے اور اس کی تدبیر کے باب میں حاکم ہے، پیدا ہونے والی چیزیں اولاً اس مثالی تخلیق میں اجمالی طور پر ظاہر ہوتی ہیں، اور وہ انواع اور حوادث کے مشابہ ہوتی ہیں۔ دوسرے اس کی تفصیلی استعداد کی ایک مدت کے بعد تفسیر کی جاتی ہے اور ان استعدادوں کو ارواح کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ اس خیال کے ساتھ نہیں ہے کہ غیر انسان کی روح نہیں ہوتی بلکہ ہر شے کی ایک روح ہوتی ہے۔ جیسے اس مقام میں قحط ہوتا ہے۔ دوسرے اس کے ساتھ دین وکفر اور مرض وغیرہ۔ تیسرے ایک زمانہ کے بعد دوسری تفسیر اشکال مثالی سے کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے عرب کے گھروں میں قطرات کی صورت میں فتنوں کی شکل کو مشاہدہ فرمایا۔ اور آدم علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی اولاد کو ذریت کی صورت میں اور ان شکلوں میں دیکھا۔ پھر جب وہ وقت آیا کہ وہ حقائق مادی صورت اختیار کر لیں تو عنصری اور فلکی ترکیب پانا شروع کر دیا۔ چنانچہ بعض استعدادات اور ان کے مابعد میں ثابت ہیں تاکہ وہاں رہنے والی ارواح ہمیشہ رہیں۔ اور پھر ظاہر ہو جائیں اور جب کسی فرد کا مادہ مجتمع ہو جاتا ہے اور وہ وقت آ جاتا ہے کہ تمام عالم سے متعلق نفس کلیہ اس مادہ کے واسطہ نیچے اتر آئے اور خاص صورت میں اس مادہ کا مربی ہو جائے اور وہ صورت نفس معدنی یا نباتی یا حیوانی یا ملکوتی یا انسانی ہو جائے۔ چنانچہ انسان کا نفس ناطقہ مثلاً وہ نفس کلیہ ہے کہ جو ایک خاص شکل میں ظاہر ہوتا ہے کہ دہ صورت نوعی وروحی وذریتی تمام اس پر منطبق ہوتی ہیں۔ اور ہر ایک کے تعلق سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ وہی ہے۔ اور اسی طرح تمام نفوس اور تمام مخلوقات کا معاملہ ہے۔ اچھی طرح سمجھ لو۔ اور وہ حقیقت کہ فراخی کے وقت میں انسان کی طرح روحوں کے مقابلہ میں بازار کی ذات واقع ہو جائے تو وہ بالذات ایک ہے۔ اور جب نمونہ کے مرتبہ

میں کشادہ ہوتو اس کو نبی الانبیاء کہا جاتا ہے۔اسی طرح بہت سے لوگوں کی شناخت ہوتی ہے۔مثال انسانی سے جو کہ اس کا مظہر ہے،ایک فرد ہے۔ پس اگر اس مرتبہ میں تربیت کا حوالہ اس کی تخلیق سے ہوتا ہے تو فرد کامل ہو جاتا ہے۔ ورنہ صرف فرد۔اور اس سلسلہ میں اللہ کی سنت یہ رہی ہے کہ جب بدن فرد مجتمع ہو جاتا ہے اور فیضان روح کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور اس بدن میں قدس کا دائرہ گہری نظر کرتا ہے تا کہ وہ نظر اس میں نفس ناطقہ کے تولد کا سبب ہو جائے ،اور اس نظر کی تاثیر سے اس کا نفس ناطقہ تمام انسانوں کے خلاف کوئی اور چیز ہو جائے۔اصل علم میں اس کی انانیت ذات کی شعاعوں میں سے ایک شعاع ودیعت کر دیتے ہیں اور جب اس شعاع فانی میں علم کو نقش کر لیتے ہیں اور اس شعاع کے ساتھ باقی رہ جائے اور ذات الٰہیہ کا علم فوارہ کی طرح جوش مارے،اس فرد کا وجود خواہ عالم حیات میں ہو یا عالم برزخ میں تمام نفوس پر علم ذات کے فیضان کا سبب نظر کی شعاعوں کے بمنزلہ سیت جانیں یا نہ جانیں۔اور چونکہ یہ نفوس اور جوان سے نیچے ہیں،عالم انسان وملائکہ میں پیدا ہوتے ہیں اور دائرۂ قدس کی جانب سے متوجہ ہو کر اس مقام کے رنگ میں رنگین ہو جاتے ہیں۔دائرۂ قدس کے چاروں طرف ایک دوسرا نور اسی جیسا پیدا ہو جاتا ہے اور وہ مثال یاقوت رمانی ہے کہ شب تاریک میں چمکتا ہے۔اور اس کا احاطہ کرنے والا روشنی کا ایک جسم معلوم ہوتا ہے۔اب جب کہ یہ مقدمات واضح طور پر سامنے آ گئے تو جاننا چاہئے کہ ادوار واوقات کے حکم سے اس دائرہ قدس کے رنگ ہیں اور ہر رنگ کا نفوس انسانیہ سے ایک مظہر اور ایک عنوان ہے۔جس کو خاتم اور فاتح کہتے ہیں۔اور اس مسئلہ میں اصل بات یہ ہے کہ دائرہ قدس دوسرے رنگ میں رنگین ہوتا ہے۔اور وہ رنگ ملاء اعلیٰ اور ملاء سافل میں سرایت کرتا ہے۔اور افلاک میں سے ہر فلک کو اس رنگ کا حصہ پہنچتا ہے۔ چنانچہ مشاہدہ میں یہ آیا ہے کہ عرش اور جو کچھ اس میں ہے اس کیفیت سے لبریز ہوتا ہے اور اس کے بعد وہ رنگ چاہتا ہے کہ بنی آدم کے نفوس میں داخل ہو جائے،پس اولا ایک پاکیزہ نفس میں جس کی پیدائش دائرہ قدس کی نظر سے ہوئی ہے،اور اصل میں اس کی انانیت ذات پنہاں کی شعاعوں میں سے ایک شعاع بنی ہے،ظاہر ہوتی ہے۔اور اس طرح تمام نفوس تک پہنچتی ہے۔ چنانچہ ایک دوسرا امر ہوتا ہے جو جہت باطن سے اس معنی کے دائرۂ قدس میں استقرار کا سبب ہوتا ہے۔اور ظاہر علوم اور اس پاکیزہ نفس کے خوف

کی جہت سے ایک تازگی پیدا ہوتی ہے۔

بہار عالم حسنش جہاں را تازہ میدارد
برنگ ارباب صورت رابہ بواصحاب معنی را

''اس کے حسن کی بہار کا عالم دنیا کو تازہ رکھتا ہے۔صورت پر نظر رکھنے والوں کو رنگ کے ذریعہ اور معنی پر نظر رکھنے والوں کو خوشبو کے ذریعہ۔''

اور جب بات یہاں تک پہنچ گئی، اس پاکیزہ نفس کو خاتم رنگ اول اور فاتح رنگ دوم کہتے ہیں۔اور خاتم و فاتح بہت زیادہ ہیں۔اس دورہ میں ان کے پہلے فرد حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام ہیں کہ ان کے مطمح نظر اور ان کی ہمت کی تدبیر میں ملائکہ وشیاطین کی کثرت اور ظہور لوح محفوظ میں صورت انسانی کا مبدأ ہوگئی۔اور دوسرے حضرت ادریس علیہ السلام ہیں کہ جو علوم صورت انسانیہ کا مقتضی تھے۔وسائل کے استنباط اور لغت کے استخراج اور نیکی و بدی کے بیان وغیرہ کے مراحل طے کر کے حوادث یومیہ کے مبادی کی تحقیق میں قدم رکھا اور اس جگہ سے بوجہ اتم مخلوق میں تصرف شروع کیا۔اور آپ صلوات اللہ علیہ علوم نجوم وطبیعی وطب وطلسم کا مبدأ ہوئے۔اور آپ کے اسرار ساری دنیا پر اس حیثیت میں چھا گئے کہ دنیا بھر میں کوئی ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے جو بقدر حوصلہ خود ان اسرار کا حامل نہ ہو۔اور کوئی بھی نفی کرنے والا اس کی نفی نہیں کرتا۔اور تیسرے حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام ہیں کہ تمام ستارے اور آسمان اور ملاء اعلیٰ کے احکام یکجا ہو کر ان کے اسرار کے حامل ہیں جو ڈرانے والے (منذر) ہیں اور وہ پہلے شخص ہیں جو مقابلہ کرنے والے رسول قرار پائے کہ ان سے پہلے نبوت محض حکمت ورویت کی نمائندہ تھی۔ان کے اسرار بھی ساری دنیا میں پھیل گئے۔عرش سے فرش تک سب ان کے رنگ میں رنگ گئے اور آج تک حوادث یومیہ میں کواکب کا حکم صریح تر اور قوی تر ہے۔اور دائرہ قدس کے فیض کے سرایت کرنے کا حکم پوشیدہ اور نہیں کے درجہ میں ہے۔میں کہتا ہوں کہ یہ اس کے ساتھ مل جاتا ہے اور کوئی ایک دوسرے پر ترجیح قوی نہیں پاتا۔اس کے بعد دائرۂ قدس پر ایک دوسرا رنگ طاری ہوا۔اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انتہائی مبارک اتصالات مسعودہ ہو کر اس طرح دکھائی دیتا ہے کہ یہ اتصالات تمام کواکب کی قوت اور حسن حال کے بغیر کوئی صورت اختیار نہیں کرتے۔خاص طور سے سورج، مشتری، زہرہ اور زحل۔

اور یہ اتصالات ملائکہ عظام اور انسانوں میں سے افراد کرام کے نفوس کے حدوث کا سبب ہو جاتے ہیں۔ اور یہ نفوس طلسمات کا حکم رکھتے ہیں کہ قوائے کواکب علی وجہ اتم اس جگہ ودیعت ہیں۔ اور اس حال میں صریح کواکب کا حکم باطل ہے۔ اس لئے کہ اس وقت تدبیر عالم تجلی اعظم کی تسخیر میں ہے۔ جب کہ ملائکہ کو تصرف کا موقع مخلوقات میں ملتا ہے۔ جب یہ معنی درجۂ کمال کو پہنچ گیا تو کواکب سے رجوع کا راستہ بند کرنے اور اس تجلی کے سلسلہ میں تفرع کے وجوب کا فیصلہ ہوا۔ تب تمام آسمان وزمین ان اسرار سے لبریز ہو گئے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام ان اسرار کا عنوان قرار پائے۔ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ اس خاتم وفاتح کا مثل تمام اعتبارات سے نہیں بلکہ محض دائرہ قدس کے جوش کے اعتبار سے اس سے پہلے پیدا نہیں ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔ ایک طویل زمانہ کے بعد دائرہ قدس کے حکم روحانی نے مثالی صورت اختیار کی اور شکلوں کی صورت اپنائی اور عجیب شورش کے ساتھ زمین میں سلطنت کی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام ان اسرار کے خاتم وفاتح بنے لیکن اس وقت تک اس تجلی سے متعلق علوم واحکام مثالی صورت میں ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ اور اس تجلی نے نفوس میں ہر نفس کی استعداد کے مطابق روحانیت وسرایت اختیار نہیں کی تھی۔ ان کے بعد حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والسلام پیدا ہوئے اور قواعد کلیہ ناموسیہ سے تخریج کا باب کھولا۔ اور انبیاء سابقہ اور ان کے خلفا کے دین میں ان کے انبیاء کی نیابت سے ایک قسم طریقۂ اجتہاد کی لائے۔ ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام شریعت کلیہ سے قطع نظر علم باطن کی ایک قسم اور اسرار باطن کے تکلم کے فاتح ہوئے۔ اس طرح ایک زمانہ کے بعد صورت مثالی سلطنت کرتا ہے اور زمین میں جس کے قریب احکام سیر کرتے ہیں، جو حکم روحانی حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے اسرار ہیں اور احساس کے قریب آ کر اور زمین میں آمد ورفت کر کے نفوس انسانی میں بے حد وشمار فیوض داخل ہوتے ہیں۔ اور کار آمد ہوتے ہیں اور فبھداھم اقتدہ (ان کی ہدایت و رہنمائی کی پیروی کرو) کے حکم کے مطابق ہر اس فتح سے جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ سے اس وقت تک متحقق ہو چکا ہے، نصیب کامل اور حظ وافر بروئے کار رہا اور وہ تمام کمالات کلیہ بلکہ احکام اور اسرار ورموز اور امثال بھی ایک ایک کر کے تمام ایک جگہ جمع ہو گئے۔ چنانچہ مثال میں تجلی نے ظہور کیا، اس کے احکام نے بھی ظہور فرمایا اور اس کا حکم ہر نفس میں

سرایت کر گیا، اور ضبط شکل اور قواعد کلیہ سے تخریج اور خلافت کبری نیز نبوت کے ساتھ قیام بھی ظاہر ہوا اور علم باطن کے باب کا فتح روشن تر ہوا۔ اور ان اسرار کا عنوان ہمارے پیغمبر افضل الخاتمین والفاتحین خاتم النبوۃ وفاتح الولایۃ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اور آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام قیامت کی ایک نشانی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے سلسلہ میں ہاتھ کے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کی طرح اس معنی میں باہم پیوست ہیں کہ آنحضرتؐ راہ ولایت کے فاتح ہیں کہ دنیا کے برطرف ہونے کی صورت رکھتے ہیں اور فنائے خالص کا ایک مقدمہ ہیں۔ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد جو بھی فاتح یا خاتم موجود ہے وہ باب ولایت میں ہے۔ اور اس امت مرحومہ کے فاتح اول حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں کہ آنحضرت کی فاتحیت کے لئے بمنزلہ جارحہ ہو کر شعلۂ نبوت کو جو کہ اس کی چنگاری ہے جو بلند ہو جاتی ہے، الٹا کر دیتی ہے۔ حتی کہ اس کی چنگاری باطن میں پنہاں ہو جائے۔ اس کے بعد جو بھی ترقی ہوئی وہ باطن میں ہوئی اور حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت پیغمبر کی نیابت فتح اجمالی کے سوا نہیں کی اور حضرت امیر کرم اللہ وجہہٗ کے اسرار آپ کی اولاد میں سرایت ہوئے اور حضرت جنید قدس سرہٗ کے زمانہ تک کے خاندان سے یکے بعد دیگرے افراد اس شعلہ کے حامل ہوتے رہے اور اس کی چنگاری باطن کی طرف متوجہ ہوتی رہی۔ اور یہی اسرار ہیں کہ شیعہ صاحبان اہل بیت کے ائمہ کے کلام کو جو کہ ان کے مقابلہ میں ہوتا ہے، اس کے محمل کے خلاف محمول کر کے ظاہر شرع کے وصایا سمجھتے ہیں۔ اور دوسرے خاتم وفاتح سید الطائفہ جنید قدس سرہ ہیں کہ اس شعلہ کو خود اپنے اندر لے کر اوپر کی طرف توجہ کی اور اس وقت توکل وتسلیم وغیرہ کے احوال ظاہر ہوئے۔ اس دورہ سے پہلے دورۂ شریعت تھا۔ اور یہ دورہ، دورۂ طریقت ہے جو اولیاء امت میں سے کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔ مگر ایک باطنی وجہ سے سید الطائفہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ بخدا چہرہ بھی ظاہر ہے کہ یہ چہرۂ باطن مثل فرقہ یا اجازت ہوتا ہے۔ چنانچہ ان وجوہ میں سے کسی بھی وجہ کے ساتھ اولیاء امت میں سے کوئی خاندان حضرت مرتضی رضی اللہ عنہ کے سوا کسی سے مربوط نہیں ہے۔ اور دوسرے خاتم وفاتح سلطان الطریقہ ابوسعید بن ابوالخیر ہیں، قدس اللہ سرہٗ۔ کہ انہوں نے احوال کی بساط کو لپیٹ کر دائرہ کا مرکز اور فنا کی ہمتوں کو بلند رکھنے کی نظر کو وجود وبقا کے نقطہ کا ذریعہ بنایا۔ اور دیگر خاتم وفاتح شیخ اکبر شیخ

محی الدین بن علی بن عربی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ العزیز ہیں۔ انہوں نے اپنے وجدان سے حقائق الٰہیہ وکونیہ کے کشف کو اپنا مطمح نظر بنایا۔ ان تمام اعمال واحوال اور فنا و بقا کو متعدد امور شمار کیا۔ اور خاتم وفاتح دیگر وہ شخص ہے جس نے کئی صدیوں کے بعد پیدا ہو کر تمام کمالات انسانیہ کو تقسیم کر دیا اور ہر ایک کو اس کے لئے مناسب جگہ پر رکھ دیا اور ان کے آس پاس کے علوم سے خلط ملط نہیں کیا۔ چنانچہ ان علوم کو جن کا مقصد جمہور عالم کی نسبت سے خیر کا افاضہ ہے اور ان کا سرچشمہ حضرت خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیم کا قلب مبارک ہے، اس کو تمام دیگر علوم سے خالص الگ تھلگ رکھا۔ ایک قوم نے احکام شرعی اور مصلحتوں پر نظر رکھتے ہوئے بدعت کے طریقے پیدا کر لئے اور ایک جماعت نفس کی تہذیب کی راہ پر چل کر زہد کی گہرائیوں کو ظہور میں لائی۔ ایک جماعت نے عقائد اسلامیہ کے مسلک میں گھوڑے دوڑا کر انبیا علیہم السلام کی باتوں کو تحقیقات عقلیہ کے ساتھ جو فلاسفہ کے علوم سے سرقہ کی ہوئی تھیں، خلط ملط کر دیا۔ ایک فرقہ نے حضرت شارع صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو جو کہ علوم فلاسفہ پر عمل کے واسطے بیان کی گئیں، اس طرح توحید اور فنا و بقا پر محمول کیا، گویا اس شخص کا مقصد تخلیق ہی ان تمام علوم کو مٹانا تھا۔ اس طرح کہ اس کی بوکی تاثیر سے اس کے کلام سے قطع نظر ان کی روح باطل ہوگئی اور ان کی تازگی خشکی میں تبدیل ہوگئی۔ چنانچہ اس میں کوئی باریکی کو دیکھنے والا نظر نہیں آتا اور کسی نور کے شناسا نے اس کو نہیں پہچانا۔ اے اللہ! مگر ایک قوم جو ایک زمانہ سے اس سے الفت رکھتی ہے اور ان کے استحسان کا منشا یہی الفت ہے، اور ان علوم کو پاک کرتا ہے جن کی پیدائش، ناقص تصورات سے غبار کا وجدان ہے کہ اہل وجدان میں سے بیشتر کو غلط اندازہ ہوا ہے۔ چنانچہ اہل وجدان کا ایک دوسرے سے اختلاف پیدا ہو گیا اور ان علوم کو جن کا منشا برہان ہے، اس نقصان سے جو عدم وجدان کے سبب ان میں داخل ہو جاتا ہے دور کیا۔ اس خاتم وفاتح کی ایک خصوصیت مجددیہ، وصایہ اور قطبیہ ارشادیہ کا ایک ساتھ قیام ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا ہے۔

فثلث اطوار العلوم بساحتے
رسوخ وتاویل و آخری جلائل

''علوم کے تین طریقے ایک میدان میں ہیں۔ رسوخ وتاویل اور دوسرے بڑے

کارنامے۔"

چنانچہ مجددیت کے فروع کے سلسلہ میں کہ فقہ میں سنت کے طریقہ پر ہو اور جو نوامیس قیاسیہ کی کسی بھی قسم کی آمیزش کے بغیر ہو تکلم ہے اور علم کلام میں صحابہ و تابعین کے طریقہ پر تکلم ہے۔ اور وصایہ کے فروع کے شعبوں میں احکام و ترغیبات و ترہیبات و تاویل اور انبیا علیہم السلام کے قصے وغیرہ کے اسرار تکلم ہے اور جو کچھ انبیا صلوات اللہ علیہم نے بیان کیا ہے اور قطبیہ ارشادیہ کے فروع کے شعبوں سے اس طریقہ کا ضابطہ ہے کہ ترجمان لسان فیض نے بیان کیا جو کہ باطن کے مطابق اس زمانہ میں فیض پہنچانے والی ہے۔ امید یہ ہے کہ اگر اللہ نے چاہا تو اس کے ہاتھ پر زمانہ تازہ ہو جائے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے **ان الزمان قد استدار کھیئة یوم خلق اللہ السموٰت والارض** "تاریخ نے خود کو دہرایا اس دن کی طرح جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔" خاتموں اور فاتحوں کے پیچھے ایک قوم ہے کہ ارشاد کے اسرار کا ان میں ظہور ہوتا ہے۔ اور وہ اصحاب طریق ہوتے ہیں۔ **سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم** "تمام نقائص سے پاک تو صرف آپ ہی کی ذات ہے، ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہمیں دے دیا ہے۔ حقیقت میں سب کو جاننے والے اور سمجھنے والے آپ ہی ہیں۔" (البقرہ:۳۲)

۳۲- تفہیم:

وہ دو حالتیں جن کا ہم ادراک کرتے ہیں

اللہ آپ پر رحم کرے۔ اس بات کو سمجھ لو کہ ہماری دو حالتیں ہیں ہم جو کچھ ادراک کرتے ہیں، انہی سے کرتے ہیں۔ ان میں ایک مدرک (ادراک کرنے والی قوت) کے لئے، اس عارف کی تربیتوں میں سے مناسب تربیت (نشأۃ) ہے۔ اور دوسری تمام حقائق کا احاطہ کرنے والی، حقیقت عامہ جبروتیہ ہے، جس سے تربیتیں پیدا ہوئیں۔ اور پہلے مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ بندہ موجودات میں سے ایک موجود ہے۔ چنانچہ اس میں لازمی طور پر وجود کے اسرار کا اور تمام بلند و عام حقائق کے اسرار کا جو تحقق کے اقلیم پر پردہ ڈالنے والے ہیں،

اندراج ہوگا۔اور عارف پر سے جب توحید کے اسرار کا پردہ ہٹ گیا اور اس نے دیکھا کہ اس کا ممکن التحقق وجود کے باطن سے فیض پہنچانے والی آنکھوں سے وجود کے ظاہر کا انضمام اور امتزاج ہے تو یہ کشف اس کے لئے اجمالی ہے۔اس وقت اس کی بصیرت کی نگاہِ ازلی ان تمام پردوں کے ساتھ یقینی وجود پر پڑتی ہے جو اس مشہود کی شرح نہیں کرتے۔اور اس کا کشف بعد میں ہوتا ہے۔اور اسی طرح اس میں ہر اس پیدائش کے اسرار ہیں جو اس مادی صورت میں اس کے تحقق اور ظہور پر مقدم ہے۔چنانچہ اس میں ہر اس گھومنے والے فلک کا فیض ہوتا ہے جو خاص اس صورت میں اجمالی فیض کی تخصیص کی شرط شمار کی جاتی ہے۔اور ہر مقرب فرشتے کو دنیا کی تدبیروں میں ایک دخل ہوتا ہے۔اور ہر عنصر جس سے اس کا ہیکل مرکب ہوا ہے اور معدنیت و نباتیت، حیوانیت اور انسانیت کی ہر صورت، خاص اس صورت اور ہر اس تخلیق کے فیضان کے لئے تمہید ہو جاتی ہے جو اس فیض پہنچانے والی صورت سے پیدا ہوتی ہے جیسے نشأۃ قبریہ اور حشریہ۔اور اسی طرح اس میں حقیقت جبروتیہ کا پردہ شامل ہے جو نوع انسانی کی تدبیر و تربیت کے ساتھ قائم ہے۔چنانچہ اس عارف کے لئے ممکن ہے کہ وہ اپنے نفس میں شامل ہر طبقہ میں غور و فکر کرے۔اور اس میں اس پیدائش کے احکام کو دیکھے جس کی وجہ سے وہ طبقہ ہے جیسے آئینہ۔اس میں وہ رنگ اور شکلیں چمکتی ہیں جو اس کی مقابل ہوتی ہیں۔چنانچہ جب کبھی ہم روحوں میں سے کسی ایک روح کی طرف توجہ کرتے ہیں۔اس کی منزل کمال کے مقامات پر پاتے ہیں۔چنانچہ ہمارے کمالات میں سے کسی ایک کمال نے جو ہمارے اندر شامل ہے۔ہماری منزلت اور مقدار کے لئے ایک آئینہ قائم کر دیا۔اور اللہ سے متعلق ہماری معرفت کی انتہا کو بیان کر دیا۔چنانچہ روح کی صفت ہمارے وجود کے طبقات میں سے اس روح کے لئے مناسب طبقہ کے آئینہ میں پوری طرح ظاہر ہوگئی۔پس جب کبھی ہم نے جنت کی طرف توجہ کی تو اس کی اس حقیقت کو دیکھا جو ہمارے اعمال اور اسکے اوپر حکم مثالی میں فیض پھیلانے والے ہمارے اخلاق کے احاطہ میں ہے۔اور ہمیں حوروں نے پکارا جس کی وجہ سے ہم پوری طرح سرور و مستی میں آ گئے۔

جہاں تک تیسرے مسئلہ کی تحقیق کا سوال ہے تو وہ یہ ہے کہ صاف شفاف نفس اس وقت حقائق جبروتیہ کے رنگ میں رنگ جاتا ہے جب وہ ان حقائق کی طرف ان کے مناسب نظریہ سے دیکھتا ہے۔پھر جب وہ اس رنگ میں رنگ جاتا ہے تو ان حقائق میں جو چاہتا ہے،

دیکھتا ہے۔ اور یہ بھی ان کے نفس کے رنگ کے واسطہ سے ہوتا ہے اور کبھی عارف اس حقیقت کا اور ہر اس چیز کا جو اس میں شامل ہے بغیر کسی رنگ اور آئینہ کے ذاتی تجلی کے حال کی طرح مشاہدہ کر لیتا ہے۔ اور یہی علم کی انتہائی غایت ہے۔

۳۳۔ تفہیم:

"کامل" کی حقیقت

جب دوسروں پر سبقت لے جانے والے آ گے، بڑھنے والے پر عنایت و توجہ کا نزول ہوا جو کہ عظیم المعرفت اور قوی العلم ہے کہ اس کا نفس مطلق بہت بلند ہے اور ان امور الہامات کا بیان کرنے والا ہے جن سے نہ نفس کی تنگی روکتی ہے اور نہ ہی غیب سے حاصل ہونے والے علم سے طبیعت کا کوئی وسوسہ۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول علوم کا احاطہ کر لیا اور اپنے قلب میں شریعت کی ان چیزوں کو نقش کر لیا جن پر ملاء اعلیٰ نے اتفاق کیا اور یہ وہ ہے جس کو نبیؐ نے کھول دیا۔ پھر اس عنایت الٰہیہ نے نزول فرمایا جو لوگوں کی ہدایت کی اور ان کے اندر ملت کی حفاظت کی مقتضی تھی۔ عنایت مطلق ہی نہیں بلکہ وہ عنایت جو محمدؐ کے سینہ مبارک میں ظاہر ہوئی۔ چنانچہ تمام علوم تمام حدود اور مقداروں کو ان کی وجہ پر پہچان لیا اور ملاء اعلیٰ میں ان کے انعقاد کی وجہ اور اس وجہ کو پہچان لیا جس پر حدود و مقادیر سے نبیؐ نے اجتہاد کیا اور اس کو دو زبانیں عطا کی گئیں۔ ایک زبان وہ جس کی تفصیل نبیؐ نے اصحاب یمین کے لئے بیان کی۔ یعنی عقائد اور فقہ۔ اور دوسری زبان وہ جس کو سبقت کرنے والوں کے لئے مجمل رکھا جس میں حکمتیں اور معارف الٰہیہ ہیں۔ اور اس کو تمام وجوہ سے دین کا مجدد بنایا۔

اور وہ یہ کہ جب اس کو اس کے رب کی طرف سے لکھا ہوا کلام عجیب عطا ہوا جو علیحدہ سے ہر کمال تک دراز تھا اور وہ تیار تھا، اس نے استقبال کیا تو ہر کمال اس کا جز تھا۔ اس ذکی و فطین بندہ نے اس کے ہر جز کو گہری اور تیز نظر سے دیکھا۔ پھر ہر جز کو مقامی لباس عطا کیا۔ تب حق تعالیٰ نے اس کی طرف نظر رحمت سے دیکھا۔ تب اس پر لباس کامل کر دیا تو وہ اکیلا نہیں تھا بلکہ حقیقت میں کثیر تھا۔ اس کا ایک وجود وہ ہے جو ملاء اعلیٰ کے وجود کے مشابہ ہوتا ہے، اس کو انہی میں شمار کیا جاتا ہے۔ پھر جب ملاء اعلیٰ میں نزاع ہوا تو اس سلسلہ میں وہ ان

کے ساتھ ہوا۔اور اس کا ایک وجود قدرت الٰہی میں ہے اور وہ اس کے مختلف طریقوں میں غور و فکر کرتے ہوئے جبروت اور لاہوت کو محسوس کرتا رہا۔اور اس کا ایک وجود رحموت میں شامل ہے۔اس کے ذریعہ جبروت سے ممتاز کو محسوس کرتا ہے۔اور اس کا ایک وجود مادی عقول میں ہے جو اس کے لئے نفس کے مد مقابل ہے اور اس کو ہمیشہ اپنے جسم کے طریقوں کے بارے میں غور و فکر سے مناسبت رہی ہے۔اور ایک وجود دنیا میں پائے جانے سے پہلے ارواح سے رہا ہے جیسا کہ تمام انسانوں کا ہوتا ہے۔اور ایک وجود عالم مثال میں ہے۔اور ایک وجود دنیا میں ہے۔تو یہ سب وجود ایک دوسرے سے ممتاز شکل میں موجود ہیں۔اور اس کے لئے اس کے دوسرے بہت سے مثالی وجود ہیں۔ان میں سے ایک وجود ملاء اعلیٰ کے مشابہ ہے،ایک وجود ملاء سافل سے۔اسی طرح ہر کمال جو آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت کے دن تک انسانوں کو حاصل ہوا ہے،اس کا ایک وجود ہے جو ہر کمال کا حامل اور نمایندہ ہے۔

پھر وہ کمالات جو نور محمدی کے ان کے قلب میں پلٹنے سے جمع ہوئے اس کے ہر کمال کے مقابلہ میں اس کا وجود مثالی ہے۔اس کا ایک وجود وہ ہے جو کمال صحابہ کا حامل ہے۔ایک وجود ولایت وفنا اور بقا کا حامل ہے،اور ایک وجود وصایا کا حامل ہے۔اور اس سے مراد احکام کے معانی اور حکمتوں اور حدود و مقدار اور ان کے اسرار کو سمجھنا ہے۔اسی طرح قصص کے معانی کا سمجھنا ہے اور ایک وجود مجددیت اور ظاہر علم کا حامل ہوتا ہے۔اس میں خبر ہے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے۔اور اس میں علم حدیث اور علم فقہ ہے جو سابقین کے لائق ہے۔اور وہ فقہ ہے جو اصحاب یمین کے لائق ہے اور علم کلام ہے۔اور دوسرا سلوک دیا گیا جو آج پائے جانے والے تمام طرق میں سے جذب کے سبب سے زیادہ قریب ہے۔اور اس وقت پائے جانے والے تمام طرق نقشبندیہ قادریہ اور چشتیہ وغیرہ کا حامل ہے۔

اور اس پر اللہ تعالیٰ کے عجیب وغریب لطائف میں سے ایک بات یہ ہے کہ قرب روحانی اس سے خارج ہوا،اور دنیا میں داخل ہو گیا،اور اس میں روحانی طور پر سرایت کر گیا، اور اس سے مادی قرب نکلا اور عالم میں داخل ہو گیا اور مادی چال چلا۔چنانچہ وہ تمام طرق اور مذاہب کے منسوخ ہونے کے لئے سبب ہوا۔چنانچہ ان کے مذہب کے بعد کوئی مذہب اور ان کے طریقہ کے بعد سلوک کا کوئی ایسا طریقہ آپ نہیں دیکھیں گے جو روح جذب پر مشتمل

ہو۔ ہاں آپ ایسے اہل طریق و مذاہب کو دیکھیں گے جو مذاہب اور طریقوں کے رسوم کو پکڑتے ہیں اور سلوک کی کسی نوع کے لئے مفید اشغال میں مشغول رہتے ہیں۔ لیکن جہاں تک جذب کا سوال ہے وہ مفقود ہے۔ چنانچہ یہ قیامت وہی ہے جس کا اس وصی کے لئے وعدہ کیا گیا۔ دنیا میں پائے جانے سے قبل اس کے کمال کا وعدہ کیا گیا۔ اور قربتیں انہی میں منحصر نہیں ہیں جو ہم نے بیان کیں بلکہ اس کو عالم حجریہ میں بھی قرب ہے اور عالم شجریہ میں اور عالم حیوانیہ میں بھی۔ اور ہر قرب اس صورت کے علوم کو پہچاننے کے لئے آئینہ ہے۔

اور جاننا چاہئے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں لوگ جادو سے شغل رکھتے تھے، اس میں غلو رکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر عصا اور ید بیضا کا معجزہ نازل فرمایا۔ اسی طرح انہیں اسی فن میں عاجز کر دیا جس کے وہ ماہر تھے۔ اس فن پر کامیابی کی امید میں نظریں گاڑے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا اس لئے کیا تاکہ اپنی حجت ظاہر کر دے اور جادو کے سلسلہ میں ان کی تیاریوں کا قلع قمع کر دے۔ اور اس کے ذریعہ عذاب و عتاب سے دوچار کر دے۔ اور ہمارے نبیؐ کے زمانہ میں لوگ اشعار اور خطبوں سے شغل رکھتے تھے اور ان کی رفعت شان اور عظمت و بلندی وضاحت سے متعلق تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا معجزہ نازل فرمایا۔ اس طرح ان کو عاجز کر دیا اور انہیں چیلنج دیا۔ اس طرح اپنی حجت کو ظاہر کر دیا کہ انہیں اس میدان میں عاجز کیا جس کے وہ ماہر تھے۔

اسی طرح انبیا کے وارث مجددین اور اوصیا کا معاملہ ہے۔ البتہ شریعت کی تاویل اور تجدید کی صورت اقوام کے اختلاف کے لحاظ سے مختلف ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ جب ان میں خطابت پھیلی ہوئی تھی تو اللہ کے جود و کرم میں یہ واجب قرار پایا کہ وصی کی تاویل اور شریعت کی تفسیر، خطابت کی زبان میں ہو اور جب ان میں برہان پھیلی ہوئی ہو تو اللہ کے جود و کرم میں یہ قرار پایا کہ شریعت کی تاویل اور تفسیر برہان کی زبان میں ہو۔

جہاں تک اس وصی کا تعلق ہے اس کا وجود اس زمانہ میں ہوا جب لوگوں میں تین چیزیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ایک برہان اور یہ اہل یونان کے علوم سے اختلاط اور قوم کے کلام میں اشتغال کی وجہ سے ہوا۔ حتیٰ کہ عقائد کے سلسلہ میں ایسا کوئی کلام نہیں پایا جا سکتا کہ وہ برہانی مناظروں سے لبریز نہ ہو۔

اور وجدان لوگوں کو مشرق و مغرب میں ہر جگہ صوفیا کو قبول کرنے اور ان کی اتباع پر جمع کرنے کے لئے ہے، یہاں تک کہ ان کے اقوال اور احوال، کتاب وسنت اور ہر چیز کے مقابلہ میں ان کے دلوں سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے رموز و اشارات تک لوگوں میں پھیل گئے ہیں۔ چنانچہ جس نے ان کے رموز و اشارات سے انکار کیا یا کسی بھی طرح انکار کرنے والوں کے ساتھ ہو گیا تو اس کو قبول نہیں کیا جاتا۔ اور نہ ہی اس کو صالحین میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور ممبروں پر کوئی واعظ ایسا نہیں ملتا جس کے کلام میں صوفیا کے اشارات شامل نہ ہوں۔ اور کوئی ایسا عالم نہیں ہے جس کو لوگ جانتے ہوں جو ان کے کلام کا معتقد نہ ہو اور اس میں غور و فکر نہ کرتا ہو۔ یا پھر یہ کہ وہ چوپایہ بہائم جیسی طبیعت رکھنے والا ہوگا۔ اور امراء وغیرہ کی کوئی مجلس ایسی نہیں ہے جس میں شریک ہونے والوں کی زبانوں کی پیشکش اور ان کے ہاتھوں کی کوشش اور ان کی محفلوں کی خوش طبعی کا اہم حصہ صوفیا کے اشعار اور ان کے نکات نہ ہوں۔

اور سماع اور یہ ان کے ملت اسلامیہ میں داخل ہونے کی وجہ سے ہے اور یہ اس زمانہ میں پیدا ہوا جب ہر صاحب رائے نے اپنی رائے کی اتباع کی۔ اور اس میں آپ کسی کو ایسا نہیں پائیں گے جو متشابہات اور علم کے میدان میں پیش آنے والی مشکلات سے واقف ہو۔ اور آپ کسی ایسے شخص کو بھی نہیں دیکھیں گے جو احکام کے معانی اور ان کے اسرار کے سمجھنے میں غور و خوض کرتا ہو اور اس سلسلہ میں معقول امور کی طرف میلان رکھتا ہو۔ اور ہر شخص کے لئے مذہب اس کے مطابق ہو گیا جو اس نے سمجھ لیا۔ اور ان کا حال یہ ہو گیا کہ لڑو، جھگڑو، بحث کرو، نہ اتفاق ممکن ہے، نہ کوئی اصلاح ہے۔

انہوں نے فقہ کی اقسام میں بھی اختلاف کیا ان میں کچھ حنفی ہیں اور کچھ شافعی۔ اور ہر ایک اپنے اصحاب کے سلسلہ میں تعصب رکھتا ہے اور دوسروں پر نکیر کرتا ہے۔ ہر مذہب میں تخریجات کثرت سے ہو گئی ہیں۔ یہاں تک کہ حق پردے میں چلا گیا ہے۔ یہ اللہ کا جود وکرم، اس کی رحمت و مہربانی اور لطف و حکمت ہے کہ شریعت سے متعلق اس وحی کی تفسیر ایسی بنا دی کہ اگر وہ اس میں غور و فکر سے کام لیں تو اختلاف بہت کم رہ جائے اور حق کا ہر راز معلوم ہو جائے۔ وہ لوگ ایک پاؤں کو اس کے سمجھنے کے نام پر آگے بڑھاتے ہیں اور دوسرے پاؤں کو پیچھے دھکیلتے ہیں۔ جب کہ اس کا کلام ایسا ہوتا ہے کہ جو برہان، وجدان اور منقول سے

مطابقت رکھتا ہے اور اس کی قوم کے علوم کی مکمل معرفت حاصل ہے۔ اور وہ ایسا شخص ہے کہ اس کی رائے سے اس طرح شفا حاصل کی جاتی ہے جس طرح اونٹ تتنے سے شفا حاصل کرتا ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر یہ وصی چابکدستی کا سہارا لیتا تو فلسفی کے ساتھ اس کے فلسفہ میں بات کرتا، متکلم کے ساتھ اس کے علم کلام میں، محدث کے ساتھ اس کی حدیث میں، مفسر کے ساتھ اس کی تفسیر میں، فقیہہ کے ساتھ اس کے فقہ میں اس طرح بات کرتا اور تصوف والے کے ساتھ اس کے تصوف میں کوئی بھی صاحب فن عاجز نہ ہوتا اور ہر خواہش رکھنے والا مبہوت رہ جاتا اور نہ کوئی اس بات کو جانتا کہ وہ کس بات سے بے خبر ہیں اور ان کو اس پر متنبہ کر دیتا جو ان سے پوشیدہ ہے۔

اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ اس وصی کو دیکھیں گے کہ اپنی پوری قوت کے ساتھ معارف کو شمار کرتا ہے اور آپ اس کی زبان کی فصاحت میں لاہوت، جبروت، ملاء اعلی اور ملاء سافل کی خبر پائیں گے اور آپ دیکھیں گے کہ اس کا قلب زمین میں تدبیر الٰہی کے مسائل اور دنیا و آخرت میں اس کے فیصلوں میں مصروف و مشغول رہتا ہے اور ہر چیز کے لئے ضوابط و قوانین دیے گئے ہیں جن میں نہ کوئی منتقل ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی تبدیل ہوتا ہے۔ اور جو کچھ دیا گیا وہ یقین وسکون ٹھنڈک ہدایت، رحمت اور لطف ہے، بغیر اس کے کہ اس کے ساتھ کوئی مادی وسوسہ اور اندیشہ شامل ہو۔

اور یہ بھی جان لو کہ لوگوں کے ہر اجتماع میں ایک ایسے پسندیدہ بندہ کا ہونا ضروری ہے جس کی طرف حق اپنی رحمت سے دیکھتا ہے۔ اور لوگوں کی طرف اس کی نظر میں دیکھتا ہے تو انہیں رزق دیا جاتا ہے اور ان کی مدد کی جاتی ہے اور ان کے اوپر اس کے طفیل میں برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ اور یہ وصی وہ پسندیدہ فرد ہے جس کے ذریعہ دوسرے محبوب بندوں کو رزق ملتا ہے۔ اور ان کی مدد کی جاتی ہے، اور وہ حق کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔ اور اس کے طفیل اس کی طرف وسیلہ حاصل کرتے ہیں، اور اس کی نظر کے ضمن میں اس کی طرف حق کی نظر اس کی رحمت اور اس کے سینہ سے ملے ہوئے اس کے لطف کے ساتھ ہوتی ہے۔ میری اپنی عمر کی قسم! وہ آسمانوں اور زمین کی میخ ہے، اگر وہ نہ ہوتا تو زمین فرش کی شکل میں باقی نہ رہتی۔ نہ آسمان بنا رہتا۔ اور اگر وہ نہ ہوتا تو برکتیں نازل نہ ہوتیں۔ اور اگر وہ نہ ہوتا تو رشد و ہدایت نازل نہ

ہوتے۔ چنانچہ وہ کتنا اچھا ہے، پھر کتنا اچھا ہے، پھر کتنا اچھا ہے، اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے۔

۳۴-تفہیم:

اقطاب مرشدین کا ذکر

لوگوں پر احسان کی صفت کی جہت سے حق تعالیٰ کی عنایت نے قوم کو آمادہ کیا تو انہوں نے اقطاب کا نام مرشد رکھ لیا۔ چنانچہ ان میں خلق کی طرف حق تعالیٰ کی نظر اس اعتبار سے متوجہ ہوئی جس سے وہ اپنے دین اور احسان کی طرف ہدایت پاتے ہیں۔

چنانچہ ان میں کوئی احسان اور خضوع سے کام لینے والا فرشتوں کے مشابہ ہو گیا۔ اس کو قبولیت کا درجہ عطا کیا گیا۔ اس کے اندر عظیم اسرار پھونک دیے گے اور لوگ اس کی طرف راغب ہو گئے۔ اس طرح انہوں نے اس کے ذریعہ ہدایت حاصل کی اور اس نے احسان اور قلب کی صفائی کے میدانوں میں چلنے سے بلند مقامات قبولیت کا درجہ حاصل کرنے والی دعائیں، خواب، کشف اور احوال قلبی حاصل کئے۔ پھر یہ باتیں اس سے نقل کی گئیں اور وہ لوگوں میں عام مثالوں کی طرح پھیل گیا۔ اور لوگوں نے اس کے ہدایت کے راستہ پر چلنے سے طرق و مذاہب حاصل کر لئے۔

اب جو سخت علاقہ میں رہتے تھے جیسے ترک، انہوں نے مشقت والے اشغال کا استنباط کیا جو قوت بہیمیہ کو توڑ دیتے ہیں۔ اور جو اقلیم معتدل میں تھے، انہوں نے مسلسل فیضان والے اشغال کا استنباط کیا۔ اور جس کی طرف فکر و بہیمیت والے راغب ہوئے، انہوں نے دعاؤں اور وظیفوں کے باب کے اشغال کا سلسلہ رکھا۔ اور جس کی طرف قوی بہیمیت والے راغب ہوئے، اس نے تبتل غیر ازدواجی زندگی گزارنے، علیحدگی پسندی، روزہ، شب بیداری اور دنیوی لذتوں سے مکمل قطع تعلق کا استنباط کیا۔ اس کے بعد ان کا حالات و مقامات سے سابقہ پڑا تو جس کا تعلق شدت والوں کے طبقہ سے تھا، اس کو اس کے مناسب قواعد کا فائدہ ہوا اور جس کا تعلق ضعیفوں سے تھا، اس کو اس کے مناسب قواعد کا۔ اور جو اخلاق سلیمہ والوں میں سے تھا، یا اس کی طرف نفوس راغب ہوئے، اس نے اپنی مناسبت سے یادداشت اور وجد و

اشغال قلبی اور اکثر احوال نفسانی کا اجتہاد کیا۔

اور ان میں سے جو اپنے احسان کے ساتھ فانی اور باقی تھا یا فردیت کے شعبہ سے تعلق رکھتا تھا، اس نے اپنے کلام کی لغزشوں اور اپنی زبان کی وضاحت سے جبروت، لاہوت اور تدلیات (قرب) کے احکام کے امور حاصل کیے۔ اور جب بھی ان میں سے کسی نے اللہ کی عنایت اور توجہ کو اپنے حاصل کیے ہوئے علوم میں ملی ہوئی دلیلوں کے ساتھ محسوس کیا، پھر کسی قوم نے ان رموز کو اپنے دل کے کانوں سے سنا تو اس کو انہوں نے محفوظ اور مرتب کر لیا۔ اور دوسری قوم نے ان کو اپنے کانوں سے سنا تو وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

اس طرح تصوف میں مختلف مذاہب پیدا ہو گئے، اور لوگ بہت سارے گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ اس لئے کہ انہوں نے ان کے ظاہر اور ان کی صورتوں کو دیکھا تو انہی پر اکتفا کیا اور یہ نہیں سمجھا کہ حق کی عنایت حقیقت میں ایک ہی ہے۔ آج لوگوں کی مصلحت کے لحاظ سے اس کے بہت سارے رنگ اور مختلف قسمیں ہیں۔ ان میں کچھ مذاہب صرف احسان کے لئے مفید ہیں اور اس سلسلہ میں وصی کا کوئی ایک حکم نہیں ہے بلکہ ہر نفس کی شریعت الگ ہوتی ہے۔ اور لوگ اسی لحاظ سے حکم لگاتے ہیں جس لحاظ سے وہ سلوک میں بڑھتے ہیں اور جس لحاظ سے لوگوں کے اندر استعداد دیکھتے ہیں۔ اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو فنا اور بقا کے لئے مفید ہیں اور جب بھی کبھی صاحب ارشاد مجذوب ہو جاتا ہے اور اس کے اندر عنایت کی روح پھونک دی جاتی ہے تو اس کی صحبت اور توجہ لوگوں کے اندر جذب کا مادہ پیدا ہونے کا فائدہ دیتی ہے۔ پھر جب اس سے عنایت خارج ہو جاتی ہے، اس کا جذب والا طریقہ باقی نہیں رہتا۔ وہ زائد ہو جاتا ہے، خواہ اشغال کے نسیان کی وجہ سے یا صاحب جذب کی معرفت کی وجہ سے۔ اور جہاں تک جذب کی روح کے کھینچ لینے کا سوال ہے، تصرف سلوک باقی رہتا ہے جو احسان کے لئے مفید ہوتا ہے نہ کہ فنا و بقا کے لئے۔

اور قادریہ، نقشبندیہ اور چشتیہ طریقوں کی فہم کی علیحدہ خاصیت ہے۔ قادریہ، اویسیہ اور روحانیہ سے قریب ہے، اگرچہ تعلیم شیخ ظاہر سے ہو اور شیوخ سے اس کا قدیم رابطہ ہو اور مشائخ کی توجہ خاص طالب کی طرف ہو کسی اور کی طرف نہ ہو۔ اور وہ اس لئے ہے کہ شیخ عبدالقادر کے عالم میں چلنے کے لئے بہت سے شعبے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب ان کی وفات ہوئی تو وہ ملاء

اعلی کی ہیئت میں ہو گئے تھے اور ان کے اندر سارے عالم میں چلنے پھرنے والا وجود نقش ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے ان کے طریقہ میں روح حاصل ہو گئی۔

طریقۂ نقشبندیہ بہیمیت کو ضبط کرنے اور یادداشت کے ذریعہ اس کو توڑنے میں بہت زیادہ قوی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شیخ بہاء الدین سرزمین ترک میں احسان کے مجدد مقرر کئے گئے۔ اور وہ لوگ بہیمی قوت والے تھے اور شیخ مجذوب تھے۔ ان کے ملکوتی اسرار نے نور الٰہیہ و تدلیہ (قرب) کو قبول کر لیا تھا۔ چنانچہ ان کی نسبت اور تربیت سے ان لوگوں کے لئے طریقۂ مفیدہ، بہت زیادہ فائدہ والا پیدا ہوا جو اصحاب اخلاق سلیمہ یا اہل محبت وعشق میں سے تھے۔

چشتیہ میں روح قبول پھونکی گئی، چنانچہ چشتیوں میں سے جس کو بھی مقرر کیا گیا اس کو قبولیت عظیمہ عطا کی گئی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طریقہ والے اکثر سرزمین ہند میں پائے گئے۔ اور اہل ہندوستان میں ان کے علاوہ کسی میں بھی احسان کی طرف داعیہ نہیں تھا۔

جہاں تک اس وصی کا تعلق ہے تو اس نے اپنے رب سے عہد و پیمان لیا اور اس پر بہت اصرار کیا کہ اس کے طریقہ میں چشتیہ کی طرح قبولیت کی روح پھونک دی جائے، جب وہ عنایت کا مستقر تھا۔ اور یہ کہ اس کی روح کے لئے ترقی کی طرف گامزن ہونا مقدر کیا جائے یہاں تک کہ اس کا طریقہ روحانی اویسی طریقہ ہو جائے۔ اور اس امر کی تکمیل خود اس کے بعد ہوگی جیسا کہ شیخ عبدالقادر کے بعد ہوا۔ اور حق کی فہم یہ ہے کہ عنایت الٰہیہ اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ لسان جلی اشاعت حدیث کی طرف مائل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ بدعات والے مذاہب کی جڑ کاٹ دیتا ہے خواہ کچھ مدت کے بعد ہی ہو۔ اور لسان خفی کسب احسان کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اور احسان کے تین درجے ہوتے ہیں۔

پہلا درجہ ان لوگوں کے لئے ہوتا ہے جو کسب معاش میں مشغول رہتے ہیں جیسے عسکریہ (فوجی) اور طالب علم اور صنعت وحرفت وغیرہ کے شعبوں سے تعلق رکھنے والے، اور وہ اذکار لسانی سے کام لیتے ہیں جیسے سبحان اللہ و بحمدہ ولا الہ الا اللہ اور صبح وشام اور سونے کے وقت کی مناسبت سے دعائیں اور تہجد میں سورۃ یٰسین کے التزام اور اس کے بعد دعا جو سورۂ ملک کے قریب ہو اور اس کے بعد ایک ساعت ذکر اور یہ سب کچھ فجر سے پہلے پہلے اور اس سے متصل ہو۔ اور یہ کہ وتر کو رات کے آخری حصہ تک کے لئے موخر کرے۔ پھر

اس کی پانچ، سات، نو یا گیارہ رکعتیں پڑھے پھر طلوع فجر تک اللہ کا ذکر کرے اور اس وقت صلوۃ اشراق وضحیٰ (چاشت) پڑھے۔ اور نماز اول وقت میں پڑھے اور وجدان کے قریب تر یہ ہے کہ ظہر اور عصر کو ایک مجلس میں ہی پڑھ لے اور اس دوران درس اور اس جیسے کاموں میں مشغول رہے اور طریقہ سنت کی طرف دعوت دینے والے سے معاہدہ کرے کہ ہر ہفتہ دو دن لوگوں کو قرآن و سنت کی یاد دلائے اور عصر کے بعد زردی پھیلنے سے پہلے کچھ احادیث کا مطالعہ کرے۔ اور یہ چیز اس اشتغال والوں اور ان جیسے لوگوں کی وجہ سے کبھی ترک نہ کرے۔

دوسرا ان لوگوں کے لئے ہے جو طریق حق کے سلوک میں رغبت رکھتے ہیں۔ ان میں سے جن کو فرصت ہو اور اس کے لئے تجرد ہو اور وہ ذکر بالجہر، کثرت سے روزے، شب بیداری اور اعتکاف ان لوگوں کے لئے جن کی جبلت قوی ہو، اور ذکر خفی اور حق کی طرف کثرت توجہ سے ان لوگوں کے لئے جن کی جبلت ضعیف ہو۔ اور معاملہ ان دونوں کے درمیان مرکب ہوتا ہے جس کا معاملہ بین بین ہوتا ہے۔ اور سنت کی طرف دعوت دینے والے سے معاہدہ کرے ہر دن رات میں ایک بار لوگوں کی طرف توجہ کرے اور قوت بہیمیہ کی طرف ایسی ہمت سے توجہ کرے کہ اس کو توڑ ڈالے اور اس سلسلہ میں جو مناسب سمجھے، ان سے گفتگو کرے۔ حتیٰ کہ جب یادداشت حاصل ہو جائے اور ظاہری احوال توکل، تسلیم و رضا اور وجد کا غلبہ حاصل ہو جائے اور اس عمل کو اس وقت تک نہ چھوڑے جب تک اس کی عادت نہ ہو جائے اور مراد حاصل نہ ہو جائے۔

تیسرا طریقہ ان لوگوں کے لئے جن کو فنا و بقا کے حصول میں رغبت ہو۔ وہ توحید محبت پھر توحید افعال پھر توحید صفات پھر توحید ذات پھر یادداشت پھر اس کی پابندی کی طرف ہدایت پائے۔ یہاں تک کہ اس کا نفس اس کے رنگ میں رنگ جائے۔

۳۵- تفہیم:

فرد اور قطب

حامل عنایت فرد اور حامل عنایت قطب میں بہت بڑا فرق ہے۔ فرد وقت کا مشتاق ہوتا ہے اور ہدایت پہنچانا اس کے کمالات میں سے ایک شے ہوتا ہے۔ اس کا نفس اس کی

گہرائی میں غوطے نہیں لگاتا، نہ ہی مضمحل ہوتا ہے۔ اور قطب مضمحل ہو جاتا ہے اور ہدایت و ارشاد کے عمل میں فنا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے قطب سے اس کے فنا و بقا کا رنگ ظاہر ہوتا ہے۔ جب کہ فرد سے صرف اتنا ہی ظاہر ہوتا ہے جس کا جود و کرم کے مقتضا سے زمانہ کو حکم دیا جاتا ہے۔ جیسے ہمارے اس زمانہ میں احسان ؒ۔ اور بسا اوقات یہ قطب، ارشاد کے معاملہ میں اس نکتہ کی وجہ سے فرد سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔

۳۶- تفہیم:

علم اصول دعا

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر شیخ ابوالحسن شاذلی اور شیخ ابوالعباس لیونی اور ان کے پیروکاروں کی دعا کے اصول کے بھید ظاہر کر دیے۔ اور میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ جس نے ان اصولوں کا احاطہ کر لیا اس نے ان کی تمام دعاؤں اور اہم امور کا احاطہ کر لیا اور اس کے اوپر نکلنے والے فروع کی معرفت اور استنباط سے نظر آنے والے امور کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہا۔ اور اللہ نے مجھ پر بعض عجیب و غریب علوم جیسے جفر، رمل اور فال کے راز بھی ظاہر کر دیئے اور میں یہاں جو کچھ ممکن ہے بیان کرتا ہوں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ نبی کریمؐ کی بعثت سے قبل ایک طویل مدت تک یونان اور بابل کے حکما، سحر اور طلسمات کے علوم میں مشغول رہے تھے۔ اور ان سے متعلق ان کے پاس قاعدے اور ضابطے تھے جن کا انہوں نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ ان کا مرجع کواکب کے خواص اور ان کی تاثیرات اور جو کچھ ہر کوکب کے ساتھ خاص ہے اور جس کی حکایت بیان کی جاتی ہے اور جو جو ہر و عرض کے معنی میں اس کے موافق ہے، ان سب کی معرفت سے ہے۔

پھر موتیوں، طلسمات اور انگوٹھی وغیرہ میں کواکب کی قوتوں کے ودیعت کئے جانے کی معرفت جس کا تعلق اس جوہر سے ہوتا ہے جو مطلوبہ کوکب کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے، اور اس وقت کی معرفت جس میں اس سے متعلق مخصوص سعادت و نحوست غالب ہوتی ہے، اور وہ صورت و ہیئت جو کوکب کی قوت کی وجہ کو ان اجسام کی طرف مائل کرتی ہے کہ علماء کے ساتھ مخصوص ہیئت مشتری سے مناسبت رکھتی ہے اور سفاک ترکوں سے تعلق رکھنے والی ہیئت مریخ

سے مناسبت رکھتی ہے وعلی ہذا القیاس۔ اور ان کواکب سے استمداد کی طرف نفس کی توجہ سے اس میں ان کی قوت کا گنتی کی چند راتوں میں احوال عالم معلوم کرنے کے لئے ستاروں کو ہر کوکب کے لئے مخصوص دعا اور اس کی ثنا اور ندا کے ساتھ دیکھنا۔

پھر ایک اندازہ کے مطابق کچھ اشیا کے ذبح، اور روزوں اور دعا اور ذی روح کے ترک اور فرشتوں کے نزدیک ناپسندیدہ اشیا کے ترک وغیرہ کے ذریعہ کواکب کی روحانیت کی تسخیر کی معرفت۔ اور ان تمام اعمال کی اصل یہ ہے کہ اس دورہ کی ابتدا میں وہ حوادث تھے جو خود کواکب کی قوتوں سے صادر ہوتے ہیں۔ پھر طبیعت کلیہ مدبرہ نے نفوس انسانی میں سے مستعد پائے جانے والے مجموعہ کلیت کے لئے ان علوم کا فیضان کیا جو اس اصل سے جاری ہوتا ہے۔

پھر جب دائرہ نصف ہو گیا تو دائرۂ قدس کے اردگرد کچھ ملائکہ ظاہر ہوئے جو بمنزلہٗ طلسمات کواکب قوتوں میں ودیعت رکھے گئے ہیں بلکہ اثر کے لحاظ سے ان سے بھی زیادہ قوی ہیں۔ اور زمین سے وہ نفوس اوپر کو چڑھے جو ملائکہ سے لاحق ہو گئے حتی کہ فضا ان کے انوار سے بھر گئی۔ تب شخص اکبر کے قلب میں ودیعت کی گئی تدبیر نے ایک دوسری صورت اختیار کر لی جو پہلے والی سے مختلف تھی۔ تب اللہ کے نور نے اور اس کی اس تجلی نے جو وہاں قائم تھی۔ ان روحانیات کو فرشتوں اور ان سے ملنے والی ارواح سے مسخر کر لیا اور ان روحانیات نے ضعیف روحانیات کو مسخر کیا جو روئے زمین پر پھیلی ہوئی تھیں۔ اور یہ، وہ لشکر ہیں جو پرندوں اور درندوں کے بمنزلہ صفات جمع شدہ لشکر ہیں۔ جب بھی جانب اعلیٰ سے کسی فعل کا الہام ہوتا ہے ان میں سے فوجیں امر مطلوب کی طرف متوجہ ہو جاتی ہیں جب کہ وہ یہ نہیں جانتیں کہ ان کے سینوں میں یہ شوق کیوں بھڑکا ہے۔ اور انہیں کہاں سے الہام ہوا ہے۔ چنانچہ اللہ کے جود و کرم اور اس کی حکمت میں واجب قرار پایا کہ انسانوں میں سے تیار نفوس پر ان علوم کا فیضان کیا جائے جو اس اصل سے جاری ہوتے ہیں جیسے شہد سے بھرے ہوئے برتن سے شہد کی حلاوت اور رطوبت ٹپکتی ہے تب مکھیوں اور چیونٹیوں کو الہام کیا جاتا ہے کہ برتن کا طواف کریں اور ٹپکے ہوئے شہد میں سے جو ان کے لائق ہوں پئیں۔ بالکل اسی طرح انسانوں کے نفوس کو الہام کیا جاتا ہے کہ علم کی اس نوع کی طرف متوجہ ہوں۔ اور وہ نہ اس کی اصل کا احاطہ کرتے ہیں اور نہ ہی تدبیر کو اس کی ابتدا والی صورت سے کسی دوسری صورت میں تبدیل کرنا جانتے ہیں۔ اور اس

لئے ابراہیم علیہ السلام کے بعد مقرب لوگ، ملائکہ اوران کے تصرف اور زمین میں ان کے پھیلنے کو ثابت کرتے رہے ہیں اور دائرۂ قدس کی طرف توجہ کرتے رہے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ نے شیخ ابوالحسن الشاذلی اور شیخ ابوالعباس البونی اوران کے گروہوں پر ان دائروں کا بھید کھول دیا جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔جس کا حاصل طلسمات اوائل کی طرف نظراوراس کو بعد کی تبدیلی اور دوسری تجلی کی مناسبت سے تبدیل کرنا ہے۔تب انہوں نے ان میں سے کچھ چیزوں کو چھوڑ دیا اور کچھ چیزوں کو باقی رکھا اور کچھ چیزوں کو بدل دیا۔انہوں نے جن چیزوں کو چھوڑا وہ قربانیاں روزوں، دعا اور انسان اور حیوانوں اور انگوٹھی کی صورتیں اور وہ تمام اشیاو امور ہیں جن سے شریعت نے روکا ہے ان کے ذریعہ نفس کواکب کی طرف توجہ ہے۔اور انہوں نے گوشت نہ کھانا اور ناپسندیدہ چیزوں کو باقی رکھا۔اس لئے کہ انہیں اس میں نہی صریح نظر نہیں آئی۔اور انہوں نے احوال معلوم کرنے کے لئے ستاروں کو دیکھنے وغیرہ کو دھونیوں اور مناسبت رکھنے والے اسماء وآیات کی تلاوت سے بدل دیا۔اس طرح ان کا پہلا اصول اور ناموس الٰہیہ ومعارف اولیا سے نسبت سے زیادہ مشابہت رکھنے والا دائرہ قدس کے وسط میں قائم نور کی طرف توجہ ہے جو انسانی ضرورتوں میں ان کے مبعوث کرنے کی تدبیر کے لئے حفاظت کرنے والے ملائکہ پر غالب ہے۔اور یہ توجہ ان اعمال میں ہوتی ہے جو نفس کو نسبت اویسیہ ونسبت سکینہ اور طہارت کا فائدہ دیتے ہیں۔اوران لوگوں کو حکم دیا گیا کہ جب اس نور کی طرف توجہ مکمل ہوجاتی ہے اوراس سے نفس متاثر ہوجاتا ہے اوراس سے ہیئت نورانیہ پائی جاتی ہے تو اس کے قلب میں حاجت مطلوبہ کا خیال آتا ہے اور نفس اس کی طرف قصد سے بھر جاتا ہے یہاں تک کہ وہ روح کے مسام سے دائرہ قدس کی طرف ترقی کرجاتی ہے اوراس دائرہ میں بمنزلہ دخول خواطر کے داخل ہوجاتی ہے جو اس کے نفس میں مبعوث ہوتا ہے۔تب اس کی حرکت اس نور کی حرکت ہوتی ہے پھراس تحریک سے زیادہ تر وہ معراج حاصل ہوتی ہے جس سے بعض ملائکہ علویہ متاثر ہوتے ہیں پھر ملائکہ سفلیہ۔اور یہ ان کے اعمال کے اصول میں سے ایک اصل ہے۔اس پر ایک عظیم جھگڑے کا استخراج کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے بلندیاں مقرر کرنے اور دو معنی کے ڈھانچوں اور سایوں میں جدوجہد کی ہے۔ایک دائرہ قدس کی طرف توجہ اور دوسرے نمازوں، اعتکافوں، ریاضتوں اور اسما وآیات کی تلاوت سے دائرہ

قدس کی قوت کا حاجت مطلوبہ کی طرف مائل کرنا۔ اس موقع پر دو نکتوں پر تنبیہ ضروری ہے:

(۱) یہ سمجھنا مناسب نہیں ہے کہ یہ اعمال نبی کریمؐ اور آپ کے صحابہ سے منقول ہیں جیسا کہ عوام سمجھتے ہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں ایک ملکہ ودیعت فرمایا اور ان کے دلوں میں فراست پیدا فرمائی۔ اس سے جو چاہتے ہیں، استنباط کر لیتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ اس طرح دیکھتے ہیں جیسے طبیب مرض، مریض اور دوا اور اس کی قوت کو دیکھتا ہے۔ پھر اس مقدار کا تخمینہ لگاتا ہے جو اس کے لے کافی ہو۔ اسی طرح یہ لوگ، لوگوں کے نفوس کو اور دائرہ قدس کی طرف جو توجہ ان کے لئے مفید ہوتی ہے، دیکھتے ہیں۔ اور وہ قرآن میں تدبر غور وفکر کرتے ہیں اور ہر آیت پر ٹھہرتے ہیں اور ان معانی کو سمجھتے ہیں جن پر کلام کا مضمون اور اشارے اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے افعال پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول هو الذی خلق لکم مافی الارض (وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے) اللہ تعالیٰ کے زمین اور اس میں موجود باغوں اور کھیتی کی تسخیر کی صفت سے متصف ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ یہ باغوں اور کھیتی کی تیاری کی طرف دائرہ قدس کی قوت کی توجیہ کے لئے ایک بہترین آلہ ہے۔

پھر تلاوت، پانی سے مٹانے، اس کو چھڑکنے، زمین کے نواح میں کتاب کے لئے دفن ٹھیکروں پر اس کو پڑھنے اور ٹھیکروں کو زمین کے اطراف میں پھینکنے وغیرہ کے لحاظ سے اس کے استعمال کی کیفیت کا اندازہ لگاتے ہیں۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد یھب لمن یشاء اناثا (الآیۃ) اللہ تعالیٰ کے اولاد عطا کرنے کی صفت سے متصف ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ کہ وہ تناسلی قوتوں کی اصلاح کی طرف دائرہ کی قوت کی توجہ کے لئے بہترین آلہ ہے۔ وہ اسماء حسنیٰ میں سے ہر اسم پر پرکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات سے اس کے مدلول کو پہچانتے ہیں اور اس کو دائرہ کی قوت کی اس طرح توجیہ کے لئے جو اس کے مناسب ہو بہترین ذریعہ کے طور پر اختیار کرتے ہیں۔ اور سلف سے منقول دعاؤں پر ٹھہرتے ہیں جو صدیوں تک ان کو پھیلانے اور ان سے تقرب حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ اس طرح ان کو اس قوت کی توجہ کے لئے ذریعہ بناتے ہیں۔ ان کا زیادہ تر اہتمام آیات اور اسماء اور ادعیہ ماثورہ کا ہوتا ہے، نہ کہ گھڑے ہوئے کلمات کا۔ اس لئے کہ ملائکہ نے اپنے قلوب کی تھیلیوں کو ان اذکار کے

انوار سے اولیا اور انسان کے ان سے متعلق ہونے کے بعد قبولیت دعا کا درجہ حاصل کرنے اور اس کے قبلہ نے اور اس کی طرف جھکنے نے اس کو طویل مدت یعنی صدیوں تک مستحسن قرار دیا۔ چنانچہ لامحالہ یہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ مفید اور زیادہ حق ہے۔ لیکن دعاؤں کی اس قسم کی اصل شریعت میں ہے اور شریعت نے بعض کا ذکر کیا ہے۔ اور اس قبیل سے ذوالنون (یونس) علیہ السلام کی دعاؤں میں ترغیب اور اسم اللہ الاعظم کی تعلیم ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲) جو شخص ان پر عمل کرنا چاہتا ہو اس کے لئے یہ جاننا مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے، وہ ہر چیز کو سنتا اور دیکھتا ہے، بغیر اس کے کہ سننا اس دائرہ قدس کے ساتھ مخصوص ہے جس کا نتیجہ قبولیت اس وقت تک نہیں نکلتا جب تک کہ نفس اس خیر میں اپنی پوری ہمت کے ساتھ نہیں اترتا، اور جب تک شوق اپنی مراد کی خاطر جوش نہیں مارتا اور اس کی مراد نفس کے مسام سے نفوذ نہ کر جائے اور اس کی ہمت اس دائرہ کی طرف نہ ہو۔ اور اس امر میں بہت فرق ہے کہ بہت سے لوگوں کو یہ امور ایک مہینہ سے پہلے حاصل نہیں ہوتے جب کہ بہت سے لوگوں کو یہ سارے ایک ساعت میں حاصل ہو جاتے ہیں۔ البتہ استغراق اور پھر دائرہ سے اپنے نفس کے لئے انفعال پھر اس کی طرف مراد کے لئے نفوذ پھر ملائکہ کے لئے تسخیر اور ان کے شوق کے لئے مبعوث ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد امر ناسوت (مادی دنیا) کی طرف اترتا ہے۔ اس لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ مایوس ہو جائے اور تنگ دلی ہو جائے اور کہنے لگے میں نے دعا کی، میں نے دعا کی لیکن میری دعا قبول نہیں ہوئی۔

اور ان مشائخ کے لئے دوسری اصل یہ ہے کہ انہوں نے ایسے اوقات اختیار کئے جن میں ان کواکب کی روحانیت غالب آ جاتی ہے جن کی طرف امر مطلوب منسوب ہوتا ہے۔ اور انہوں نے چاہا کہ ان کی قوتوں کو ایک چیز میں رکھ دیں تاکہ یہ شے اٹھا لے۔ اس لئے انہوں نے صورتوں کی تصویریں ایک طرف ڈال دیں اور ان کی جگہ ان کواکب کے لئے مخصوص جوہر پر اسماء اور آیات لکھ دیں اور احوال عالم معلوم کرنے کے لئے ستاروں کو دیکھنا چھوڑ دیا اور ان کی جگہ ورق وغیرہ پر تلاوت کا عمل اختیار کیا اور اس کے ذریعہ توجہ سے ایک شے کو دائرہ قدس کی طرف اس بھید کے لئے لاحق کر دیا جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔

تیسری اصل یہ ہے کہ انہوں نے اپنے سے پہلے کے مشائخ سے وہ دعائیں روایت

کیں جن کا ان کو اس وقت الہام ہوا تھا جب ان کو کسی امر کا وہم ہوا تو اللہ نے ان کی برکت سے ان کی پریشانی کو دور کر دیا۔ اور اسی طرح وہ دعائیں روایت کیں جو قوم نے خوابوں میں دیکھیں، قوم امراض میں مبتلا ہوئی ان کو حاجات درپیش ہوئیں تو خواب میں ان کے توسل سے کام لینے کا حکم دیا گیا اور اللہ نے ان دعاؤں کی برکت سے ان کی بیماریوں کو دور کر دیا اور حاجتیں پوری کر دیں۔ انہوں نے ان سب کو اپنے رسائل میں جمع کر دیا اور ان کا تجربہ کیا تو جیسا بیان کیا گیا، ویسا ہی پایا۔

چوتھی اصل یہ ہے کہ یونان اور مغرب کے حکما فن سیمیا (کیمیا) کے راز سے واقف ہوئے۔ انہوں نے اس کو اپنے معاملات میں استعمال کیا۔ سیمیا (کیمیا) کی تحقیق جس کا راز اللہ نے مجھ پر کھولا یہ ہے کہ ہیکلوں کے جواہر جیسے شکل، عدد، وضع، آوازوں کی تقطیع سے حاصل ہونے والے حروف اور نغمات کی ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح تالیف سے حاصل ہونے والا الحان کہ ہیئت تالیفیہ اپنے علاوہ سے اپنے خواص میں ممتاز ہو جائے اور اپنی قوت عاقلہ میں حرکت نفس سے حاصل ہونے والے خیالات و افکار خواہ اپنے آپ ہوں یا کسی آلہ کے ذریعہ پیش کیے جانے پر اللہ نے عطارد میں اس کے معنی کی تفصیل پیدا کی۔ اور ان سب کو ایک ہی امر جمع کرتا ہے اور وہ تمام جواہر کا ان کی ذات میں جھاگ ہے۔ اس طرح ان کے وجود کو ان کی ذات میں بھر دیتا ہے جس کے ذریعہ پیدا ہونے والی، پیدا ہوتی ہے، اس کے ساتھ قائم ہوتی ہے پھر جب یہ تخلیق مکمل ہو جاتی ہے اور ہر ایک دوسرے سے اپنے خواص اور آثار کے لحاظ سے جدا ہو جاتا ہے اور اس کی ذات متشخص و ممتاز ہو جاتی ہے۔ یہ عطارد میں ودیعت کیے گئے معنی کی تفصیل ہے۔ اور ہم نشاۃ کی تکمیل کے معنی اور اس کی ذات کا تشخص ایک مثال کے ذریعہ بیان کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ شعر کی اصل معانی متنوع کے مقابلہ میں تقطیع شدہ آوازیں ہیں۔ چنانچہ جب تخلیق حرفی مکمل ہو جاتی ہے تو اس میں دوسرے طریقہ سے تصرف کرنا ممکن ہو جاتا ہے اور وہ عروض افاعیل وتفاعیل کے ساتھ تطبیق اور قافیہ کی پابندی ہے۔

پھر اس تصرف نے بیشمار جنسیں اور نوعیں پیدا کر دیں۔ شعر ایک وسیع تخلیق ہے۔ تقطیع شدہ آوازوں کا جھاگ ہے اور تقطیع (تحلیل عروض) شدہ آوازیں حلق، زبان، منہ کے تالو اور دونوں ہونٹوں کی ہیکلوں کا جھاگ ہیں کہ یہ اس وقت پائے جاتے ہیں جب تقطیع شدہ آواز

نکالی جاتی ہے۔ اور اس کی ہیئتیں اس کے ساتھ قائم ہوتی ہیں تو یہ تخلیق جو اپنے میدانوں میں موجود ہوتی ہے، عطارد کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہوتا ہے اور نفس اولی کے لئے تنزلات کلیہ جیسے کواکب کی ارواح، ملاء اعلی اور پورا انسان، ان میں وہ سب کچھ ودیعت کیا جاتا ہے جو نفس اولی کی شرح اور اس کی تفصیل ہوتی ہے لیکن اس تنزل کے رنگ میں بمنزلہ اس کے ہے کہ اگر تمہاری آنکھوں پر سبز رنگ کا شیشہ رکھ دیا جائے تو تمہیں ساری دنیا سبز نظر آئے گی اور اگر زرد شیشہ رکھ دیا جائے تو ساری دنیا زرد نظر آئے گی۔ وعلی هذا القياس. اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے عطارد کے لشکروں میں وہ سب کچھ ودیعت کر دیا جو نفس کلیہ کی تفصیل ہے۔ جیسا کہ تمام تخلیقات کلیہ میں اللہ کی سنت ہے۔ پھر ایک عدد وہ ہے جو سورج سے مناسبت رکھتا ہے، ایک چاند سے مناسبت رکھتا ہے، ایک عدد کواکب متحیرہ (چلنے پھرنے والے) اور ثوابت (ایک جگہ قائم رہنے والے) سے ان کی تفصیلات کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو آدمی سے مناسبت رکھتے ہیں۔ کچھ وحشی حیوانوں سے، کچھ مانوس پالتو حیوانوں سے اور کچھ ایسے ہیں جو بادشاہوں سے مناسبت رکھتے ہیں۔ کچھ انسانوں سے اور کچھ تاجروں سے اور کچھ علماء سے اور کچھ موسیقی کاروں سے مناسبت رکھتے ہیں۔ کچھ گرم مزاجوں اور کچھ سرد مزاجوں سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اور کچھ چوتھے دن آنے والے بخار سے اور کچھ صفراوی بخار سے مناسبت رکھتے ہیں۔ کچھ درد اور ورم سے مناسبت رکھتے ہیں تو کچھ نشاط وسرور سے۔ وعلی هذا القياس حروف، قیام وقعود اور لیٹنے اور جھکنے کی ہیئتوں وغیرہ سے۔

اور جہاں تک خیالات وافکار کا تعلق ہے تو ان کی بہت سی جنسیں اور انواع ہر نوع بلکہ دنیا میں ہر فرد کے مقابلہ میں ہیں جو ظاہر ہیں پوشیدہ نہیں ہیں۔ اور یہ کہ عطارد کواکب ملائکہ کے سب سے زیادہ لشکر والا ہے اور وہ اس لئے ہے کہ اس میں قوت ہوائیہ ہے اور ہوا سے ملائکہ سفلیہ کی تکوین ہوتی ہے۔ تو اللہ کی حکمت یہ ہے کہ ملائکہ پائے جائیں اور ان کے نفوس میں یہ الہام کیا جائے کہ وہ اعداد وحروف، وضع اور افکار وغیرہ کی خدمت کریں۔

اور زہرہ کے اکثر لشکروں کا کام اس خدمت کو انجام دینا ہے جو دائرہ قدس میں اللہ کی تجلی کے لئے مناسب ہے، نہ کہ حروف وغیرہ کی خدمت تو یہ خدمت حروف اور اعداد کی ہے۔

ان کو طبیعی جبلی الہام کیا جاتا ہے کہ دنیا میں اس کے آثار کی چال پر سعی کریں جس طرح مشتری کے لشکر دنیا میں صورت نوعیہ کے آثار کی چال میں سعی کرتے ہیں۔ بعض حکماء حروف، اعداد، اشکال اور ان کے خادم ملائکہ کے خواص کے بھیدوں پر مطلع ہوئے۔ انہوں نے سیمیا (کیمیا) کا استنباط کیا جو ان خواص کے واسطہ سے دنیا میں تصرف ہے۔ اور ان کے پاس وہ علوم باقی رہ گئے جن کے استخراج کا حق ادا کرنے کے بعد انہوں نے استخراج کیا تھا۔ اور وہ انسان کی وضع اور اس کے خیالات وغیرہ کے واسطہ سے دنیا میں تصرف ہے۔ اور نیک فالی وبدفالی کی وضع کے خواص کی معرفت سے پیدا ہوتی ہے۔

اور یہ کہ دنیا جب کسی حادثہ کے لئے تیار ہوئی اور وہ حادثہ عالم مثل میں قائم ہو گیا تو نفس کلیہ اور موکل ملائکہ نے حیوانوں کی حرکتوں میں شدت پیدا ہونے والی ہیئتوں اور وضعوں کے پیدا کرنے میں اس حادثہ کے لئے افاضہ کیا۔ پھر جب انسان ان مناسبتوں سے واقف ہوا تو اس نے واقعہ کے مطابق فیصلہ کیا۔ اور اسی طرح جب انسان کے سونے یا بیداری کی حالت میں ان خیالات کا اضافہ کیا جو اس حادثہ کے مشابہ وقائم ہیں تو انسان پر ان مناسبتوں کا بھید کھلا تب اس نے درست فیصلہ کیا۔ اس طرح فن اول علم فال ہے اور دوسرا عالم خواب وخیال۔

علم جفر کا مرکز عطارد ہے۔ اور اس لئے ہے کہ دنیا میں پائے جانے والے نظام کی عطارد کے خیال میں ایک صورت ہے اور جب انسان کسی قاعدہ کے بھید سے مطلع ہوتا ہے تو اس کے ذریعہ دنیا کے بعض حوادث سے ان کے وقوع سے قبل ہی مطلع ہو جاتا ہے۔ پھر ان قواعد میں سے کچھ ایسے ہیں جن کا حکم صرف اس مجلس میں ہوتا ہے کسی دوسری میں نہیں ہوتا۔ جیسے الہام ہوا کہ ہر کوئی جس کے نام میں حرف ح پایا جاتا ہے اس کا حال ایسا اور ایسا ہوتا ہے۔ اب جب تک وہ اس مجلس میں رہتا ہے۔ اس کے دل میں اس شخص کے علاوہ کچھ نہیں رہتا جس کا حال وہ ہوتا ہے۔ پھر جب وہ اس مجلس سے اٹھ جاتا ہے تو بسا اوقات اس کے دل میں اس شخص کا خیال آتا ہے جس کے نام میں ح ہوتا ہے جب کہ وہ ایسا نہیں ہوتا۔ اور ان میں سے وہ شخص جس کے حکم میں زمانے چلتے ہیں جیسے دوسو سال یا زیادہ پھر وہ ہو جاتا ہے۔ بالجملہ پھر شیخ ابوالحسن اور شیخ ابوالعباس وغیرہ آئے۔ اور ان پر وہ بھید کھل گئے جو ان سے پہلے حکما پر کھلے تھے۔ اور انہوں نے کچھ وہ باتیں کہیں جو انہوں نے کہیں تھیں۔ جب ان کو دیکھا کہ وہ پوری طرح

خلاف شرع نہیں ہیں اور دنیا میں اوضاع واحوال کے خواص سے باب تصرف میں وہ ہے جو کہا جاتا ہے کہ قولنج کا مریض جب سوتے ہوئے کتے کو جگاتا ہے اور اس کو اٹھا کر اس کی جگہ پیشاب کرتا ہے تو قولنج کتے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور مریض اس مرض سے چھٹکارا پا جاتا ہے۔ اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ ایسی اور ایسی ہیئت میں بیٹھنا فقر اور بربادی کو دعوت دیتا ہے۔

اور جاننا چاہئے کہ بعض مقربین ان خواص کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے جب کہ دائرہ قدس کے وسط میں قائم نور کی طرف پوری توجہ دیتے ہیں اور وہاں سے اپنا مقصود طلب کرتے ہیں۔ جب ان کی طلب ان کے نفوس کے مسامات سے دائرہ قدس کی طرف ترقی کرتی ہے اور ان کا وہ مطلوب بحر نور سے ایک جانب کو حرکت کرتا ہے، تب اس حرکت سے ملائکہ کی افواج متاثر ہوتی ہیں اور ان کے قلوب میں اس فعل کی طرف شوق پیدا ہوتا ہے جو مطلوب سے مناسبت رکھتا ہے۔ اور انسانوں اور حیوانات کے نفوس ان کے شوق کے لئے متاثر ہوتے ہیں۔ اور بسا اوقات دائرہ قدس سے عالم ارض کی طرف ایسا امر نازل ہوتا ہے جو اس کے افراد میں طبیعت وفطرت کے حکم سے مشابہ ہوتا ہے۔ اور اسباب سفلی سے وہ متعلق ہوتا ہے جو نظام ارض کے مطابق مراد کی طرف پہنچاتا ہے اور اس کا تعلق قضاء نازل کے سبب سے ہوتا ہے۔ پھر کبھی وہ سبب اعداد وحروف اور اوضاع وغیرہ میں سے کوئی چیز ہوتا ہے اور وہ یہ نہیں جانتا کہ حادثہ کہاں سے پیش آیا اور اس کا سبب کیا تھا اور اس کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتا۔ اس وقت اس کے تصرف کا نام فرق رکھا جاتا ہے لیکن اہل کیمیا کے تصرف کو فرق نہیں بلکہ دائمی عادت کہا جاتا ہے۔ اس پر غور کرو۔

اصل خامس یہ ہے کہ ان لوگوں کو بعض ایسی ساعات کے بارے میں اطلاعات حاصل ہوئیں جن میں روحانیت عالم ارض میں پھیلتی ہے۔ جیسے لیلۃ البراءۃ اور لیلۃ القدر خواہ یہ صاحب شریعت علیہ الصلوۃ والتسلیمات کے اشارہ سے ہو یا اس ساعت میں انوار ومکاشفات کے دیکھنے سے۔ تو انہوں نے اپنے لوگوں کو ان انوار سے اثر لینے اور اپنے نفوس میں مضبوطی سے متمکن کرنے اور پھر اپنے نفوس کی توجہ کے واسطہ سے مقصود کی طرف ان کی توجہات کے لئے کہا جو متاثر انوار سے لبریز ہیں۔ ان میں وہ امور شامل ہیں جو ان کے رنگ میں رنگے ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ ایک بڑی اصل ہے، جس کی بنیاد پر انہوں نے تمام

نیک دعاؤں کا استخراج کیا اور یوم جمعہ، لیلۃ القدر، لیلۃ البراءۃ، وقت صلوۃ فجر، نصف لیل اور بخشش والی راتوں وغیرہ کی امید بھری ساعتوں کو اختیار کیا کہ یہ وہ ساعتیں ہیں جن کی فضیلتوں کی طرف شریعت نے اشارے کئے ہیں اور وجدان نے ان کی عظمت کی شہادت دی ہے۔

اور انہوں نے طہارتوں، صدقات، صلوات اور بڑی باعظمت مسجدوں میں جانے اور مسلمانوں کے اجتماعات میں اہل وعیال کی ضروریات سے فراغت اور حال کے تحقق کے ساتھ تبرک کے حصول میں لگ کر اپنے نفوس میں انوار کو متمکن کیا اور انہوں نے مراد کی طرف توجہ دلانے کے سلسلہ میں اللہ کا ذکر ایسے نام کے ساتھ اختیار کیا جو حاجت مطلوبہ کے لئے مناسب ہو۔ اسی طرح اللہ کے ناموں اور اس کی مناسبت رکھنے والی آیتوں کو اچھے کاغذ پر اچھی روشنائی کے ذریعہ اچھے طریقہ سے لکھنے یا پینے اور کھانے کی کچھ ایسی چیزوں پر جو حاجت مطلوبہ کے لئے مناسبت رکھتی ہیں، تلاوت کرنے یا دھاگوں پر پھونک مارنے اور ہر پھونک مارتے وقت ان میں گرہ لگانے وغیرہ کے طریقے اختیار کئے۔ اور لوگوں کے اپنے پسندیدہ طریقوں کے سلسلہ میں بہت سے مذاہب ہیں۔

چھٹی اصل یہ ہے کہ اکثر فرشتے اس وقت نفوس انسانی سے متاثر ہوتے ہیں جب وہ طہارتوں اور عبادتوں میں لگ کر مسلسل بلند ہمتی اور قوی عزائم کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلی انسان کی وہ جبلت ہے جو مسلسل ہمت، پختہ عزم اور اپنے اردگرد کے تمام فرشتوں وغیرہ کی تسخیر پر مبنی ہے۔ اور دوسرے ان اشیا کا حاصل کرنا جو اس جبلت کو تقویت پہنچائیں اور اس کو انوار و برکات سے ڈھانپ دیں۔ اور تیسرے فرشتوں کے نفوس میں قوی مار والی تاثیر۔ یہ تاثیر قسم سے پیدا ہوتی ہے، جب کہ بیشتر فرشتے یہ نہیں سمجھتے کہ قسم میں کونسا لفظ استعمال کیا گیا اور کس زبان میں قسم کھائی گئی کہ وہ صرف تاکید، توجہ و توبیخ اور مبالغہ کو سمجھتے ہیں۔

اور قسم ایک ایسی شئے سے ہوتی ہے کہ صاحب دعا اپنے نفس میں اس سے بڑی کوئی چیز نہیں پاتا، نہ ہی اس سے زیادہ پر وقار یا زیادہ فضیلت والی کوئی شے پاتا ہے۔ پھر جب اس شے کے نام سے قسم کھاتا ہے اور قسموں میں اس طرح مبالغہ کرتا ہے کہ اس وقت اس کا پورا نفس اچھی طرح مجتمع ہو جاتا ہے اور عزیمت میں زیادہ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور قسم اس کے نفس میں انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ پھر فرشتے قسم دلاتے ہیں اور اس کا پابند بناتے ہیں کہ وہ اس امر پر قادر

نہیں ہوتے کہ دعا کرنے والے کو یوں ہی بے سہارا چھوڑ دیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات، آیات اور شعائر حق میں انوار سے قسم کھانے میں وہ سب سے زیادہ پرہیزگار اور سب سے زیادہ عالم ہو جاتا ہے۔

اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کواکب اور اولیا و انبیا کی ارواح کی قسم کھاتے ہیں۔ اور یہ وہ اصل کبیر ہے جس کی بنیاد پر انہوں نے دعاؤں میں کوئی ایک اچھا صالح جملہ نکالا اور وہ اس کے امر سے ناواقف و بے خبر محض اس کی تلاوت کرتے ہیں جس کی وجہ سے کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ قسم کے اصل مفہوم کا قصد کرے اور اس کی پابندی کرے اور یوں کہے کہ اے ارواح! اس اور اس معاملہ میں ایسا اور ایسا کرو۔ اور یہ یقین رکھے کہ وہ اس کی دعا اور اس کی قسم کے خلاف نہیں کریں گی۔ یہ عزیمت کا بھید ہے اور اہل جاہلیت وادی کے سردار جن پر قسم کھاتے تھے تو شارع علیہ السلام نے ان کو اس سے روک دیا اور اس کی جگہ ان کو اعتصام باللہ کے معاملہ میں بلیغ الفاظ کے ساتھ اس سے استعاذہ (پناہ طلب کرنے) کا طریقہ بتایا۔ واللہ اعلم۔

ساتویں اصل یہ ہے کہ انہوں نے ان اصولوں کو ایک دوسرے سے خلط ملط کرنے کا ارادہ کرلیا تا کہ دعا میں اثر شدید، قوت زیادہ اور نفوس میں فائدہ عام ہو جائے کہ بعض نفوس اصل حق کے پورا کرنے پر قادر نہیں ہوتے بلکہ دوسرے کے حق کے ایفا پر قادر ہوتے ہیں۔ پس اگر دعا دونوں مشرب سے لینے والی ہے تو دونوں قسمیں تمام فائدے اٹھاتی ہیں۔ تب انہوں نے اسما کے لکھنے، آیات کی شکلیں بنانے اور اعداد کو خلط ملط کر دیا۔ اور آیتوں و اسماء کی تلاوت اور ان اعداد کے استعمال کا حکم دیا جو حروف اور اعداد کا حساب دیتے ہیں۔ اور بعض خواص طبیعیہ کو بعض خواص اسمائیہ کے ساتھ خلط ملط کر دیا۔ جیسا کہ پینے کی چیزوں اور دواؤں پر اسماء اور آیات کی تلاوت کا اجمالی حکم دیا گیا۔ اور خواص اسمائیہ کو خواص اوضاع کے ساتھ خلط ملط کر دیا جیسے الفت اور محبت پیدا کرنے والے اعمال میں حکم دیا گیا کہ اس باقی بچی ہوئی شمع پر عمل کیا جائے جو یوم زفاف کو زوجین کے درمیان جلائی گئی تھی۔ اور بغض و تفرقہ پیدا کرنے والے اعمال میں اس مٹی پر عمل کیا جائے جو منہدم شدہ قبروں اور ویران گھروں سے لی جائے۔ پس اب جب کہ آپ ان ساتوں اصولوں کو سمجھ گئے اور ایک نظیر کو دوسری پر قیاس کر لیا اور عموم

کے حکم کو ان کے جزئیات پر منطبق کرلیا تو مجھے امید ہے کہ ان اعمال میں سے کسی بھید کو سمجھنے میں آپ کو کوئی توقف نہیں ہوگا، جن کا ذکر ابوالحسن شاذلی اور ابوالعباس البونی اور ان کے ساتھیوں نے کیا ہے۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

اور یہ بھی جان لو کہ میرے اور فن سیمیا (کیمیا) کے درمیان پڑا ہوا ایک حجاب حائل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ میں نے اس کے اصولوں کا احاطہ کرلیا اور میں مبدأ کی جہت سے جامعیت کے ساتھ اس پر غالب آ گیا۔ اور میں نے اس کے فروع کا احاطہ نہیں کیا اور وجود ناسوتی کی جانب سے اور تفصیل کی جہت سے اس کے آثار کے تواضع کی تحقیق نہیں کی۔ چنانچہ جو نقطہ مجھ سے عطارد کے مقابلہ میں آتا ہے، اس نے ڈھانپ لیا اور اس سے اس کی اس چمک کو ڈھانپ لیا جو ان فنون کی طرف لے جاتی ہے۔

اور جو شخص تجلی الٰہی کی طرف توجہ کے واسطہ سے وجود میں تصرف کرتا ہے، اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے بادشاہ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا اور وہ نہ تو اس کے خزانہ کو پہچانتا ہے نہ اس کے خازن کو اور نہ ہی اس کے خازن کی طرف بھیجے ہوئے قاصد کو۔ البتہ صرف اس بادشاہ کو پہچانتا ہے جو اس امر کا نگراں ہے، یہاں تک کہ جو اس کو دیا گیا اس تک پہنچا دیا گیا۔

اور جو شخص اسماء کی خدمت کی طرف توجہ کے واسطہ سے وجود میں تصرف کرتا ہے، اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو بادشاہ کے خازن کو پہچانتا ہے اور اس کے خزانہ کی بھی اس کو اطلاع ہے اور اس کے خازن کی طرف بھیجے گئے بادشاہ کے قاصد سے بھی خالص دوستی رکھتا ہے تاکہ بادشاہ کے وجود کے توسط سے ان امور کو انجام دے سکے۔ اور اس کا طرز عمل یہ ہے کہ اس کو محروم نہ کرے جس میں ان کی معرفت اور دوستی جمع ہوگئی۔ اس طرح ان دو آدمیوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور جاننا چاہئے کہ ملائکہ اسماء کی دو طرح سے خدمت کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ دعا کرنے والا اسم کی تلاوت کرتا ہے اور تلاوت کے ضمن میں اپنے بہت سے مبدا کی طرف اس طرح چڑھتا ہے کہ وہ جان بھی نہیں پاتا۔ تب اس کے نفس میں اس اسم سے مناسبت رکھنے والی روح الٰہی فیضان کرتی ہے۔ پھر کسی جدوجہد کی پرواہ نہیں کرتی یہاں تک کہ وہ روح ایک

امر مستقر یا اس کے نفس میں ایک شکل اختیار کرنے والی مثال ہو جاتی ہے اور اللہ کی سنت یہ ہے کہ ہر نفس یا ہر نوع میں ایک ملکہ کی شکل پیدا کی جاتی ہے یا اس کی کوشش کا نتیجہ پیدا کیا جاتا ہے، تب وہ اس کے ساتھ صرف وہی معاملہ کرتا ہے جو اس کے اندر پایا جاتا ہے، اور طبیعتوں اور نفوس پر الہام ہوتا ہے اور ایک حالت طاری ہوتی ہے تاکہ خارج میں ان حوادث کو ظاہر کردے جو اس معاملہ کے ضمن میں ہوتے ہیں، اور ان پر غالب آجائے۔ پس جس نے اپنے نفس میں وسعت رزق کی صورت پیدا کی اور شریعت میں اس نکتہ کی تعبیر یہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نطفہ کے مؤکل فرشتہ کی طرف وحی کی کہ وہ یہ لکھے کہ اس کا رزق وسیع ہے، اور فن نجوم میں یہ بات ہے کہ پیدا ہونے والے بچہ کی قسمت کے خانوں میں سے بیوت المال مسعود ہے، اس کی کمائی میں منافع ہیں اور اس کے اسفار میں نجاح و کامیابی ہے۔ اس کے دوست اس کا ساتھ دینے والے ہیں، اس کے رفقاء کار اس پر مہربان ہیں۔ اور یہ مصلحت جزوی ہے جو مصلحت کلی سے پیدا ہوتی ہے، اور اجزاء عالم ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں۔ بلاشبہ حکیم کے امر ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں۔ پھر اگر وہاں کساد بازاری یا کثر بیونت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ مشتری کے لشکروں میں سے کسی ملک (فرشتہ) کو الہام کرتا ہے کہ اس کی کامیابی اور نفع رسانی کی سعی کرے۔ یہاں تک کہ جو اس کی جبلت کے لئے مناسب ہو، وہ پورا ہو جائے۔ اسی طرح مصلحت کلیہ اس دعا کرنے والے سے مطابقت اختیار کرتی ہے جب کہ وہ اسم کی تلاوت میں اس کے رنگ میں رنگا ہوتا ہے۔ اپنے نفس میں روح الٰہی کی شکل اختیار کئے ہوتا ہے۔ پھر مصلحت جزئیہ جب اس وقت میں مصلحت کلیہ اور اس نفس کے درمیان پیدا ہوتی ہے، مشتری یا زہرہ کے لشکروں میں سے یا جن پر کوکبین کی روحانیت پوری طرح غالب آتی ہے، ان میں سے فرشتہ کو الہام کیا جاتا ہے کہ لوگوں کو الہام کرنے میں سعی کرے یہاں تک کہ جو اس کے امر کے مناسب ہے، وہ پورا ہو جائے۔

اور دوسرے یہ کہ اسم کے ساتھ دعا کرنے والا جب الحاح وزاری کرتا ہے اور اس کے حروف کے غرائب کے تتبع میں زور لگاتا ہے اور حروف کی تکرار کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس نصاب کو پہنچ جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ایسے معاملات میں اپنے نزدیک مقرر کیا ہے تو وہ عطارد کے لشکروں میں سے اس سے مناسبت رکھنے والے ملائکہ کے قلوب میں ایک داعیہ پیدا کرتا

ہے جو کہ طبیعت کلیہ کے توسط سے ہوتا ہے تو وہ اس داعیہ کے مقتضیٰ کے مطابق سعی کرتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے مقتضیٰ کو پورا کر دیتے ہیں اور جو امر ہونے والا ہوتا ہے، اللہ اس کا فیصلہ کر دیتا ہے۔

اور اگر آپ حق صریح چاہتے ہیں تو کوئی ایسا نہیں ہے جو طبیعت کلیہ کے واسطہ کے بغیر کسی شے میں تاثیر پیدا کر سکے۔ خواہ وہ اس امر کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو کہ کسان زمین میں ہل چلانے، بیج ڈالنے، سنچائی کرنے اور نرائی کرنے، گھاس پھونس صاف کرنے یہاں تک کہ فصل پک کر تیار ہو جانے وغیرہ نظم عالم کے سلسلہ میں جو کچھ جانتا ہے، سب عمل کرتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ وہ صرف طبیعۃ کلیہ کے باب کو ہی کھٹکھٹاتا ہے اور صرف مصلحت کلیہ کی خدمت ہی انجام دیتا ہے اور یہ زمین میں ہل چلانے، بیج بونے اور سنچائی کرنے، بیج کے پھولنے اور اگنے میں صرف نبات کی طبیعت کی موافقت کی جہت سے ہی تدبیر کے ذریعہ جب درست ہوتا ہے، اس کے نمو میں مناسبت ہوتی ہے۔

اور نباتات کی طبیعت، طبیعت کلیہ کی جزئی ہوتی ہے اور اس کے اقنوم (عناصر) کا ایک ہیکل اور اس کی روح کے لئے ایک بلندی اور اس کی حقیقت کے لئے ایک مظہر ہوتی ہے۔ اور اسی طرح ملاح کشتی بناتا ہے اس میں بادبان نصب کرتا ہے، اس سے چھوٹی کشتیاں جوڑتا ہے، اس کو اوپر اٹھاتا ہے اور سمندر میں لنگر ڈالتا ہے، چپو سے کشتی کو جدھر چاہتا ہے چلاتا ہے، اور دل میں خوش ہوتا ہے کہ دنیا میں اس کا اپنا ایک اثر ہے، اور اس نے اپنی کاریگری سے ایک شے بنائی ہے جب کہ یہ غریب و مسکین نہیں جانتا کہ اس نے جو کچھ بنایا ہے وہ صرف پانی کی طبیعت کی موافقت ہے۔ اور اس کے لئے اس طرح پیش کیا ہے کہ جس سے اس کی مراد پوری ہوتی رہے۔ جیسے کوئی شخص پانی کی روانی کی شدت میں وہ کچھ پیش کرتا ہے جو پانی کی رواں دھار کی سمت میں چلتا ہے کسی دوسری طرف نہیں چلتا۔ اور پانی کی طبیعت طبیعات کلیہ کا ایک جزء ہے۔ اور اس کے اقنوم (عناصر) کا ایک ہیکل اور اس کی روح کی بلندی اور اس کی حقیقت کا ایک مظہر ہے۔ پس دنیا میں پھیرنا کسی بھی وجہ سے ہو، وہ اسباب ظاہریہ یا خفیہ یا دائرہ قدس کے وسط میں قائم تجلی پر الحاح سے صرف طبیعۃ کلیہ کے موافق ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے طلب اور اس دن اس کے اور صورت عالم کے درمیان تعلق قائم کرنے کے لئے ایک عمل ہے۔ پھر حادثہ سے جو

چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے اور اسی لئے میں کہتا ہوں کہ خرق عادت، دائمی عادت ہے۔

اور یہ بھی جان لو کہ یہ تمام اعمال ڈھانچے ہیں اور ان کی ارواح دعا کرنے والے کی ہمت اور ملائکہ کے لئے جذب کرنے والی صفتیں ہیں۔ اور اس شخص کی مثال جس نے اس کی ارواح پر نہیں ان کی شکلوں اور ڈھانچوں پر اکتفا کیا جیسے کسی شخص نے کسی سچ بولنے والے کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ شجاع و بہادر کے لئے تلوار سے قتال کرنا ممکن ہے۔ تو اس کے لئے یہ بھی ممکن ہے کہ عصا لاٹھی ڈنڈے سے لڑے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے دشمن کو سختی سے پکڑ لے اور زور وقوت سے پچھاڑ دے۔ اب وہ اگر گمان کرلے کہ اکیلی تلوار یا لاٹھی ہی دشمن کو دفع کرنے کے لئے کارآمد ہوگی اور شجاعت وقوت کی قید کو نظر انداز کردے تو کرلے۔ اور یہ اس مقالہ کی آخری بات ہے۔ والحمدللہ اولاً وآخراً۔

۳۷-تفہیم:

مجددیت

ہم چاہتے ہیں کہ تمہیں ایک عظیم معرفت کے سلسلہ میں خاص طور سے بتادیں۔ وہ یہ ہے کہ حق جل مجدہ کی اس زمانہ میں بہت زیادہ عنایتیں ہورہی ہیں اور وہ اس زمانہ میں بڑے بڑے عظیم علوم کا فیضان فرمارہا ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ نفوس ناطقہ میں نفس کلیہ جس دن نازل ہوتی ہیں، صرف شخص اکبر کی صورت میں نازل ہوتی ہیں۔ جب انبیاء اور اولیا کے انوار اپنے احوال اور مقامات کے اختلاف پر کسی دائرہ میں جمع ہوتے ہیں تو واجب ہوتا ہے کہ نفس کلیہ، نفس زکیہ کے ساتھ نازل ہو۔ آپ اس کے اندر اولین کے تمام مقامات اور ان کے علوم کو پائیں گے بلکہ پورے عالم کو اس کے جوہر کے اندر پائیں گے۔ چنانچہ کوئی علم یا مقام ایسا نہیں ہے جس کے اندر وہ موجود نہ ہو۔ چنانچہ جو شخص اس نفس کا مالک ہو، اگرچہ وہ سلف سے ممنون ہی ہو اس لئے کہ وہ نفوس متقدمہ کی شرط سے ہوگا اور اس کا سبب ہوگا۔ اس لئے اس کا قدم علم میں راسخ ہوگا اور علم صرف اس کے منبع ہی سے حاصل کرے گا اور اس کو صرف اسی طرح حاصل کرے گا جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر چیز کو اس کے محل میں رکھتا ہے تو یہ شخص تاج کا موتی ہے

اور عقد کا واسطہ ہے اور اس کے آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں نفوس زکیہ ہیں جو اس کے وجود کی بنیاد یا اس کے نور کا عکس یا اس کے جود و کرم کے طفیلی ہیں۔ پس جب دائرہ قدس میں آدمی کی ہیئت معلوم ہو گئی تو جو لوگ وہاں پہلے سے موجود تھے، انہوں نے اس کو تنبیہ کی اور اس کی طرف اشارے کئے۔ بہرحال علم صریح آدمی کا خاص نصیب ہے۔ اور یہ شخص اپنے نفس میں نفیس مطلب پاتا ہے جو ہر اس عارف کامل المعرفت کے مقابلہ میں ہوتا ہے جو اس سے قبل ہو۔ اور اس شخص کی خاصیت یہ ہے کہ وہ اس تمام الہام کے قابل ہوتا ہے جو حق تعالیٰ نے اس سے قبل اپنے کسی بندہ پر بطریق تعلیم و تکمیل کیا تھا یا وہ الہام طبیعی رہا ہو، بغیر اس کے کہ قوۃ سے فعل کی طرف اس استعداد میں سے کچھ بھی خارج نہ ہو، سوائے اشکال کلیہ کے تقاضہ اور مصلحت کلیہ کے مطابق صورتوں کی ترتیب کے وقت کے۔ پس اگر یہ فرض کر لیا گیا کہ یہ شخص ایک زمانہ میں ہو اور اسباب اس امر کا تقاضہ کریں تو لوگوں کی اصلاح جنگوں کے پھیلنے سے ہو گی اور اس کے قلب میں ان کی اصلاح کا صور پھونک دیا گیا تو یہ شخص جنگ کے سلسلہ میں پوری طرح اٹھ کھڑا ہو گا اور جنگ کے میدان میں امام ہو گا۔ اس کو رستم اور اسفندیار وغیرہ پر قیاس نہ کیا جائے بلکہ رستم اور اسفندیار وغیرہ اس کے طفیلی ہیں اس سے مدد طلب کرتے ہیں اور اس کے پیروکار ہیں۔

اور اسی طرح اگر یہ فرض کر لیا گیا کہ یہ شخص ایک زمانہ میں ہو گا اور اسباب کا تقاضہ یہ ہو کہ لوگوں کی اصلاح علوم ریاضی نجوم اور ہیئت وغیرہ کے استنباط سے ہو اور اس کے قلب میں ان کی اصلاح کا صور پھونک دیا گیا تو وہ علوم ریاضی کے ساتھ پوری طرح قائم ہو جائے گا۔ اور وہ ان علوم میں امام ہو گا اور بطلیموس اس کا تلمیذ شاگرد اور طفیلی ہو گا جو اس سے مدد کا طلبگار اور اس کی اقتدا کرنے والا ہو گا۔

اور اسی طرح اگر یہ فرض کر لیا گیا کہ اس کے قلب میں صنعت مہندسیہ (انجینئرنگ اور فن تعمیر کی صنعت) کے استنباط کے ذریعہ اصلاح عالم کی روح پھونک دی گئی اور یہ شخص اس صنعت کا امام، اس کا رئیس و سردار اور اس کا دستور ہو گا۔ اور اس شخص کی حالت عجیب ہو گی کہ وہ گمان کرے گا، آج جو کچھ بھی صنعتیں موجود ہیں، وہ سب اس کے فکر سے نکلی ہیں، وہ اس کا پہلا کاریگر ہے۔ اس طرح اس کے اندر انتہائی خوشی و مسرت پیدا ہو گی۔ اور ملاء اعلیٰ میں ایک ایسا علم منعقد ہو گا کہ حق تعالیٰ اس دن شان الٰہی کے تقاضہ کے مطابق دورہ کی مصلحت کے لحاظ سے اچھی

ساری مخلوق پر اس کے فیضان کا ارادہ کرلے اور عقد ایسے رجل کامل کی طرف ہوگا جس کا کچھ حال ہم نے بیان کر دیا ہے۔ پھر اس سے پہلے کے اور اس زمانہ کے مستعدین کے دلوں میں اس علم کی شبیہ اور حقیقت محض کے بغیر اس کی مثال نقش ہو جائے گی۔ پھر وہ شخص آئے گا اور اس کے اوپر فیضان ہوگا۔ اور اس کی مثال اس دورہ اور اس شان کے مطابق ہے جس میں ہم ہیں۔ اور اس دورہ کے امام اور قیم کے مطابق سابقین نے وحدۃ الوجود کے مسئلہ میں غلو سے کام لیا۔ اور میں نے ان کی معرفت کے سلسلہ میں اللہ کی طرف رجوع کیا تو ملاء اعلیٰ میں ایک علم واقع ہوا اور وہ اتحاد حقیقی اور تغایر اعتباری کے تنزل اور تغایر حقیقی اور اتحاد اعتباری کے تنزل کے فرق کا بیان ہے۔ اور شیخ مجدد آئے اور اس کے اردگرد پھرے تو ایک بار کہا عالم موجود خارجی ہے، اور دوسری بار کہا عالم موہوم مضبوط ہے، اور ایک بار کہا، عالم اسماء کا سایہ ہے اور یہ بیان نہیں کیا کہ ان کا موقف کیا ہے۔ تب قیم دورہ آیا اور معاملہ کی حقیقت سے پردہ اٹھایا۔

اور انبیا علیہم السلام دو قسم کے ہیں، ایک بڑے کبار ہیں۔ یہ وہ ہیں جو دورہ اور کلی قربانیوں اور اتحاد کی زبان میں بات کرتے ہیں اور نصرت و غلبہ ان کے لئے لازم ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین، انھم لھم المنصورون. وان جندنا لھم الغلبون** "اپنے بھیجے ہوئے بندوں سے ہم پہلے ہی وعدہ کر چکے ہیں کہ یقیناً ان کی مدد کی جائے گی اور ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر رہے گا" (الصّٰفّٰت ۱۷۱ تا ۱۷۳)۔ اور ان میں سے ایک وہ ہیں جنہوں نے مخلوق پر الزام حجت کے لئے بات کی اور ہر حادثہ سے قبل حق تعالیٰ کی سنت کے مطابق ڈرانے اور خبردار کرنے کا کام کیا۔ اور اسی طرح انبیا قتل کئے جاتے ہیں اور ان پر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

اور اسی طرح توحید کے اسرار پر گفتگو کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ لوگ ہیں جو دورہ اور قرانات کلیہ، سیاروں کے مکمل اتحاد اور دائرہ قدس میں بلند و بالا ہیکلوں کی زبان میں بات کرتے ہیں۔ ان کے لئے لوگوں میں اپنے علوم کا ظاہر کرنا ممنوع ہوتا ہے۔ اور ایک وہ لوگ ہیں جو اس سلسلہ میں اپنی خاص استعداد کے مطابق گفتگو کرتے ہیں، وہ بھیدوں سے بھرے ہوتے ہیں، ضرورت کے مطابق لبریز ہوتے ہیں اور بالجملہ اس زمانہ میں اور اسی شان کے وقت یہ ایک عظیم بنیاد ہے۔ اکثر لوگ اس سے غافل ہیں۔ **والحمد للہ اولا و آخراً.**

۳۸-تفہیم:

مرید کو بیعت کی اجازت

الحمدلله الذی بنعمته تتم الصالحات وعلی فضله المعول فی جمیع الحالات وصلی الله علی سیدنا محمد واله وصحبه وسلم. ''تمام تعریفیں اسی اللہ کے لئے ہیں جس کی نعمتوں کے ساتھ نیکیاں تکمیل پاتی ہیں اور اسی کے فضل پر تمام حالات میں فریاد و بھروسے کئے جاتے ہیں۔ اور اللہ رحمتیں نازل فرمائے سیدنا محمد اور ان کے آل و اصحاب پر اور سلامتی نازل فرمائے۔ امابعد، عبد ضعیف، اللہ کریم کی رحمت کا طالب احمد ولی اللہ بن عبدالرحیم العمری الدھلوی۔ اللہ اس پر، اس کے مشائخ پر اور اس کے والدین پر اپنا فضل و احسان فرمائے، کہتا ہے کہ ۱۱۵۳ کے مہینوں میں ہمارے پاس ہمارے دینی بھائی محمد شریف بن خیراللہ بن عبدالغنی المتوطن اکھبا کوٹ، سندھ، اللہ کے ساتھ وصل حاصل کرنے کی غرض سے صوفیا کے طریقہ کی طلب میں ہجرت کر کے آئے جب کہ وہ اس سے پہلے ایک مدت تک اعمال و اشغال طریقت اور مراقبوں میں مشغول رہ چکے تھے، اور اس راہ کی مشکلات کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے، اس کی برائیوں اور عیوب ومصائب کو پہچان چکے تھے۔ میں نے ان کو نفس کی باریکیاں اور ہر باریکی کی طرف منسوب مقامات اور باریکی سے مختص نسبتوں اور اس نسبت کا جس پر مشہور طریقوں کا مدار ہے، سب کا تعارف کرایا اور تلمیذ کے ایک باریکی سے دوسری کی طرف اور ایک نسبت سے دوسری کی طرف نقل کی کیفیت اور تمام اہم ترین دقائق کی پہچان کرادی اور خوارق عادات اور ان سے متعلق موروثی توجہات کے اظہار کی کیفیت سب کچھ اسی طرح اس پر ظاہر کیں جیسے اللہ نے ان سے متعلق پردے میرے اوپر سے اٹھائے اور مجھے ان کی سمجھ دی، اور جو کچھ میں نے اپنے مشائخ سے وراثت میں پایا تھا، اس میں میرے لئے برکت دی۔ انہوں نے سب کچھ پہچان لیا جیسا کہ مناسب تھا، اور میں نے ان کو اس میزان کا وارث بنایا جو میرے رب نے مجھے عطا کی تھی۔ اور ان کو میں نے صحیح پایا۔ الحمدللہ۔ اب میں ان کو طریقہ صوفیا میں طالبین کے ارشاد و ہدایت کی تمام انواع کی اور ان کے لئے خرقہ پہنانے اور ان کی طرف توجہ کرنے پھر ان کے ساتھ صحبت کی اجازت دیتا ہوں اور خرقہ پہناتا

ہوں جیسا کہ میرے شیخ والد اور سیدی وسندی نے اس کی مجھے تلقین کی، اجازت دی اور پہنایا۔ اور ان پر تمام امور میں میرے معتمد نے احسان کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو راحت وسکون عطا فرمائے۔ روح اللہ تعالیٰ روحہ وقدس سرہ وسائر مشائخی من اھل الحرمین المتحرمین زادھما اللہ تعالیٰ شرفا۔ اور میں نے انہیں بتایا کہ سہروردیہ کا بہترین طریقہ کتاب العوارف میں مذکور اوراد واذکار کی پابندی ہے۔ اور میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ میں نے مدینہ کے مشائخ سادات میں سے اپنے دوسیدوں سے سنا کہ ان کے نزدیک سب سے بہتر عمل وہ ہے جو احیا اور قوت القلوب میں ہے۔ اور میں نے یہ بھی ذکر کیا کہ تمام طوائف جو جنید کی طرف رجوع کرتے ہیں اشغال، اذکار اور مراقبات میں باہم مختلف ہیں اور نسبت اور تہذیب اللطائف میں متفق ہیں۔ اگرچہ طریق بعض نسبتوں کی قوت میں بعض کے لحاظ سے مختلف ہیں اور تہذیب النفس کی تعبیر میں بھی مختلف ہیں۔ چنانچہ ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو بغیر لطیفہ، (باریکی) باریک نکتہ کا نام نہیں رکھتے لیکن اس کے لئے مختص نسبت اور اس کی تہذیب پر مرتب ہونے والے ثمرات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ہم اس کی مثال بیان کرتے ہیں۔

جان لو کہ اصحاب طریقۂ چشتیہ مرتبۂ ملکوت، جبروت اور لاہوت کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں کے اوپر سے اللہ نے ملکوت کے پردے اٹھادئے مثلاً جب اس پر حالت سرور وانس میں اور انبیا کی ارواح کے ساتھ اجتماع سے تہذیب روح کے ثمرات ظاہر ہوگئے۔ اور کہتے ہیں کہ فلاں کے اوپر اللہ نے جبروت کے پردے کھول دئے جب اس پر حق میں خلق اور خلق میں حق کی رویت سے نکتۂ خفیہ کی تہذیب کا ثمرہ ظاہر ہوگیا۔ اور کہتے ہیں اللہ نے فلاں کے اوپر لاہوت کے پردے کھول دیے جب اس پر تہذیب الاخفی کا ثمرہ ظاہر ہوگیا۔

عبار اتنا شتی و حسنک واحد
وکل الی ذاک الجمال یشیر

ہماری عبارتیں مختلف ہیں اور آپ کا حسن واحد ہے، اور ہر ایک اس جمال کی طرف اشارہ کررہا ہے۔

اور اب میں ان کو خاص اپنے نفس کے بارے میں پوشیدہ اور اعلانیہ ہر حال میں اللہ کا

تقویٰ اختیار کرنے، اور سنتوں اور شرعی احکام کی پابندی اور صوفیائے جنیدیہ کے طریقہ پر مداومت اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور طالب حق اور قرب الی اللہ کے حق میں ان کو وصیت کرتا ہوں کہ انتہائی شفقت ورحمت کے ساتھ ان کی صحبت اختیار کریں اور ان کو معروف کا حکم کریں اور منکرات سے روکیں اور ان کو نبیؐ کی احادیث کی روایت کی ترغیب دیں۔
والحمدللہ اولاً وآخراً

۳۹-تفہیم جلیل:

معارف جلیلہ کا ذکر

اے حبیب باتدبیر! اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ محبت والفت کا معاملہ فرمائے اور تمہارے مقاصد کو پورا فرمائے۔ تمہیں معلوم ہو کہ میں نے رمضان کے عشرۂ آخر میں اعتکاف کیا تو مجھ پر اس خلوت میں معارف جلیلہ کا فیضان فرمایا گیا۔ چنانچہ میں نے ان کی تعریف یا ان میں سے کچھ کی تعریف کے لئے جو بھی ممکن ہو تمہیں خاص کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ واللہ الموفق۔

ان معارف جلیلہ میں سے ایک معرفت جلیلہ بہت بلند ہے۔ بہت کم لوگ اس امر سے واقف ہیں کہ شخص اکبر میں تین انانیات ہوتی ہیں۔ (۱) انانیۃ کبریٰ: یہ نفس کلیہ کا علم ہوتا ہے بنفسہا وہ بھی اور جو کچھ اس میں ہوتا ہے سب مل کر شے واحد ہوتا ہے۔ (۲) انانیۃ وسطیٰ: یہ نفس کلیہ کے قلب کا علم ہوتا ہے جسے ہماری زبان میں تجلی اعظم کہا جاتا ہے۔ بنفسہا اس حقیقت سے کہ جو کچھ کائنات میں ہے وہ سب پر غالب ہوتا ہے۔ اس میں موثر ہوتا ہے، اس میں اس کا حکم نافذ ہوتا ہے، جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور جس کو منع کردے کوئی دینے والا نہیں ہے۔ اور (۳) انانیۃ صغریٰ: یہ ملائکہ، انسان، حیوانوں اور جنات کے صاحب ارادہ نفس کا علم ہے اور یہ وہ انانیت ہے جس کے بارے میں ہر فرد کو خبر دی جاتی ہے کہ وہ اپنے صاحب ساتھی سے ممتاز ہے اور اس کے لئے ہم شخص اصغر کی مثال دیتے ہیں۔ اور وہ نوع انسان سے فرد واحد ہے۔ اس میں اس کلیۃ کے لئے نفس مدبرہ ہے جو اپنے بدن میں اپنے نفس کا انانیت کے ساتھ ادراک کرتا ہے۔ پھر اس میں اس کلیۃ پر ایک قلب ماہر ہے جس کے بدن میں قوتیں اور جوارح ہیں۔ اگر قلب رسانی کے لئے کوئی ایسا علم ہے جو یہ جانتا ہے کہ وہ جواہر اور

قوی پر غالب ہے، اس کے اوپر حاکم اس میں موثر ہے لیکن وہ اس سے لاعلم ہے اور تجلی اعظم میں کوئی جہل والا علم نہیں ہے تو یہ علم وہاں پوری طرح ظاہر ہوتا ہے۔ پھر ہر جارح اور ہر قوت کا الگ ایک مزاج ہوتا ہے۔ تو اگر ان میں سے علم ہو تو وہ خود بخود معلوم ہو سکتا ہے اور اس کی انانیت ظاہر ہو سکتی ہے لیکن وہ بے خبر رہا، اور یہ بے خبری صاحب ارادہ میں نفس کلیہ کے اعضا سے نہیں ہے۔

اور ان میں سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اعیان کمال غیب کے مرتبہ میں قبل اس کے کہ وجود روحی یا مثالی اختیار کرے ان انانیات کے اظہار اور ان کو مخفی رکھنے کے درمیان اختلاف کیا گیا ہے۔ جیسا کہ گھروں کی برابری میں بچوں کی پیدائش کی صورت میں اور کواکب کے مقامات اور ان کے ظہور کی مقدار اور ان کے قوی میں اختلاف کیا گیا ہے۔ چنانچہ انانیت وسطیٰ انانیت صغری پر غالب ہوتی ہے، اس کو اپنے احاطہ میں لئے ہوتی ہے، مشتری کے احتراق کے وقت اس پر بمنزلہ نسبت شمس و مشتری غالب ہوتی ہے۔ اور انانیت کبری نظر سے ساقط ہو جاتی ہے اور یہ عین سیدنا عیسیٰ علیہ وعلی نبینا الصلوۃ والسلام ہے۔ ان کی اپنے رب سے معرفت یہ تھی کہ کہالا ہوت ناسوت کے ذریعہ قمیص پہنتی ہے۔ اور انانیت وسطی، انانیت صغری پر غالب ہوتی ہے۔ مقابلہ کے وقت بمنزلہ نسبت شمس و قمر غالب ہوتی ہے اور انانیت کبری نظر سے ساقط ہوتی ہے اور یہ تمام اولوالعزم انبیا علیہم السلام کے اعیان اور اشخاص کی حالت ہوتی ہے۔ اور وہاں کچھ صفات ہوتی ہیں جو ایک دوسرے سے مختص ہوتی ہیں۔ اس پر ہمارے نبی محمد صلوات اللہ علیہ متعین ہوئے۔ اس میں مقابلہ اور غلبہ پوری طرح متحقق ہوئے تو آپ نے فرمایا میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ اور انانیت صغری کی صفت کواکب کے معانی میں سے وسیع معنی ہے۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام متعین کئے گئے اور مقابلہ متحقق ہو گیا جیسا کہ ہم نے بتایا۔ اور انانیت صغری کی صفت کواکب اور عناصر کے تمام معانی میں سے حدت اور منیری ہے اس پر سیدنا داؤد علیہ السلام متعین کئے گئے۔ اس میں مقابلہ متحقق ہوا اور انانیت صغری کی صفت عناصر کے معانی میں سے وسیع معنی کی ہے۔

اور کبھی انانیت وسطی اور انانیت صغری کے درمیان شمس و قمر سے بمنزلہ تثلیث محبت و مودت کی نظر ہوتی ہے اور یہ عین سیدنا ابراہیم علیہ وعلی نبینا السلام ہیں۔ اور انانیت کبری نظر

سے ساقط ہے پھر دونوں ثابت آنکھوں میں نظر جما کر دیکھا جو اس کے ارد گرد تھا تو انانیت وسطی وصغری کے درمیان نظر مودت پائی اور ان کی انانیت تثلیث با مقابلہ یا احتراق کے وقت ان صفات کاملہ سے متصف پائی گئی جو شمس کے اپنے شرف یا مقام کے بمنزلہ ہے۔ اور میں نے اس قوت کی آنکھوں میں انانیات کو نہیں پایا۔ چنانچہ اس نے مجھے پستی میں کر دیا۔

اور ان میں سے یہ ہے کہ وحی میں انبیا صلوات اللہ علیہم کے احوال انانیت وسطی کے ساتھ انانیت صغری کی نسبت میں ان کے اختلاف کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ ہم نے جس نسبت کا ذکر کیا کہ وہ عین ہمارے نبیؐ ہیں تو وحی میں اس کا مقتضی یہ ہے کہ نبیؐ سے سرور و راحت کے نکتۂ تجلی اعظم کا مقابلہ بمنزلہ مشافہ وندا کیا جائے، اور اس پر وہ سارا فیضان کیا جائے جو آپ کے عین کا مستوجب ہے اور جس کا تقاضہ اس دن مصلحت عالم تبلیغی علوم ایک ہی مرتبہ میں کرے پھر یہ مقابلہ اور یہ افاضہ اس وقت تک جاری رہے کہ ترکیب بکھر جائے۔ تو یہ افاضہ خاص طور سے ان علوم کے لئے وہ کلام الٰہی ہے جو حق کی صفت ہے جس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ اس کے نفس کے حالات کے اختلاف کے لحاظ سے کبھی نیند ہو جاتا ہے کبھی کوفت و بلند آواز اور کبھی الہام۔ اس طرح اس کا نفس احوال کے اعتبار سے اس کے جسم سے متعلق ہوتا ہے۔

اور جس نسبت کے بارے میں ہم نے ذکر کیا کہ وہ عین سیدنا عیسی علیہ السلام ہے تو اس کا مقتضی یہ ہے کہ یہ جانا جائے کہ لاہوت کے ناسوت کے ذریعہ قمیص دینے والی ہونے اور بعض اوقات نقطۂ لاہوت کے دوسرے قوی پر غالب رہنے کی اصل خیال اور وہم میں ایک صورت اعلی یا کلام اختیار کرتی ہے پھر ختم ہو جاتی ہے اور ہر قوت کو اس کے حال پر بحال کر دیتی ہے۔

تلقیته منی و منی اخذته
ونفسی کانت فی عطائی ممدتی

''میں نے اس کو اپنے آپ حاصل کیا اور میرا نفس ہی اس کو عطا کرنے والا اور مدد کرنے والا ہے۔''

اور جس نسبت کے بارے میں ہم نے کہا کہ وہ عین سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہے تو اس کا مقتضی فراست، گمان و تخمینہ اور سمجھ داری ہے۔

اوران میں سے یہ ہے کہ نفس جزئیہ کسی بھی نفس کا ہو خواہ انسان کا نفس ہو یا حیوان کا، وہ نفس کلیہ کو اتارتا رہتا ہے۔ اور اس کی مثال اس صورت سے ہوتی ہے جس کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ پھر جب نفس جزئیہ اترتا ہے تو وہ صرف عالم کی شکل میں اترتا ہے۔ پھر اگر اس دن اس کو شمس اپنے شرف یا اپنے مقام میں اتارتا ہے تو نفس میں شمس اپنے شرف یا اپنے مقام میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور اسی طرح تجلی اعظم کی اور ملاء اعلی اور دنیا میں جو کچھ ہے سب کی صورت اس نفس میں عالم سے اس کی وضع کے بقدر ظاہر ہوتی ہے۔ پھر اگر اس کے نازل ہونے کے دن تجلی اعظم اور ملاء اعلی کی نسبت عالم سے شمس کی نسبت کی طرح ہو جب کہ وہ وسط سماء میں ہو تو نفس میں لمبا خوبصورت نقطہ ظاہر ہوتا ہے جو اس نفس اور اس کے مجسمہ اور بت میں تجلی اعظم کی میراث ہے۔ اور لمبے نقطہ کے گرد بہت سارے نقطے ظاہر ہوتے ہیں جو اس کو گھیرے ہوتے ہیں۔ یہ اس نفس میں ملاء اعلی اور ان کے مجسموں اور تصویروں اور بتوں کی میراث ہے۔ چنانچہ یہ فقیر عفی عنہ اپنے نفس میں تجلی اعظم کے مقابلہ میں ایک نقطہ اور ملائکہ مقربین کے مقابلہ میں نقاط اور انبیا و اولیا کے مقابلہ میں نقاط بلکہ میں ہر موجود شے کے مقابلہ میں نفس میں ایک نقطہ پاتا ہے، اور یہی ان کے اس قول کے معنی ہیں کہ جو کچھ عالم میں ہے، کامل اس میں عالم ہے۔

اور ان میں سے یہ ہے کہ میں نے اہل بیت کے ائمہ کی ارواح کو دائرہ قدس میں پوری طرح اور خوبصورت شکل میں دیکھا، اور مجھے معلوم ہوا کہ ان کا منکر اور ان سے کینہ رکھنے والا عظیم خطرات سے دوچار ہے، لیکن ان کے چہرے باطن کی طرف پھرے ہوئے ہیں۔ اور خلافت صرف اسی کے لئے مناسب ہے جس کا چہرہ ظاہر کی طرف پھرا ہوا ہو۔ چنانچہ انہوں نے اس سبب سے خلافت طلب کی لیکن اس وجہ سے اس کو پا نہ سکے۔ اسی طرح ہر وہ شخص جس کو دائرہ قدس میں ثابت قدمی حاصل ہے، اس پر انکار اور اس سے دل میں کینہ دنیا میں بربادی کا باعث ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے بعد پیدا کرتا ہے۔ اور جب اس کے اور اس کے رب کے درمیان سے پردے اٹھ جاتے ہیں تو ایسا کانٹا پاتا ہے جو اس کو چبھتا ہے۔

اور جان لو کہ جس علم کے بارے میں اس تفہیم میں، میں نے متنبہ کیا ہے وہ علم شریف جلیل القدر ہے۔ اعیان ثابتہ کے ظہور کے مرتبہ میں رحمت الٰہیہ کی تقسیموں کے انکشاف سے حاصل ہوتا ہے اور یہ صرف ایک کے بعد ایک کو ہی ملتا ہے۔ و الحمد للہ اولاً و آخراً۔

۴۰- **تفہیم:**

ثبوت اور وجود کے درمیان فرق

ذات الٰہیہ سے اولا وہ سب کچھ صادر ہوا جو اس کی شان میں ایک ہی بار میں صادر ہونا تھا۔ تو اسی صدور سے صادر ہونے والا ثابت ہو گیا نہ کہ موجود۔ اور ثبوت اور وجود کے درمیان فرق، عدد کے مراتب میں تحقیق کی دو قسم کے ملاحظہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ ایک وہ تحقیق جو محاسب کے ذہن میں موجود عدد کے مراتب سے ہوتی ہے اور وہ ثبوت ہے۔ اور دوسرے وہ امام جس کی اقتدا محاسب اپنے تصور میں کرتا ہے اور وہ طبیعت عددیہ سے موجود ہونے سے پہلے پیدا ہوتا ہے۔ اور شرطیت کے صدق کے ملاحظہ سے نفس الامر میں ملازمت صادق آتی ہے، اگرچہ مقدم اور تالی متحقق نہ ہوں۔ اور اس شجر کے ملاحظہ سے جو خارج میں پائے جانے سے قبل نوات گٹھلی یا بیج میں موہومہ شکل میں قائم ہے۔ اور اس کے صدور ثبوتی کے لئے اقتضا اور احتمال کسی نہ کسی وجہ سے ذات الٰہیہ کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔ لیکن یہ اعراض کے اپنے محل میں قیام کی طرح نہیں ہوتے اور اس اقتضا کو فیض اقدس کہا جاتا ہے۔ اور اس طرح صادر ہونے والے عالم کو صوفیا کے نزدیک اعیان ثابتہ کہا جاتا ہے۔ اور حکما کے نزدیک عقل نام دیا جاتا ہے۔ البتہ حکما خارج میں ہر موجود کو اہتمام کے ساتھ عین ثابت یا عقل سے، جو چاہو کہہ لو، نہیں سمجھتے۔ وہ ہر فلک کو فقط اپنی عقل سے سمجھتے ہیں۔ پھر ذات الٰہیہ سے صادر ثبوتی کی شرط سے دوسرا امر صادر ہوتا ہے جو نفس رحمانی ہے۔ میری مراد یہ ہے کہ یہ شرط ذات الٰہیہ کے ساتھ اجمالی طور پر قائم ہے اور فلک اور عنصر وغیرہ کی خصوصیات نہیں جیسا کہ حکماء گمان کرتے ہیں۔ اور نفس رحمانی کی حقیقت بالفعل تحقق، تقرر اور موجود ہونا ہے اور جس سے موثر، موثر اور متاثر متاثر ہوتا ہے۔

پھر نفس رحمانی کے واسطہ سے دوسرا امر صادر ہوا۔ اس نے عالم شہادت کی بنیاد رکھی اور اولا حقائق ثابتہ اور نفس رحمانی کے درمیان نکاح حاصل کیا تو اس نکاح سے موجود ہو گیا۔ اور دوسرے نفس رحمانی اور بنیاد کے درمیان تو اس سے متعین ہو گیا۔ اور ان سے یہ دونوں نکاح اعیان اور خارج میں اشیاء ہو گئیں اور اسماء سے خارج اور اعیان ان دونوں نکاحوں کے اسماء

سے۔اور اشیاء ظاہرہ کے خارج میں کچھ مراتب ہیں۔

ان میں سے ایک وہ ہے جس میں جہت نفس رحمانی اور ثبوت غالب ہوتے ہیں، اس لئے اس میں نکاح کا فائدہ نہیں ہوتا، فقط احکام کا تعین ہوتا ہے۔اور ان میں سے ایک وہ ہے جس میں بنیاد کی جہت غالب ہوتی ہے تو وہ ایک ہی جسم ہوتا ہے جیسا کہ ہم قوتوں کے تفاوت سے شخص اصغر میں مشاہدہ کرتے ہیں۔اور خارج میں سب سے پہلے نور ظاہر ہوا۔وہ اس کلیت پر ظاہر ہوا جو نفس رحمانی کے دائرہ میں ہے۔اور یہ خارج میں حق کی سب سے عظیم تجلی ہے اور اسی طرح اسماء حسنیٰ کا اس معنی میں انطباق ہوا کہ ذات الٰہی کے لئے اس تجلی کے ساتھ ظاہر ہونے کی شرط کے ساتھ ان احکام سے تعبیر و احکام ثابت ہوئے جو اسماء، صفات، نفوس کاملہ اور ملائکہ علویہ ہیں۔اس کی طرف اس کی کشش ایسی ہی ہوتی ہے جیسی مقناطیس کی طرف لوہے کی ہوتی ہے۔اور وہاں ایک روحانی مقام ہوتا ہے جس کو حظیرۃ القدس کہا جاتا ہے۔اس میں عالم مثال کے قوی ہوتے ہیں۔اور اس کی تعبیر شریعت کی زبان میں وہ ہرتی ہے جو اللہ کے نزدیک ہوتی ہے۔اور یہ تجلی ارادہ اور قصد کے ساتھ اکوان پر غالب ہوتی ہے اور وہاں فعل اور ترک کے استوا کی سچائی پائی جاتی ہے۔اور حظیرۃ القدس میں بندوں کی طرف توجہ ان کے اس تجلی کی عظمت کی تعریف، ان پر اس تجلی کے حقوق اور زمین میں حق کی شریعتوں کے اظہار اور ان کے لئے شریعت کے عقد سے حاصل ہوتی ہے۔اور اس نعت میں تعریف جس کو وہ جانتے ہیں، اس وقت تک ممکن نہیں ہوتی جب تک کہ صفات ان کے مبادی کے وجود کے معنی میں نہیں بلکہ ان کی عنایت کے وجود کے معنی میں استعمال نہ کی جائیں۔اور یہ کہ بادشاہ کے کسی شہر کی تسخیر کے لئے وضع شدہ الفاظ مستعار لئے جائیں اور رعایت پر اس کو مقدم رکھا جائے۔ اور جواہر اور اعراض سے ہر نوع کا افاضہ اس طرح کیا جائے کہ خالق، شافی (شفا دینے والا)، مذل، معز کہا جانے لگے۔اور اس سے نقائص سلب کر لئے جائیں، خاص طور سے وہ جن کی طرف ظالم لوگ اس کے حق میں دھیان دیتے ہیں۔اور ان تعریفات میں یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ اس طرح صراحت کی جائے کہ اس جیسی کوئی شئے نہیں ہے اور کلمہ کو اس طرح استعمال کیا جائے کہ مخاطبین کو صریح ابہام کا وہم نہ ہو کہ وہ بہیمیت سے آلودہ ہے اور یہ مخاطبین کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔

۴۱-تفہیم:

بعض اشکالات کا جواب

مخدوم معین کے سوال کے جواب میں جو تائید الٰہی کے شامل حال ہونے اور لوگوں کے اقوال کے پرکھنے سے متعلق بعض اشکالات کے سلسلہ میں ہے۔عنایت نامہ موصول ہوا جس سے وہ امور ظاہر ہوتے ہیں کہ ان کے عواقب انشاء اللہ تعالیٰ بخیر ہوں گے۔فقیر کو خلوص اور دعا گوئی میں شامل حال تصور کریں۔ جعل الله لكم من كل ضيق مخرجا. اللہ تعالیٰ آپ کو ہر تنگی سے نکلنے کی راہیں دکھائے۔اس فقیر کے نزدیک جو کچھ مقرر ہے وہ یہ ہے کہ پہلی چیز جو سب سے پہلے بطریق ابداع صادر ہوئی وہ نفس کلیہ ہے۔اور نفس کلیہ میں دو صفت موجود ہیں۔ایک حیثیت فعلیہ اور اس کے سبب سے عرش ظاہر ہوا۔دوسرے حیثیت قوۃ کہ اس کے سبب سے پانی جو افلاک وعناصر کا ہیولی ہے، ظاہر ہوا۔اور عرش کی شرط سے پانی میں افلاک وعناصر کی صورتیں ظاہر ہوئیں۔اور نفس کلیہ اول الاوائل کے ساتھ اس حیثیت سے ایک نسبت رکھتا ہے کہ اگر اس کا نام رکھا جانا درست قرار پائے، اور اگر اس کو صفت کہیں تو یہ بھی بجا ہو اور اگر مبدع کہیں تو یہ بھی دور از کار نہ ہو۔بالجملہ متکلمین کی زبان میں یہ وہی ہے جس کو صفت علم و قدرت اور امام مبین کہتے ہیں۔حضرت مبدا واجب بالذات اور قدیم بالذات ہے۔اور اس کی صفات واجب بالغیر اور قدیم بالغیر ہیں۔اور زمانہ کی حقیقت فقط مقدار حرکت دوریہ ہے بلکہ کوئی بھی حرکت ہو وہ زمانہ کی تقدیم کی کیفیت یا اینیت ظاہر کرتی ہے اور اگر اس نظر سے باریک تر ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ مقوم زمانہ صرف بالفعل ہی حرکت نہیں ہے بلکہ ہر حرکت بالقوہ بھی ہے اور نہ صرف اعراض کے مقولہ میں حرکت ہے بلکہ اگر جواہر وغیرہ میں بھی کوئی حرکت واقع ہوتی ہے تو زمانہ سے تقویم نوعی جاری کی جاسکتی ہے۔اور ان مقدمات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ موہوم کے بعد استخراج صرف نفس کلیہ میں ہوسکتا ہے کہ اس کا مفہوم قوۃ بہ فعل سے شے کا مطلق خروج ہوسکتا ہے۔چنانچہ نفس کلیہ کے بعد جو کچھ بھی ہے وہ موہوم کو بڑھا کر مسبوق ہے۔اور وہ وہی ہے جس سے متکلمین، زمانہ مراد لیتے ہیں۔ اس طرح اللہ اور اس کی صفات کے ماسوا کے حدوث پر زمانہ کے لحاظ سے برہان، وجدان اور

اہل ملت کا اجتماع قائم ہو گیا۔ اور اگر چہ کمالات الٰہیہ کو اعداد میں محصور نہیں کیا جا سکتا، تاہم جیسا کہ میرے رب تبارک و تعالیٰ نے مجھے سمجھایا ہے وہ چار درجوں میں محصور ہیں۔ (۱) ابداع (۲) خلق (۳) تدبیر اور (۴) تدلی یا قرب۔ اور جو اسماء وصفات ابداع کی طرف راجع ہوتے ہیں، ان سب کا مصداق خارج میں نفس کلیہ ہے۔ اور جو اسماء وصفات حق کی طرف راجع ہوتے ہیں، ان سب کا مصداق نفس کلیہ ہونا اس حیثیت سے ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ایک کے بعد ایک فیض قبول کیا جاتا ہے۔ اور یہ سب اس کی ذات کے کل میں داخل ہیں۔ اور جن اسماء وصفات تدبیر اور تدلی کی طرف راجع ہوتے ہیں، ان میں تجدد اور شروعات ہوتی ہے۔ اور امور سفلانی کے لئے اس میں ایک وجہ سے تاثیر ہوتی ہے۔ اور وہ وجہ تمام حالات میں ان کے لحاظ سے مصلحت کلیہ اور فیضان میں حفظ ہے۔ پھر جب امور سفلانیہ موجود ہوتے ہیں تو مصلحت کلیہ کا تقاضہ عالم کے کسی ایک قسم پر ہونے کا ہوتا ہے۔ تو اس قسم کا صدور مصلحت کلیہ کے وجود کی وجہ سے واجب ہو جاتا ہے۔ اس لئے ابعاد اور خلق، حق کے دوام کے ساتھ دائمی ہو جاتے ہیں۔ لیکن خلق اور تدبیر کے اضافات متغیر ہو جاتے ہیں۔ تب بعض امور میں رزق اور بعض میں نصر (مدد) کہا جاتا ہے۔ اور بعض میں نصر (مدد) اور بعض میں خذل (محرومی) کہا جاتا ہے۔ اور جمع ضدین کی دو قسمیں ہیں (۱) حقیقی (۲) مجازی۔ حقیقی خود امکان کے دائرہ میں نہیں ہے اور مجازی متحقق ہے۔ اور مجازی کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں، ایک ارضی (زمینی) میں کہ آدم کی بقیہ مٹی پیدا کی گئی ہیں۔ اس مثال وخیال میں زمانہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ ارض بمنزلۂ خیال، افلاک و ملاء اعلیٰ کے آشیانہ کے ہو گیا ہے۔ اور اس کی تعبیر حکما کے نزدیک جابرسا اور جابلقا سے ہے۔ (دیکھئے کتاب اشارات کی شرحیں) چنانچہ اس ارض میں ممتنعات موجود ہوتے ہیں اور نقیضین ظہور میں آتے ہیں اور اس موقع پر اشکال کا حل اس کلمہ سے ہو سکتا ہے کہ فرض المحال، محال نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ بعض بلند قوتیں اس ہمت کو ابھارتی ہیں جن کا مقتضی شئے کا وجود ہے۔ اور بعض قوتیں اس ہمت کو ابھارتی ہیں جس کا مقتضی اس شئے کا عدم ہے۔ اس طرح ملاء سافل میں طرفین میں سے ہر ایک کی اس ثبوت سے ذہنیہ کی سچائی ثابت ہوتی ہے جس کی اصل ملاء اعلیٰ میں موجودہ حالت میں انہی کلمات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ کلام کو طول دینے کی فرصت نہیں ہوتی اور یہ بھی حسب امر واقع ہوتا ہے۔ ورنہ جو کچھ ان

صاحب نے جامع انداز میں لکھ دیا ہے، وہی کافی ہے، شعر،

عبارا تناشتی و حسنک واحد
وکل الی ذاک الجمال یشیر

"ہماری تعبیرات مختلف ہیں اور آپ کا حسن ایک ہی ہے، اور ہر ایک اسی جمال کی طرف اشارہ کرتا ہے۔"

۴۲-تفہیم:

"ازل" کے معنی

الحمدللہ الذی ظھر بکل ماظھر وبطن فی کل مابطن واستترو ھوفی مرتبۃ ذاتہ......

تمام تعریفیں اسی اللہ کے لئے ہیں جس نے جو چاہا ظاہر کیا اور جس میں چاہا پوشیدہ رہا جب کہ اپنی ذات کے مرتبہ میں رہتے ہوئے پردہ کیا۔ اس کے علم کا کوئی پوری طرح ادراک نہیں کرسکتا، کوئی خبر اس کو پکڑ نہیں سکتی۔ اگرچہ اس کے انوار کھل جائیں اس کی طرف منتہی ہونے پر نظر جل جائے۔ اور اپنے مرتبہ کے ظہور میں آج کی طرح اس کی ایک شان ہوتی ہے جس کو وہ بلند اور پست کرتا ہے اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔ اور نماز پڑھنے والے کے سامنے اس کے مقابلہ میں قائم اور حاضر ہوتا ہے اور صلوٰۃ وسلام ہو سید بشر پر جن کو، شہریوں اور دیہاتیوں کی طرف سچے معارف کے ساتھ بھیجا گیا، اور آپ کی آل واصحاب پر بھی درود ہو جب تک مقفی مسجع زبان استعمال کی جائے۔

امابعد۔ سب سے زیادہ فضل وکرم کرنے والے اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سب سے زیادہ محتاج احمد کو جس کو ولی اللہ بن عبدالرحیم العمری الدہلوی کے نام سے پکارا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ وہ عطا فرمائے جس سے اس کو آراستگی حاصل ہو۔ جو اس کی شان کے خلاف ہو اس سے محفوظ رکھے۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے ایک مکتوب موصول ہوا جو مکرم و معظم مخدوم یعنی آں جناب کی جانب سے ہے کہ جن کی خصوصیت فیاضی وسخاوت اور عطا ہے جو تحقیقات جلیلہ کے میدان میں سبقت لے جانے والے اور مشکلات عقلی کے حل میں عارف کامل ہیں۔ مولانا، دین و

سنت کے لئے مددگار ہیں اللہ تعالیٰ ان کی تمناؤں کو پورا فرمائے۔ آمین۔ چنانچہ جب لفافہ کھولا گیا اور اس کے اندر پوشیدہ راز سامنے آیا تو گویا میرے سامنے فتنوں کا انبار لگ گیا، بلاؤں کا عظیم طوفان آ گیا۔ ان کے حل نے عاجز کر دیا۔ اس کی شکایت اللہ ہی سے کی جا سکتی ہے اور وہی مددگار ہے۔ سارے معاملات اسی کے حوالہ ہیں اسی پر بھروسہ ہے اور اللہ سے امید رکھنا ایک قسم کی دعا ہے اور دعا برے فیصلوں کو رد کرتی ہے، توقع ہے کہ لاحق، سابق سے بہتر ہو جائے اور فوت ہونے والی شے تدارک کر کے وہ کچھ دے جو لاحق ہونے والا ہے۔ اچانک مجھے ایک ایسا مسئلہ پیش آ گیا کہ مجھے اس کی طرف راغب کر دیا گیا اور اس کے بارے میں بحث کا حکم دیدیا گیا۔ اور وہ تکوین کا مسئلہ ہے۔

اس فقیر کے نزدیک صفات کے مسئلہ میں بڑی طویل بحثیں ہیں جو کئی جلدوں میں ہی سما سکتی ہیں، ان کے ذریعہ متکلمین، حکما اور صوفیا کے مذاہب کے مابین جمع کی صورت حاصل ہو سکتی ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں تحریر کی توفیق عنایت فرمائے۔ البتہ اگر ہم اس کو ترک کر دیں اور قوم کے مذہب کی تحقیق کی طرف رجوع کر لیں تو ازل کسی طویل مدت کا نام نہیں ہے جو ایک زمانہ سے پہلے رہی ہو بلکہ اللہ تعالیٰ تغیر سے پاک ہے جو کہ زمانہ کے استخراج کا منشا و مبدا ہے۔ اس طرح جائز ہوتا ہے کہ فعل ازلی ہو اور مفعول زمانی، اور اس کی نظیر وجود ہے کہ جو جسم میں ہوتا ہے اور اس پر اس مرتبہ ذاتیہ کی جہت سے حکم لگانا صحیح نہیں ہوتا جو کہ ایک جگہ میں منحصر رہتا اور تغیر وغیرہ جسم کے خصائص ہوتے ہیں اور اس کلام کی شرح آپ پر مخفی نہیں ہے۔

۴۳- تفہیم:

زمانہ میں تصوف کا دعویٰ کرنے والوں کی قسمیں

صوفیا میں جنید یہ سلوک مقبول ہے اور یہ افراط و تفریط کے بغیر راہ حق میں وسط اور انتہائی مشرف و منزلت کا حامل ہے۔ ان کے علاوہ کی بہت ساری جماعتیں ہیں کہ ان کی نسبت احساس سے مانوس چیزوں سے ہے۔ اور بہت سے رنگ پیدا کر کے تھاہ تلاش کرنے کے سبب اس کی کنہ (حقیقت) کو نہیں پہنچا جا سکتا۔ میں سب کے احوال لکھتا ہوں، تا کہ ان بہت ساری جماعتوں کی معرفت کے واسطہ ایک نمونہ سامنے آ جائے۔ اللہ ہی مدد کرنے والا ہے۔ (۱)

تصوف کی راہ اختیار کرنے والوں کی ایک جماعت زنانہ لباس استعمال کرتی ہے۔ ساتھ ہی پیروں اور گلے میں زیور بھی پہنتی ہے۔ اس جماعت کا سربراہ موسی سہاک ہے جس کی قبر احمد آباد میں واقع ہے۔ ان کے سلف کی فطرت عجیب واقع ہوئی ہے اور ان کی نسبت کو اوہام و خیالات عادیہ کے ساتھ عجیب وغریب تعلق پیش آیا ہے۔ اس گروہ کو بطریق سلوک نہیں بطریق جذبہ نسبت محبوبیہ ہاتھ آ گئی ہے۔ چنانچہ جو نظر کہ نفوس بشریہ کے ساتھ تجلی اعظم بلکہ لطیف حس حاصل ہے، ان پر اس کی حقیقت واضح ہے۔ اگر چہ وہ نظر چند پردوں کے پیچھے ہوتی ہے۔ حتی کہ اس راستہ سے ان لوگوں کو عجیب خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ نسبت جذبیہ ان کی روح میں عجیب استعداد پر صادق آتی ہے جو عورتوں کے ساتھ مناسبت کا مقتضی ہے۔ مخنثوں کے مزاج سے مشابہت اور عجیب نیکی کا وہم ہوتا ہے اور اس طرح وہ مجبوبۂ عالیہ کو محبوبیہ معشوقان کے ساتھ خلط ملط کر کے ظاہر کرتے ہیں اور اپنے زعم میں تحقیق و استقلال کے بھید سے یہ لباس وشکل اختیار کرتے ہیں اور آثار عجیبہ دعاؤں کی قبولیت اور دلوں پر توجہ کے لحاظ سے جذب کے سبب سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کی شبیہ تمام لوگوں میں نظر آتی ہے۔ ایک بڑی جماعت ان کی تقلید کرتی ہے۔ اس طرح ایک نیا گمراہ طبقہ پیدا ہو گیا۔ (۲) ایک دوسری جماعت نے امرد لڑکوں کے نظارہ کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے۔ انہوں نے شراب اور بھنگ کے پینے اور نافرمانی و بیباکی کی راہ اختیار کر رکھی ہے۔ اسی قبیل سے ماضی میں بھی ایک فرقہ تعلق رکھتا تھا جو خود کو فخر الدین عراقی، اوحد الدین الکرمانی اور مولانا رومی کے دامن سے وابستہ قرار دیتا تھا۔ اور ایک فرقہ ہے جو خود کو خواجہ خرد سے منسوب کرتا ہے۔ جب کہ وہ محققین کی جماعت تھی اور مقامات عالیہ پر پہنچی ہوئی تھی، لیکن اصل میں ان کی فطرت شہوانیہ کی تخلیق اس طرح ہوئی ہے کہ پوری طرح دل و دماغ کی قید میں نہیں آتی اور ان کو پوری طرح ہر لحاظ سے عفت میسر نہیں ہوتی۔ چنانچہ ان کے لطائف کی تہذیب کے بعد بقا کی صورت پیدا کی گئی ہے اور ملی جلی صورت پیدا ہوئی ہے۔ چنانچہ خدا کے ساتھ ان کی نسبت نے لذات حسیہ وخیالیہ اور وہمیہ پر تکیہ کر لیا ہے اور اس کے ساتھ توحید کو ملا لیا ہے۔ اور مبدا فیاض کی اشیا کا مظہر ان پر ظاہر ہو گیا۔

من كل شيء لذيذ احتسي قدحا
وكل ناطقة في الكون تطربني

"ہر لذیذ چیز کا میں ایک پیالہ پیتا ہوں اور ہر بولنے والی چیز مجھے مست کر دیتی ہے۔"

(۳) ایک اور جماعت افیون و بھنگ اور تمام منشیات استعمال کرتی ہے۔ البتہ شرم گاہ وغیرہ کی شہوات سے دور رہتی ہے اور پوری طرح مجرد رہتی ہے۔ اس جماعت کو قلندر کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ خود کو سلسلۂ قادریہ یا سہروردیہ سے منسوب کرتے ہیں۔ ان کے سربراہ ان طریقوں سے تجرید، شہوت کی آگ کو بجھانے اور ترک دنیا کی تلقین کرتے ہیں اور غیوبت کی نسبت سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ اور جب اس کو ختم کر دیتے ہیں تو بحر نوم میں غرق ہو جاتے ہیں یا افیون کو اس کا قائم مقام بنا لیتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان فرق ان پر واضح نہیں ہوتا۔ اور آرام و سکون کی استعداد اور ترک اشغال اس گمان کو دوبالا کر دیتے ہیں۔ بیت

زبنگ ہیچت اگر نیست ایں نہ بس کہ ترا

دمی زوسوسۂ عقل بے خبردارد

"اگر بھنگ سے تجھ کو کچھ حاصل نہیں ہوتا تو یہ کافی نہیں ہے کہ تجھ کو عقل کے وسوسہ سے ایک دم کے لئے بے خبر کر دیتا ہے۔"

(۴) ایک اور جماعت وہ ہے جس نے مشائخ سے سماع و وجد کے طریقہ کا مشاہدہ کیا اور اس سلسلہ کی کچھ نمائش ان کو بھی حاصل ہو گئی۔ اس کے بعد انہوں نے ناقص جبلت کی وجہ سے رجوع کر لیا کہ غنا کی پابندی اور خاص حالات سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور غنا اور خاص حالات کی پابندی کے سبب جو حیرت و اضطراب اس پر طاری ہوتے ہیں، ان کو وجد و حال کا قائم مقام سمجھتے ہیں جس سے شبہ دوبالا ہو جاتا ہے۔ (۵) اور ایک جماعت کے نفوس پر نسبت اویسیہ سایہ فگن رہتی ہے۔ وہ جب اپنے نفوس کے خیالات و اوہام کی غفلتوں میں مدہوش رہتے ہیں تو ارواح کاملین سے فیض کا حصول اس ہیئت کے اختیار کئے بغیر جو عام حالات میں انتہائی محبت یا تعظیم کے ہم پلہ ہو اس کا امکان نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ بھید کے فائدہ کو دیکھ کر ان امور میں مشغول ہو جاتے ہیں، خواہ دوسرے لوگ کتنا ہی مسترد دونا پسند کریں۔ بیت

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی میکند

آری آری میکند باخلق و عالم کار نیست

"دنیا کہتی ہے کہ خسرو بت پرستی کرتا ہے، ہاں ہاں کرتا ہے، اس کو مخلوق اور دنیا سے

کوئی سروکار نہیں ہے۔"

میر ابوالعلی کے پیروکاروں میں سے خواجہ محمد ماہ عزیزی پہاڑ گنج کے قریب اقامت پذیر ہیں۔ سید حسن رسول نما کی صحبت میں رہ چکے ہیں۔ نقل کرتے ہیں کہ ایک دن سید حسن نے ایک شعر ایک قوال سے سنا جس کے مضمون میں خود کو محبوب کے کتے سے تشبیہ دی گئی تھی اور اس تشبیہ سے سب لطف اندوز ہوئے۔ مگر وہ لذت آئی بھی اور چلی بھی گئی۔ اس کو استقرار نہ ہوا تو ایک گوشہ میں گئے اور ایک رسی گلے میں باندھ کر اس کو ایک مضبوط کھونٹے سے باندھ دیا اور خود پر تجلی ڈالی پھر اسی شعر کو پڑھنے اور اس کھونٹے کے گرد گھومنے لگے۔ اس کیفیت سے اس لطف ولذت نے ان کے اندر استقرار کر لیا اور اس طرح ان کی فتح کا دروازہ کھل گیا۔

(۶) ایک جماعت کے مزاج پر جنون طاری ہو گیا ہے جو ان کے اصلی عارضہ کا باعث ہے۔ اور وہ عارضہ اوہام وخیالات سے ان کے حواس کے تعطل کا عین بیداری کی حالت میں سبب بنتا ہے۔ چنانچہ جس چیز کو عوام سونے اور خواب کی حالت میں دیکھتے ہیں، یہ جماعت اس کو بیداری کی حالت میں دیکھتی ہے۔ اور بعض خیالات وتقاضے جو کہ عوام کے لئے بہت بلند وبالا معلوم ہوتے ہیں۔ ان کو بہت واضح طور پر معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے الہاموں اور انکشافات سے لوگ بڑے بڑے حساب لگاتے ہیں اور ان سے حسن اعتقاد رکھتے ہیں۔ (۷) ایک جماعت ہے کہ ان کے اندر طہارت کی نسبت متمکن ہو گئی ہے۔ اور وہ اس کو وسوسوں کے ساتھ کھینچ کھینچ کر وضو کے پانی وغیرہ میں لے جاتے ہیں۔ اس جماعت کو سندھی زبان میں ورش کہتے ہیں۔

(۸) ایک جماعت کے اندر طہارت کی نسبت اور ملائکہ سفلیہ سے مناسبت متمکن ہو گئی ہے۔ وہ لوگ ازدواجی تعلقات کو ترک، مردوں کے ساتھ اختلاط اور گوشت وحیوانات کو ترک کر کے ان دونوں سے متعلق لطف ولذت اس معنی میں حاصل کرتے ہیں۔ اور اپنی تحقیق کی بنیاد پر اس کو لازم قرار دیتے ہیں۔ اس کے باوجود بہت سے خلاف شرع امور میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس جماعت کو کشمیری زبان میں ریشی کہتے ہیں۔ فقیر نے ایک شخص کو دیکھا جس کو طہارت وعبادت کی نسبت سے حصہ حاصل تھا۔ ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار تھا اور وہ بھی اور اس کا گھوڑا بھی دونوں شباب اور طبعی جوش وخروش سے بھرے ہوئے تھے اور نظر رحمت اس شخص کی طرف متوجہ تھی اور دونوں حالتوں کے اجتماع سے اس کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ اور

ایک دوسرے واقعہ میں دیکھا کہ جنگ و جدال پر کمر بستہ اور تنگ دلی و بے آرامی میں مبتلا ہندوستان کے گاؤں میں گھوم رہا ہے، اور ان لوگوں سے جن کو اسلام اور اس کے احکام سے کوئی مناسبت نہیں ہے اور ان کو سمجھ بھی نہیں سکتے، الجھ رہا ہے اور ان کی بت پرستی پر ان کو عار دلا رہا ہے اور ہاتھوں اور منہ کو اس طرح چلا رہا ہے جیسے نچلے طبقہ کی عورتیں آپس میں لڑنے جھگڑنے کے وقت کیا کرتی ہیں۔ اور اس عزیز کو اوہام و جبلت سے ایک نفیس امر ملا ہوا ہے۔ اور آیت قرآنی خلطوا عملا صالحا و آخر سیئا ''انہوں نے اعمال صالح وسیئہ کو باہم خلط ملط کر رکھا ہے'' سے بہت زیادہ مطابقت ہے۔ اور جو کچھ یہاں لکھا گیا ہے اس کو ان اقسام کا ایک نمونہ سمجھا جا سکتا ہے۔ والحمدللہ اولا و آخرا و ظاھرا و باطنا

۴۴- تفہیم:

طبقہ اور اس کے بعد کے احوال

اس فقیر کو خبردار کیا گیا کہ فقیر کے طبقہ میں اور اس طبقہ میں جو اس کے بعد ہوگا علوم ظاہرہ اور تیسرے طبقہ میں علوم باطنہ ظاہر ہوں گے۔ اور اس جگہ طبقہ ثانیہ سے مراد اولاد ہے اور طبقہ ثالثہ سے مراد پوتے یا چھوٹے بچے ہیں جو پوتوں کے درجہ میں ہیں۔ اور یہاں مراد ان کے علوم کا شائع و عام ہونا اور ان کے امر کا ظہور ہے۔ اور علوم ظاہرہ سے مراد کتاب و سنت ہے۔ اور علوم باطنہ سے وہ علوم مراد ہیں جو لطائف خفیہ (پوشیدہ نکات) سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور تجلی اعظم کے نقطہ انانیت کبری سے متعلق ہیں۔

۴۵- تفہیم:

تجلی اعظم کے امور کا اختلاف اور یہ کہ وہ انبیا علیہم السلام کے علوم کے اختلاف کے مطابق ہوتا ہے

تجلی اعظم کے حالات جو کہ قوائے وجوبیہ کا فوارہ ہے، مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کل یوم ھو فی شان ''وہ ہر روز ایک نئی حالت میں ہوتا ہے۔'' پس انبیا جو کہ اقدم اور ابدی زبان کے ترجمان ہیں، اس حالت کی جو ان کے زمانہ میں پیدا ہوتی ہے،

اوران کی بعثت اس شان کے لئے ہوتی ہے، خبر دیتے ہیں۔ اور اسی طرح انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اپنے وجدان کے حاسہ کے ذریعہ بہت سے معارف و معاد و مبدا اور الٰہی نشانیوں کا ادراک کرتے ہیں۔ چنانچہ جو نکتہ ان کی تخلیق کے مبدأ میں غالب ہے، وہ سبقت کرتا ہے اور اس نکتہ کے رنگ میں ان کی خبر ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ اسی جہت سے انبیاء علیہم السلام کے علوم کا اختلاف ملتا ہے خواہ شرائع کے تعلق سے ہو یا علم سلوک یا علم معاد وغیرہ کے تعلق سے۔ اور اسی جگہ سے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے قول کہ معاد روحانیہ کی لذتیں اپنے لطائف کے جوش سے اور حضرت تجلی اعظم کی شان کے اس میں نقش ہونے اور ملاء اعلیٰ وغیرہ کی لڑی میں پروئے جانے اور سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ کے قول معاد جسمانیہ، کھانے، پینے، نکاح کی شہوت اور لباس کی لذتیں ہیں، میں فرق کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ جس شان کے ترجمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے وہ ایک خاص نکتہ اور سرور روح کے نکتہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور جس شان کے ترجمان حضرت خاتم علیہ الصلوۃ والسلام تھے، اس نے لطائف ظاہرہ لطیفہ جوارح اور لطائف عالیہ سے توجہ فرمائی اور ہر ایک اس کی شان کے مطابق تھا جس کا ترجمان ہوا، کہ حکیم حقیقی کے کارخانہ میں تخمینہ اور انکل پچو کا معاملہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم

۳۶- تفہیم:

بعض علوم کشفیہ کے بارے میں خبر

اس فقیر کو خبر دار کیا گیا کہ مبتدی بلکہ بہت سے وہ لوگ بھی جو خود کو کامل سمجھتے ہیں، اصلا تجلی اعظم یا نفس کلیہ کی حقیقت سے باخبر نہیں ہیں۔ خالص ذات سے بہت دور ہیں، بلکہ وہ جس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس توجہ میں وہ ان کے نفس ناطقہ کے نقاط کے درمیان ایک نقطہ ہے کہ تجلی اعظم کی صورت، نفس کلیہ سے مشابہ ہے۔ اگر فضل الٰہی سے اس مقام سے جس کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے، خلاصی حاصل ہوجاتی ہے تو اور اس نقطہ کے رنگ میں توجہ کے واسطہ سے تجلی اعظم کی حقیقت ہوجاتا ہے۔ اور اس مقام پر ایک عجیب حالت پیش آتی ہے اور وہ حالت یہ ہے کہ تجلی اعظم یاقوت کی مانند چراغ جیسی ہوتی ہے اور شعاع و روشنی اس کا احاطہ کرلیتی ہے اور دور سے ایسی نظر آتی ہے کہ گویا کوئی بڑا انگارہ چمک رہا ہے اور حقیقت میں یہ

انگوٹھی کے نگینہ کے یاقوت کی مانند ہوتا ہے۔ اور اس کی دوسری شعاعیں اور روشنیاں شدت اتصال کی وجہ سے اس کی گنجائش نہیں رکھتیں کہ یاقوت اور اس کی شعاع کے درمیان، نظر فرق کر سکے۔ اسی طرح اس شخص کے اندر جو نکتہ ودیعت کرتے ہیں وہ تجلی اعظم سے مل جاتا ہے۔ اور ان دونوں بصیرتوں کے درمیان فرق نہیں کرتا اور خود بھی متحیر ہوتا ہے۔ اور کبھی خود اپنے اندر تجلی اعظم کا گھل مل جانا سمجھتا ہے۔ اس کے ساتھ اپنا قیام جانتا ہے جب کہ یہ وجود نادر ہوتا ہے جس میں خود کو نابود تصور کرتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے عرض کا وجود اس کے محل کے لئے خود اس کے نفس کے لئے وجود ہے۔ اور کبھی اپنے اندر انانیت کا احساس کرتا ہے اور اس سے تعین وتقید کی ایک قسم الجھتی ہے جب کہ حقیقت میں اس معاملہ سے ملا ہوا کام تنگ ہو جاتا ہے۔ اور نقیضین کا حکم لگانا پڑ جاتا ہے۔ جب اس فقیر کو اس حالت سے دوچار کیا تو اپنے فضل وکرم سے یہ آگاہی دی کہ اس فقیر کا معاد یہی ہے کہ اس روشنی کی سطح میں غائب ہو جائے اور اپنی انانیت کو تمام دائرہ قدس میں جاری انانیت میں رکاوٹ نہ سمجھے۔ یہ اس قدر ہے کہ یہ روح اور نفس ناطقہ اس کو تعین وتشخص عطا کرتا ہے۔ اور اس کے لئے واسطہ مہیا کرتا ہے کہ جس وقت نفس کلیہ کے سلب سے مصلحت کلیہ جوش مارتی ہے، اس نکتہ کی راہ سے عالم شہادت میں کسی چیز کے فیضان سے اس وقت یہ نکتہ اس کے افاضہ کے واسطہ جارح ہو جاتا ہے۔ اور جس طرح تشخص امر کلی کو جزئی کر دیتا ہے، اس طرح روح اور نفس ناطقہ کا الحاق اس افاضہ کو متشخص کر دیتا ہے۔ اور یہ بھی آگاہی دی کہ اس قبیل کے حجر بحت (نکات) بہت ہیں جو تجلی اعظم کے اردگرد پہنچ جاتے ہیں۔ اور شعاعوں کے رنگ میں اس کے اردگرد احاطہ کر لیتے ہیں۔ اور دائرہ قدس کی وسعت اسی سمت سے پیدا ہوتی ہے۔ حکم کلی کا احکام جزئیہ میں تنزل اسی جہت سے متحقق ہوتا ہے اور یہ سب تجلی اعظم کے جوارح ہیں۔ بلکہ باعتبار قوۃ عازمہ الہیہ نفس کلیہ کے جوارح بلکہ اس سے صادر ہونے والے نفس کلیہ کے اعتبار سے ذات محض کے جوارح ہیں۔ اور یہ سب انانیات کے تزاحم اور ٹکراؤ سے آسودہ ہوتے ہیں۔ اور سوائے اس تعین وتشخص کے کہ جو تشخیص احکام جزئیہ کی مصلحت کے واسطہ ان سے لاحق ہوتا ہے کوئی مغائرت ان کے حال میں تشویش پیدا کرنے والی نہیں ہے۔ اور یہ افراد انسان کے معادوں میں معاد اعظم ہے۔ اور آگاہی دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لفظ اب وابن کے اطلاق اور لفظ عینیت کے اطلاق سے بھی

معنی مراد ہے۔ اور یہی حالت اس وقت مراد لیتے ہیں جب کہتے ہیں کہ جب اس عالم سے انتقال کرتا ہوں خود کو جمع کرتا ہوں، اور آسمانوں سے گزر جاتا ہوں، اور اپنے والد (بزرگ) کے پہلو میں بیٹھتا ہوں، اور ان کی اجازت سے دنیا کی اصلاح کرتا ہوں، اور آخرت میں زندوں اور مردوں کے لئے شفیع بنوں گا وغیرہ۔ ان نصوص میں سے ہیں جو اس طرح کے معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور حضرت پیغمبرؐ کی شفاعت کبری سے بھی یہ حالت مراد ہے کہ صلاح عالم کا نزول تجلی اعظم کے نقطہ کے واسطہ سے نفس ناطقہ اور روح کی مدد سے ہے۔ اور اس فقیر کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خود اپنے واسطہ شفاعت کبری بیان کرنے اور ہمارے پیغمبرؐ کے اس کو اپنے واسطہ بیان کرنے میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں ایک ہی نہر سے جوش مارنے والے فوارے اور دونوں ایک ہی بانسری سے ظاہر ہونے والے نغمے ہیں۔ جیسے اگر زید کہتا ہے کہ میں انسان ہوں اور عمرو بھی کہتا ہے کہ میں انسان ہوں اور دونوں کی انسانیت کے ثبوت میں نہ کوئی مشکل حائل ہو رہی ہے نہ ہی کوئی تعارض ہے۔ اور آگاہ کیا کہ نفس کلیہ میں وصول کے بعد علمی تحقق نہیں ہے اور کوئی حال ایسا نہیں ہے کہ جس کو تازگی عطا کریں۔ وہ ایک ایسا وجود ہے کہ اپنے بعض ان محتملات میں جو ثبوت کے مرتبہ میں پوشیدہ تھے، ظاہر ہو گیا۔ اور اس کے مراتب کو پورا کرنے کا متحمل بنا دیا گیا۔ یہ دونوں اصلاً حدوث کی آمیزش سے پاک ہیں اور تجدد کی کدورت سے مبرا جو کچھ بھی ثبوت کے مرتبہ میں پوشیدہ ہو اس کے داخل ہونے سے وجود ظاہر ہو جاتا ہے اور ایک خاص شکل میں نکلتا ہے۔ اور یہ شکل مختلف شکلوں میں اپنے طول میں بھی حقیقت الحقائق میں پوشیدہ ہوتی ہے اور تقدیر کا بھید جس کو انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم نے بیان کیا ہے اور اس نہی کی طلب میں پوری کوشش کی ہے، وہ بھی اسی سے متعلق ہے۔ اور آگاہ کیا کہ اصل میں حقیقۃ الحقائق پوشیدہ ہے۔ جس کے کئی ادوار ہوتے ہیں اور ہر دور میں دوسری کسوٹی پوشیدہ ہوتی ہے۔ کل یوم ھوفی شان۔ ہر روز اس کی نئی شان ہوتی ہے اور ہر شان کے لئے ایک ترجمان چاہئے کہ اس کی فلکی شکل میں اس بھید کے افشا کے قابل ہو۔ چنانچہ اس کی تجلی اعظم کے نقطہ میں اولاً وہ رنگ نازل ہوتا ہے جس وقت اس کی روح اور نفس ناطقہ میں اس سے قطرہ ٹپکتا ہے اور رطوبت متعدی منتشر ہو جاتی ہے اور انہی قطرات اور رطوبتوں سے چشمۂ عین الحیوۃ پھوٹتا

ہے۔ وذلک تقدیر العزیز العلیم. یہ اللہ عزیز وعلیم کا مقرر کردہ نظام ہے۔ اور خبردار کیا کہ ساری دنیا وجوب کی عنایتوں سے بندھی ہوئی ہے۔ ایک دریا ہے جس کی گہرائی وجوب ہے اور اس کی جوش مارتی ہوئی موجیں امکان ہے۔ اور آگاہ کیا کہ نفس کلیہ، ہیولی اولی میں عمل کرنے والا نقطہ ہے اور نفس کلیہ کے معنی کو نفس نباتی کے قیاس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اس کی اصل استعداد تخم میں پوشیدہ ہوتی ہے اور تخم کو پانی، ہوا اور مٹی کی مدد حاصل ہونے کے بعد وہ استعداد بروئے کار آتی ہے۔ اور اس کا کام اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ پانی، ہوا اور مٹی سے ملنے والے اجزا میں ایک خاص تصرف کرے اور اس کو ایک خاص شکل عطا کر کے جو کہ صورت نوعیہ کا مقتضی ہے اور اس کی صورت فردیہ کے مناسب ہے، ظاہر کر دے۔ اور اسی طرح نفس کلیہ، ہیولی اولی کی سطح میں نقطۂ فعالہ ہے۔ اور ہیولی کے معنی تشخص وتعین کے ہیں چنانچہ تصویر کے تشخص وتعین کی سطح میں مختلف صورتیں اختیار کرتی ہے اور یہ ہیولی تمام موجودات میں ایک طرز مستقیم ہے خواہ وہ قوائے الٰہیہ ہوں جو تجلی اعظم کے واسطہ سے مبعوث کیے جائیں یا امور کونیہ۔ اور تشخص وتعین سے اس جگہ یہ مفہوم ظاہر ہوتا ہے کہ تشخص وتعین سے ہم ایک خاص امر مراد لیتے ہیں جو معنی مذکور کے ساتھ ہیولی اولی اور نفس کلیہ کے مجموعہ میں پیدا ہوتا ہے اور اس کو وجود بھی کہتے ہیں۔ اور یہ آگاہی بھی دی کہ عالم مثال میں شعائر الٰہیہ حقائق کے مانند ہوتے ہیں۔ اور اس سے صورت مثالیہ وسیع پیمانہ پر ان شعائر سے ملتی ہے اور ملائکہ افواج کی شکل میں ان شعائر کا احاطہ کرتے ہیں۔ اور معنی شعائر اشیا کونیہ محسوسہ جن کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاسکتی ہے جیسے کعبہ کہ اس کا طواف باری تعالیٰ کی عبادت ہے اور قرآن کہ اس کی تلاوت ذریعہ قرب خداوندی ہے۔ اور لفظ اللہ ورحمٰن اور تمام اسماء الٰہیہ کہ ان کا ذکر باعث تقرب الٰہی ہے اور صدقہ اور روزہ وغیرہ اور جو کچھ بھی شعائر اللہ ہوں، بنی آدم پر ان کی تعظیم واجب ہے۔ اور قرآن کی حقیقت سے اس ضعیف پر مخاطب متوجہ ہوتے ہیں اور اس کی حلاوت وطراوت کا ادراک ہوتا ہے۔

۴۷- **تفہیم:**

شفاعت سیدنا المسیح عیسیٰ علیہ السلام

اصل شفاعت میں اشتراک اور شفاعت کبریٰ میں ایک طرح کا دخل حضرت روح اللہ کو حاصل ہے، اور اس شفاعت کا مرکزی دائرہ ہمارے پیغمبرؑ ہیں۔ اس طرح آنحضرت کی شفاعت کبریٰ سے تخصیص اس جہت سے ہے کہ اس کے علمبردار ہیں اور اس کے دائرہ کے مرکز واقع ہوئے ہیں۔ اور اس کے علاوہ ایسا بھید ہیں کہ جس کو عبارت میں بیان نہیں کیا جا سکتا، صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ جو نور بھی منبع انوار سے جدا ہوتا ہے۔ اس نور کے مطابق احکام پیدا ہوتے ہیں کہ ان انوار کے تابع پر واجب ہو جاتا ہے اور اس منبع الانوار کو فی حد ذاتہ کسوٹی اور ہر نور میں عجیب اختلاط ہے۔

یار ما چوں آب در ہر رنگ شامل می شود
صافی اندر گوہر است و تیرہ در گل می شود

"ہمارا یار پانی کی طرح ہر رنگ میں شامل ہو جاتا ہے، گوہر کے اندر صفائی ہے اور مٹی کے اندر تاریکی ہوتی ہے۔"

اور ہر مظہر میں ایسا ہے گویا عین ہے اور گویا کوئی دوسری جگہ نہیں ہے جس نے اس میں ظہور کیا ہو جو کچھ بھی ہے سب کچھ اس جگہ ہے۔ اسی باب سے حق کے تراجم و عنوانات ہیں کہ اگر تحقیقات سے کوئی چیز واقع ہوتی ہے تو اس کو خصوصیات اور ظہور کے لوازم میں سے سمجھنا چاہئے۔ اس طرح ہر طرف سے یہ معنی بروئے کار آیا ہے۔

۴۸- **تفہیم:**

پوشیدہ معارف کا ذکر

الحمدللہ الذی بعث النبیین مبشرین و منذرین والی دین الحق ھادین و داعین.

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے انبیا کو مبشر و منذر بنا کر مبعوث کیا اور دین

حق کی طرف ہدایت کرنے اور دعوت دینے والا بنایا۔ پھران کی ہدایت کو ان کے بعد کلمہ باقیہ اوران کے اصحاب میں میراث متوارث قرار دیا۔ قائم رہنے والا یکے بعد دیگرے اس کے ذریعہ قائم رہا۔ اوراس کے چلانے سے ایک کے بعد ایک عظیم سلسلہ رہا یہاں تک کہ اس نے نبی آخر کو مبعوث فرمادیا اور وہ تدبیر اول کے سوا ایک تدبیر نازل کرتا ہے۔ اوراس وقت امر کو ازسرنو شروع کرتا ہے اور بھید کو ظاہر کرتا ہے۔ اور جب افضل المرسلین وخاتم النبیین کو مبعوث فرمایا تو آپ سے وعدہ فرمایا کہ آپ کے بعد آپ کے بھید کی اس وقت تک حفاظت فرمائے گا جب تک قیامت واقع ہوگی اور دنیا کو روانگی کی ندادی جائے گی۔

پھر آپ کی امت کے حواریوں کو الہام کیا کہ ایک کے بعد ایک قرآن میں خلیفہ بناتے رہیں تاکہ جس امر کا وعدہ کیا گیا ہے، خلفا اس کا عنوان ہوجائیں اوراس قضا کا وجود بن جائیں جس کو پختہ اور مضبوط کردیا۔ نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذبه من شرور انفسنا ومن سيأت اعمالنا من يهده الله فلامضل له ومن يضلله فلا هادى له واشهد ان لااله الاالله وحده لاشريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وعلى اله واصحابه وبارك وسلم. قال الله تبارك وتعالى يا ايهاالذين آمنوا اتقوا الله وابتغوا اليه الوسيلة وجاهدوا فى سبيله لعلكم تفلحون. ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اللہ سے ڈرو اوراس کی جناب میں باریابی کا ذریعہ تلاش کرو! اوراس کی راہ میں جدوجہد کرو۔ شاید کہ تمہیں کامیابی نصیب ہوجائے۔“ (المائدہ ۳۵) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فلولانفر من كل فرقة منهم طآئفة ليتفقهوا فى الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوآ اليهم لعلهم يحذرون ”ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقہ کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ (غیر مسلموں والی روش سے) پرہیز کرتے۔“ (التوبہ ۱۲۲) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان الذين يبايعونك انما يبايعون الله يدالله فوق ايديهم فمن نكث فانما ينكث على نفسه ومن اوفى بما عهد عليه الله فسيؤتيه اجرا عظيما ”اے نبی! جو لوگ تم سے بیعت کررہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کررہے تھے۔ ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا۔ اب جو اس عہد کو توڑے گا، اس کی عہد شکنی

کا وبال اس کی اپنی ہی ذات پر ہوگا۔ اور جو اس عہد کو وفا کرے گا جو اس نے اللہ سے کیا ہے، اللہ عنقریب اس کو بڑا اجر عطا فرمائے گا۔" (الفتح ۱۰)

امّا بعد. خادم العلما والصوفیا اور ان کے بلند مرتبہ دامنوں سے وابستہ فقیر ولی اللہ ابن عبدالرحیم عاملہما اللہ تعالیٰ بفضلہ العظیم کہتا ہے کہ ان معارف پوشیدہ میں سے جن کو صرف اصحاب معرفت تامہ ہی جانتے پہچانتے ہیں، ایک یہ ہے کہ حق کی ہر روز ایک نئی شان ہوتی ہے اور ہر شان کے الگ احکام ہوتے ہیں۔ اور یہی تنسخ وتبدیلی کا حق کے ترجمانوں اور ترجموں کے اختلاف اور فاتحین وخاتمین کے وجود کا بھید ہے۔ دورۂ اولیٰ میں حق کی شان یہ تھی کہ عناصر کے تصادم اور ان کے امتزاج کے حادثہ کے معاون کی طرف نظر رحمت سے دیکھا اور ان سے اس طرح خطاب کیا کہ تیرے ذریعہ ربوبیت ظاہر ہوئی، تو میری مخلوقات کے درمیان میری تخلیق کا خلاصہ ہے۔ میں نے جو کچھ بھی پیدا کیا تیری وجہ سے پیدا کیا ہے اور آسمانوں اور زمین کو تیرے لئے مسخر کیا ہے۔ پھر اسی طرح اس کو مخاطب کرتا اور اس سے بات چیت کرتا رہا، یہاں تک کہ دورہ گذر گیا اور صورت معدنیہ نے اللہ کی طرف رجوع کیا اور وہ اس کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ اس کے قریب ہوئی، اس سے چمٹ گئی، پھر صورت معدنیہ پر حق کی طرف سے فیض عجیب صادر ہوا کہ اس کے اندر غذائیت ونمو عطا کرنے والی قوتیں پیدا کیں جس کی وجہ سے اس کے اندر زیادہ استعداد پیدا ہوئی اور نبات ظاہر ہوئی اور معدنیہ پر صورت نباتیہ مشتمل ہوئی۔ معدنیت اس کے اندر پوشیدہ ہوگئی اور شان بدل گئی تب حق نے نبات کی طرف نظر رحمت سے دیکھا اور فرمایا میں نے جو کچھ بھی پیدا کیا تیری وجہ سے پیدا کیا تو میری مخلوق میں میری تخلیق کا خلاصہ ہے تو مقصود ہے اور سارا عالم تیرے تابع ہے۔ پھر اسی طرح اس کو مخاطب کرتا اور اس سے بات کرتا رہا یہاں تک کہ دورہ گذر گیا اور صورت نباتیہ نے اللہ کی طرف رجوع کیا اور اس کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ اس کے قریب ہوئی۔ اس سے چمٹ گئی پھر حق کی طرف سے اس وقت صورت نباتیہ پر فیض عجیب صادر ہوا۔ اس کے لئے وہ سب سے افضل طور پر مستعد ہوئی۔ تب اس کے اندر ادراک، حس، ارادہ اور عزم کی قوتیں پیدا کیں۔ اور حیوان حادث ہوا اور معدنیت ونباتیت پر مشتمل ہوا اور دونوں اس میں پوشیدہ ہوگئیں اور شان بدل گئی۔ اس وقت حق نے حیوان کی طرف نظر رحمت سے دیکھا اور فرمایا تو میری مخلوق کے

درمیان میرا شاہکار ہے تو میرا محبوب ہے۔ تو میرا مطلوب ہے تو عالم کے اندر تعاقد کا واسطہ ہے تو طبیعت اور مخلوق کی ایجاد میں علت غائی ہے۔ پھر اسی طرح اس کو مخاطب کرتا اور اس سے بات کرتا رہا یہاں تک کہ دورہ گذر گیا اور اس نے اللہ کی طرف رجوع کیا اور اس کے سامنے کھڑا ہوا، اس کے قریب ہوا اور اس سے چمٹ گیا۔ تب حق کی طرف سے اس پر صورت انسانیہ کا فیضان ہوا جس سے وہاں موجود تمام اشیا میں سب سے افضل تیار ہوا۔ اور صورت انسانیہ کی اصل پورا لطیفہ، قبیلہ، عقلیہ اور نفسیہ ہے پھر نوع انسانی ظاہر ہوئی۔ ان میں سب سے پہلے آدم علیہ السلام ہیں۔ تب شان بدل گئی اور حق نے ان کی طرف نظر رحمت فرمائی اور فرمایا تو عالم کا پروگرام، منصوبہ ہے اور اس کا اجمال ہے۔ تو عالم صغیر ہے جو عالم کبیر کی حکایت بیان کرتا ہے۔ تو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کے بغیر امانت کے ساتھ قائم ہے۔ میں نے سارے عالم کو تیرے لئے مسخر کردیا ہے اور بارش برسائی ہے۔ تیرے نباتات کو اگایا ہے، اور تیری وجہ سے زمین میں حیوانوں کو پھیلایا ہے۔ تو میری مخلوق میں میرا محبوب ہے۔ اس طرح اس شان کا حکم ہوا کہ تراجم کو نصب کر کے ان سے قریب ہو، اور اس کی تراجم کی طرف اولاً عروق کی جانب سے اور پھر ملاء اعلیٰ کی جانب سے تجلی اعظم کے نکتہ میں اور میرے اندر وحی کی۔ اور ان کے اندر داعیہ الہیہ پھونکا اور ان کو اپنے حق اور مخلوق پر اس کے شعائر کے حق کی تعریف کے لئے مقرر کیا۔ اور اس کے لئے ان کے دلوں اور دماغوں کو مسخر کیا پھر ان کی زبانوں کو قوت گویائی عطا کی۔ اور اس کے اندر اپنے کلام کو اور ہر اس کلام کو جاری کیا جس سے تراجم کا نطق کیا جائے۔ چنانچہ وہ سب اسی منبع سے ہیں۔ اور بنی آدم کے لئے چوپایوں کا ذبح کرنا اس وقت حلال کیا جب شان ان کے لئے ان کی تسخیر کی تھی اور ان کو ان کے سہارے کے لئے مکمل کیا جن پر وہ سوار ہوتے ہیں اور ان کو اپنے قابو میں کرتے ہیں اور ان کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کا دودھ پیتے ہیں اور ان کی اون اور چمڑے کے بنے ہوئے لباس پہنتے ہیں اور ان کی کھالوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور یہود میں سے جس نے ذبح کے حرام ہونے کی بات کہی وہ دورہ کے حکم سے نابلد اور جاہل ہے۔ اور ہمارے نبی محمدؐ اس دورہ کے خاتم اور دوسرے دورہ کے فاتح ہیں۔ یہ پہلی تفصیل ہے اور اسی کی شرح ہے۔ پھر نظر رحمت اس زمانہ میں روح اور راز کی طرف تبدیل ہوئی۔

اوراس زمانہ میں محبوب اور کامل اور مقرب السید المرتضی، امام مصطفیٰ، غایت قصوی اور صاحب مبدأ و منتہا تھے جن کے اندر راز اور روح دونوں لطیف نکات پیدا ہوئے۔ پھر ان کے اندر ان دونوں کے آثار ظاہر ہوئے، پھر اہل ارشاد کو الہام کیا گیا کہ لوگوں کو ان دونوں نکات کی طرف دعوت دیں، اور ان کے نزدیک ان دونوں کے معاملہ کی عظمت بیان کریں۔ اور یہ الہام مسلسل ہوتا رہا۔ اور اس کے ذریعہ فیض پہنچا جس کو آپ یکے بعد دیگرے دیکھیں گے۔ پھر ایک عظیم قوم پیدا ہوئی۔

پھر محمد بن علی العربی کے زمانہ میں نظر رحمت پوشیدہ نکتہ کی طرف متوجہ ہوئی، اس زمانہ میں محبوب وہ شخص تھا جس میں پوشیدہ نکتہ بیدار ہوا۔ اور جس میں نکتہ بیدار نہیں ہوا وہ رجل مقرب نہیں ہے۔ اور نہ اس کی طرف نظر ہوگی، نہ ہی وہ محبوب ہوگا۔ پھر اہل ارشاد کو علوم توحید اور حقیقت واحدہ میں اضمحلال عالم کا الہام ہوا اور الہام مسلسل ہوتا رہا۔ اور اس میں بار بار فیض پہنچتا رہا اور پھر ایک عظیم قوم پیدا ہوئی۔

پھر ہمارے زمانہ میں نظر رحمت تجلی اعظم کے اور میرے نکتوں کی طرف متوجہ ہوئی۔ چنانچہ سید مرتضی، امام مصطفیٰ، غایت القصوی اور صاحب مبدأ و منتہا اور جس کی طرف اشارہ ہے اور جس سے عبارت ہے یعنی جس کے اندر تجلی اعظم اور میں بیدار ہوتے ہیں اور جس میں یہ دونوں بیدار نہ ہوں وہ امام اور سید نہیں ہے اور جس نے نکات کی بیداری کے درمیان اس دورہ کے جمع کا اجمالا و تفصیلا حکم لگایا اور ان دونوں لطیف نکات میں ان کی خصوصیات کے ساتھ گہری نظر۔

اور میرے اوپر برسنے والی اللہ کی نعمتوں میں سے جن پر کہ مجھے کوئی گھمنڈ نہیں ہے، ایک یہ ہے کہ مجھے اس دورہ کا ناطق اور حکیم اور اس طبقہ کا قائد اور زعیم بنایا۔ میری زبان کو گویائی عطا کی اور میرے نفس میں پھونکا۔ اب اگر میں قوم کے اذکار اور اشغال سے نطق کرتا ہوں تو ان کے جوامع سے نطق کرتا ہوں اور ان کے تمام مذاہب پر آتا ہوں۔ اور اگر ان کی آپس کی اور ان کے اور ان کے رب کے درمیان کی نسبت کے بارے میں بات کرتا ہوں تو مجھے ان کے کاندھے دکھائے جاتے ہیں اور ان کے جوانب و اطراف کھول دیے جاتے ہیں اور ان کے کوہان کی بلندی پوری کر دیتا ہوں۔ اور ان کی تکمیل کے مجامع کو پکڑ لیتا ہوں۔ اور اگر لطائف انسانیہ کے اسرار کو خطاب کرتا ہوں تو اس کی گہرائیوں میں جا کر حقائق کا پتہ لگاتا ہوں

اس کی کمزوری کو دور کرتا ہوں اور ان کی قمیضوں کو پکڑتا ہوں اور ان کے کاموں کو درست کرتا ہوں۔اور اگر دراز ہو جائے تو نفوس اور ان کے مبلغ کا علم ظاہر ہو جاتا ہے۔اس طرح میں اس کو بیان کرنے والا پہلا شخص ہوں۔ان کے سامنے ایسی عجیب باتیں بیان کرتا ہوں جن کا کوئی شمار نہیں اور ایسی عجیب باتیں کہ جو اس سے چپکتی نہیں اور نہ ہی ان کے جمنے کی امید کی جاتی ہے۔اور اگر میں علم شرائع ونبوات سے بحث کرتا ہوں تو میں اس میدان کا شیر ہوں اور اس کھلیان کا محافظ ہوں۔اور ان خزانوں کا وارث اور ان کی خرید وفروخت کا ماہر ہوں۔

وکم للّٰہ من لطف خفی

یدق خفاہ عن فہم الذکی

''اللہ کی کتنی ہی باریکیاں پوشیدہ ہیں،ان کی پوشیدگی ذہین آدمی کی فہم سے زیادہ باریک ہے۔''

اور اس کے بعد ہمارے بھائی فاضل کامل،اپنے کامل آباؤ اجداد کے رازداں اور اپنے اجداد کے وارث جو میزان علم وعمل میں سبقت لے جانے والے،سب کو جوڑنے والے تھے،لغزشوں اور خطاؤں کے اسباب سے پوری طرح اجتناب کرنے والے غایت پر پہلے پہنچنے والے،صاحب نشانی شیخ محمد عاشق بن مولانا مکرم معظم،فضائل عظیمہ کسبیہ ووہبیہ سے متصف شیخ عبیداللہ متع اللّٰہ المسلمین ببقائہ بن شیخ اکمل واعظم عارف ولی اللہ الصمد مولانا شیخ محمد قدس اللہ سرہ العزیز اور وہ ہیں کہ اللہ ان سے راضی ہوا میں نے اپنے نانا،اپنی والدہ کے والد اور ان سے بہت سی اشیا وراثت میں پائی ہیں۔جب اپنے نفس میں تامل کرتا ہوں تو ان کو دیکھتا ہوں۔اللہ تعالیٰ نے متواتر کثرت سے ان پر اپنی نعمتوں کی فراوانی فرمائی جن کا کوئی حد وشمار نہیں۔نہ ہی اس بارے میں کسی کو کوئی بحث ہے،اور نہ ہی اس کا کوئی امکان ہے،کہ ان کی پہلی نوازش سے میری محبت کو چھوڑ دیں۔

اور میرے سید والد،صاحب کرامات جلیلہ ومقامات جزیلہ تھے قدس سرہ العزیز۔مجھے دکھایا گیا کہ میں اور وہ اللہ کے لئے محبت کرنے والے ہیں،چنانچہ وہ کہتے تھے اور اس کے ذریعہ مجھے خوش کرتے تھے۔قریب ہے کہ ان کی ایک شان ہو پھر مجھ سے طریق حق کی طلب کا الہام کیا اور اس طریقہ میں مجھے حکم دیا اور محبت عظیمہ عطا کی جو اپنے ظاہر وباطن میں اور قلب و

قالب میں بہت کافی تھی اوران کی زبان نے مجھ سے اخذ کرنے میں اقبال تام عطا کیا۔ تب اللہ تعالیٰ بلندیوں پر چڑھنا آسان فرماتا رہا یہاں تک کہ میں نے ان میں اپنی اور تجلی عظیم کی باریکی کو بیدار ہوتے دیکھ لیا۔ اور حتی کہ میں نے ان میں تمکن تام اور استقرار قوی دیکھ لیا اور میں ان کے احوال کی تبدیلی اوران کے اقوال کے تذبذب سے مامون ہو گیا۔ اور میں نے دیکھا کہ ان کے لئے ان کے اوران کی عین ثابتہ کے درمیان باب کھل گیا۔ تب وہ بغیر کسی تقلید کے اس کے منبع سے جو کچھ چاہتے ہیں، لے لیتے ہیں اور میں ان کے اخلاق واعمال سے راضی ہو گیا اور میں نے ان کے اطوار واوضاع کی تحسین کی۔

اور میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ملائکہ اور ارواح صالحین کی ایک جماعت عظیم میں بیٹھا ہوا ہوں کہ اچانک مجھے ایک صحیفہ ملا جس میں اسماء اللہ الحسنیٰ لکھے ہوئے ہیں، میں نے چاہا کہ اس کو اپنے برادر مذکور کے نام سے پڑھوں اور اشارہ اسی کی طرف تھا تو میں نے اس میں تین اسما پڑھے السید، الرحمٰن اور الرحیم۔ پھر مجھے ایک دوسرا صحیفہ ملا جس میں اسماء نبیؐ لکھے ہوئے تھے تو میں نے ان میں سے بھی اس کے نام پر اور اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پڑھا تو میں نے اس میں دو نام پڑھے السید اور ابو فاطمہ۔ پھر میں نے بیدار ہونے سے پہلے یہ سمجھ لیا کہ عنقریب ان کو ایک شان حاصل ہو گی اور جلد ہی ان کو اللہ تعالیٰ کے اور اس کے نبی مصطفیٰؐ کے اسماء سے خوشبو کا ایک حصہ ملے گا۔

اور سید اور ابو فاطمہ کی تخصیص کے بھید میں واللہ اعلم، میرا خیال یہ ہے کہ اللہ کی طرف دعوت ہے۔ ان کے بعد بھی کلمہ باقی رہے گا اور ان کی ذریت میں ہمیشہ رہنے والا عطیہ ہو گا۔

اور ایک دن میری زبان پر جاری ہو گیا اور مجھے اس میں شک نہیں ہے کہ وہ زبان پر بطور عادت جاری ہونے والا نہیں تھا بلکہ اس طرح جاری ہوا کہ یہ شعر اس کے مخاطب میں نہیں تھا

والی وان خاطبت الف مخاطب

فانت الذی اعنی وانت المخاطب

''اور میں اگرچہ ہزاروں مخاطبوں کو خطاب کرتا ہوں، لیکن میری اصل مراد تو ہی ہے اور تو ہی مخاطب ہے۔''

اور وہ اللہ کے فضل وکرم سے مجھ سے پُر خلوص تعلق رکھنے والے، میرے علم کو محفوظ

رکھنے والے، میرے اسرار کے محافظ اور میری کتابوں کو سمجھنے والے ہیں۔ بلکہ ان میں سے بہت سی کتابوں کی تحریر، تصنیف و تالیف کا سبب ہیں اور بہت سی کتابوں کی تبییض میں شریک رہے ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ میرے علوم لوگوں میں اسی کے واسطہ سے باقی رہیں گے۔ واللہ اعلم۔ مجھے الہام کیا گیا کہ لوگوں میں ان کی خبر عام کردوں اور ان کے بھید کو پردہ میں نہ رہنے دوں اور ان کو یوں ہی نہ چھوڑ دوں۔ چنانچہ میں نے ان کو خرقۂ صوفیا پہنا دیا جو نیابت اور حفاظت کا لباس ہے جیسا کہ مجھے سیدی والد صاحب نے نیابت اور حفاظت کا لباس پہنایا تھا۔ اور جس طرح شیخ ابوطاہر المدنی نے پہنایا تھا اور بحمد اللہ ان دونوں کے خرقے اولیا کے تمام خرقوں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور میں نے انہیں اجازت دی ہے کہ اشغال صوفیا کی تلقین کریں خواہ وہ مجھ سے سنے ہوں یا نہ سنے ہوں کہ وہ بحمد اللہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اس اجتہاد کے سلسلہ میں خصوصیت کے حامل ہیں اور ان کی فراست پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ کہ راہ سلوک کے مریدوں میں تصرف کریں۔ اور لوگوں کے تمام طبقات میں فتوح اختیار کریں، اور یہ کہ حدیث، تفسیر، فقہ اور تمام علوم دین کا درس دیں جو انہوں نے مجھ سے حاصل کئے ہیں۔ یا مشائخ الحرمین المحترمین علیہم رحمۃ رب العالمین سے اخذ کرنے میں میرے ساتھ شریک رہے ہیں۔ اور یہ کہ لوگوں کو بیعت کریں اور ان کو صوفیا کا خرقہ پہنائیں۔ اور یہ کہ جب بھی انہیں یا ان کے اصحاب کو کوئی مرض یا حاجت وغیرہ پیش آئے آیات اسما اور ادعیہ ماثورہ پڑھیں۔

اور خاص ان کے نفس کے سلسلہ میں خلوت و جلوت میں اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور ان کے ساتھ جو طالب ہیں، ان کو وصیت کرتا ہوں کہ شفقت پر کسی قسم کی طمع رکھے بغیر ان کی صحبت اختیار کریں۔ اور ان سے اور ان کی اتباع کرنے والوں سے کہتا ہوں کہ جو کچھ لوگوں کے پاس ہے، اس سے بالکل مایوس ہوجائیں باہم اعزا بن کر رہیں اور اللہ عزوجل کے سوا کسی سے سوال نہ کریں۔ اور اللہ کے فضل کے علاوہ کسی سے طمع نہ رکھیں اور علم اور طریقت میں ان کے مشائخ کے سلسلہ میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ نیکی کریں، اور ان کے تاثر کو پھیلائیں، اور ان کا صرف ذکر خیر کریں، اور ان کی نسبت سے ہمیشہ نرم رہیں، اور ان کو وصیت کرتا ہوں کہ میرے اور میرے بعد والوں کے لئے دعا کریں۔ اور یہ کہ علوم دین

کی اقامت کے سلسلہ میں مجھ سے جو خواہش کی جائے، اس میں مجھے تقویت پہنچائیں۔

اور میں ان کو جانتا ہوں کہ ان میں لطیفہ روحیہ ایک طرح سے ضعیف ہے اور اسی وجہ سے نفس سے تاریکی کا دھواں ان کی طرف بڑھتا ہے اور ان کے اندر تلخی پیدا کر دیتا ہے۔ جس سے تشویش پیدا ہوتی ہے مگر یہ ان کے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ قلق خاطر اور انقباض صدر پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی یہ ان کے اصحاب کے لئے نقصان رساں ہے کہ ان کے قلب کی جڑ میں ایک راز ہے جس سے وہ ہر حال میں نفع اندوز ہوں گے۔

اور میں جانتا ہوں کہ ہر زمانہ کی ایک شان ہوتی ہے اور اس زمانہ کی شان یہ ہے کہ لطائف بارزہ و متوسط اجمالی طور پر مہذب ہوں۔ اور حکمت، مصلحت کلیہ کی موافقت ہے اور انقیاد وقت کی شان ہے۔ اس لئے آپ کے دل میں اس کی تہذیب کے آثار کے ظہور کی کمی سے کوئی حرج پیدا نہیں ہونا چاہئے۔ اور میں نے ان کو ان تمام کتابوں کی روایت کی اجازت دی ہے جو میں نے متنوع علوم سے تصنیف کی ہیں جو انہوں نے مجھ سے پڑھے ہیں وہ اکثر ہیں۔ یا نہیں پڑھے۔ اور اس طرح میں نے ہر اس شخص کو اجازت دی ہے جو ان کی نسل سے ایک کے بعد ایک طبقہ کی شکل میں میرے علم کی نشر و اشاعت کے لئے کھڑا ہو۔ اس طرح ان میں سے ہر ایک میری طرف سے بغیر کسی واسطہ کے مجاز ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک انشاء اللہ اپنے نفس میں اللہ کی تائید اور اس کے لطف سے اس طرح اس اجازت کا اثر دیکھے گا کہ وہ ہمارے علوم سے وہ کچھ حاصل کرے گا جو دوسرے حاصل نہ کر سکیں گے۔ یہ ایک بھید ہے جو میرے دل میں ڈالا گیا، اور ایک بجلی ہے جو میرے دل میں چمکی۔ میں نے ان کو اور ان کے اصحاب اور ذریت میں سے صالح لوگوں کو اللہ کے پاس امانت رکھ دیا ہے۔ وہ اللہ کے پاس میری امانت ہیں، اور امید کرتا ہوں کہ اللہ میری امانت کی حفاظت فرمائے گا اور میرے ترکہ کی نگہداشت فرمائے گا۔ اور ان کے ذریعہ جادۂ جلیلہ سنیہ چلاتا رہے گا۔ اور ان کے ذریعہ قوی وصاف راستہ کو ثابت فرمائے گا۔ اور ان کو دین نبیؐ کی نشر و اشاعت اور آپ کی حدیث کی روایت کی توفیق عطا فرمائے گا۔ اور ان کے ذریعہ اہل قرن کے ایک کے بعد ایک طبقہ کو اپنی مدد اور عنایت سے ہدایت عطا فرمائے گا، کہ وہ قریب و مجیب ہے۔ میں نے یہ سطور یکشنبہ ۷ ربیع الاول ۱۱۵۵ھ کو قلم بند کی ہیں والحمد للہ اولا و آخرا و ظاہرا و باطنا۔

والحمدلله الذی بنعمته تتم الصالحات وعلی فضله المعول فی جمیع الحالات وصلی اللہ علی سیدنا محمد والہ و صحبہ اجمعین

''اور تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس کی نعمت سے اعمال صالحہ کمال کو پہنچتے ہیں۔ اور تمام حالات میں اسی کے فضل سے فریاد کی جا سکتی ہے۔ اور اللہ رحمتیں فرمائے، سیدنا محمد اور آپ کی آل و اصحاب تمام پر۔'' امابعد۔ یہ وہ بات ہے جو زبان پر جاری ہوئی ہے اور ہمارے برادر مذکور کے تاثر سے انگلیوں کے پوروں نے حرکت کی۔ کان اللہ تعالیٰ لہ اور ان کے لئے میرے نزدیک اس سے بھی زیادہ درجہ ہے، اور میرے دل میں ان کا مقام و مرتبہ ہے، اور ان کے حق میں بشارتیں ہیں، اور ان کے لئے جن چیزوں کے اشارات ہیں ان کو سمجھانے سے نہ سمجھا جا سکے گا، اور نہ ہی ان کا کلام پوری طرح احاطہ کر سکے گا، اور تھوڑا زیادہ کا نمونہ ہوتا ہے (چاول کے چند دانوں سے دیگ کا حال معلوم کیا جا سکتا ہے) چلو بھر پانی بحر کبیر کی حالت بتا دیتا ہے۔

وراء ذاک فلا اقول لانہ
سرلسان النطق عنہ اخرس

''اس سے آگے میں کچھ نہیں کہتا، اس لئے کہ یہ ایک راز ہے جس سے نطق کی زبان خموش ہے۔''

والحمدللہ اولا واخرا وظاھرا وباطنا المطلوب من اخینا المشار الیہ وذریتہ ان یشرکوا معھم فی الدعاء لانفسھم اخانا خواجہ محمد امین کان اللہ لہ الکاتب لھذہ الصحیفۃ والباعث علی تسویدھا زاداللہ تعالیٰ فی توفیقہ واوصلہ الی مایتمناہ۔ بل الی ماھو فوق تمناہ۔ واسبل علیہ کنفہ الذی یسبل علی اولیائہ برحمتہ انہ قریب مجیب۔

''اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اول بھی آخر بھی، ظاہر بھی باطن بھی۔ اور ہمارے جس بھائی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس سے اور اس کی ذریت سے یہ مطلوب ہے کہ وہ اپنے ساتھ اپنے لئے مانگی جانے والی دعا میں ہمارے بھائی خواجہ محمد امین کان اللہ لہ کو بھی شریک کر لیں جو اس صحیفہ کے کاتب اور اس کے مسودہ کی تیاری کا باعث ہیں۔ اللہ ان کو

مزید توفیق عطا فرمائیں اور ان کی تمناؤں کو پورا فرمائیں بلکہ ان کو بھی جو ان کی تمناؤں سے بڑھ کر ہیں اور ان کو اپنی رحمت وحفاظت کے پردوں میں ڈھانپ لیں۔ جن میں وہ اپنی رحمت سے اپنے اولیا کو ڈھانپتے ہیں۔

۴۹- تفہیم:

نفوس کاملین کے معاد کے لئے درجۂ اعلیٰ

نفوس کا معاد جسموں سے جدا ہونے اور اتنی مدت گذرنے کے بعد کہ اس میں اس کے مالوفات ومانوسات کا غبار تہ نشین ہو جائے، اس عالم کی طرف ہوتا ہے جو اس کے نقاط میں سے نقطۂ عالیہ کا دائرہ ہے۔ چنانچہ نفوس کمال کا اعلیٰ معاد دو چیزیں ہوتی ہیں یا تو یہ کہ نقاط نفس کے درمیان سے تجلی اعظم کا نقطہ ان پر غالب ہوتا ہے اور وہ اپنے دائرہ میں جو کہ تجلی اعظم ہے، جدائی کے دو مرحلوں میں پیش آتا ہے۔ یا یہ کہ نفس کلیہ کو اپنے اوپر طاری کرتا ہے اور پہلے علوم مصلحت کلیہ اور تدبیرات جمالیہ کو اس کے اوپر مفتوح کرتا ہے۔ دوسرے علم انانیۃ کبریٰ اس نفس جزئیہ کے درمیان سے فوارہ کی طرح جوش مارتا ہے۔ اور تیسرے مفارقت کے بعد رجوع کر کے یہ نقطہ اور وہ سب کچھ جو نفس کلیہ میں نقش ہے، اپنے دائرہ میں اس نفس جزئیہ میں نقش ہو جاتا ہے۔ اور وہ نسخہ اجمالیہ نفس کلیہ ہوتا ہے، اور چند مصالح جو اس مقام سے وابستہ ہوتے ہیں، مکمل ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد شان الٰہی اپنا کام کرتی ہے اور یہ نفس معدوم ہو جاتا ہے۔

اس معاد سے نیچے دو جنس واقع ہیں اور اس کی ہر جنس کے دو نشیب اور ایک بلندی ہوتے ہیں۔ اور نشیب وبلندی کے ہر مرتبہ کی ایک سعادت ہوتی ہے۔ اور ان نفوس اول کی جنس کی ایک شقاوت ہوتی ہے۔ کواکب کے قویٰ کی طرف ان کا میل طبعی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اور اس جنس کی بلندی وہ ہے جو ان کو اکب کی حقیقت سے لوٹتی ہے۔ اور ان کواکب کے معانی کی وسعت میں ان نفوس کی ایک صورت ہیولی ہوتی ہے اور استعداد کے لحاظ سے یا ان کو کم کرنے کے لحاظ سے اس مقام سے ایک خوشی حاصل کرتے ہیں جو اس کے لئے بعض ہیئات حسیہ کی جہت سے مستعد ہوتے ہیں جو کہ اس کی صحبت اختیار کرتے ہیں، ایک حد تک

رنجیدہ ہوتے ہیں۔ اس وقت رحمت رب العالمین آگے آتی ہے اور و کشفنا مابہ من ضر (اس کو جو ضرر پہنچنے والا ہوتا ہے، ہم اس کو دور کر دیتے ہیں) کے معنی جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ اور اس جنس کا نشیب یہ ہے کہ ان کواکب کے منسوبات بعض سے میل کھاتے ہیں۔ اور اس علاقہ کی قدرتی نباتی وحیوانی اشیا واقع ہوتی ہیں اور ان نفوس کی جنس کا مقتضی اس وقت تدبیر کلی ہو جاتا ہے۔

اس بحث کو شارع نے بیان نہیں کیا ہے، ان کے بیان نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ ملاء اعلی کے شیوع اور ان کے انوار کے ظہور کے بعد قوائے کواکب کی جو کسوٹی ہونی چاہیے نہیں ہوتی۔ اور شریعت اس عالم کا حکم اور اس کی شان زیادہ تر بیان کر دیتی ہے جیسا کہ بہت سے مقامات پر ہم اشارہ کر چکے ہیں۔

اور ان نفوس کی جنس ثانی وہ ملائکہ ہیں کہ قوائے ملاء اعلی اور عالم مثال ان پر غالب ہوتے ہیں۔ اور ان کے معاد کی جو بلندی ملاء اعلی سے ان کے عکس اور ضو کے حجاب سے ان نفوس میں لاحق ہوتی ہے، وہ ان کے معاد کی پستی اور تغیر کے بغیر بعض عالم جزئیہ سے لاحق ہوتی ہے کہ ان معانی میں ملاء اعلی ان نفوس کی استعداد کے مطابق عالم مثال کے قوی سے مخلوط ہو جاتے ہیں۔ ہر نفس کے لئے ایک الگ رنگ متعین ہوتا ہے کہ وہ رنگ دوبارہ نہیں ہوتا۔ ہر نفس کا الگ رنگ ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا نفس اس میں اس کا شریک نہیں ہوتا۔ وما یعلم جنود ربک الا ھو "تیرے رب کے لشکروں کو خود اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔"

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ عالم حیات میں ہر نفس کو اپنے معاد کی طرف کشش اور میلان ہوتا ہے۔ اور اس مقام کے علوم سے ایک حصہ حاصل ہوتا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ اس نفس کی استعداد اتنی ہوتی ہے کہ یہ اس معاد کا مقتضا ہو جاتا ہے۔ یہ سب اقوال ہو جاتے ہیں اور وہ سب افعال۔ یہ سب اجمال ہو جاتا ہے اور وہ سب اجمال کے علم کی تفصیل۔ اور تفصیل کا معاد اور اطمینان ہر سالک کو اس حالت میں حاصل ہوتا ہے کہ خود معاد کے نقطہ سے علم اور حال کے اعتبار پر پہنچ جاتا ہے یہ علم کبیر ہے۔ اس کو معلوم کر لو، میلان اور اطمینان میں بنی آدم کے اختلاف کے راز سمجھ لو۔ اور معاد کے بیان میں ہر زمانہ میں حق کے ترجمانوں کے اختلاف راز کا ادراک کر لو۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم

۵۰-تفہیم:

عارف کے احوال کے اختلاف کی وجوہ

عارف کی نسبتوں کا اختلاف، معاملہ کے زمانوں کے اختلاف کے لحاظ سے مقرر ہوتا ہے۔ خواجہ نقشبندان کے اختلاف کو اجمال وتفصیل وغیرہ کے اعتبار سے قبض اور بسط سے تعبیر کرتے ہیں۔ بعض اوقات اچانک جمعیت اتنی نیچے اتر جاتی ہے کہ باوجود یکہ دل کو امور سفلی میں مشغول کر دیتی ہے وہ جمعیت نہیں گذرتی۔ اور بعض اوقات اس قدر زیادہ ہمت سے کام لیتی ہے کہ اس کا عشر عشیر بھی ہاتھ نہیں آتا۔

اب اس بارے میں کہنا چاہیے کہ اس اختلاف کا سبب کیا ہے؟ بہت سی دفعہ کے وجدان کے طریقہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس اختلاف کا سبب اعظم، احوال فلکیات کا اختلاف ہے۔ چنانچہ شمس کے ساتھ قمر کی تثلیث اور تسدیس کے وقت اور اسی طرح زہرہ یا مشتری کے ساتھ اس کے قران تثلیث اور تسدیس کے وقت، اور اسی طرح ثریا یا سعد ذابح یا رنگین کیفیت سے گذرنے کے وقت اور اسی طرح ہیئت محمودہ ومسعودہ سے فضا بھر جاتی ہے۔ اور کیفیت محمودہ اور نفس عارف اس کیفیت سے ٹکراتی ہے۔ چنانچہ اس کی نسبت اس کے لحاظ سے متغیر ہو جاتی ہے اور اسی پر اس وحشت اور انقباض کو قیاس کرنا چاہیے جو فلکیات میں نحس ومتوحش ہیئتوں کی جہت سے پیدا ہوتی ہے۔ اور کبھی یہ اختلاف یومیہ فلکیہ کی ہیئتوں کے ساتھ اس کے طالع کے دائرہ کی نسبت کے اختلاف کے لحاظ سے ہوتا ہے اور اس کی تحقیق انتہائی مشکل ہے۔

بالجملہ اس قدر جاننا چاہیے کہ اہل ارض پر روحانی ملکی ہیئتوں کے افاضہ کے اختلاف میں اور عارف کے احوال کے اختلاف میں فلک کے احوال کے اختلاف کو بہت قوی دخل ہے۔

شب قدر وہ رات ہے کہ اس میں ہیئات فلکیہ ہیئات روحانیہ ملکیہ کے عام ہونے کی مقتضی ہوتی ہیں جب کہ وہ مسلمانوں کے صیام وقیام کی برکات سے بہرہ ور ہوتی ہیں کہ اس کا حکم روز عرفہ اور استسقا کے حکم کے مانند قیاس کرنا چاہیے۔ چنانچہ جب برکات ارض اور برکات سما دونوں جمع ہو جاتی ہیں، اس وقت جو طاعت وعبادت متحقق ہوتی ہے، اس کا ثواب دو چند ہو جاتا ہے اور جو دعا اس وقت مانگی جاتی ہے قبول ہوتی ہے۔ والحمد للہ اولا وآخرا وظاهرا وباطنا.

۵۱-تفہیم:

مخلوقات میں کواکب کی تاثیر

اس فقیر کو آگاہی دی گئی کہ چشمِ زخم اور ہوس رانی میں تاثیر کا سبب اور ہمت وہی ہے جس کو ہم نے بسط خالص میں عالم عناصر کے عنوان سے ظاہر کیا ہے اور جو کچھ عناصر میں مقرر ہے سب کچھ کواکب کے ساتھ مسخر ہے۔ چنانچہ جس وقت نفس کلیہ نفس جزئیہ ہوجاتا ہے ہر قوت جو صورت عالم میں اختیار و اقتدار رکھتی ہے۔ اس نفس جزئیہ کی صورت میں بھی وہی قوت سلطان ہوتی ہے اور اس کی سعادت و شقاوت اسی قوت کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اور چونکہ ہر عالم کی تخلیق کی بنیاد مصلحت کلیہ اور تدبیر پر ہوتی ہے، تمام افراد اس قوت سے متاثر ہوتے ہیں، اس لئے نفوس جزئیہ میں درج ہیئتیں عالم حس کے تغیرات میں بہت سے امور کے صدور کا منشا و مرکز ہوجاتی ہیں۔ یہ اس کی مراد کے حصول میں تمام نفوس کا متاثر ہونا ہے اور یہ تغیر مندرجہ نقطہ کے سبب سے ہوتا ہے۔ اور یہ نفس، نفس کلیہ میں شمس کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ اور اس سے تمام نفوس اس کی بے کیف محبت میں متاثر ہوتے ہیں اور وہ زہرہ کے عجائبات کا ایک شعبہ ہے۔ اور ان سب میں ہمت کا بندھنا، نظر بد لگنا اور ہوس رانی دکھانا ہے۔ اور اس سے مراد قوت ہے جو مریخ کے مقام پر نفس جزئیہ میں عالم خارج میں ہوتی ہے۔ اور نحوست و سعادت کا سبب اس کے قوی کا ان قوی نفس کے ساتھ سوئے ترتیب ہے جن سے اس کا معاملہ ہوتا ہے۔ وہ ایک ایسا نفس ہے کہ اس میں مریخ بیت اول میں واقع ہوتا ہے۔ زہرہ کو دیکھنے والا جاری بیت میں نظر مودت سے دیکھتا ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ اس کے نفس میں مریخیت پائی جائے کہ اپنے راستوں سے اس عشق جاری کو پیدا کرے۔ اور اس سے تدبیر کا جو مقتضی ہوتا ہے اس کو عالم جاریہ میں پیدا کرتا ہے جو کہ قوت زہرہ میں پیدا ہوچکا ہوتا ہے اور اس کے نفس کی ہیئت میں تعلق خاطر اور گرمی محبت سے مریخ کا رفیق ہونا درج ہوتا ہے۔ اور اس پر ان تمام معاملات کو قیاس کرنا چاہیے جو نفوس کے درمیان گزرتے ہیں اور ان کی ایک دوسرے سے تاثیر و تاثر ہوتے ہیں اور یہ ایک بہت بڑی معرفت ہے۔ فتدبر۔

۵۲-تفہیم:

اہل اللہ کے نفوس سے مدد طلب کرنا

حوادث آفاقی سے امور انفسی میں اہل اللہ کے نفوس سے مدد طلب کرنا دو طرح سے ہوتا ہے۔ایک ان لوگوں کی جماعت ہے جو تجلی اعظم سے عجیب آمیزش پیدا کئے ہوئے ہیں اور عجیب طرح سے غوطہ لگا کر اور اضمحلال نادر حاصل کر کے حضرت تجلی اعظم نے اس معنی میں جو اس کے شایان شان ہے، معاملہ کیا۔اور اپنی ایک شعاع سے یا اپنی اعراض سے تصور کیا اور علم تجلی اعظم اپنی انانیت کے ساتھ اس کی تجلی اعظم میں اس طرح شامل ہو گیا گویا خود اس کا عین ہے۔اس نے بھی اس معاملۂ کریمانہ کو شکر کے ساتھ ادا کیا اور خود کو درمیان سے الگ کر لیا کہ جس جگہ تو ہوگا کسی شخص کو وہاں رہنے کی کیا مجال؟ یہ نفی واثبات کی عجیب ہیئت پیدا ہوئی اور معیار نوری ہو گیا۔گویا پیانہ کو آفتاب کی شعاعوں سے پر کر دیا۔ایک شخص اس پیانہ سے نور کو لٹکاتا ہے بلکہ ملاتا ہے اور خود کو اس کے در پر ڈال دیتا ہے کہ میں اس در کا غلام ہوں، میرے لئے اس در کے علاوہ کوئی جگہ نہیں ہے۔اس طرح یہ نیاز مندی جود و کرم کے اس باب کو جو حضرت تجلی اعظم کے لوازم سے ہے، ہر قالب میں داخل ہو کر، جیسا کہ شیخ اکبر نے کہا ہے کہ رب، رب ہے چاہے نیچے اتر آئے، قرعہ ڈالتی ہے، اور اس قرعہ کے مطابق تجلی اعظم کا قبول نزول فرماتا ہے اور وہ اثر جو جامع حکم مادہ وصورت ہے، متحقق ہوتا ہے، اس جگہ کہاں ہمت اور کہاں تعریف۔یہ شخص اپنے آپ میں گرویدہ ہے اور نئے نئے دواعی اپنے آپ نیچے گرتے ہیں۔اور ایک جماعت صفائی کی بعض توجہات کے اعتبار سے اور ایک جمعیۃ قوائے سفلیہ کی شورش پیدا کرتی ہے۔اس صفا کے ساتھ ملا دیتی ہے اور نفسانی معرکوں میں ضرب وحرب برپا ہو کر، ہمت ودعوت کے رنگ میں دوسرا لباس پہن لیتا ہے، اور ان دونوں امور میں بڑا فرق ہے۔

کارہا کاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باید درنوشتن شیر شیر

"بزرگوں کے کاموں کو اپنے اوپر قیاس مت کرو، اگرچہ لکھنے میں شیر (درندہ) اور شیر (دودھ) ایک ہی جیسے ہوتے ہیں۔"

۵۳-تفہیم:

قدیم سے حادث کا صدور اور اس کی کیفیت

مصلحت کلیہ کس طرح رہتی ہے۔ استاد دانا، قالین کے تانے بانے کو اس طرح رکھتا ہے کہ آخر امر میں متناسب پھول اور ایک ہی جیسے دائرے اور برابر برابر ٹکڑے بن جاتے ہیں۔ اس لئے تانے بانے کو اس طرح آراستہ کرنا ثبوت پیش کرنے میں تمام امور مطلوبہ کی تحقیق ہے، اور یہی عقل عالم کا وجود ہے۔ اور ان امور کا ایک خاص صورت میں ارادہ کرنا اور اس کے عزم کا اظہار کرنا عنایت ہے۔ اور اس عنایت کا باعتبار مطمح نظر ہونا مصلحت کلیہ کے امور کے اجزاء میں ہے۔ چنانچہ اگر اس مصلحت کلیہ کے ساتھ اجمالا وتفصیلا احاطہ نہ کیا جائے تو اس استاد دانا کے افعال کے تناسب کو نہیں پہچانا جا سکتا۔ اگر مورچہ (ایک چھوٹی چیونٹی) صرف ایک دائرہ کے اوپر سے گزرتی ہے تو وہ اس دائرہ کی تحقیق کی حکمت اور اس کے حسن کی وجہ کو نہیں سمجھ سکتی۔ اسی طرح زندانیان انانیات جزئیہ خاصہ، مصلحت کلیہ کی معرفت سے عاجز ہوتے ہیں۔

پشہ کے داند کہ بستان از کے است
در بہاراں زاد و مرگش ازوے است

"مچھر کیا جانے کہ باغ کب سے ہے، وہ تو اس بہار میں پیدا ہوا اور اسی میں مر گیا۔"

جی ہاں کلیہ اطلاقیہ کے قوی کی ایک جماعت کو انانیت صغری کے درمیان سے جوش پیدا ہوا ہے۔ اور اس جوش کے اعتبار سے معانی اجمالیہ نے ان کی عقلوں میں ایک صورت اختیار کی ہے۔ واقفان اسرار جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ تعبیر کا محتاج ایک خواب ہے کہ شکلوں کے لباس کے معنی پوشیدہ ہیں اور یہ علم اجمالی ہے جس نے تفصیل کو اپنے اندر پوشیدہ کر لیا ہے۔ وہ علم اجمالی صرف حق ہے۔ اور وہ تفصیل حق کی نگہبان اور محافظ۔ اگر کبھی عقلوں کی تنگی کی جہت سے ان ترجمانیوں میں سے کچھ کلام دوسرے کلام سے اختلاف رکھتا ہے تو وہ اختلاف، کلام کے اس اختلاف کی مانند ہوتا ہے۔ جیسے زید کی محبت کو بیان کریں تو ایک کہتا ہے **محبته في قلبي اعظم من الجبل** "میرے دل میں اس کی محبت پہاڑ سے بھی بڑی ہے۔" اور دوسرا

کہتا ہے محبته فی قلبی بلغت عنان السماء ''میرے دل میں اس کی محبت آسمان کے حدود سے بالاتر ہے۔'' اس صورت میں یہی کہا جائے گا کہ ان کی تمام تر مراد قوت محبت کی تصویر کشی ہے، نہ کہ اس خاص صورت کی تحقیق۔ اور اگر ان کے کلام میں تناقض واقع ہو جائے تو اس تناقض سے چشم پوشی کرنی چاہئے۔ جیسے کوئی شخص کہتا ہے کہ مجہول مطلق موجود نہیں ہے نہ ذہن میں اور نہ ہی خارج میں۔ ایسی صورت میں اس کی بات پر یہ اعتراض وارد ہوگا کہ موضوع کی موجودگی حکم کے لئے شرط ہے۔ اگر وہ مجہول مطلق تیرے ذہن میں حاضر ہوتا ہے تو وہ مجہول مطلق نہیں ہے۔ اور حاضر نہیں ہے تو یہ حکم صحیح نہیں ہے۔ قدیم سے حادث کے صدور کا مطلب یہی ہے۔ اور عالم کے حدوث اور قدم کا قول بھی اسی باب سے ہے۔ واقفان اسرار ان اختلافات میں زیادہ نہیں پڑتے۔ فلا تمار فیهم الا مرآء ظاهرا ولا تستفت فیهم منهم احدا ''پس ان کے بارے میں لوگوں سے بحث نہ کرو، اور نہ ان کے متعلق کسی سے کچھ پوچھو۔'' (الکہف ۲۲)

۵۴۔ تفہیم:

سالک کے انبیاء اولیاء علیہم السلام کے مراتب تک پہنچنے کے معنی

ایک شخص نے میرے سامنے کہا کہ بعض مشائخ متاخرین اپنے مریدوں کے حق میں بشارت دیتے ہیں کہ وہ جنید کے مرتبہ کو پہنچ گیا ہے، یا فلاں پیغمبر کی ولایت کو پہنچ گیا ہے اور یہ صرف تصنع ہے۔ میں نے کہا اس بات کو میں تمہیں ایک مثال کے ذریعہ سمجھاتا ہوں۔ سیبویہ نے ایک مدت دراز تک محنت کی اور علم نحو کو ترتیب دیا۔ اہل عرب کے اشعار اور ان کے استعمال میں جستجو کی اور قواعد کلیہ کی تخریج میں جن پر جزئیات منطبق ہوتی ہیں، اس سلسلہ میں اس نے یہ اتنا بڑا کام کیا کہ اس سے زیادہ بشر کے مقدور میں نہیں ہے۔ عزیزوں نے ان قواعد کا اختصار کیا اور کوزہ میں دریا کی طرح مختصر رسالہ میں تہذیب کے ساتھ اچھے طریقہ سے بیان کر دیا۔ اب وہ اس رسالہ سے دس سالہ بچہ کو تعلیم دیتے ہیں، وہ اس کو ازبر کر لیتا ہے اور اس کے قواعد کو سمجھ لیتا ہے جب یہ نوبت آ گئی کہ مزید ترقی کرے تو اس کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ یہ سیبویہ کا مقام تھا۔ اب تو نے سیبویہ کا مقام حاصل کر لیا۔

اس کے بعد ہم اس کو امام اعظم کے فقہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اور ان کے اصحاب نے برسوں تک جدوجہد کی اور ادلہ تفصیلیہ سے مسائل نکالے اور ان کی تخریج و تفریع میں سعی بلیغ کی اور تمام مسلمانوں کے سامنے ان کو انتہا کو پہنچا دیا۔ اور عزیزوں نے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا اور مختصر الفاظ میں اچھے انداز سے ان کو بیان کر دیا تو ہم اس بچہ کو فقہ کے رسائل میں سے ایک رسالہ پڑھاتے ہیں، وہ اس کو ازبر کر لیتا ہے اور اس کے قواعد کو سمجھ لیتا ہے۔ اب ہم اس سے کہتے ہیں یہ ابوحنیفہ کا مقام ہے۔ اب تو اس سے آگے بڑھ گیا ہے۔

اس کے بعد ہم اس کو علم حدیث کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ امام احمد اور اصحاب کتب ستہ نے اس سلسلہ میں زبردست جدوجہد کی تھی، اور مسلمانوں کے شہروں میں گھومے پھرے تھے، اور قطرہ قطرہ جمع کر کے آرا کے تدارک اور افکار کو باہم ملا کر دریا بنا دیا۔ اور عزیزوں نے اس کا حاصل رسائل میں قلم بند کر دیا اور اسانید کو اشاروں میں بیان کر دیا۔ اب وہ بچہ ان رسالوں میں سے ایک رسالہ یاد کر لیتا ہے اور اس کے بعد اس اسلوب میں ایک علم کو دوسرے علم میں منتقل کرتا ہے۔

اس صورت میں اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ ایک وقت میں سیبویہ کے مقام پر تھا اس کے بعد ترقی کر کے ابوحنیفہ کے مقام پر پہنچ گیا، اس کے بعد ترقی کر کے امام احمد اور بخاری کے درجہ پر پہنچ گیا تو کہا جائے گا کہ اس نے درست کہا۔ اور اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ یہ بچہ سیبویہ، ابوحنیفہ اور بخاری کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا اس کو کیا مقدور ہے کہ ان بزرگوں کے ساتھ برابری کا تصور کرے؟ تو اس کو بھی درست کہا جائے گا۔

۵۵-تفہیم:

اس عالم میں سعادت عظمیٰ

اس دنیا میں اس سے بہتر کوئی سعادت نہیں ہو سکتی کہ عارف تجلی اعظم کے نکتہ کا حصہ ہو جائے اور عرض کے جوہر کے ساتھ پیوست ہونے کی طرح اور تمام قوائے نفس روح، عقل اور قلب پر یہ کیفیت غالب آ جائے پھر عالم ابدی و دائمی کا کوئی رنگ۔ یا میں کہتا ہوں ایک تھوڑا سا خیال زمانہ کے کنارہ کے راستوں سے، یا تجلی اعظم کے نکتہ کی راہ سے بساط کے دائرہ

سے خواب فراموشی اس نفس میں پڑ جاتی ہے۔اور ایک کیفیت حادث ہوتی ہے کہ کہنے میں بھی بالکل درست نہیں ہوتی۔ آج اتنے ہی پر صلح کر لینی چاہیئے۔کل انشاء اللہ تعالیٰ یہ رنگ حقیقت بن جائے گا۔اور تھوڑا سا خیال عین متحقق ہو جاتا ہے اور یہ خواب فراموشی خود اس کا مصداق ہو جاتا ہے۔

حجاب چہرہ جاں می شود غبار تنم
خوش آں زماں کہ ازیں چہرہ پردہ بر فکنم

"چہرہ کا حجاب میرے تن کا غبار ہو جاتا ہے، وہ وقت بہت اچھا ہوتا ہے جب میں اس چہرہ سے پردہ اٹھا دیتا ہوں۔"

۵۶-تفہیم:

حلول سرمدی کے بعد کیا ہوتا ہے؟

جوہر کے ساتھ عرض کے پیوست ہونے کے درجہ میں سرمد کے پیوند ہونے کے بعد کہ اس کا وجود فی نفسہ اپنے آپ میں غیر وجود لحلہ نہیں ہے، کیا ہوگا؟ سوائے اس کے کہ وہ اپنے محل میں موجود ہے، نہیں ہے، یہ ایک بہت دقیق مسئلہ ہے، آج اسی تھوڑے سے خیال کا ماجرا بیان کرتے ہیں۔اس تھوڑے سے خیال پر صلح کر لینی چاہیئے، ایک حد تک اس فنا و بقا کو چاہتے ہیں، اس کے بعد دوسرا دورہ شروع کر کے اس میں تجلی اعظم سے پیدا ہونے والے ارادہ کلیہ کی تشخیص کے سبب کا دورہ ہوتا ہے اور خندہ پیشانی سے ملنے اور جنبش کرنے اور اس کی رضا و غضبنا کی کا منبع نکل آتا ہے اور بہت سے احکام جو کہ تجدد کا رنگ رکھتے ہیں، بر آمد ہوتے ہیں اور اس کے بعد پھر دورہ لوٹ آتا ہے۔اور یہ سارے انوار حقیقۃ الحقائق میں عود کرتے ہیں۔ اور سر اور روح کا رشتہ کہ اس کا پابند ہوتا ہے، ٹوٹ جاتا ہے۔تب خوشی، سرور اور انانیت میں دیوانے ہو جاتے ہیں کہ اس کی عاریت سے متمتع ہو چکے ہوتے ہیں۔بحکم ان اللہ یا مرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا "اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کو ادا کردو" (النساء ۵۸) اس کے مالک کی طرف رخ کرتے ہیں اور ہم حرکات تجبیہ دوریہ کے مثل ہوتے ہیں اور کشاکش تعلق خود سے توڑ دیتے ہیں۔ذالک تقدیر العزیز العلیم۔

۵۷-تفہیم:

ایک نکتہ سے دوسرے کی طرف نقل کے طریقے

اگر ہم چاہیں کہ کسی شخص کے قلب کے نکتہ کو جنبش دیدیں اوراس کو بیدار کردیں، اس کو حرکت دینے اور بیدار کرنے کا طریقہ عشق پاکیزہ ہے کہ اس جگہ اقبال سروری میں وحشیانہ نحوست کا دور پیدا ہوجاتا ہے۔اور معشوق کی بعض ادائیں اوراس کی ہیئتیں قلب سے متعلق ہوجاتی ہیں نہ کہ جماع کی شہوت، بوس وکنار اور نغمات کا سماع۔اور واعظ کے قول وغیرہ کے سننے اور جہری ذکر سے وجد طاری کرنا۔

اور اگر چاہیں کہ قلب کے نکتہ سے روح میں منتقل کریں تو اس کا طریقہ اولا وضو اور غسل کی کثرت اوران چیزوں کے استعمال سے جو ہم نے ہمعات میں لکھی ہیں۔طہارت و مناجات کی نسبت نسبت اویسیہ کے ساتھ مقرر کرنا ہے۔اور دوسرے حضور دل کے ساتھ لمبے لمبے سجدوں اور خود کو اللہ کی بارگاہ میں ڈال دینے اور چہرہ کو خاک آلود کرنا۔اور تیسرے آنحضرتﷺ کی جناب میں درود خوانی، دلائل الخیرات اور قصائد مدحیہ کے ورد کی کثرت، دل کی حضوری، طہارت، تعظیم اور خلوت کے ساتھ۔

اور اگر ہم عقل کے نکتہ کو حرکت دینا اوراس کو بیدار کرنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ مراقبات، فکر وتدبر مقرر کرنا اور پوری قوت کے ساتھ اس طرف متوجہ ہونا ہے۔شیخ محی الدین بن عربی نے فرمایا ہے کہ اس عمل میں میری استاد بلی ہے، جب وہ چوہے کے سوراخ کی طرف متوجہ ہوتی ہے میں نے اس جگہ سے سبق لیا ہے۔

اور اگر ہر عقل کے نکتہ کو اسرار کی طرف نقل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ اللہ کے ماسوا تمام سے قولاً وعملاً اعراض کے ساتھ اسرار کو لطیف بناتے ہوئے مراقبہ کی کثرت ہے۔یہ عمل بہت مشکل ہے اگر ممکن نہ ہو تو کسی ایسے شخص کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہے جو اسرار کی توجہ کا ملکہ رکھتا ہو۔یہاں تک کہ یہ شعلہ اس کے اندر بھڑک اٹھے جیسے دوسرے کے چراغ کی بتی میں شعلہ بھڑک جاتا ہے۔

اور خفیہ نکتہ کو بیدار کرنے کا طریقہ لاموجود الا اللہ ماسوائے اللہ کے انتہائی اعراض کے

ساتھ ملاحظہ اور اس معنی کی پوری ہمت ہے۔ اور اگر یہ صورت میسر نہ ہو تو اس کا پیدا کرنا ایسے عزیز کے ساتھ صحبت میں رہنا ہے جو اس کا ملکہ رکھتا ہو، تاکہ اس کا رنگ اختیار کرے کہ دوسرے کے چراغ سے اپنا چراغ روشن کر کے طالب اپنے نفس میں غور و خوض کرے۔

اور تمام لطائف کا انتقال کسبی اعمال اور توجہات سے وابستہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسے امر کا ظہور ہے کہ اصل میں اس کا تعین کر دیں۔ ان مسائل کو ہر چند کہ چند الفاظ میں بیان کر دیا جائے۔ یہ عظیم الفوائد، جلیل العوائد سمندر ہے۔ شاید کہ راہ صواب کا الہام کرنے والے حضرت حق جل مجدہ پھر کبھی اس کی شرح کی توفیق عطا فرمائیں۔ انه علی کل شیء قدیر

۵۸-تفہیم:

وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت کی تجلی کی حقیقت

میں کہتا ہوں کہ حقیقت وجوبیہ کو جو کہ عکس اور ضیاء الٰہیہ کا منبع ہوتی ہے، اس سے ضیا اور عکس کیا نسبت رکھتے ہیں؟ گویا چودھویں رات میں بدر کامل آسمان کے جگر میں موجود ہے اور اس کی شعاعیں سمندر کی سطح پر یکساں طور پر بکھری ہوئی ہیں۔ اچانک ایک تیز ہوا چلتی ہے اور سمندر کی سطح کو درہم برہم کر دیتی ہے اور مختلف مقداروں کی ہزاروں سطحیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور وہ شعاع ہر سطح میں بند ہو جاتی ہے۔ اور ہزاروں چاند نظر آنے لگتے ہیں اور ہر سطح میں چاند کی نمائش جداگانہ طور پر ہوتی ہے۔ پھر ایک مدت کے بعد وہ ہوا ساکن ہوتی ہے اور وہ سطحیں بھی غائب ہو جاتی ہیں اور ایک سطح پیدا ہو جاتی ہے اور وہ شعاع جیسے پہلے یکساں تھی، اسی طرح یکساں ہو جاتی ہے اور وہاں کوئی چاند ظاہر نہیں ہوتا۔ ہاں اصل شعاع چاند کے دوام کے ساتھ دائم و موجود ہوتی ہے۔ اور ان مختلف چاندوں کی حقیقت میں وہی شعاع تھی اور وہ تعدد خیالی تھا، آئے اور جلد ہی چلے گئے۔

اسی طرح تجلی اعظم کا سورج، نفس کلیہ کے جگر میں درخشاں ہے۔ اس کی ایک شعاع ہے جو نفس کلیہ کے تمام اطراف میں بکھری ہوئی ہے۔ ناگاہ باد تکوین کو جنبش ہوتی ہے اور نفس کلیہ کی سطح وحدانی کو درہم برہم کر دیتی ہے، اور بے شمار سطحیں پیدا ہو جاتی ہیں، اور ہر سطح میں اس کے حوصلے کے بقدر شمس ظاہر ہوتا ہے، اور بہت سارے سورج سامنے آ جاتے ہیں۔ ایک

مدت کے بعد وہ ہوا ساکن ہوتی ہے اور وہ ساری سطحیں غائب ہو جاتی ہیں اور وہ سطح وحدانی ظاہر ہو جاتی ہے اور ان کئی سورجوں نے جو اصل میں سورج کی شعاعیں تھیں نفس کلیہ کے تمام اطراف میں بکھرے ہوئے شمس کے دوام کے ساتھ دائم ہو کر ایک میں رجوع کر لیا اور ایک خلعت اور ایک لباس ہوا میں نظر آیا۔ **وتلک الامثال نضربها للناس وما یعقلها الا العالمون** "اور یہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لئے پیش کرتے ہیں اور ان کو صرف عالم لوگ ہی سمجھتے ہیں۔"

میں کہتا ہوں کہ وحدانیت کی حقیقت جس میں تمام موجودات و مفہومات مقرر ہیں اور جس کو ہم اپنی زبان میں نفس کلیہ کہتے ہیں، اپنے ظہور کے اطوار و اوضاع کے ساتھ اور اپنے تعین کے تنوعات و اقسام کے ساتھ جو کہ وجودات خاصہ ہیں، کیا نسبت رکھتے ہیں؟

واحد، محاسبی کے ذہن میں تجلی پھیلاتا ہے اور اس جگہ اس کے ذہن کی سطح میں نشیب و فراز کے جانے کے سبب سے جو کہ محاسبان کے لئے لازم ہے مختلف قسم کے التفات پیدا ہوتے ہیں۔ اور ہر التفات میں جداگانہ نام رکھا جاتا ہے۔ جب دوبار التفات کرتا ہے اس تثنیہ سے نظر ملتفت ہوتی ہے تو اس کو اثنین کہتے ہیں۔ اور جب تین بار التفات کرتا ہے تو اس تثلیث سے نظر آگاہ ہوتی ہے تب ثلثہ کہتے ہیں۔ اسی طرح جتنا زیادہ احصاء کیا جا سکتا ہے نشیب و فراز پھیلتا ہے اور دائیں بائیں دوڑتا ہے اور ہر پھیلنے اور دوڑنے میں اپنے آپ میں ایک نازش اور اپنے آپ پر ایک نظر رکھتا ہے اور ہر مرتبہ میں ایک عدد متحقق ہوتا ہے۔ لسان حال ہنستی ہے کہ اوہام کا ایک زبردست لشکر تیار کرنا اور ہدایت کے ہاتھ میں تلوار دینا اور جنگ کا حکم دینا اور کسی ایک کی فتح پر خوش ہونا اور دوسرے کی ہزیمت پر آزردہ ہونا کیا بے معنی سی بات ہے۔ اچانک ایک پتھر اوپر سے محاسب کے سر پر گرتا ہے اور اس کو درد و تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے اور وہ لشکر اوہام بھی بکھر جاتا ہے اور غائب ہو جاتا ہے۔ واحد اپنی وحدانیت سے رجوع کرتا ہے اور خلعت اور لباس ہوا میں نظر آتا ہے۔

سمجھو کہ دریاب جس کے بارے میں اہل معقولات کہتے ہیں کہ عشرہ، دس وحدتیں ہیں نہ کہ پانچ یا چار اور چھ کا مجموعہ۔ اور ہم کہتے ہیں کہ یہاں عدد کثیر مراد ہے جس کو چشم پوشی کے ساتھ ایک نام دیتے ہیں اور ہر عدد کی حقیقت محاسب کے التفات کی طرح ہے۔ اس طرح دس علیحدہ

سے دوسری وحدت عددی ہے اور چار اور چھ دوسرا عدد ہے وعلی ہذا القیاس۔ جس کی طرف بھی علیحدہ سے التفات کرتے ہیں وہ ایک علیحدہ عدد ہوتا ہے۔ البتہ کبھی اختصار سے کام لیتے ہیں اور چشم پوشی کرتے ہوئے لفظ دس سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لئے تعبیر میں یہ کھلا اور صاف معاملہ ہے۔

اب ہم پھر اصل مسئلہ کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ اسی طرح نفس کلیہ اپنے بعض کمالات کے لحاظ سے ہیئتیں ہیں جو ظاہر ہوتی ہیں۔ اور اس جگہ بعض اعتبارات سے تعدد و تکثر پیدا ہوتا ہے اور بعض سابق اوضاع، لاحق اوضاع کی استعداد کا تعین کرتی ہیں یہاں تک کہ ایک کثرت پیدا ہو جاتی ہے اس مقام پر خلعت ولباس کلیہ کا تصور نہیں کیا جاتا۔ ہاں بعض صورتوں پر آخری وضع کی بقا ہوتی ہے کہ اصل ترکیب دوسری صورتوں کی ہو سکتی ہے۔ اور اس آمد و رفت میں بعض تصرف جاری نہیں ہوتے۔

بس کنم مرزیر کاں را ایں بس است

''میں بات کو یہی ختم کرتا ہوں کہ سمجھداروں کے لئے یہی کافی ہے۔''

۵۹۔ تفہیم:

توکل کا مقام، اور تمام مقامات کی طرح اس کے بہت سے بطون ہیں

تمام مقامات کی طرح توکل کے بھی بہت سارے بطون ہیں جن میں سے بعض کے مقابلہ میں بعض اعلیٰ ہیں۔ چنانچہ ایک توکل وہ ہے جس کا منشا اس امر پر پختہ عقیدہ ہے جس کی شارع نے عالم تکوین میں امور کے جاری ہونے کے سلسلہ میں حضرت واجب جل مجدہ کے ارادہ واختیار کے مطابق ہونے اور اس کی مراد کی خلاف ورزی نہ ہونے، اس کی مقرر کردہ تقدیر میں تغیر نہ ہونے اور اس کے علم میں تمام ممکنات بلکہ مفہومات کی شمولیت کی خبر دی ہے۔ چنانچہ عقل میں یہ اعتقاد اچھی طرح بیٹھ جاتا ہے اور قلب اور نفس عقل کے ذریعہ حکمرانی کرتے ہیں اور جبلت استقامت اور عدم تذبذب حال اس کا مؤید ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک ہیئت نفسانی حاصل ہوتی ہے، جس کو توکل کہتے ہیں۔

اور جس توکل کی ہم بات کرتے ہیں اور جس کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں، وہ عارف کے عین ثابتہ کے فوارہ میں تولی حق کی درآمد ہے اور قوالب موہومہ کے اعیان ثابتہ کا

وجود مثلث، مربع، مسدس اور مدور فواروں کی طرح ہے جو کہ جمع کئے ہوئے پانی کو چھوڑنے سے قبل ہوتا ہے۔ اور وہ فوارے ان کے احکام اور وجود وغیرہ کا تعین کرتے ہیں۔ چنانچہ اس شخص کا عین ثابتہ اس طرح واقع ہوتا ہے کہ وجوب و امکان دونوں کے ظہور کا مستوجب ہوتا ہے۔ اس پانی کی تجلی اعظم کے درمیان سے قوائے وجوبیہ کے دریا کا بہاؤ گرتا ہے اور انا کے بہاؤ کے نکتہ کے درمیان سے نفس کلیہ کے قوی کے درمیان کا بہاؤ اور روح اور سر کے بہاؤ کے درمیان عالم روح و مثال کے دریا کا بہاؤ اور قلب، نفس و عقل کے بہاؤ کے درمیان صورت انسانیہ کے احکام کا بہاؤ یعنی حقیقت کلیہ جو ان چار بکروں میں سے ایک ہے جو تکوین کئے ہوئے عرش کو اپنی پشت پر اٹھائے ہوئے ہے۔ اور جوارح کے بہاؤ کے نکتہ کے درمیان صورت حیوانیہ کے احکام کا بہاؤ اور اس بہاؤ کے جسم کے نکتہ کے درمیان صورت نامویہ و معدنیہ کے احکام کا بہاؤ اور اسی طرح ہر فلک اور عنصر کے مقابلہ میں درحقیقت ایک لمبا نقطہ ہے۔ جس کے تمام احکام، فلک اور عنصر کی حکایت بیان کرتے ہیں۔ اس طرح تمام قوی کے جمع کرنے کے سبب سے تولی خاص کو مستوجب ہوتا ہے کہ تمام افراد انسانی غیر تولی ہوتے ہیں اور قرآن عظیم میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے ان ولیے اللہ الذی نزل الکتاب وھو یتولی الصالحین ''میرا ولی اللہ ہی ہے جس نے کتاب نازل کی اور وہی صالحین کی تولی کرتا (ذمہ داری لیتا) ہے۔''

اور اس تولی خاص کا منشا و مرکز جو کہ تمام مخلوقات کے تولی سے ممتاز ہے، تجلی اعظم اور اس کی انانیت کی وسعت ہے اور اس راہ کا بند نہ کرنا ہے کہ جو ان کے اور تجلی اعظم اور انانیت کبری کے درمیان واقع ہے۔ اور فلکیات سے بھی ایک قوت اس کی مددگار اور اس کی شارح ہوتی ہے۔ اگرچہ موجودہ حالت میں اس قوت فلکیہ کی تشخیص نہیں ہوتی۔

بالجملہ یہ تمام ہیئتیں جو حاصل ہوئی ہیں ہوا کے ساتھ ہوا کی گرد کے قیام کی ہیئت کے مانند اور آب رواں کے کوڑا کرکٹ اور اجزاء ارض کے قیام کے مانند ہیں۔

چنانچہ یہ انا ہر اس ارادہ کو پیدا کرنے والی ہے جو اس میں اٹھتا ہے اور ہر اس داعیہ کو پیدا کرنے والی ہے جو اس کی خاطر سے ابھرتا ہے۔ یہ سب بھی انا کے سر سے پانی کی مانند آتے ہیں اور اس کے پاؤں سے چلے جاتے ہیں اور اس طرح اس کی اصلاح معاش و معاد

میں حقیقت نظری نہیں ہے۔اور وہی تجلی اعظم اور انانیت کبری اس باب تولی میں اس کی معاش ومعاد کی اصلاح کرتی ہے جو کہ خود اس کی تمام مخلوقات کی نسبت سے لازم واجب ہے۔وہ دوسری ہے اور یہ تولی جو تجلی اعظم کے نکتہ سے پیدا ہوتی ہے اور اس قوائے فلکیہ کے تابع ہوتی ہے، دوسری ہے۔اسی طرح تمام افراد انسان کے ساتھ قرب حق دیگر ہے کہ نحن اقرب الیه من حبل الورید ''ہم اس سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں'' (ق ۱۶) اور اس کا قرب محسنین کے ساتھ امر دیگر ہے کہ ان رحمة الله قریب من المحسنین ''اللہ کی رحمت محسنین سے قریب ہے'' وانا عنده اذا ذکرنی وتحرکت بی شفتاه ''جب وہ میرا ذکر کرتا ہے میں اس کے قریب ہوتا ہوں اور مجھ سے ہی اس کے لب حرکت کرتے ہیں''۔

چنانچہ خالص کمال والوں کا توکل اسی تولی سے پیدا ہونے والی تمکین تام اور بقائے مطلق ہے بلکہ اگر سچ پوچھیں تو یہی عین تولی ہے، یہی ایک چیز ہے کہ دو جہت کے اعتبار سے اس کے دس نام رکھتے ہیں۔اور میں نے متولی جل مجدہ کی زبان سے اس تولی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے

ناگزیر تو منم اے بے نظیر
رو مگرداں بعد ازیں از ناگزیر

''جس کی کوئی نظیر نہیں میں تیرے لئے ناگزیر ہوں، اس بات کو جان لینے کے بعد ناگزیر سے منہ مت پھیر۔''

من ترا مشفق ترم از صد پدر
با من آمیز و مرا محکم بگیر

''میں تیرے اوپر سیکڑوں باپوں سے بھی زیادہ مشفق ہوں، میرے ساتھ مل جا اور مجھے مضبوطی سے پکڑ لے۔''

غیر من گر با تو بایستی بود
آں وبال است و عذاب است وسعیر

''اگر میرے علاوہ کوئی تیرے لئے لائق و بہتر ہو تو وہ وبال ہے اور عذاب وجہنم ہے۔''

۶۰-تفہیم:

اللہ کے لئے اپنے بندوں کی طرف نسبت کے دو طریق اور ان دونوں کی تفصیل

اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کی طرف نسبت کے دو راستے ہیں، ایک اندرونی دوسرا بیرونی۔ اندرونی راستہ سے مراد یہ ہے کہ استعداد عین ثابتہ عمل میں آتی ہے اور نفس ناطقہ کے وسط سے خوداس کی اصل جانب جو کہ نفس کلیہ ہے، میل بے کیف اٹھتا ہے اور خوداس کے قبلہ سے جو کہ تجلی اعظم ہے ایک توجہ جوش مارتی ہے اور اس کے تمام قوی ان کیفیات مقدسہ و منزہ کے تابع ہو جاتے ہیں اور ایک تہذیب محقق ہو جاتی ہے۔

اور بیرونی راستہ سے مراد یہ ہے کہ فرشتوں میں سے ملاء سافل اس شخص سے ایک رنگ جو ان کے لئے مناسب ہوتا ہے قبول کرتے ہیں۔ اور وہ رنگ برسوں تک ملاء اعلیٰ کی طرف ترقی کرتا ہے اور ایک دوسری مدت کے بعد تجلی اعظم کے حضور کے لائق ہوتا ہے۔ اور عین عنایت ملحوظ ہوتا ہے۔ اور تدبیر عالم میں جو کہ مصلحت کلیہ پر مبنی ہے داخل ہوتا ہے اور اس عنایت کو ملاء اعلیٰ باجمال قبول کرتے ہیں اور ان نفوس کی طلب میں ایک وسعت پیدا کرتے ہیں جس سے ایک تفصیل متحقق ہو جاتی ہے۔ اس وقت بعض ایسے لمحات ہیں کہ جب قوائے افلاک مناسب ہوتے ہیں۔ وہ امر ملاء اعلیٰ کے نفوس میں متمثل ہو کر زمین میں نازل ہوتا ہے اور ملاء سافل کی فوجیں اس کو اپنی استعداد کے مطابق قبول کرتی ہیں۔ اور بعض لمحات میں جو کہ عنصر اصل کے مناسب ہوتے ہیں جو عناصر اربعہ کا منشا و مرکز ہوتا ہے، اس سے ایک رنگ قبول کرتا ہے جو حواس ظاہرہ سے محسوس ہونے والا اور انوار ظاہرہ کے مثل ہوتا ہے کہ وہ اور تمام انسان اس کے ادراک میں شریک ہوتے ہیں۔ جب کہ حقیقت میں مرد کامل کو دونوں راستوں سے ایک حصہ دیتے ہیں اور ہر حصہ سے سہولت فراہم کرتے ہیں۔ اس لئے کہ عارف کے مسامات خوداس کی اصل سے نقطہ کے لطائف درمیان سے کھلے ہوئے ہوتے ہیں جو کارخانۂ الٰہی میں درکار ہوتے ہیں سب آمادہ اور منتظر فرمان کھڑے ہوتے ہیں تا کہ مصلحت

کلیہ کی زبان سے جو کچھ فرمایا جائے اس کے مطابق معاملہ انجام پائے۔

اسباب طرب جملہ مہیا
یک روئے تو می باید وبس

"سارے اسباب طرب موجود و تیار ہیں، اب صرف تمہاری ضرورت ہے۔"

حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام وغیرہ کے سابقہ ادوار میں بیرونی راستے زیادہ تر کھلے ہوئے تھے۔ اس وقت اندرونی راستہ سے ایک حصہ دیا گیا تھا تاکہ اہل کمال کی جامعیۃ کا حکم جاری ہو۔ اور ہمارے رسولؐ کے دورہ میں دونوں راستے درجۂ کمال پر فیض رساں ہیں۔ تاہم اس دورہ کے اوائل راہ بیرونی کے مشابہ ہوتے ہیں اور اواخر راہ اندرونی کے مشابہ ہوتے ہیں۔ ہم اواخر میں آئے ہیں اور اندرونی راستہ سے مطلع ہوئے ہیں۔ راہ بیرونی کی خبر کو جامعیت کے حکم سے احاطہ کئے بغیر یاران خوش طبع اپنی طبیعتوں کی خوشی پر نازاں ہیں اور اس فکر میں پڑے ہوئے ہیں کہ اپنے رنگ میں اندرونی راہ کو حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام پر منطبق قرار دیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ بالکل بھی نہیں۔

گوہر جام جہاں بیں زجہان دگر است
تو توقع زگل کوزہ گراں میداری

"اس جام کا گوہر جس سے دنیا کو دیکھا جاسکے، دوسری دنیا کی بات ہے۔ تم مٹی کے پیالہ سے بیکار ہی اس کی امید کررہے ہو۔"

۶۱-تفہیم:

شیخ خواجہ محمد باقی قدس سرہ کا ذکر

ہمارے شیخ مشائخ خواجہ محمد باقی (باﷲ) قدس سرہ نے آخر عمر میں عزلت گزینی اختیار کرلی تھی اور رشد وہدایت کا سلسلہ بند کردیا تھا۔ لوگوں نے ان سے اس کا سبب معلوم کیا تو فرمایا، ہمیں ایک مقام دکھایا گیا ہے، تھوڑے سے انتظار کے بعد اس مقام پر پہنچ جائیں گے۔ لوگوں نے پوچھا اس مقام کا وقت کونسا ہے اور اس کے لوازم کیا ہیں، فرمایا اس کا وقت وہ ہے کہ

ہماری عمر چالیس سال ہو جائے اور اس کے لوازم یہ ہیں کہ جو شخص بھی ہمیں دیکھے سجدہ کرے۔ جب آپ کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو عالم فانی سے رحلت فرمائی۔ اسعدک اللہ۔ جان لو کہ یہ بزرگ مجرد درو اور سریع السیر تھے۔ اگرچہ آپ کو ابتدا میں سلوک کے بہت سے مواقع پیش آئے، فنا و بقا کی تنگی بھی پیش آئی جیسا کہ دوسروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد محبوس نہ رہے۔ اس عبارت سے حقیقت جبروتیہ کے حصول کی طرف اشارہ کیا جو کہ ہر ساجد و عابد کا مسجود و معبود ہے۔ اور اپنی خودی سے فقط علم کے لحاظ سے بلکہ حال کے لحاظ سے بھی بیزار ہو جانا اور ایک دوسرے میں اور متحد پیوست ہو جانا اور عجیب قسم کا ربط کہ جو اس کو نہیں سمجھتا وہ نہیں جانتا۔ اے خدائے پاک میں تیرا شکر کس زبان سے ادا کروں۔ میرے جوارح میری روح سب کچھ تیرا ہی شکر اور حمد و ثنا ہے۔ ہر حمد و ثنا کرنے والا نامراد خود ہی شکستہ دل ہے، کونسا فیض ہے کہ جو تو نہیں پہنچاتا، اور کونسا لطف ہے کہ تو نہیں کرتا، سب کچھ تو پہنچاتا ہے حالانکہ وہ دنیاوی زندگی میں ہے۔ معبودیت و مسجودیت وجود کے پردے اس کو کاروبار سے مانع نہیں ہوتے، اس کے بعد تو نے اس کو وہ مقام دکھایا کہ جو بہت بلند ہے۔ اور تو نے اس کو اس کا مشتاق بنایا اور اس کو ایک خاص وقت کے ساتھ مخصوص کر دیا اور وہ بھی اس کو فراہم کر دیا اور حقیقت رحمانیہ کے ساتھ عجیب ارتباط کر دیا کہ اس کے ماوراء عالم جبروت میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد تو نے علم مقید اور حال مقید کو تنگیوں سے نکالا۔ وجود مقید کو تنگی سے نکالا کہ میں ایک ایسی حد کی امید کرتا ہوں جس کے بعد کوئی وجود نہیں ہے۔ نہیں نہیں، استغفر اللہ میں نے کیا کہہ دیا بلکہ وجود آخر جو اصلا اس میں عدم نہیں ہے۔ خداوندا! تو نے اس کی جان کو اپنے اشتیاق میں جلا دیا اور اس کے نزدیک مرنے کو تو نے باپ بیٹے اور زمین کی ہر چیز سے زیادہ محبوب بنا دیا۔ اے خداوندا! تھوڑا سا خیال جس سے تو اس کو دکھانا چاہتا ہے تاکہ اس کی مستی آسمانوں سے گذر جائے، میں نہیں جانتا کہ جب حقیقت حال کو پہنچ جائے گا تو کس قدر ہوگا۔ بیت

خیال روئے توامشب مراز خویشم برد
اے خوش آں روز کہ بینم رخ زیبائے ترا

”آج رات تیرے رخ زیبا کے خیال نے مجھے اپنے آپ سے بیگانہ کر دیا۔ کیا ہی اچھا ہوگا وہ دن جب میں تیرے رخ زیبا کو دیکھوں گا۔“

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم
راحت جان طلبم در پے جاناں بروم

"وہ دن بہت ہی اچھا ہوگا جب میں اس منزل ویران سے جاؤں گا۔ راحت جاں طلب کروں گا اور جاناں کے در پہ لے جایا جاؤں گا۔"

اے خدائے پاک! کیا لطف ہوگا اگر اجل کے بارے میں تو کم جان کاری دے اور مقصد پورا کردے۔" انک علی کل شی قدیر

بشنواز نے چوں حکایت می کند
وزجدائی ہا شکایت می کند

"بانسری جب حکایت بیان کرتی ہے، اور جب وہ جدائی کی شکایت کرتی ہے، تو اس کی آواز کو سنو۔

کز نیستاں تامرا ببریدہ اند
از نفیرم مردوزن نالیدہ اند

"کہ مجھ کو جنگل سے کاٹ لائے ہیں، اب میری فریاد سے مردوزن روتے ہیں۔"

۶۲-**تفہیم:**

مرید کو وصیت

کسی بھی حال میں حضرت حق کی طرف توجہ میں کوئی فتور نہ لائیں اور کسی بھی حال میں خود کو شعائر اللہ اور علم باللہ سے مستغنی نہ رکھیں کہ یہ محرومی کی علامت ہے۔ اور ہمیشہ درس حدیث و تفسیر کو لازم قرار دیں۔ اگر چہ دوسرے دروس بھی ہوں اور خود طاعات بدنیہ مالیہ سے آزاد نہ رکھیں۔ اگر چہ بجوو قلب سے جو کہ عبادت کا مغز ہیں متصف ہوں۔ اس لئے کہ عاشق بہر حال مشتاق ہے۔ رباعی

ہر چند رخ از وصال من کم یابی
اشکم بود از شوق لبت عنابی

"ہر چند کہ میرے وصال کی طرف تو کم ہی توجہ کرتا ہے، میرے اشک تیرے لب

کے شوق سے عنابی ہو گئے۔"

مستسقی رامیان بحرار یابی
شک نیست کہ شاکی از بے آبی

"اگر مرض استقا میں مبتلا شخص کو سمندر کے درمیان بھی پاؤ گے، اس میں شک نہیں کہ اس کو پانی نہ ہونے کی شکایت کرتا ہوا پاؤ گے۔"

سعادت مند افراد کی صفت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو شغل باطن سے بھی فائدہ پہنچاتے ہیں اور اگر ان کی عدم موجودگی کا وقت میسر آتا ہے جس کو غیوبت سے تعبیر کرتے ہیں تو یہ توجہ کی تاثیر کے اسباب اعظم میں سے ہے۔

۶۳-تفہیم:

لسان استعداد کی رعایت اور قلب کی شہادت

ہم ہر حال میں اور تمام لوگوں کے حق میں استعداد کی زبان کے محکوم ہیں اور ہم کسی بھی حال میں خواہ سلامتی کا ہو یا غصہ اور خفگی کا، جو بھی بات کہتے ہیں، دوستوں کے دل کی گواہی کے مطابق اور ان کی استعداد کے اظہار کے مطابق ہی کہتے ہیں۔ اگر عتاب اور غصہ و خفگی ہے تو وہ بھی دل کی بے ادبی اور بدحالی پر ہے اور اگر صلح ہے تو وہ بھی دل کے حسن ادب پر ہے نہ کہ زبان پہ

شخص تصویریم بیدل از کمال ما مپرس
کار ما نا کردنی وحرف ما نا گفتنی است

"بیدل ہمارے کمال کے بارے میں مت پوچھو، ہمارا کام نا قابل عمل ہے اور ہماری بات نا قابل بیان ہے۔"

۶۴-تفہیم:

قرآن کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھنے کی فضیلت

حدیث میں آیا ہے اللہ تعالی نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے ان میں ایک یہ ہے کہ نبی کو قرآن کریم خوش الحانی سے اور باآواز بلند پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اور حدیث میں یہ بھی

آیا ہے کہ جو قرآن کو خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے اور وہ اشعار میں مشغول رہتے تھے ان کو اپنی محفلوں میں پڑھتے تھے اور اپنی خلوت وجلوت میں خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ صرف ایسی عربی میں خطاب کیا کریں جو بلاغت میں حد کمال کو پہنچی ہوئی ہو تا کہ صرف اس جنس میں معجزہ ہو جس میں وہ مشغول رہتے ہیں اور اس کی تہ کو پہنچنے کی کوشش کریں تا کہ مخالف کو الزامی جواب دینے اور دلیل کے ذریعہ لاجواب کرنے میں سب سے زیادہ بلیغ ہو جائے۔ اور پڑھنے میں صرف یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ ہر لفظ جدا جدا ہو اور اس کے اجزا میں ایک اندازہ کے مطابق مطابقت ہو۔ اور یہ شرط اس وجہ سے ہے کہ پڑھنے کا عمل انسانوں کی ہر جماعت میں پایا جاتا ہے اور ان کے اوزان مختلف ہوتے ہیں۔ چنانچہ عربوں کے الگ اوزان ہیں اور ہندوؤں کے الگ ہیں۔ ہم نے بدوؤں کی جماعت کو دیکھا ہے کہ وہ اوزان معروفہ کی قید کے بغیر اشعار پڑھتے ہیں۔ ہم نے جو بیان کیا ہے وہ اس معاملہ کا خلاصہ ہے۔ پھر قرآن نازل ہوا تو یہ اہل عرب کے اشعار پڑھنے کی عادت کے مطابق تھا۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ ان نغمات واشعار کو ان طریقوں سے پڑھا جائے جو ان کے نزدیک مقرر ہیں۔ اور خوش الحانی سے یہی مراد ہے۔ اس کو نبیؐ نے یوں تعبیر کیا ہے۔ اس کی مراد کی موافقت کے سبب سے دھیان سے سننے پر راضی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ کوئی ایسا کلام نہیں ہے جس کی تعبیر اس عبارت سے زیادہ صحیح طریقہ سے کی جا سکے۔ واللہ اعلم۔

۶۵- تفہیم:

عقائد حق کا بیان

الحمدللہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبین والہ وصحبہ اجمعین۔

امابعد۔ رحیم وکریم اللہ کی رحمت کا محتاج ولی اللہ بن عبدالرحیم، احسن اللہ تعالیٰ الیھما کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو اور اس وقت موجود ملائکہ اور جن وانس کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ

میرا صمیم قلب کے ساتھ یہ عقیدہ ہے کہ اس عالم کا ایک صانع (بنانے والا) قدیم ہے۔ وہ لم یزل و لایزال ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ نہ وہ کبھی زوال کی کیفیت سے دوچار ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔ وہ واجب الوجود ہے۔ اس کا عدم ممتنع ہے۔ وہ بہت بڑا اور بہت بلند مرتبہ والا ہے۔ تمام صفات کمال سے متصف ہے۔ نقص و زوال کی تمام علامات سے پاک ہے۔ وہ تمام مخلوقات کا خالق ہے۔ تمام معلومات کا عالم ہے۔ تمام ممکنات پر قادر ہے۔ تمام کائنات، ہونے والی چیزوں کا ارادہ کرنے والا ہے۔ زندہ ہے، سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے اس کی کوئی شبیہ نہیں ہے نہ ہی اس کا کوئی مد مقابل ہے، نہ اس کا کوئی مثل ہے، نہ وجوب الوجود میں اس کا کوئی شریک ہے، نہ ہی عبادت میں، نہ تخلیق میں اور نہ ہی تدبیر میں۔ اس لئے عبادت یعنی انتہائی تعظیم کا اس کے سوا کوئی مستحق نہیں اور نہ اس کے سوا کوئی شفا دیتا ہے، نہ رزق دیتا ہے اور نہ ہی ضرر، نقصان کو دور کرتا ہے، نہ اس معنی میں کسی شے کے لئے کہتا ہے کہ کن، ہوجا، فیکون اور وہ ہوجاتی ہے۔ اور نہ ہی ظاہری عادت کے سبب کے معنی میں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے طبیب نے مریض کو شفا دیدی، اچھا کر دیا اور امیر نے لشکر کو رزق دیا، کہ یہ اس سے الگ دوسری بات ہے۔ اگرچہ الفاظ میں اس کے مشابہ ہے۔ اس کا کوئی ظاہر نہیں ہے، نہ ہی وہ کسی دوسرے میں حلول کرتا ہے، نہ ہی کسی غیر کے ساتھ متحد ہوتا ہے، اور نہ ہی وہ اپنی ذات میں حادث ہے کہ نہ اس کی ذات میں حدوث ہے اور نہ ہی اس کی صفات میں۔ حدوث صفات کے اپنے تعلقات کے ساتھ تعلق میں ہے جس سے کہ افعال ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ تعلق بھی حادث نہیں ہے۔ بلکہ اصلاحات متعلق ہے جس کی وجہ سے متعلقات کے تفاوت کے لحاظ سے تعلق کے احکام مختلف ظاہر ہوتے ہیں۔ اور وہ تمام وجوہ سے حدوث اور تجدد سے بری ہے۔ وہ نہ جوہر ہے نہ عرض ہے اور نہ جسم ہے۔ وہ نہ کسی خاص مقام کی حدود میں ہے نہ کسی جہت میں اور نہ ہی اس کی طرف یہاں یا وہاں کے طور پر اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ نہ اس پر اس کی ذات میں اور نہ ہی صفات میں حرکت، انتقال اور تبدل کا حکم لگانا صحیح ہوتا ہے۔ اور نہ ہی جہل کا نہ کذب کا، اور وہ عرش کے اوپر ہے جیسا کہ خود اس نے اپنے بارے میں بتایا ہے لیکن ایسا کسی دائرہ اور جہت میں محدود ہونے کے معنی میں نہیں ہے۔ بلکہ اس تفوق اور استوا کی حقیقت کو خود اس کے اور علم راسخ رکھنے والوں کے سوا کوئی نہیں جانتا، جن

کو اس نے اپنے پاس سے خاص علم دیا ہے۔ اور قیامت کے دن اس کی رویت دو طرح سے ہوگی۔ ایک یہ کہ وہ پوری طرح انکشاف بلیغ کے طور پر جو عقل کی تصدیق سے بھی زیادہ ہوگا کھل کر سامنے آجائے گا۔ گویا کہ آنکھ سے دیکھنے کی طرح ہو جائے گا مگر نہ تو کسی کے مدمقابل میں ہوگا نہ مقابلہ میں اور نہ کسی سمت میں نہ کسی رنگ اور شکل میں۔ اس بات کو معتزلہ وغیرہ نے کہا ہے اور وہ حق ہے۔ البتہ ان کی غلطی اس معنی میں رویت کی تاویل اور رویت کو اس معنی میں حصر کرنے میں ہے۔ اور دوسرے یہ کہ ان کے سامنے بہت ساری صورتوں اور شکلوں میں آئے گا جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔ چنانچہ وہ اس کو شکل، رنگ اور جہت میں ایسے ہی دیکھیں گے جیسا کہ خواب نظر آیا کرتے ہیں جیسا کہ نبیؐ نے خبر دی ہے کہ جس طرح وہ اس کا اہل اور مستحق ہے۔ جیسا کہ فرمایا میں نے اپنے رب کو احسن صورت میں دیکھا۔ چنانچہ وہ وہاں اسی طرح آنکھوں سے دیکھیں گے جیسا کہ خواب میں دیکھا کرتے ہیں اور ہم ان دونوں صورتوں کو سمجھتے ہیں اور ان کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اگر اللہ اور اس کے رسول نے رویت سے ان کے علاوہ کچھ اور مراد لیا ہے تو ہم اللہ اور اس کے رسول کی مراد پر ایمان لاتے ہیں خواہ ہم اس کو بعینہ نہیں جانتے۔ جو اللہ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ کفر اور معاصی اس کی تخلیق اور ارادہ سے ہوتے ہیں نہ کہ رضا سے۔ اور وہ غنی ہے اپنی ذات و صفات میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ نہ اس کے اوپر کوئی حاکم ہے نہ ہی کسی کے واجب کرنے سے اس پر کچھ واجب ہوتا ہے۔ ہاں وہ کسی چیز کا وعدہ کر لیتا ہے تو اس کو پورا کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، کہ وہ اللہ پر واجب ہو جاتا ہے۔ اور اس کے تمام افعال میں کلی طور پر حکمت و مصلحت پائی جاتی ہے جیسا کہ معلوم ہوتا ہے، اور اس پر لطف جزئی خاص یا اصلح خاص واجب نہیں ہوتا۔ نہ اس سے کوئی قبیح ہوتا ہے، اور جو کچھ وہ کرتا ہے یا جس کا حکم دیتا ہے اس میں سے کسی کی جور و ظلم کی طرف نسبت نہیں کی جا سکتی۔ اس نے جو کچھ پیدا کیا یا جس کا حکم دیا اس میں حکمت کی رعایت رکھتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ خود اسکی اور کسی چیز میں اس کی صفات کی تکمیل کرتا ہو۔ نہ ہی یہ بات ہے اس کو کوئی حاجت یا غرض ہو کہ یہ ضعف اور قبح ہے۔ اس کے سوا کوئی حاکم نہیں ہے۔ چنانچہ اشیا کے حسن و قبح اور فعل کے ثواب و عقاب کا سبب ہونے میں عقل کا کوئی حکم نہیں ہوتا۔ کہ اشیا کا حسن و قبح اللہ کے فیصلہ اس کے حکم اور لوگوں کو مکلف

کرنے کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اب ان میں سے کچھ کی وجہ، مصلحت اور ثواب وعقاب سے مناسبت کا ادراک عقل خود کر لیتی ہے اور کچھ کا ادراک صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسولوں کے خبر دینے سے کرتی ہے۔ اور اس کی صفات میں سے ہر صفت واحد بالذات کے تعلق کے لحاظ سے غیر متناہی ہوتی ہے اور تعلق میں تجدد معنی مذکور میں ہی ہوتا ہے۔

اور اللہ کے بہت سارے فرشتے علوی اور مقرب ہیں اور بہت سارے فرشتے اعمال کے لکھنے اور بندوں کی ہلاکت و بربادی سے حفاظت کرنے اور خیر کی دعوت دینے کے لئے مقرر ہیں۔ اور بندوں کو خیر کی علت الہام کرتے ہیں ان میں سے ہر ایک کا مقام مقرر ہے۔ انہیں جو حکم دیا جاتا ہے اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے جو حکم دیا جاتا ہے اس کو پورا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ہی شیطان بھی ہیں ان کو فطرت ابن آدم کے ساتھ شر ہے۔

اور قرآن اللہ کا کلام ہے۔ اللہ نے اس کو ہمارے نبیؐ پر وحی کے ذریعہ نازل کیا۔ **وماکان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا اومن ورآئ حجاب اویرسل رسولا فیوحی باذنه مایشاء** ''کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اس سے روبرو بات کرے۔ اس کی بات یا تو وحی (اشارے) کے طور پر ہوتی ہے یا پردے کے پیچھے سے یا پھر وہ کوئی پیغامبر (فرشتہ) بھیجتا ہے اور وہ اس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہے وحی کرتا ہے''۔ (الشوریٰ ۵۱) یہی وحی کی حقیقت ہے۔ اور اللہ کے اسما اور اس کی صفات میں الحاق جائز نہیں چنانچہ اطلاق شرع پر موقوف ہوتا ہے۔

اور معاد جسمانی حق ہے۔ جسم جمع کئے جائیں گے اور ان میں روح لوٹائی جائیں گی۔ اور بدن وہی ہوں گے جو شرعا اور عرفا ہوتے ہیں اگر چہ وہ لمبے یا چھوٹے ہوں گے جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ کافر کی داڑھ احد پہاڑ جیسی ہوگی۔ اور اس سلسلہ میں سب سے لطیف بات وہ ہے جو اہل جنت کے بارے میں وارد ہوئی ہے کہ جیسے بچہ جوان ہوتا ہے پھر بوڑھا ہوتا ہے اور یہ کہ اس میں اجزا ہزاروں بار تبدیل ہوتے ہیں۔ جزا سزا، حساب صراط اور میزان حق ہیں۔ اور جنت بھی حق ہے اور جہنم بھی حق ہے اور وہ پیدا کی جا چکی ہیں البتہ کسی نص میں ان کی جگہ کے تعین کی تصریح نہیں کی گئی ہے۔ اللہ نے جہاں چاہا وہاں وہ موجود ہیں۔ اس لئے کہ ہمیں اللہ کی تمام مخلوقات اور اس کی تمام کائنات کا احاطہ نہیں ہے اور کبیرہ گناہوں کا مرتکب

مسلمان ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل نہیں کیا جائے گا۔اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے ان تجتنبوا کبآئر ماتنھون عنه نکفر عنکم سیاتکم "اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے رہو جن سے تمہیں منع کیا جا رہا ہے تو تمہاری چھوٹی برائیوں کو ہم تمہارے حساب سے ساقط کر دیں گے۔" (النساء ۳۱) یعنی نمازوں اور کفارات کے ذریعہ۔اور کبیرہ گناہوں کا معاف کرنا بھی جائز ہے۔البتہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے افعال کی دو صورتیں ہیں ایک اللہ کی سنت کے مطابق ہے اور دوسری علی سبیل خرق العوائد خلاف عادت ہے اور جو شخص بغیر توبہ کئے مر جائے اس کے کبیرہ گناہوں کا معاف کرنا خلاف عادت جائز ہے۔اور اسی طرح حقوق العباد کا بھی خلاف عادت معاف کرنا جائز ہے۔بادی النظر میں متعارض معلوم ہونے والی نصوص میں مطابقت کی یہ ایک صورت ہے۔

اور شفاعت حق ہے جس کے لئے اللہ اجازت دیدے۔اور رسول اللہ کی امت میں سے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے آپ کی شفاعت حق ہے۔اور آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔اور شفاعت کی نفی کی جو حدیث وارد ہوئی ہے۔اس سے مراد وہ شفاعت ہے جو اللہ کے اذن اور رضا کے بغیر ہو۔اور فاسق کے لئے عذاب قبر اور مومن کے لئے وہاں کی نعمتیں حق ہیں اور منکر ونکیر کا سوال حق ہے۔اور مخلوقات کی طرف رسولوں کی بعثت حق ہے۔اور رسولوں کے ذریعہ اللہ کا اپنے بندوں کو امر و نہی کا مکلف بنانا حق ہے۔اور وہ ایسے امور کے ذریعہ دوسروں سے ممتاز ہیں جو اجتماعی طور پر ان کے سوا کسی میں نہیں پائے جاتے۔اور جو ان کے انبیاء ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ان میں ان کو حاصل خرق عادت امور (معجزات) بھی شامل ہیں۔اور ان میں ان کی فطرت کی سلامتی اور کمال اخلاق وغیرہ بھی شامل ہیں۔اور انبیا کفر اور کبائر کے عمدا ارتکاب اور ان پر اصرار سے معصوم ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو تین وجوہ سے معصوم ومحفوظ رکھتا ہے۔

ایک یہ کہ ان کو سلامتی فطرت اور اخلاق کے اعتدال کے کمال کے ساتھ پیدا کرتا ہے۔اس لئے وہ معاصی کی طرف راغب نہیں ہوتے بلکہ ان سے متنفر ہوتے ہیں۔دوسرے یہ کہ ان پر وحی کی جاتی ہے کہ معاصی کے ارتکاب پر مواخذہ کیا جائے گا اور طاعات پر ثواب دیا جائے گا۔اس طرح یہ وحی ان کو معاصی سے روکتی ہیں۔اور تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے اور

معاصی کے درمیان لطیف نظر نہ آنے والے غیبی امور کو حائل کر دیتا ہے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے قصہ میں یعقوب علیہ السلام کی صورت اپنی انگلیاں کاٹتے ہوئے ظاہر ہوئی۔

اور محمدؐ خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور آپ کی دعوت تمام انسانوں اور جنات کے لئے عام ہے۔ آپ اس خاصہ اور اسی طرح کے دوسرے خواص کے لحاظ سے افضل الانبیا ہیں۔ اور اولیا کی کرامات حق ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات پر ایمان رکھنے والے اور اس کی معرفت رکھنے والے ہیں اور اپنے ایمان میں محسن ہیں۔ اللہ ان کرامات کے ذریعہ جس کو چاہتا ہے۔ عزت و تکریم سے نوازتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے خاص کر لیتا ہے۔

اور عشرہ مبشرہ فاطمہ، خدیجہ، عائشہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کے لئے جنت اور خیر کی شہادت دیتے ہیں۔ ان کی عزت و احترام کرتے ہیں۔ دین اسلام میں ان کے بلند مرتبہ اور عظمت کا اعتراف کرتے ہیں۔ اسی طرح اہل بدر اور اہل بیعت رضوان کی عظمت و مرتبۂ بلند کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور رسول اللہؐ کے بعد ابو بکر صدیق امام حق ہیں۔ آپ کے بعد عمر پھر عثمان اور پھر علی ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔ پھر دور خلافت ختم ہو گیا اور اس کے بعد بد خلق بادشاہت تھی۔

اور ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انسانوں میں سب سے افضل ہیں، پھر عمر ہیں۔ افضلیت سے مراد ہم تمام وجوہ سے نہیں لیتے کہ اس میں نسب، شجاعت، قوت، علم وغیرہ سب شامل ہو جائیں بلکہ اس کے معنی اسلام میں عظمت نفع ہیں، چنانچہ امیر الملت نبیؐ ہیں اور آپ کے دو وزیر ابو بکر و عمر اشاعت حق میں کمال ہمت کے لحاظ سے ہیں۔ نبیؐ کے دو رخ ہیں ایک رخ اللہ سے لیتا ہے اور دوسرا رخ مخلوق کو عطا کرتا ہے۔ اور ان دونوں رخوں سے مخلوق کو عطا کرنے میں لوگوں کی تالیف اور ان کو جمع کرنے اور جنگ کی تدابیر میں ید طولیٰ حاصل ہے۔

اور ہم صحابۂ کرام کا ذکر صرف خیر کے ساتھ کرتے ہیں۔ وہ دین کے معاملات میں ہمارے امام اور قائد ہیں۔ ان پر سب و شتم کرنا حرام اور ان کی تعظیم واجب ہے۔ اور ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے، سوائے اس کے جس میں صانع، قادر مختار کی نفی ہے یا غیر اللہ کی عبادت یا معاد نبی اور تمام ضروریات دین کا انکار ہو۔

اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ اس سے کوئی

فتنہ نہ پیدا ہو۔ اور اس کی قبولیت کا یہ میرا عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ظاہری اور باطنی طور پر اس کو مستحکم فرمائے۔ والحمدللہ اولا و آخرا وظاھرا وباطنا۔

۶۶- تفہیم:

اہل اللہ کی تین قسمیں

دین کے طریقوں اور مذاہب میں تقسیم ہونا اور امت کا ان کی بنیاد پر گروہوں اور فرقوں میں بٹنا اور جمع و مجتمع ہونا امر عظیم ہے جس نے ان کے عوام و خواص کو گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا ہے۔ چنانچہ اہل اللہ میں سے کسی کو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے ساتھ فقہائے اسلام کے ہر قول کو مربوط کرنے کے سلسلہ میں کشف ہوا لیکن ان کو راہ راست کا کشف نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے قائم کی ہے، اور اس کے تعلق سے ان سے راضی ہوا ہے اس کی بنیاد پر جو کامیاب ہو گیا وہ تو ایک بڑے حصہ (حظ وافر) کے ساتھ کامیاب ہوا اور جس نے اس میں خطا کی وہ حظ وافر کے ساتھ کامیاب نہیں ہوا۔ اگرچہ اس کو اس کی کوشش کا اجر ملے گا۔ چنانچہ وہ بعض اقوال کو دوسرے اقوال پر ترجیح دینے اور ان کے اختلاف کو عزیمت اور رخصت پر محمول کرنے سے خاموش رہا۔ چنانچہ جو عزیمت میں قوی اور مضبوط ہے وہ اس کو اخذ کر لیتا ہے اور جس کی قوت جسمانیہ یا قوت روحانیہ اس سے قاصر رہ گئی اس کو چاہئے کہ وہ رخصت سے کام چلا لے۔ اس سلسلہ میں ان کا کلام بہت بسیط و مفصل ہے جیسا کہ شعراوی نے اپنی کتاب میزان میں یہ طریقہ اختیار کیا ہے اور اس کی اصل میں ان پر شیخ محی الدین محمد بن علی بن عربی سبقت لے گئے۔

اور کچھ اہل اللہ کو وہ راہ راست دکھائی گئی جو ظاہر شریعت تک پہنچا دیتی ہے اور جو جمہور مسلمانوں کو بڑے بڑے نقاد تابعین کے ذریعہ بڑے بڑے صحابہ کے واسطہ سے نبیؐ سے بطور وراثت حاصل ہوئی ہے اور انہوں نے اس کو ظاہری طور پر اس طرح حاصل کیا ہے جیسے کوئی چیز ہاتھ سے حاصل کی جاتی ہے یا انہیں بطور وراثت بعینہٖ وہی چیز حاصل نہیں ہوئی لیکن وہ اس سے مشابہ شے کے وارث ہو گئے اور اس کے پیچھے وہ اہل الرائے کے مذاہب کو دیکھتے ہیں جو

کہ احاطوں اور کناروں کی مانند ہیں۔ چنانچہ متکلم نے دین کی مدد کرنے اور اس سے پریشانی کو دور کرنے کے لئے ترجیح الراجح کی راہ دیکھی جیسا کہ اکثر فقہا محدثین نے کیا کہ انہوں نے اس سلسلہ میں بہت کوششیں کیں۔

اور اہل اللہ میں سے وہ لوگ ہیں جن پر دونوں امر کی حقیقت کھل گئی تو ان تمام کو ایسے معنی پہنائے کہ وہ دائرہ شرع میں آتے ہیں۔ اور یہ کہ عبادت کے لئے اس کے دین کی کشادگی میں اللہ تعالیٰ کی خاطر دین پر عمل کرنے والے اس کے نزدیک معذور ہیں۔ البتہ فضیلت راہ مستقیم کو حاصل ہے اور وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

اور میرے اوپر اللہ کا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اس نے مجھے تیسری جماعت میں شامل کیا ہے اور میرے لئے شریعت کی اصل حقیقت اور اس کو اس طرح بیان کرنے کی راہ کھول دی جس طرح وہ نبیؐ کی زبان مبارک سے حاصل ہوئی ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے لتبین للناس مانزل الیھم "تا کہ آپ لوگوں کے سامنے اس امر کو بیان کر دیں جو ان کی طرف نازل ہوا ہے۔" اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے اقیموا الصلوۃ و آتوا الزکوۃ "نماز قائم کرو اور زکوۃ دو"۔ لفظ اقامت، قامت السوق سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بازار میں خرید و فروخت جاری ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اشاعت اور رواج کا عمل جاری ہے، اس لئے نبیؐ نے فرمایا کہ اس کے جاری ہونے سے مقررہ اوقات کی پابندی، رکعتوں کا تعین، نماز کی صفت و کیفیت کی تعلیم، اذان دینا، جماعت کے معاملہ کی تاکید، مسجدوں کی تعمیر کے لئے جمع ہونا اور اس میں حصہ لینا اور ان میں حاضری مقصود ہے۔ اس طرح یہ سب اقامت صلوۃ کے لئے بیان ہیں اور اگر اس کا بیان واضح اور مفصل نہ ہوتا تو ہم اس بارے میں کبھی بھی کچھ بھی نہ جان پاتے۔ اور اسی طرح رسول اللہؐ نے ایتاء الزکوۃ کو نصاب کی تعیین، واجب مقدار، اس کے نکالنے کی تفصیل اور اس سے نکالی جانے والی جنس واجب وغیرہ کو بیان فرمایا۔

پھر اس کی وضاحت اور اس کے اصول و فروع کی تدوین مجتہدین متقدمین کے ذریعہ ہوئی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین "جب تم نماز کے

لئے کھڑے ہوتو اپنے چہروں کو اور کہنیوں تک اپنے ہاتھوں کو دھولو اور اپنے سروں پر مسح کرلو اور ٹخنوں تک اپنے پیروں کو دھولو۔" (المائدہ ۶) پھر مجتہدین نے بیان کیا کہ غسل کا مطلب صرف پانی کا بہانا ہے یا اس میں ملنے کی بھی شرط ہے اور یہ کہ چہرہ کی حد کہاں سے کہاں تک ہے اور یہ کہ الی المرافق (کہنیوں تک) کا مطلب کہنیوں سمیت دھونا ہے۔ اور یہ کہ کیا مسح کے لئے ایک یا دو بالوں پر ہاتھ پھیر لینا کافی ہے یا اس کے لئے چوتھائی سر یا پورے سر کا مسح ضروری ہے۔

پھر ان کے مذاہب، اقوال اور ان کے قواعد کی بنیاد پر مسائل کی تخریج کے بارے میں جو ہر مذہب کے متاخرین فقہا کے ذریعہ شرح کی گئی ہیں، ان میں سے ہر ایک کے بارے میں نفس الامر میں واقع اس کی ترتیب اس طرح کھل کر سامنے آ گئی گویا کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ چنانچہ میں نے ہر اس قول کو جو دین کے بارے میں کہا گیا ہے بالواسطہ یا بلاواسطہ اصل شریعت سے مربوط دیکھ لیا۔ اور اس سلسلہ میں کیا ہی اچھی بات کہی گئی ہے کہ اس کی مثال ایک ایسے بڑے درخت کی ہے جس سے بڑی بڑی اور موٹی شاخیں نکلیں اور ان سے چھوٹی پتلی شاخیں نکلیں اور ان چھوٹی و پتلی شاخوں میں پتے اور پھول نکلے۔ یا اس کی مثال اس چشمہ کی ہے جس سے بڑی بڑی نہریں نکلیں اور ان بڑی نہروں سے دوسری چھوٹی نہریں نکلیں اور چھوٹی نہروں سے پانی برتنوں میں بھرا اور ان میں سے کچھ نرم جگہوں اور درختوں کے اگنے کی جگہوں میں جائے۔

اور مجھ پر ان راستوں کے حقائق بھی کھل گئے جن کی رات، دن کی طرح اور ان کا اول ان کا آخر ہے۔ اور ان راستوں کے حقائق بھی کھل گئے جو پوشیدہ و تاریک مقامات میں ہیں۔ جو اس منزل پر جہاں نبیؐ ہیں بڑی محنت و مشقت، غور و فکر اور تکالیف اٹھانے کے بعد اور تقلید کی بڑی بڑی تکلیفوں کے برداشت کے بعد پہنچاتا ہے جن میں آدمی خطا اور ثواب کے مسائل سے گذرتا اور کسی قول سے مسائل کے اخراج کی دشواریوں کو برداشت کرتا ہے اور حق و باطل کو الٹ پلٹ کرتا ہے۔

اور میرے لئے اس رائے کی حقیقت سے بھی پردہ اٹھا دیا گیا، اسلاف نے جس کی مذمت کی ہے، اور اس کی طرف اپنے فقہا میں سے کچھ لوگوں کی نسبت کی ہے۔ چنانچہ سنت ظاہرہ کی مثال اس لغت کی ہے جس کے مطابق نبیؐ قرآن پڑھا کرتے تھے۔ اور ان اقوال کی

مثال جو اس کے دائیں اور بائیں ہیں ان حروف کی ہے جن کے مطابق قرآن کو پڑھنے کی اس لئے اجازت دی کہ آپ کی امت کو دشواری پیش نہ آئے۔ اور سنت ظاہرہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص خلیفہ کی محفل میں شریک ہوا اور دونوں کان کھول کر اس کی باتیں سنیں اور اس کو بات کرتے ہوئے دیکھا اور پوری طرح اس کی طرف توجہ دی۔ اور قوم کے قواعد سے نکالے جانے والے اقوال کی مثال اس بازار کی ہے جو خالص خلیفہ کے احکام کے مطابق چلتا ہے اور جس کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ ایسی بات کا حکم دیتا ہے جو اس کو ذہانت و فطانت کی طرف اور بعض امور میں گمان کی طرف چلائے۔

اور آپ عام لوگوں کو خاص طور سے دور حاضر میں ہر ملک میں دیکھیں گے کہ متقدمین کے مذاہب میں سے کسی مذہب کے ساتھ مقید کرتے ہیں اور جو انسان کسی مذہب کی تقلید کر رہا ہے اس سے اس کے کسی ایک مسئلہ میں بھی خروج کو ایسا سمجھتے ہیں جیسے ملت سے خروج ہو۔ گویا کہ وہ کوئی نبی ہے جو ان کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور اس کی اطاعت ان پر فرض کی گئی ہے۔ جب کہ چوتھی صدی سے قبل امت کے دور اول کے لوگ کسی ایک مذہب کے ساتھ مقید نہیں تھے۔

ابو طالب نے اپنی کتاب قوت القلوب میں کہا ہے کہ ”کتابیں اور مجموعے محدث ہیں اور لوگوں کے اقوال اور فتاوی لوگوں کے ایک مذہب سے متعلق ہیں۔ اور ان کا قول اور حکایت ہر چیز میں اختیار کیا گیا ہے اور تفقہ ان کے مذہب پر ہے۔ اس پر لوگ قدیم نہیں ہیں۔“ صحیح بات تو یہ ہے کہ عام لوگ آج وضو، غسل، نماز، زکوۃ، روزہ، حج، نکاح اور خرید و فروخت وغیرہ کے طریقے جو اپنے آباواجداد کے قائم مقام لوگوں اور اپنے شہروں کے معلموں سے سیکھتے ہیں، اور جب کوئی بڑا مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو مفتیوں سے رجوع کرتے ہیں خواہ وہ اہل مدینہ ہوں یا اہل کوفہ، سب کا یہی حال ہے۔ اس طرح مفتی جو فتوی دیتے ہیں، وہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ جب کہ خواص میں سے جو صاحب حدیث ہوتا ہے اس کو احادیث اور آثار سے جوبات واضح ہو جاتی ہے، اس میں صرف صاحب شریعت کی تقلید کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی کی تقلید نہیں کرتا۔ اور جو بات اس کے سامنے واضح نہیں ہوتی اس میں اقوال اور آرا کی اتباع کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کو اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جو صاحب تخریج ہوتا ہے جن امور میں اس کے سامنے کوئی نص نہیں ہوتی وہ کسی فقیہ کے نصوص یا اس کے بیان کردہ

قواعد سے مسائل کا استنباط کرتا ہے۔ اور عوام کے مذاہب کے ساتھ تقید کے زمانہ میں بعض اہل کشف شیخ ابن عربی وغیرہ کسی ایک مذہب کے ساتھ تقید نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے فتوحات مکیہ وغیرہ میں کہا ہے کہ بندہ جب کسی ایک مذہب کا پابند ہو کر قوم کے راستہ پر چلتا ہے تو وہ کسی دوسری طرف نہیں دیکھتا۔ اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ خاص اسی مذہب تک محدود رہیں، جن مسائل کا اس کے امام نے استنباط کیا ہے۔ اور جہاں تمام ائمہ کے اقوال ایک ہی منبع سے اخذ ہوتے نظر آتے ہیں، وہاں لازمی طور پر اس سے اپنے مذہب کی پابندی ختم ہو جاتی ہے اور اس سے پہلے وہ جس پر تکیہ کر رہا تھا اس کے برخلاف تمام مذاہب کے مساوی ہونے کا حکم لگاتا ہے۔ جب کہ ان میں سے بعض پابندی کی بات کہتے ہیں یا تو اس وجہ سے کہ اس سلسلہ میں عوام کے درمیان اختلاف نہ پیدا ہو یا بعض جہات کے لحاظ سے، بعض مذاہب کے رجحان کی وجہ سے، جو ان کو خواب وغیرہ میں دکھائے جاتے ہیں۔ جب کہ ابو محمد الجوینی وغیرہ بعض نقاد علما خود ذاتی طور پر عمل کرنے یا دوسروں کو فتوی دینے میں کسی ایک مذہب پر عمل کی پابندی نہیں کرتے۔ چنانچہ انہوں نے ایک کتاب المحیط تصنیف کی اور اس میں کسی معاملہ میں بھی کسی ایک مذہب کا التزام نہیں کیا۔

اور جلال الدین سیوطی اور عبدالوہاب شعرانی نے ایک بڑی جماعت سے جن کا شمار کرنا دشوار ہے یہی موقف نقل کیا ہے۔ اور اکثر فقہا ایک ہی مذہب کی پابندی پر زور دیتے ہیں جیسا کہ مشہور ہے۔ اس طرح اس سلسلہ میں ان کے اختلاف نے قوم کو پریشانی اور انتشار میں مبتلا کر دیا اور ان کو ایک دوسرے کے انکار پر برانگیختہ کر دیا۔ جب کہ یہ بات نبیؐ کے عہد میں نہیں پائی جاتی تھی۔ اب میرے اوپر اللہ کا ایک بڑا فضل و کرم یہ ہے کہ اس نے مجھ پر مذاہب کے حالات کی حقیقت اور بعض مذاہب کے تقید کی حالت اور اس شخص کی حالت کا کشف کر دیا جو ایک مذہب کا پابند رہنے کے بعد دوسرے مذہب کو اختیار کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اور اس شخص کا حال واضح کر دیا جو بعض مسائل میں ایک مذہب کو اختیار کرتا ہے اور بعض مسائل میں دوسرے کو۔ کہ کیا شارع نے اس سلسلہ میں اختیار دیا ہے یا ہر شخص کے لئے لازم ہے کہ وہ ایک مذہب کا التزام کرے۔

اور میرے اوپر اللہ کا ایک بڑا انعام یہ ہے کہ میرے اوپر یہ حقیقت کھول دی کہ شارع

نے ہمیں علم کی دو قسمیں عنایت فرمائی ہیں جو اپنے احکام میں ایک دوسرے سے ممتاز اور اپنے مراتب میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اور مصالح اور مفاسد کا علم اور دوسرے شرائع اور حدود کا علم۔ اور گویا کہ میں ان دونوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اور دونوں قسموں میں تمیز کر لیتا ہوں اور دونوں معاملات کو پہچانتا ہوں۔ اور یہ ایسا علم ہے کہ میں نے اپنے آپ سے پہلے کسی کو اس کو بیان کرتے اور اس کے اصول و فروع کی وضاحت کرتے اور مسائل کو اس پر منطبق کرتے نہیں دیکھا۔

اور میرے اوپر اللہ کا ایک بڑا انعام یہ ہے کہ میرے لئے راہ مستقیم کے احکام کے بعد فقہا کے اختلاف کے اسباب واضح کر دیے جن کی طرف میں نے بعض ان تفصیلات اور فروعات میں اشارہ کیا ہے جو مقدمات کلیہ میں مستحکم طور پر محصور ہیں۔ جو ان پر یقین کرے گا اس کو مواضع اختلاف میں سے کسی چیز کو سمجھنے میں کوئی توقف نہیں ہوگا۔ وہ راہ مستقیم کو اپنی آنکھوں کے سامنے واضح شکل میں اس طرح دیکھ لے گا جیسے اس کے سامنے اس کا بیٹا یقینی صورت میں ہوتا ہے۔ اور اس میں مختلف تفصیلات کو ایک ایسے امر ضروری کے طور پر دیکھے گا جو ملت کے لئے ان کے ماخذ سے استنباط کرنے والوں اور ان کے منبع سے اخذ کرنے والوں کی فہم کے اختلاف سے پیدا ہوتی ہیں۔

اور میرے سامنے یہ امر واضح کیا کہ اختلاف کے چار درجے ہیں، ایک اختلاف مردودہ ہے جس کے لکھنے والے اور اس کی تقلید کرنے والے کے لئے بعد میں کسی عذر کی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہ صورت چاروں مدون مذہبوں میں قلیل الوجود ہے، دوسرا اختلاف مردودہ ہے جس کے قائل کو اس وقت تک عذر کی گنجائش ہوتی ہے جب تک اس کے سامنے ایسی صحیح حدیث نہ آ جائے جو اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہو۔ پھر جب اس کو وہ حدیث مل جائے تو اس کے لئے عذر کا کوئی موقع نہیں رہتا۔ تیسرا اختلاف مقبول ہے جس کے دونوں پہلوؤں کو اختیار کرنے کا شارع نے مطلق اور ظاہری طور پر مکلفوں کو اختیار دیا ہے جیسا کہ قرآن کو سات قرأتوں پر پڑھنا۔ اور چوتھا اختلاف وہ ہے جس کے دونوں پہلوؤں کے مقبول ہونے کا ادراک ہم نے شارع صلوات اللہ علیہ کے بعض ارشادات سے اجتہاد اور استنباط کے ذریعہ کیا ہے اور انسان اس کا مکلف ہے لیکن مطلق نہیں بلکہ بشرط اجتہاد۔ اور جس

کو یہ درجہ حاصل ہو اس کی تقلید اور گمان غالب کی شرط کے ساتھ مکلف ہے۔

اور میرے لئے اس قبیل کے دوسرے بہت سارے علوم کے بارے میں بھی وضاحت کردی گئی اور یہ بھی پردہ اٹھادیا گیا کہ ہر مذہب میں ظاہر اور شاذ ہوتے ہیں۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ کے مذہب میں ظاہر الروایہ وہ ہے جس میں اصول خمسہ جمع کیے گئے ہیں۔ اور جس میں محمد بن الحسن نے تصریح کی ہے کہ یہ ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ اور ان کے قول پر اعتماد کیا گیا ہے اور مالک کے مذہب میں ظاہر الروایہ وہ ہے جس کی تصریح ابن القاسم نے کی ہے اور جس کا مدونہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ امام مالک کا قول ہے جس پر ان کا اعتماد ہے۔ اور امام شافعی کے مذہب میں ظاہر الروایہ وہ ہے جس پر شیخین رافعی اور نووی نے اعتماد کیا ہے اور دونوں نے تصریح کی ہے کہ وہ امام شافعی کا مذہب ہے اور ان کا مشہور معمول بہ قول ہے۔ اور اس کے سوا ان کی روایت سے ان کے مذہب میں جو کچھ غیر مشہور اور خلاف ضابطہ پایا جاتا ہے وہ شاذ ہے۔ اس طرح شریعت مطہرہ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات ظاہر اور شاذ ہے اور شریعت مصطفویہ کے ظاہر کے درجات ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ قوی وہ ہے جو نص قرآن میں پایا جائے اور جس کو اس طرح بیان کیا گیا ہو کہ زبان کو جاننے والے پر اس کی مراد مخفی نہ رہے اور اس کو اس طرح تلاوت کرے جیسے ان احادیث میں بیان کیا گیا ہے جو شیخین ابوعبداللہ بخاری اور مسلم نیشاپوری کی صحیحین میں اور موطا مالک میں مروی صحیح روایتوں سے اخبار کے تعارض اور روایات کے الفاظ میں کھلے اختلاف کے بغیر حاصل ہوتا ہے۔ اس سے میری مراد وہ ہے جس میں چار شرطیں جمع ہوں اور اپنے معنی پر صریح دلالت کرتی ہوں کہ زبان کو جاننے والے پر اس کی مراد مخفی نہ ہو اور اس سے اس طرح فیض حاصل ہوتا ہو کہ اس کو تین یا زیادہ صحابہ نے روایت کیا ہو اور پھر ہر طبقہ میں راوی برابر زیادہ ہی ہوتے رہے ہوں یہاں تک کہ حفاظ حدیث اور نقاد فقہا کا طبقہ آ گیا اور انہوں نے اس پر رضامندی کا اظہار کیا اور اس کو بیان کیا اور وہ ان تینوں کتابوں میں مروی ہو۔ اسلام میں اس کی ایک ایسی شان ہے جو اس کے علاوہ کو حاصل نہیں ہے اور اس کو علماء حدیث و فقہ کے نزدیک ایسی قبولیت حاصل ہے جو اس کے علاوہ کو حاصل نہیں ہے۔ اور اس کو ایسی صحت کا درجہ حاصل ہے کہ ایسی شہادت علما نے اس کے علاوہ کے بارے میں نہیں دی ہے۔ اور اس کو مشرق و مغرب کے حجاز، شام اور

عراق کے علماء حدیث وفقہ میں ایسی شہرت حاصل ہے کہ اس کے علاوہ کو حاصل نہیں ہے اور قوم ان کے غرائب کی شرح، ان کی مشکلات کے ضبط، ان کے فقہ کے استنباط اور ان کے راویوں کے ذکر میں اس قدر اشتغال رکھتی ہے کہ ان کتابوں کے علاوہ کسی میں اتنا اشتغال نہیں رکھتی۔ اور یہ ایسا امر ہے کہ جو قوم کے مدارک ومناہج سے ناواقف کے سوا کسی پر مخفی نہیں ہے۔ اور نبیؐ پر خاص طور سے ان کتابوں میں اخبار کا تعارض نہیں ہے۔ اور مالک نے موطا میں اس کو اس طرح بیان کیا ہے کہ یہ کبار صحابہ وتابعین کا مذہب ہے اور اس پر زمانۂ نبوت سے ان کے زمانہ تک اہل مدینہ کا عمل رہا ہے۔ پھر شافعی، احمد اور بخاری وغیرہ حدیث وفقہ کے درمیان جمع کرنے والوں نے اس میں اقرار شدہ امر پر گرفت نہیں کی بلکہ اس پر رضامندی واتفاق کا اظہار کیا، اس کو بیان کیا اور اس کی ان اخبار سے صریح تائید کی جو نبیؐ سے صحیح یا حسن شکل میں آئی ہیں اگرچہ وہ اخبار الاحاد سے یا ان کی دلالت یا اشارہ سے یا صحابہ اور تابعین کے جم غفیر سے یا واضح قیاس یا قوی استنباط سے ہی کیوں نہ رہی ہوں۔

اور مالک نے جو حکم بیان کیا ہے اس میں معاملہ اس طرح ہے جیسا کہ سفیان ثوری وغیرہ نے بیان کیا ہے، لیکن امام مالک کے بیانات زیادہ ہیں اور اس امر کے زیادہ موافق ہیں جب کہ ان کے علاوہ کے بیان میں یہ بات بہت کم پائی جاتی ہے۔ اور اس میں وہ حکم بیان کئے ہیں جن کی تائید میں کتب مشہورہ میں صحیح یا حسن حدیث آئی ہے اور اسی جیسی سے حجت قائم ہوتی ہے اور اس سے فقہا کی ایک بڑی جماعت نے استنباط کیا ہے یا استنباط صحیح وقوی ہوا ہے جس کی صحت کی ایک بڑی جماعت نے گواہی دی ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ سب کچھ شریعت نبوی علی صاحبہا الصلوات والسلام کا ظاہر اور آپ کی سنتوں سے راہ مستقیم ہے اور اس کا رشد واضح اور اس کی قدر ظاہر ہے۔ اور جس نے اس کی مخالفت کی وہ مردود ہے اس لئے کہ اگر وہ قرآن عظیم اور مشہور حدیث یا اجماع یا قیاس جبلی کا مخالف ہے تو کسی بھی طرح معذور نہیں ہے۔ اور اگر اس کے علاوہ کسی اور کا مخالف ہے تو بھی اس کو معذور قرار دیا جائے گا یہاں تک کہ اس کو حدیث پہنچ جائے اور حجاب اٹھ جائے۔ پھر جب امر واضح ہو جائے تو اس کے بعد اس کے مقلد کے لئے عذر کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ نہ ہی اس کے مقلد کو یہ کہنے کا حق ہوگا کہ میں حدیث پر عمل نہیں کروں گا بلکہ میں تو اپنے امام کے قول پر ہی

عمل کروں گا، چاہے اس کے خلاف دلیل صحیح ہی کیوں نہ ہو۔

اب آپ پر واجب ہے کہ اس بیان سے شریعت کے سلسلہ میں جو کچھ ثابت ہو گیا اس میں اچھی طرح غور و فکر کریں حتی کہ اس کے علاوہ سے وہ ممتاز ہو جائے اور واضح شکل میں آپ کے سامنے آ جائے اور آپ کے دل میں اچھی طرح بیٹھ جائے۔ پھر آپ اس کو مضبوطی کے ساتھ اختیار کر لیں اور اپنے ہاتھوں سے قوت کے ساتھ پکڑ لیں اور اس میں جو آپ کی مخالفت کرے، اس کی بالکل پرواہ نہ کریں۔ پھر اس راہ مستقیم کے احکام کے بعد کبھی بعض اسباب کی وجہ سے اختلاف ہو جاتا ہے تو جو ماخذ سے قریب ہو اور ظاہر میں اس میں کوئی تقصیر نہ ہو تو اس کا بالکل انکار نہ کرو بلکہ اس قبیل کی جو بات بھی کہی جائے اس کو تسلیم کر لو۔ اور اس کی مثال کسی ایک مذہب کے مقلد فقہا کے اقوال جیسی ہے جب ان کے درمیان امام کی عبارت کی تفسیر یا وجوہ کے استنباط یا مذاہب کے پابند افراد کے نزدیک اقوال اور وجوہ کی تصحیح میں اختلاف واقع ہو جائے۔ کیونکہ وہ اس کو ایک دوسرے کے خلاف مذہب نہیں مانتے اور اس طرح کے معاملات میں چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔

اور اس طرح تم راہ مستقیم کو مذہب واحد بناؤ اور مختلف اقوال میں چشم پوشی سے کام لو اور شریعت محمدیہ سے راہ مستقیم سے کوئی چیز باہر مت نکالو۔ اس راہ سے خارج کی مثال وضو میں دونوں پیروں کا مسح اور نکاح متعہ کو حلال قرار دینا اور نشہ آور شراب کا تھوڑا سا پینا اور پالتو گدھوں کو حلال قرار دینا اور یہ قول ہے کہ ظہر کا آخری وقت وہ ہوتا ہے جب سایۂ اصلی کے بعد سایہ دو انسانوں کے برابر ہو جائے اور راہ راست کو تسلیم کر لینے کے بعد اختلاف کی مثال روزہ کے سلسلہ میں ان کا یہ اختلاف ہے کہ زوال کے بعد مسواک کرنا مکروہ ہوتا ہے یا نہیں۔ اور نماز سبحانک اللّٰھم سے شروع کی جائے یا وجھت وجھی سے یا کسی بھی چیز سے شروع نہ کی جائے۔ اور یہ کہ تشہد ابن مسعود کی طرح پڑھا جائے یا ابن عباس کی طرح یا ابن عمر کی طرح۔ پھر اگر علم کے معاملہ میں ہمت تمہارا ساتھ دے اور تمہاری عزیمت تقوی میں قوی ہو تو ان تفاصیل کو صریح کتاب ظاہر سنت اور اکثر اہل علم کے فعل اور قیاس قوی پر پیش کرو اور مختلف احادیث کے درمیان جمع و تطبیق کرو اور محدثین کی کتابوں میں مروی صحیح، حسن اور ضعیف اخبار میں تتبع سے کام لو اور ان میں جو سب سے زیادہ قوی، قیاس کے سب سے زیادہ قریب اور سب

سے زیادہ احتیاط کے مطابق ہو اس کو اختیار کرلو، ورنہ پھر تم عام مسلمانوں میں سے ایک شخص ہو۔

اب اگر تم یہ کہتے ہو کہ آپ نے جو بیان کیا میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ وہ شریعت مصطفویہ میں سے صراط جلیل ہے لیکن میں دوسرے کے مقابلہ میں اس کے سلسلہ میں کس طرح تمیز کروں؟ اور شاید اس کے لئے احادیث میں سے بہت سی چیزوں کو جمع کرنے کی حاجت ہوگی اور ہمارے زمانہ میں یہ ایک مشکل کام ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اتنے کام کے لئے موطا اور صحیحین اور سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی سے زیادہ کی حاجت نہیں ہے۔ اور یہ کتابیں معروف و مشہور ہیں ان کا حاصل کرنا مختصر مدت میں ممکن ہے۔ البتہ راہ مستقیم قوی وجلیل کی معرفت کے لئے اس نور باطن کی اور جس زبان کو تم جانتے ہو اس کو سمجھنے کی حاجت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے۔ اب اگر تمہارے قلب میں وہ نور نہیں پایا جاتا اور تمہارے بعض بھائی اس سلسلہ میں تم پر سبقت لے گئے تو اس کے بعد تمہارے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

۶۷- تفہیم:

شیخ خواجہ خرد کے سوالات کے جوابات

سبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا. انک انت العلیم الحکیم. امابعد۔

میرے بھائی! تم نے مجھ سے اپنے کشف کے تقاضہ کے مطابق ان سوالوں کے جواب لکھنے کے لئے کہا ہے جو ہمارے شیخ کے شیخ خواجہ خرد نے اپنے بعض معاصرین سے پوچھے تھے، تم ان پر اعتماد کرسکو تو میں آپ کے سوال کا جواب دیتا ہوں۔ خواجہ خرد نے کہا۔ پہلا مسئلہ ایسے مسائل کثیرہ پر مشتمل ہے جو ایک دوسرے سے قریب ہیں اور جو اہل کشف وذوق کے نزدیک جسم کی حقیقت کے بارے میں ثابت ہوئے کہ وہ بسیط ہے یا مرکب۔ اگر بسیط ہے تو مقدار جوہری یا کچھ اور۔ دوسری صورت میں ایسے جوہر فرد سے مرکب ہے جو کبھی تقسیم نہیں ہوتا یا ہیولی اور صورت سے مرکب ہے یا ان چھوٹے چھوٹے اجسام سے مرکب ہے جو عملاً تقسیم نہیں ہوتے یا دوسرے امور سے؟ پھر اجسام فلکیہ عنصریہ ہیں یا نہیں؟ اور اسی طرح کرسی اور عرش دو جسم ہیں یا معقولان ہیں؟ اگر جسم ہیں تو عنصری ہیں یا نہیں؟ اور دونوں صورتوں میں ان

دونوں پر خلاف عادت اور عادت کے مطابق ہونے کا اطلاق کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ پھر خلا کے چاروں یا تینوں پیمانے فلک پر منتہی ہوتے ہیں اور افلاک اور اسی طرح عرش وکرسی کروی ہیں، ہمیشہ حرکت کرتے رہتے ہیں یا نہیں؟ اور اجسام مثالی کی حقیقت کیا ہے؟ وہ بسیط ہیں یا مرکب؟ اور عالم مثال میں حیات، علم، ارادہ اور قدرت وغیرہ نفوس کی صفات ہیں یا نہیں؟ اور اس عالم میں تکلیف، نکاح، قیام، کفر و اسلام اور طاعت و معصیت ہیں یا نہیں؟ کیا اس میں جہت اور مکان و زمان ہیں؟ اور زمانہ موجود ہے یا نہیں؟ اگر موجود ہے تو حادث ہے یا قدیم؟ اور دونوں صورتوں میں اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور قدیم ہونے کی صورت میں ترتیب کس طرح صحیح ہوتی ہے اور زمان الٰہی کیا ہے؟ اور افلاک سات ہیں یا زیادہ جیسا کہ بعض محققین کی رائے ہے؟ اور صورت جنتی اور اسی طرح جہنمی عالم مثال سے ہے یا نہیں؟ اور ان تمام مسائل میں مطلوب وہ امر ہے جس پر کشف یا شہود یا برہان نے حکم لگایا ہے نہ کہ کچھ اور۔

قولہ:- آنجناب قدس سرہ کا قول جسم کی حقیقت بسیط ہے یا مرکب۔ الخ

اقول:- میں کہتا ہوں ہم نے اپنے وجدان سے جو ادراک کیا ہے، اس میں بلا شک و شبہ حق صریح یہ ہے کہ موجودات کے چار مرتب طبقات ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے قیام کا مرکز ہیں اور ان کے تحقق کی اصل لاہوت، جبروت، رحموت اور ناسوت ہیں۔ چنانچہ جبروت کی طرف لاہوت کی نسبت جیسے ماہیت کی نسبت چار اور زوج کی طرح، اس کے لوازم ذاتی کی طرف ہوتی ہے۔ اور رحموت کی طرف جبروت کی نسبت اس کلی کی طرح اس فرد کی طرف واحد ہے جو فرد واحد میں منحصر ہوتی ہے اور ناسوت کی طرف رحموت کی نسبت نفس کی بدن یا صورت کی ہیولی کی طرف نسبت کی طرح ہے۔ بلکہ ناسوت کے ساتھ اس کا ربط ان ارتباطات سے زیادہ ہے اور اس میں اس طرح زیادتی ہوتی ہے کہ وہ ناسوت کے وجود کا منبع ہے اور اس کے تحقق کو قائم کرنے والا ہے۔ پھر رحمت اور ناسوت کے درمیان افلاک اور عناصر پیدا ہوتے ہیں۔ پھر اس کا جو امر روحانیت سے قریب ہوتا ہے وہ ملکوت ہے اور جو جسمانیت سے قریب ہوتا ہے وہ موالید ہے۔ فلاسفہ کی اصطلاح میں ان چاروں مراتب کو انیۃ الاولی، عقل، نفس اور ہیولی کہا جاتا ہے۔

اب جب آپ نے اس بات کو سمجھ لیا تو یہ جان لو کہ جسم کی حقیقت ایک لحاظ سے بسیط

اور ایک لحاظ سے مرکب ہے اور وجوہ کا اختلاف قوم کے اختلاف کا سبب ہوتا ہے اور یہ شرعی اصطلاح میں عماء (دھند) ہے اور وہ ایک ہیولانی طبیعت ہے جو تمام روحانی اور جسمانی صورتوں کو قبول کرنے والی ہے اور اس کا قیوم قائم رکھنے والا رحموت ہے اور وہ اس کے اس طرح وجود کے لئے شرط ہے کہ اس کی قیومیت عماء کے ساتھ اس قیومیت کے مقابلہ میں کافی ہو جائے جس کا ہیولی صورت کلی کا محتاج ہوتا ہے۔ اور عماء زمانہ کے لحاظ سے قدیم اور ذاتی طور پر حادث ہے۔ نبیؐ سے سوال کیا گیا تھا کہ ہمارا رب مخلوق کی تخلیق سے قبل کہاں تھا؟ تو آپ نے فرمایا وہ عماء میں تھا جس کے اوپر بھی خلا تھا اور نیچے بھی خلا تھا۔ اور عماء رحموت کے لئے آئینہ کی طرح ہے اس میں اس کا جمال ظاہر ہوتا ہے اس صفت کے لحاظ سے اس کو ہیولی کہا جاتا ہے اور اس کے رحموت کے ساتھ تقوم (قیام) کے اعتبار سے جسم اور آثار کے ظہور کے لئے مبدا ہونے کے اعتبار سے طبیعت کلیہ اس کا نام رکھا جاتا ہے۔

اور اس کا پہلا مقتضی افلاک میں حرکت دوریہ یومیہ اور عناصر میں تکوین وفساد کی حرکت تقلبیہ ہے۔ اور عناصر اور افلاک کی دو طبیعتیں ہوتی ہیں۔ ان میں سے ظاہر حرکت دوریہ اور تقلبیہ ہے اور وہ طبیعت کلیہ کا ایک فرد ہے جو اس کے لئے اس کی ذات سے قبل نہیں ہوتا۔ اور دوسری طبیعت خفیہ ہوتی ہے اور وہ ہر فلک سے مختص حرکت ہے۔ اور ہر عنصر کی طبیعت مختصہ ہوتی ہے۔ یہ وہ ہے جس میں رحموت ودیعت کیا گیا ہے اور اس کی فطرت اول میں اس پر اس کی جبلت بنائی گئی ہے۔ چنانچہ جس نے یہ دیکھا کہ یہ شے اصل الاجسام ہے اور وہ بعینہ واحد ہے۔ اور اس میں اجزا کا تعدد بمنزلہ انسان میں اس حیثیت سے ان کے تعدد کے مثل ہے کہ حیوان اور ناطق اس کو متضمن ہے۔ اس لئے یہ تعدد اس کی وحدت میں کوئی نقص پیدا نہیں کرتا۔ اس نے کہا کہ اجسام کی حقیقت بسیط ہے۔ اور جس نے اس تعدد کو دیکھا اور کام کو غیر محکم نہیں چھوڑا اس نے مرکب کیا **ولکل وجھۃ ھو مولیھا** "ہر ایک کے لئے ایک رخ ہے جس کی طرف وہ مڑتا ہے۔"

اور عماء کے قدیم ہونے پر اللہ کے سوا تمام عالم کے حدوث پر ملتوں کے اتفاق سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لئے کہ انیۂ اولی، عماء میں تجلی کرتی ہے۔ اس وقت اس تجلی سے احکام ظاہر ہوتے ہیں جن کو احکام الوجوب کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ملتوں کا کہنا ہے کہ یہ حقیقت

اللہ تعالیٰ کے ناموں اور اس کی صفات سے ظاہر ہوتی ہے اور یہ نہ تمام وجوہ سے عین ذات ہے اور نہ ہی تمام وجوہ سے غیر ذات ہے اور یہ زمانہ کے لحاظ سے قدیم ہے اور اس لحاظ سے بالذات حادث ہے کہ یہ ذات الٰہیہ کے ساتھ موجود ہے۔ چنانچہ اس بیان سے یہ امر ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان کے نزدیک عالم کا اطلاق عماء کے نفس پر نہیں ہوتا بلکہ عماء پر اس حیثیت سے ہوتا ہے کہ اس میں حقائق امکانیہ ظاہر ہوتے ہیں۔ فتدبر۔

اور زمانہ کی حقیقت کے سلسلہ میں نزاع میرے نزدیک لفظی ہے اس لئے کہ زمانہ کی اصل ایک حال سے دوسرے کی طرف تغیر ہے خواہ وہ حرکت دوریہ سے ہو یا حرکت کیفیہ وغیرہ سے۔ اور جب عماء ظاہر ہو گیا تو اس کے خواص سے تغیر اور تقلب ہے اور تغیر اس کے لوازم سے ہے۔ چنانچہ جس نے اصل کی طرف دیکھا، اس نے کہا کہ زمانہ کی حقیقت جوہر مجرد ہے اور اس کا برسوں اور مہینوں میں پھیلاؤ حرکت دوریہ کے ساتھ قائم ہے۔ چنانچہ جس نے اس کی طرف دیکھا اس نے کہا کہ یہ حرکت دوریہ کے ساتھ قائم عرض ہے۔ اور اہل لغت زمانہ سے صرف حادث کے حادث کے ساتھ مقدور ہونے کا ادراک کرتے ہیں۔ چنانچہ جس نے اہل لغت کے استعمال کے لحاظ سے زمانہ کے مفہوم کی طرف دیکھا، اس نے کہا کہ اس کی حقیقت حادث کی حادث کے ساتھ تقدیر ہے۔ اس طرح نزاع ایک ہی جگہ میں وارد نہیں ہوتا۔

اور یہ بھی سمجھ لو کہ رحموت بعینہٖ جبروت ہی ہے، اس کے اور جبروت کے درمیان صرف ایک صفت کے لحاظ سے فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ جب اپنے خاص مقام سے نیچے اتر گیا اور ناسوت میں داخل ہو گیا تو رحموت ہو گیا۔ اور اسی طرح جبروت اور لاہوت میں بھی ایک صفت کے علاوہ کوئی فرق نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب وحدت اولیٰ کشادہ ہو گئی اور ازل سے ابد تک اپنے تمام مقتضاؤں کی طرف متوجہ ہو گئی اور وہ مقتضیات عالم مجرد میں ایک ہی بار میں زمان اور مکان کی شکل میں آ گئے تو جبروت ہو گیا اور وہاں ہر شکل کی حقیقت یہ ہے کہ شان واجب اپنے تحقق کی جہات سے ایک جہت ہے اور واجب لذاتہ اپنی تمام جہات سے واجب ہے۔ اسی لئے شرعی اصطلاح میں اس فرق کو لغو قرار دیا جاتا ہے اور تمام کو اس لحاظ سے الٰہ قرار دینا کہ وہ کمال کی صفات سے متصف ہے، حی ہے، آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے سب کو قائم رکھنے والا ہے، ہر ایک نے جو کچھ کمایا ہے اس پر قائم ہے اور ناسوت کو جس میں صورتیں ظاہر ہوتی ہیں

عالم نام رکھنا۔ مختصر یہ کہ دائرۃ الوجود میں اللہ اور عالم کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اور فلاسفہ کے کلام کا محل جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، اگر ان کا یہ قول ہے کہ جسم ورنہ ہیولی اور صورت سے مرکب ہے تو ٹھیک ہے اور اچھی بات ہے ورنہ ہم ان کی بات تسلیم نہیں کرتے۔ اور حکماء قدیم میں جرمیون (جسم ماننے والوں) نے جو کہا ہے اور ان سے متکلمین نے استفادہ کیا ہے کہ اجسام، اجزاء لا تجزی ان اجزا سے مرکب ہیں جن کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کلام فی نفسہ صحیح ہے میرے نزدیک یہ اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک خاص مدت میں پہاڑ میں سخت چٹان کی تھوڑی سی کمی آ جاتی ہے اور ہم اس طرح توڑتے ہیں کہ کمی ایک بار میں حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ بیشمار بار میں ہوتی ہے۔ پھر جتنی بار میں وہ کمی ہوتی ہے جب ہم اس مقدار کو اتنے بار میں تقسیم کرتے ہیں تو اتنی مقدار بھی نہیں نکلتی جس کا تخیل بلکہ وہم بھی کیا جا سکے اور اس جیسا کاٹنا یا توڑنا ممکن نہیں ہوتا۔ اور یہ بہت واضح طور پر معلوم ہے۔ یہ وہی ہے جس کا لوگوں نے ارادہ کیا پھر یہ بھی معلوم ہے کہ وہ اجزا اس لائق نہیں ہوتے کہ انہیں آگ یا ہوا کہا جا سکے۔ لیکن ہوا اور آگ اس سے مرکب کا نام ہے۔ چنانچہ صفات مرکب پر عارض ہوتی ہیں نہ کہ اجزاء لا تجزی پر۔ (ان اجزا پر جن کے مزید اجزا نہ کئے جا سکیں۔) اور ان کی یہ بحث مبحث علماء کو ایک طرح سے بالکل نہیں چھوتی۔

اور یہ بھی جان لو کہ شرع میں کوئی بھی چیز ان تردیدوں اور ردعمل سے منصوص نہیں ہے۔ جانے والے اس طرف اپنے افکار اور عقلوں سے گئے ہیں، جب کہ اصلی غرض شریعتوں کا اثبات ہے۔ تو جس نے شریعتوں کے اثبات کے لئے ان کی صورتوں سے اتفاق کیا اور ان تردیدوں (رد اعمال) کے چکر میں نہ پڑا تو یہ اس کے لئے بہت اچھی بات ہے اور جو اس چکر میں پڑ گیا اور اس نے صحیح اور ایک دوسرے سے مربوط کلام اخذ کر لیا اور اس پر مبنی مباحث شرع کی، فروع کا استنباط کر لیا تو اس کے فائدہ کی بات ہے۔ اور اس میں متکلمین کے ساتھ موافقت واجب نہیں ہے۔ البتہ ان میں سے اہل سنت اپنی تمام عزیموں کے ساتھ شارع سے اخذ کرنے میں ان کی تائید کرتے ہیں۔

قولہ:۔۔ آنجناب کا قول اجسام فلکیہ عنصری ہیں یا نہیں؟

اقول:۔۔ میں کہتا ہوں۔ حق صریح جس کا ہم نے اپنے وجدان سے ادراک کیا ہے۔

یہ ہے کہ رحموت اولاً عرش سے مربوط ہوتا ہے۔ پھر اس کے واسطہ سے عماء کے تمام اجزاء سے مربوط ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا الرحمن علی العرش استوی "رحمٰن عرش پر مستوی ہو گیا" (طٰہٰ ۵) اور رسول اللہؐ کے ارشاد سے مستفاد ہوا کہ اللہ، عرش کے اوپر ہے اور یہ کہ وہاں سے ہی فیصلے نازل ہوتے ہیں اور اس طرح کی نصوص کی تاویل ان امور میں سے ہے کہ مومن کے لئے ان پر چلنا مناسب نہیں ہے۔ اس لئے یہ کہنا واجب ہو گیا کہ رحموت کو عرش کے ساتھ ارتباط خاص ہے۔ اور یہ کہ وہاں سے امور، وحی اور تکوین وغیرہ کے ذریعہ نازل ہوتے ہیں۔ اور جب ہم نے طبیعت کلیہ کی حقیقت پر توجہ کی اور اس کے علاوہ سے قطع تعلق کر لیا اور اس کے ساتھ ہی بقا حاصل کی تو ہمیں عرش سے ارتباط خاص حاصل ہو گیا۔ اور اس کے علاوہ سے واسطہ سے ربط حاصل ہوا۔ اور وجدان سے ہمیں کرسی کی حقیقت معلوم نہیں ہوئی۔ نہ ہی یہ معلوم ہوا کہ وہ عین عرش ہے یا اس کے علاوہ کچھ ہے۔ اور عرش کی جسمیت اور اس کی معقولیت میں صاحب وجدان سے تردید اور ردعمل ان کا مرکز و مدار منشاء، واللہ اعلم، یہ ہے کہ اس محدود دائرہ والے جسم کے ماورا ایک اور عرش مثالی ہے، اس کا رنگ چاند کے رنگ کی طرح صاف چمکدار ہے۔ اس سے روشنی کا فیضان اولاً سورج پر ہوتا ہے پھر تمام سیاروں پر اور تیسرے نمبر پر آگ اور روشن اجسام ارض پر۔ اور اس سے سیارے اپنے قوائے معنویہ میں مدد حاصل کرتے ہیں۔

اور جب ہمارے اوپر اس نور اعظم کا انکشاف ہوا تو ہم نے اس میں ہر قسم کا ظہور پایا۔ چنانچہ سورج میں غلبہ کا ظہور ہے اور زہرہ میں محبت کا اور چاند میں کفایت کا ظہور ہے وغیر ذالک۔ اور ان امور سے زمینی معانی مرکب ہوتے ہیں۔ اور یہ عرش مثالی، عین عرش جسمی نہیں ہے، نہ ہی تمام وجوہ سے اس کے مغائر ہے بلکہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ حقیقت واحدہ ہے جو مثال میں عرش مثالی سے اور ناسوت میں عرش جسمی سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور کبھی ظاہر ہوتا ہے کہ عرش نوری تجلی اعظم ہے جس کو نفس کلیہ نے سب سے پہلے قبول کیا۔ اور اس کی بہت سی صفات ہیں اور اس کی پہلی صفت عرش اور افلاک سے تجلی اعظم کے نکتہ میں اس کا ظہور ہے۔ اور دوسرے اس کا ظہور نفوس کاملہ سے تجلی اعظم کے نکات میں ہے۔ اس طرح ان میں سے ہر ایک کے لئے عرش مثالی اور عرش تکوینی کہا جاتا ہے۔ اور حقیقت میں اس سے قضا نازل ہوتی

ہے۔اوراس عرش کی طرف ارتباط کے معنی میں منسوب کی جاتی ہے۔جیسا کہ کبھی قلب صنوبری لوتھڑے کو کہا جاتا ہے اور کبھی قوت نفسانیہ کے لئے بھی ارتباط کے لحاظ سے کہا جاتا ہے۔اس طرح یہاں ارتباط ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے عرش کے نام کا حامل ہے۔

چنانچہ عرش نہ خلاف عادت (فرق) کو قبول کرتا ہے، نہ ہی اس سے مطابقت کو جیسا کہ متکلمین نے ذکر کیا ہے۔البتہ افلاک ان دونوں کو قبول کرتے ہیں لیکن وجدان اس امر کا ادراک کرتا ہے کہ فرق والتیام (خلاف عادت اور اس کی مطابقت) کا قبول کرنا دو طرح سے ہوتا ہے۔ایک یہ کہ صورت اپنے منبع یعنی رحموت کی طرف لوٹتی ہے۔اس طرح بدن جدا ہو جاتا ہے اور عماء خالص ہو جاتا ہے۔اور دوسرے یہ کہ بدن جدا ہو جاتا ہے یا خلل واقع ہو جاتا ہے اور وہاں اس میں صورت کی بقا کے ساتھ حاصل ہوتا ہے جیسے انسان کو کوئی پریشانی لاحق ہو جاتی ہے یا کوئی بیماری ہو جاتی ہے جس سے وہ مر جاتا ہے تب نفس نطقیہ اپنے حال پر باقی رہ جاتا ہے۔جہاں تک وجہ اول کا تعلق ہے تو وہ افلاک میں موجود ہے۔اگر ایسا نہ ہوتا تو افلاک، اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ شقی، بدبخت ہوتے اور رحمت سے سب سے زیادہ دور ہوتے۔اس لئے کہ ہر طبیعت خاصہ والے کا کمال یہ ہے کہ طبیعت کلیہ کی طرف رجوع کرے اور جہاں تک وجہ ثانی کا تعلق ہے تو رب العالمین نے اس کی نفی کرتے ہوئے فرمایا **مالها من فروج**. ”اس میں کہیں کوئی رخنہ نہیں ہے۔“

اب اگر تم کہو کہ کیا آپ وجدان سے جان جاتے ہیں کہ افلاک کب فنا ہوتے ہیں؟

تو میں کہتا ہوں! ہاں میں اس کو اجمالی طور پر جانتا ہوں لیکن تفصیلی طور پر نہیں جانتا۔ جیسا کہ جو کوئی خواب دیکھتا ہے اور پھر اس کو بھول جاتا ہے اور جب تعبیر کو دیکھتا ہے تو جو کچھ بھول گیا تھا اس کو سب یاد آ جاتا ہے۔

اور جب یہ حساب فنا ہو جائے گا جس کی طرف اہل زمین اپنے استدلال سے وسیلہ لیتے ہیں اور جب وہ حساب فنا ہو جائے گا جو افلاک کی جبلت میں ودیعت کیا گیا ہے تو قیامت عظمی آ جائے گی۔تب افلاک اور عناصر سب فنا ہو جائیں گے۔

یہ مصیبت عظمی جو ہمارے اس زمانہ سے تین سو یا چار سو سال بعد آئے گی اس وقت بادل چھٹ جائیں گے۔اب جہاں تک استقصات بحث میں انتہا تک پہنچنے کا سوال ہے تو یہ

ایک اعتبار سے دو اور ایک اعتبار سے چار ہیں۔ اول وجدان سے زیادہ قریب ہے۔ تو جب اس میں ہوا سے کواکب کی شعاع لگتی ہے، وہ آگ ہو جاتی ہے اور جب اس کی شعاع پانی سے لگتی ہے تو مٹی یا زمین ہو جاتی ہے جس میں تخلیقات عمل میں آتی ہیں۔ واللہ اعلم۔ اور اس طرح کے معاملات میں میرے نزدیک نزاع لفظی ہے۔ اس میں وجدان کا کوئی حکم لاگو نہیں ہوتا اور افلاک اور عناصر سب کر یہ متحرکہ ہیں۔ ان میں پہلا حرکت دوریہ وضعیہ سے ہوتا ہے اور دوسرا حرکت تقلبیہ کیفیہ سے۔

اب اگر تم کہو کہ یہ پانی کیا ہے جس کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا و کان عرشه علی الماء "اس کا عرش پانی پر تھا۔" (ھود ۷)

میں کہتا ہوں کہ اس سے مراد "فتح" ہے۔ اس کو "ماء" سے اس لئے موسوم کر دیا کہ وہ پانی کی طرح جلدی سے صورتیں قبول کر لیتا ہے جیسا کہ عرش کو عرش اس لئے کہا گیا کہ وہ پھٹتا نہیں ہے اور اس پر رحمان مستوی ہوا۔

قوله: - آنجناب قدس سرہ کا قول، اجسام مثالیہ کی حقیقت کیا ہے؟

اقول: - میں کہتا ہوں کہ وجدان صریح یہ حکم لگاتا ہے کہ مثال کی دو قسمیں ہیں ایک منبع دوسرے مظہر۔ منبع کا تعلق جسم ناسوتی کے باب سے نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس پر کفر اور اسلام وغیرہ کا حکم لاگو ہوتا ہے۔ اور اس کی حقیقت طبیعت کلیہ کے لئے قوت ہے تو جس طرح طبیعت کلیہ کے لئے قوت جسمیہ ہوتی ہے۔ اس سے افلاک اور عناصر کے جسم وجود میں آتے ہیں۔ اسی طرح اس کے لئے مجرد اور محسوس کے درمیان قوت ہوتی ہے جو خارج سے نقش ہونے والی روشنیوں، رنگوں اور شکلوں کو قبول کرتی ہے۔ اور اس سے افلاک اور بنی آدم اور بے زبان حیوانات کے خیالات مدد حاصل کرتے ہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کسی شے کو وجود بخشنے کا فیصلہ فرماتے ہیں تو اس شے کا وجود اس قوت میں مقرر فرما دیتے ہیں۔ تب افلاک کو اس کا پتہ چلتا ہے پھر ملاء اعلیٰ کو اور پھر نفوس بشریہ کو جیسا کہ رسول اللہؐ نے کہانت کے اسرار کے بارے میں بیان فرمایا۔ اور فرشتوں اور جنات کو اس قوت کے ساتھ ربط فطری ہے۔ پھر اس کی مدد سے جیسی چاہتی ہے شکل اختیار کرتی ہے۔ چنانچہ اس منبع میں متقابلات کی قسم کی کوئی چیز نہیں ہے۔ وہاں صرف ایک حیات ہوتی ہے جس میں نقش کے طریقہ سے تمام موجودات کی شکلیں بنتی ہیں۔ اوپر

سے بھی اور نیچے سے بھی اور اس کی مثال ہم میں سے کسی کے بھی خیال کی طرح ہوتی ہے۔

اور مظہر کبھی نفوس بلند سے کوئی نفس ہوتا ہے۔ وہ اپنی جبلت سے منبع میں وجود میں آنے والے بھید کو پالیتا ہے۔ تب اللہ رحمٰن اس کی طرف اپنی نظر ازلی سے دیکھتا ہے۔ اس وقت طبیعت کلیہ مربوط ہوتی ہے۔ اور اس نشاۃ جزئیہ نفسیہ میں حقائق مثالیہ ظاہر ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ رحمان نے فیصلہ کیا ہوتا ہے۔ اور یہ نفس ہی لوح ہے۔ جو نفوس اعلیٰ کو مکمل کرتا اور ان کا تزکیہ کرتا ہے۔ اور اس سے فرشتوں کو پتہ چلتا ہے اور کبھی نفس ارضی ہوتا ہے جو اجمالی مصلحت کلیہ پر متوجہ ہوتا ہے تب اس کی طرف طبیعت کلیہ متوجہ ہوتی ہے۔

پھر جب قوت کلیہ مثالیہ، زمین اور آسمان کے کسی جز سے مربوط ہو جاتی ہے تو ایک ایسی حالت پیدا ہوتی ہے جو ناسوت اور مثال کے درمیان تردد میں ہوتی ہے۔ تب ناسوت میں رنگ، وضع، شکل اور مقدار والا جسم ظاہر ہوتا ہے۔ البتہ جب تک وہ نظر باقی رہتی ہے وہ پھٹاؤ اور جدائی کو قبول نہیں کرتا۔ اس باب سے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی آگ ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ جنت اور جہنم نبیؐ پر دونوں ظاہر ہوئیں۔ جو آپ کے اور قبلہ کی دیوار کے درمیان تھیں۔ تب آپ نے جنت کی ہوا اور جہنم کی تپش محسوس کی۔

اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو ان کا حشر عناصر میں ہوگا اور ارواح کا تعلق دم کے پچھلے حصہ کی طرح ہوگا۔ اس طرح اس سے انسان کو پیدا کیا جائے گا اور جب تمام اجزائے جسمانی دم کی جڑ وغیرہ باطل ہو گئے اور نفس اس کے پیچھے نہیں آیا اور ایک وضع سے دوسری وضع کی طرف متغیر نہیں ہوا۔ ویسے یہ صورت انتہائی نادر ہے تو ان کا حشر اس حالت کی طرح ناسوت اور مثال کے درمیان ہوگا جو تبدیل ہونے والوں کے لئے اس وقت ہوگی، جب ان کے لئے زمین لپیٹ دی جائے گی اور اس کی طرح جو ہمارے نبی محمدؐ کے لئے اس وقت ہوئی جب آپ کو معراج کی رات لے جایا گیا تھا۔ پھر جب حساب اور سوال کا وقت آئے گا تو ان کے بدن نوری ہو جائیں گے۔ یعنی مثال اور ناسوت کے درمیان موسیٰ علیہ السلام کی آگ کی طرح۔ اور جبریل کے اس وقت کے جسم کی طرح جب انہوں نے نبیؐ کے پاس آ کر آپ سے ایمان، اسلام، احسان اور ساعت کے بارے میں سوال کیا تھا۔ اور اس مثالیہ اور اجسام خالصہ کے درمیان صرف چند وجوہ سے فرق ہے۔ ایک یہ کہ یہ عناصر سے نہیں بلکہ عرش کے

خیال سے شروع ہونے والی قوت سے ہوتی ہے۔اور دوسرے یہ کہ اس میں معانی کا ظہور اجسام کی صورت میں اکثر ہوتا ہے۔اور تیسرے یہ کہ کواکب کے اتصال اور عناصر کے طبائع کے احکام کی رعایت وہاں واجب نہیں ہوتی بلکہ معاملہ خالص نظر الٰہی کے لئے ہوتا ہے۔اسی لئے رب العزت نے فرمایا سنفرغ لکم ایھا الثقلان ''اے زمین کے بوجھو! عنقریب ہم تم سے باز پرس کے لئے فارغ ہوئے جاتے ہیں''۔(الرحمٰن ۳۱)اس لئے شارع نے اس کے اور اجسام کے درمیان فرق نہیں کیا ہے سوائے اس کے کہ جنت اور جو کچھ اس میں ہے، سب نورانی ہے۔اور اس طرح فرق کے وجوہ اور جنت میں مومنوں کی اور جہنم میں کافروں کی شکلوں کا بدلنا۔بغیر کسی فرق کے ملائکہ کے شکل بدلنے کی طرح ہے۔اور عالم مثال کے لئے بعض اجسام یا اعراض کے ضمن میں احکام اور ظہور ہیں۔اگر ہم ان کے سلسلہ میں برسوں تک بھی بات کرتے رہیں تب بھی نہ ان کا احاطہ کر سکتے ہیں نہ ان کی کسی قسط کا۔واللہ اعلم بخلقہ

قال: آنجناب نے فرمایا دوسرا مسئلہ بھی مسائل کثیرہ متناسبہ پر مشتمل ہے کہ اہل کشف کے نزدیک نفوس انسانیہ کا تجرد ثابت ہے یا نہیں۔اور وہ قدیم ہیں یا حادث۔یا بعض قدیم اور بعض حادث اور قدم وحدوث سے قطع نظر اجسام سے تعلق سے پہلے اس کا وجود ہے یا نہیں؟ یا بعض کا وجود ہے بعض کا نہیں؟ اور کیا نفوس فلکیہ اور عقول کا وجود ثابت ہے؟ اور نفوس اور عقول سے ماورا دوسرے مجردات کا جو نہ تدبیر کرنے والے ہوں اور نہ موثر ہوں، پایا جانا ممکن ہے یا نہیں؟ اور کیا عقول اور نفوس ذاتی اور اس طرح نفوس فلکیہ اور انسانیہ کے درمیان امتیاز ثابت ہے یا نہیں؟ اور نفس انسانی کے لئے نفوس فلکیہ پر غلبۂ قوت اس طرح ممکن ہے کہ نہیں کہ فلک جس طرح چاہے گھومے؟ اور کیا عقول ان کے وجود کی تقدیر پر عدد معین پر منتہی ہوتی ہیں۔اور ان کے نزدیک کیا ثابت ہوا ہے کہ وجود، واجب پر زاید ہے یا اس کا عین ہے؟ اور اگر واجب پر زاید ہے تو ان براہین عقلیہ سے کیسے نجات ملے، جو اس کی عینیت پر دلالت کرتی ہیں جب کہ وہ اس قدر کثرت سے مشہور ہیں کہ یہاں ان کے ذکر کی حاجت نہیں۔اور جیسا کہ مخالفین سمجھتے ہیں وہ قطعی ہیں، یہی معاملہ تعین وجودی کا ہے جیسا کہ ہمارے شیخ قدس سرہ کی رائے ہے۔

قولہ:-کیا نفوس کا تجرد ثابت ہے؟

اقول:-جہاں تک تجرد خالص، تجلی اعظم کے نکتہ کا سوال ہے یعنی یہ کہ شے فی نفسہ نہ

زمانی ہوتی ہے اور نہ مکانی اور نہ اپنے فعل میں ہوتی ہے اور نہ تعلق میں۔ تو اس کا نفوس میں بالکل بھی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ وہ شان جبروت ہے جہاں تک تجرد کا اس معنی میں سوال ہے کہ فی نفسہ نہ زمانی ہوتا ہے اور نہ مکانی۔ اگر چہ اپنے فعل میں ہو تو یہ ان صور نوعیہ وجنسیہ اور نفوس ناطقہ کی شان ہے جو صور شخصیہ ہیں۔ اور وہ حدوث بدن کے وقت حادث ہیں۔

اور اصحاب وجدان کے ان کے حدوث اور قدم میں تردد کا مقصد یہ ہے کہ ایک نفس کلیہ ہے جو نفوس خاصہ کا منبع ہے۔ اور اس کے قیام پر قوی ہے، میری مراد اس سے طبیعت اولی ہے۔ اور وہ قدیم بالزمان ہیں۔ چنانچہ جس نے ان کی طرف ان کی خصوصیت کے ساتھ دیکھا، اس نے ان کو حادث کہا۔ اور جس نے ان کو ایسی نظر سے دیکھا کہ ان کے قوی ہونے تک پہنچتی ہے، اس لئے کہ ان کے تحقق کے جوہر میں نفس کلیہ کی طرف ایک طریق ہے، ان کی طرف اشارہ ہے، ان کے لئے عاجزی ہے۔ اس نے ان کو قدیم قرار دیا اور جسموں کے ساتھ ان کے تعلق سے قبل ان کے وجود میں ان کے تردد و تحول کا مقصد یہ ہے کہ اس کے نزدیک ان کا حدوث اس وجود کا اشتباہ ہے جس کا ناسوت میں مثال میں فیصلہ کیا جاتا ہے اور جس وجود کا بعض نفوس کلیہ اور ملاء اعلی میں مثال میں اس وجود سے دو ہزار سال قبل فیصلہ کیا جاتا ہے اور یہ وہ ہے جس کی خبر نبیؐ نے دی ہے کہ ارواح، اجساد سے دو ہزار سال قبل پیدا کی گئیں تو جس کا ادراک ہم نے اپنے وجدان صریح سے کیا کہ اللہ تعالیٰ اولا اپنے بندوں کے وجود کا لوح محفوظ میں فیصلہ فرماتا ہے اور یہ عرش و افلاک کے دائرہ میں وجہ اجمالی ہے تو اس کو لوح نے حاصل کر لیا۔ جس طرح معمار اپنے نفس میں دیوار کی ہیئت پاتا ہے۔ اور دوسرے جب بعض اسباب فوقانیہ کا تقاضہ ہوتا ہے تو اس کا فیصلہ کر دیتا ہے تب وجود تفصیلی ہوتا ہے اور اس قضا کے قوت، ضعف، اجمال اور تفصیل کے لحاظ سے درجات ہوتے ہیں اور اس کے لحاظ سے بنو آدم کی تخلیق ہوئی اور ان سے میثاق لیا گیا۔ اور تیسرے جب تمام اسباب ارضی و سماوی تیار ہو جاتے ہیں تو ان کے وجود کا فیصلہ فرماتا ہے اور اس کو نفخ روح سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جب وجود کا فیصلہ فرماتا ہے تو اس کے ساتھ وجودات سابقہ متحد ہو جاتے ہیں۔ اور بالجملہ وجود نفس کا جس کا فیصلہ حدوث بدن کے وقت کیا جاتا ہے اور وجود روح جس کا فیصلہ اس سے تقریبا دو ہزار سال قبل کیا گیا ظاہری بادی الرائے میں متحد اور ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوتی

ہیں۔اس اختلاط کی وجہ سے اکثر اصحاب وجدان ان دونوں کے درمیان تمیز نہیں کر پاتے۔

اب اگر تم حق بات معلوم کرنا چاہتے ہو تو جان لو کہ جس کا بھی تعلق عماء سے ہے وہ پوری طرح مجرد نہیں ہے بلکہ وہ عماء میں وجود کی ایک وجہ ہے جیسا کہ انسان ایک دائرہ میں ہوتا ہے اور اس کا انسان، حیوان اور ناطق ہونا دائرہ میں نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کے وجود کی ایک وجہ ہے جو کہ دائرہ میں ہے۔

اور یہ کہنا کہ انسان جب مرجاتا ہے تو اس کی روح ہوائی باطل ہو جاتی ہے اور اس کا نفس ناطقہ مجرد باقی رہ جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ روح باطل نہیں ہوتی اور اگر وہ باطل ہو جاتی ہے تو انسان کو نہ عذاب دیا جائے گا نہ انعامات اور نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ اس لئے کہ تنہا نفس مجردہ تعذیب اور تنعیم کے مادہ کا حامل نہیں ہوگا اور جب وہ اس کا حامل نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی حکمت میں عذاب دیا جانا اور نعمتوں سے نوازا جانا صحیح نہیں ہوگا۔ جیسا کہ جب بدن باطل ہو جاتا ہے تو وہ اس کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ اس کو بخار اور ورم لاحق ہو اور اس کی تکلیف سے دوچار ہو۔ اس لئے کہ بخار اور ورم کے مادے عضلات ہوتے ہیں۔ بلکہ حق بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں اس کا بھید یہ ہے کہ کسی شے کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ نہ کرے جو اس کی جبلت کے تقاضہ کے خلاف ہو۔ چنانچہ نفس ناطقہ کی جبلت یہ ہے کہ اس کا جسم سے اسی طرح کا تعلق ہو جیسا کہ صور معدنیہ، نباتیہ، حیوانیہ اور انسانیہ کا جسم سے ہوتا ہے۔ ان صورتوں کے سایہ میں جسم ان صورتوں کے مقتضا کے مطابق اس معنی میں متغیر ہوتا ہے کہ روشنی کا سایہ جن چیزوں میں ہوتا ہے۔ وہ ان میں خاص رنگوں اور شکلوں کا تقاضہ کرتی ہے۔ چنانچہ حق کی تدبیر اس طرح کارفرما ہوتی ہے جیسا اس کے سایہ میں تقاضہ ہوتا ہے۔ بعینہٖ یہی حال نفس نطقیہ میں ہوتا ہے۔ چنانچہ روح امراض شدیدہ میں مبتلا ہوتی ہے تو اس کے اجزا تحلیل ہو جاتے ہیں لیکن پوری طرح فنا نہیں ہوتے بلکہ اس قدر باقی رہتے ہیں جس کے ذریعہ نفس نطقیہ کا تعلق درست ہوتا ہے۔ جس طرح برتن کو پوری طرح خالی کر دیا جائے تو اس میں ہوا باقی رہ جائے گی تاکہ خلا لازم نہ آئے۔ اور اگر اس کو بھی نکال دیا جائے تو برتن پھٹ جائے گا تاکہ نظام کل ختم نہ ہو جائے۔ اسی طرح یہاں روح کی ایک مقدار باقی رہ جاتی ہے اور روح اولاً نفس سے متعلق ہوتی ہے پھر بدن سے، پھر جب انسان مرجاتا ہے

تو جسم باطل ہوجاتا ہے اور اس کی روح باقی رہ جاتی ہے۔ اور اس میں اس کے قوائے قلبیہ و دماغیہ کو جوہر ہوائی میں اٹھاتے ہیں اور اگر چہ گوشت پوست والا جسم باطل ہو جاتا ہے پھر بھی برزخ میں عذاب وثواب کا معاملہ اسی روح کے ساتھ ہوگا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔ اس وقت اس کے ساتھ جسم مرکب ہو جائے گا۔ ہم نے اپنے وجدان سے یہی ادراک کیا ہے۔

قوله:- قدس سرہ:- کیا نفوس فلکیہ اور عقول کا وجود ثابت ہے؟

اقول:- ہاں! افلاک کے نفوس بلند وبالا ہیں جو نفس کلیہ سے مشابہ ہیں۔ ان کی تکمیل کی تجدید نہیں ہوتی بلکہ وہ پوری طرح موجود ہیں جو صورتوں کے عطیہ سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ رحمٰن جب بھی کسی شے کا ارادہ فرماتے ہیں، ان میں اس کی صورت نقش ہوجاتی ہے اور تمام افلاک، حق اول سے اخذ اور خیر کی طلب میں برابر ہیں لیکن جب اس کا ارادہ کسی شے کے وجود سے متعلق ہو جاتا ہے تو ان ارادوں کا ظہور بہت سے اسلوبوں اور پہلوؤں سے ہوتا ہے۔

اور افلاک کے لئے عقول ہیں۔ اور وہ جبروت میں درج اعتبارات اور جہات ہیں۔ اور ان کی قریب ترین تعبیرات اسماء اللہ تعالیٰ ہیں لیکن ہمارا وجدان مختلف و متعدد وجوہ سے فلاسفہ کے کلام کی مخالفت کرتا ہے۔

ایک یہ کہ عقول۔ افلاک کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ صاحب کمال بشر کے لئے بھی عقول ہوتی ہیں۔ چنانچہ جب ہم نے اپنے وجدان کی طرف توجہ کی تو ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارے جوہر میں وجود عقلی ہے۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کو تیقظ اور علم حضوری ہے جیسا کہ نفس نطقیہ خود جان لیتا ہے۔ اور اس کو وہ تمام احوال تفصیل کے ساتھ یاد آجاتے ہیں جو اس پر ناسوت میں طاری ہوئے تھے۔ اور ہم نے لاہوت سے عظیم تعلق معلوم کیا اور تمام حقائق پر لپٹنا معلوم کر لیا اور جو علوم عرشیہ عالم کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض پوشیدہ رہ گئے اور بعض ہمارے نفوس ناطقہ پر مترشح ہوگئے۔

دوسرے یہ کہ عالم میں نہ یہ عقول فعال کام کرنے والی ہیں اور نہ ہی عقل فلک قمری۔ البتہ ان کے نفوس فیض الٰہی کے لئے تیار رہتے ہیں اور اس کمال کے لئے وجود عقلی میں لامحالہ ایک قسم کے اندراج کا ہونا ضروری ہے بلکہ اصل فعال رحمٰن ہے۔ وہی صورت جوہریہ وعرضیہ

کا فیضان کرتا ہے، وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔ سب کچھ اس کے غلبہ میں ہے اور اس کی انگلیوں کے درمیان ہے، اس کو جس طرح چاہتا ہے گھماتا ہے اور نفوس فلکیہ اور طبائع عناصر طبیعت کلیہ کے لئے مادوں اور اعضا و سامان کی طرح ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

تیسرے یہ کہ عقول ان کے نزدیک جواہر مستقل ہیں اور ہمارے نزدیک اسماء الٰہیہ اور اول الحق کے لئے اعتبارات وجہات ہیں۔ میں نے ان کو دیکھا کہ جب لاہوت کی طرف بلند ہوتے ہیں تو مضمحل ہوتے ہیں اور جب نیچے کی طرف اترتے ہیں تو میں نے ان کے لئے تحقق اسی دیکھا۔ اور میرے نزدیک یہ مخالفت متاخرین کے کلام سے ہے۔ ورنہ ان کے اسلاف کی رائے ہمارے بیان سے قریب ہی ہے۔ واللہ اعلم۔ اور جب کمال کے لئے نفوس بشریہ کے جسم جدا ہوتے ہیں تو ان کے لئے اشکال مثالی اختیار کرنا ممکن ہوتا ہے یا جب بدن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان پر حیات کا فیضان ہوتا ہے جس طرح نفس نطقیہ کا فیضان ان کے بدن پر ہوتا ہے۔ اس طرح نہیں کہ وہ اپنے امر کے لئے نفس قائم یا قائمہ ہو بلکہ وہاں نفس اخری ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے اپنے وجود میں تیاری ہوتی ہے اور اس کو بروز کہا جاتا ہے۔ اور ان کے لئے افلاک سے متعلق ہونا ممکن ہوتا ہے لیکن وہ تعلق محبت کا ہوتا ہے نہ کہ تسخیر کا۔ اور ان میں سب سے زیادہ کامل وہ ہوتا ہے کہ جب اس کا نفس اس کے بدن سے جدا ہوتا ہے تو اس کا الحاق عرش سے ہو جاتا ہے۔ اور وہ طبیعت کلیہ سے متصل ہو جاتا ہے اور عالم کے اوپر فیضان کرنے والے تمام احکام اس طرح ہو جاتے ہیں جیسے نفس کا حکم اس کے بدن میں ہوتا ہے۔ اور جب نفس اپنے منبع سے ملتا ہے تو اس نفس کے علاوہ ہر نفس مضمحل ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ مضمحل نہیں ہوتا حتی کہ رحموت سے مل جاتا ہے۔ اور عدد میں عقول کا حصر ممکن نہیں ہے کہ وہ غیر متناہی ہوتی ہیں۔

قوله قدس سرہ:- کیا تمہارے نزدیک یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وجود زائد ہے۔

اقول:- وجود الواجب اس معنی میں عین اس کی ذات ہے کہ اس کی ذات وجود ہے اور وہ ماہیت ہے۔ وہاں ایک چیز وجود اور ماہیت کے لئے کافی ہوتی ہے بلکہ تمام صفات وجود کے بعد بھی اس معنی میں لاحق ہوتی ہیں کہ وہاں اس مرتبہ میں صرف امر بسیط ہوتا ہے۔ پھر جب اس سے نیچے اترتا ہے اور ان حقائق کی طرف دیکھتا ہے۔ اور اس کے لئے فوائد کافی نہیں ہوتے۔ پھر اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو وہاں پاتا ہے کہ وہ بسیط ایسا امر ہے جو اپنی بساط میں

ہر ایک کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کوئی اس سے خارج نہیں ہوتا۔

لیکن متکلمین کا یہ قول کہ وجود الواجب علی ذاتہ زاید ہے، حق ہے۔ اس لئے کہ وجود سے ان کی مراد معنی انتزاعی ہوتا ہے۔ جس کی تعبیر تکوین سے کی جاتی ہے۔ اور جس طرح اس کی ذات ماہیت کے احکام سے کافی ہوتی ہے۔ اسی طرح وجود کے احکام کافی ہوتے ہیں۔ اور انہی میں سے اس تکوین کا الگ ہونا ہے۔ تو واجب کے لئے تکوین انتزاعی ہے اور لازم ہے کہ وہ ذات پر زاید ہو۔ اور جہاں تک تعین وجودی کا سوال ہے تو یہ شیخ مجدد رحمہ اللہ کی اصطلاح ہے۔ اور تفتیش میں ان سے کثیر فائدے نہیں ہیں۔ اور یہ کہنا کہ تعین اول کیا ہے؟ تو اس لفظ کے دو معنی ہیں۔ اگر سائل تعین اعتباری کے معنی مراد لیتا ہے تو وہ امر انتزاعی ہے۔ اس کا تحقق صرف معتبر کے اعتبار سے ہے۔ تب منتزع اس کی طرف ترقی کرتا ہے جس کی طرف اس کی معرفت کو منسوب کرتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو وہ اس کی معرفت کے اعتبار سے تعین اول ہوتا ہے۔ اور اگر معتبر کے اعتبار کے بغیر امر خارج مراد لیتا ہے تو وہ مرتبہ عقلیہ ہوتا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

قال:- تیسرا مسئلہ بھی مسائل کثیر پر مشتمل ہے جو باہم ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ لطائف سبعہ کا کیا مطلب ہے؟ اور ان کے درمیان اختلاف حقیقی ہے یا اعتباری؟ اور ان میں سے ہر ایک کا علیحدہ ذکر ہے یا نہیں؟ اس موقع پر تفصیل آپ کی عنایت کی محتاج ہے۔ اور ہر ایک پر فنا اور بقا عارض ہوتی ہے یا نہیں؟ اور ان میں سے ہر ایک کی فنا اور بقا کی کیا حقیقت ہے؟ اور فنا اور بقا سالک کے صفات وجودیہ سے متصف ہونے کا سبب ہوتی ہیں یا نہیں؟ اور کیا توحید ذاتی کی حقیقت تک پہنچنا حقیقت واحدہ کی معرفت ہے جس نے ایک شکل اختیار کی۔ علم اور عین کے اعتبار سے ہر معنی وصورت میں حالات کے لحاظ سے ظاہر ہوئی۔ اور اس میں پوشیدہ اعتبارات ہر صورت میں شکل اختیار کرنے کی قوت کا سبب ہوتا ہے بلکہ ہر معنی میں ظاہر ہوتا ہے چنانچہ کم ترین درجہ کا مرید گمان کرتا ہے کہ وہ سبب بنتا ہے۔ چنانچہ سالک جب ہیولی الکل تک تمام صورتوں سے پہنچتا ہے تو تمام کائنات کے لئے پہنچ جاتا ہے لیکن اس معنی میں نہیں کہ پہلے بندہ تھا اب رب ہو گیا۔ بلکہ وہ اب بھی پہلے کی طرح بندہ ہی ہے۔ لیکن اس وہم باطل کی قید سے آزاد ہو گیا جو یہ حکم لگاتی ہے کہ عبد اور رب دو مختلف حقیقت ہیں اور

یہاں صرف ایک حقیقت ہے اور وہ یہ کہ رب باعتبار صفات فعلیہ ہے اور عبد باعتبار صفات انفعالیہ بلکہ یہ دوسرے معنی میں ہوتا ہے۔ یہ امر آپ سے مخفی نہیں ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ صفات اصلیہ خاص طور سے خلق اور تمثل کی صفت میں ظاہر ہو۔ اور چونکہ خلق کی حقیقت تمثل ہے، اس لئے جب عارف فنا کی حقیقت تک پہنچتا ہے اور اس پر وحدت کا راز کھل جاتا ہے تو اس کو خلق کی قوت حاصل ہوجاتی ہے۔ چنانچہ جو چاہتا ہے پیدا کردیتا ہے۔ اور یہ خلق صرف اس معنی میں ہوتا ہے کہ جس صورت میں چاہتا ہے ظاہر ہوجاتا ہے۔ اس طرح توحید ذاتی کی حقیقت تک پہنچنے والے کی علامات میں سے جس صورت اور معنی میں چاہے تمثل اور ظہور ہوتا ہے چنانچہ حقیقت الامر کے عارف کے لئے یہ ممکن ہوجاتا ہے کہ وہ مٹی ہوجائے یا پانی یا ہوا یا آگ ہوجائے یا دوسرے انسان کی شکل اختیار کرلے یا عجم کے حیوانات میں سے کوئی حیوان بن جائے یا کوئی نبات یا جماد ہوجائے۔ اور اس کے لئے یہ بھی ممکن ہوتا ہے کہ آن واحد میں بہت ساری صورتوں میں متصور ہوجائے بلکہ اس کے لئے یہ بھی ممکن ہوتا ہے کہ ملک فرشتہ، یا فلک یا کوکب ہوجائے یا معانی قائمہ بالغیر ہوجائے اور یہ مقام اپنے کمال کے ساتھ قطب محمدی کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنی قطبیت کے ساتھ توحید اعلیٰ کے مقام پر متحقق ہوگئے۔ اور چونکہ قوت تمثل مقام توحید کا اختصاص ہے۔ احقر ترین مرید نے اس کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ ورنہ عارف تو وجوب اور قدم کے علاوہ الوہیت کی تمام صفات سے متصف ہے اور اس بیان کا مقصد حقیقت امر سے پردہ اٹھانا اور یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ گمان حقیقت الامر کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور جو شخص قطبیت الارشاد کے مقام پر پہنچ گیا، اس کے لئے مختلف قسم کے رجال غیب کی اور ان کے اس قطب کی صحبت لازم ہے یا نہیں جو مدار اور اس کی مدد کرنے والے خضر کے نام سے معروف ہے اور ان کے تفصیلی احوال پر موقوف ہے؟ اور یہ کہ افلاک کے طبقات میں اپنے اختیار سے دخول ممکن ہے یا نہیں؟ اور اس کو جن وملک سے روحانی سفلی اور علوی پر اطلاع اور ان کی تسخیر لازم ہے یا نہیں؟

قولہ قدس سرہ:- لطائف السبع، سات لطیفوں سے کیا مراد ہے؟

اقول:- میں نے اپنی ذات میں جو کچھ پایا ہے وہ یہ ہے کہ انسان اس کی آنکھ، ہاتھ اور پیر ہیں۔ پھر یہ کہ انسان ایک ہی بار میں موجود نہیں ہوجاتا بلکہ اس کے بہت سارے

طبقات ہیں اور ہر طبقہ کا ایک وجود ہے۔ اور اس کی ایک اجل معین ہے جس سے اس کی ابتدا ہوتی ہے اور دوسری اجل پر اس کی انتہا ہوتی ہے۔ اور اس کا ایک نظام اور مدد ہے، یہاں تک کہ جس نے ایک طبقہ کو دیکھا اور اس کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ اس نے سمجھ لیا کہ وہ اس میں محصور ہے۔ چنانچہ طبقۂ ظاہرہ بدن ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کھانا کھاتا ہے، مشروب پیتا ہے اور اس میں قوت ہاضمہ اور قوت غذا بخش تصرف کرتی ہیں اور اس کو کیلوس اور کیموس بنا دیتی ہیں۔ پھر اس کے ایک حصہ سے منی، ایک سے خون اور ایک سے روح بناتی ہیں تو منی کھانے اور پینے کی چیزوں کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ پھر وہ عورت سے مجامعت کرتا ہے تب منی اس کے رحم میں جاتی ہے اور اس کے ساتھ عورت کا مادہ ملتا ہے پھر برابر خون اطلاق کرتا رہتا ہے اور اس ملنے سے بدن انسانی وجود میں آتا ہے۔ جیسے بیج اور مٹی اور پانی سے بدن شجری وجود میں آتا ہے یہ نظام قالب ہے اور وہ طبقۂ سافلہ ہے۔ پھر طبقۂ لطیفہ ہوتا ہے جس کو ہم نسمہ (روح) کہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ لطیف اپنی اخلاط سے قلب کی طرف انجذاب کرتا ہے۔ جس کو حرارت قلب لاحق ہوتی ہے اور وہ روح طیب معتدل ہو جاتی ہے۔ پھر نفس نطقیہ کے لئے ایک حلقہ بن جاتا ہے۔ اس طرح انسان حقیقت میں یہی نسمہ ہوتا ہے اور بدن اس کے اوپر غلاف ہوتا ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے اور جب بدن جدا ہو جاتا ہے تو یہی نسمہ اپنے حال پر باقی رہ جاتا ہے۔ اور اس سے اخلاق اور احساس ظاہر و باطن متعلق ہوتے ہیں۔

اور اس نسمہ کے تین شعبے ہوتے ہیں۔ ایک شعبہ وہ ہے جو بدن کی تدبیر کرتا ہے کھانے، پینے اور نکاح اور ہر لذت سے اس کی خواہشات کا طالب ہوتا ہے۔ اس پر اس کے بدن کی صلاح موقوف ہوتی ہے۔ یا وہ اشیا پیدا ہوتی ہیں جو اس کے بدن کو اخلاط سے بھر دیتی ہیں۔ اور نسمہ کا غلبہ اس کے تحت ہوتا ہے اور اس شعبہ کو صوفیا کی اصطلاح میں نفس کہا جاتا ہے اور یہ وہ کھڑکی ہے جس سے شیطان ان امور کی وحی کرتا ہے جو شر، خبث اور وحشت کی طرف مائل کرتے ہیں۔ اور جو امور اس سے بھی زیادہ اور وسیع ہوتے ہیں وہ باب دجالیہ سے ہو جاتے ہیں۔ دوسرا شعبہ وہ ہے جو اپنی قوت عملیہ میں نفس نطقیہ کے حکم کا تابعدار، اس کے فیضان کا مظہر اور اس کے حال کی صفائی کی بنیاد ہوتا ہے۔ اور اس پر اس صورت میں سکینہ، نظافت، عبادت اور قدس کی نقل بیان کرنے والے تمام حالات ظاہر ہوتے ہیں۔ اس شعبہ کو

صوفیا کی اصطلاح میں قلب کہا جاتا ہے۔اور یہ وہ روشندان ہے جس کے واسطہ سے فرشتہ وحی کرتا ہے۔اور اس سے انسان خوش ہوتا ہے۔پھر جب انسان اس شعبہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کو سکینہ اور نظافت حاصل ہوتی ہے۔اور وہ اللہ کے سامنے ویسی عاجزی کا اظہار کرتا ہے جو عاجزی کے اظہار کا حق ہے اور اپنے قلب میں احوال پاتا ہے۔ان میں سے ایک اللہ کی محبت، اس کے ذکر سے شغف اور اس کی طرف بہت دھیان اور گہرائی سے دیکھنا ہے۔اور تیسرا شعبہ وہ ہے جو نفس نطقیہ کے احکام کے ظہور کے لئے ان کی قوت عملیہ میں بیان ہوتا ہے۔اس کو عقل کہا جاتا ہے اور عقل سے مدرکات اور محسوسات کا ادراک متحقق ہوتا ہے۔اور عقل سے ہی انسان اپنے رب کی طرف توجہ کی کسی قسم سے متوجہ ہوتا ہے۔اور عقل پہلا لطیفہ ہے جو بالطبع تجلی اعظم کی طرف دور تک چلی جاتی ہے۔

اس طرح یہ تین لطائف ہیں جو ہر انسان میں پائے جاتے ہیں۔ان کے اثبات پر فلاسفہ، اہل نقل اور اہل وجدان متفق ہیں۔اور ان کے اثبات پر شواہد اور دلائل کی وجہ سے مجبور ہیں جو فلق صبح وغیرہ کی شکل میں پائی جاتی ہیں۔

ان دلائل میں سے ایک یہ ہے مثلاً جب سو انسان ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور ہم ان کے حالات کا پتہ لگاتے ہیں تو تمدن کے مختلف احوال سامنے آتے ہیں۔مثلاً جب ہم ان کے سامنے کوئی لذیذ کھانا رکھتے ہیں تو انسانی طبیعت اس کی طرف اضطراری طور پر مائل ہوتی ہے۔ایسے میں ہم کہہ دیتے ہیں کہ جو شخص اس طرح کے کھانے کی طرف مائل ہوتا ہے، وہ کتنا برا ہے۔وہ تو بالکل بمنزلہ بہیمہ کے ہے، اس کے لئے تو پوری طرح تباہی و بربادی ہے تو کچھ لوگ وہ ہوں گے جو کھانے کی طرف راغب ہوں گے اور اس کو کھائیں گے حالانکہ وہ ہماری بات سن رہے ہوں گے اور سمجھ رہے ہوں گے اور اس پر خفا ہو رہے ہوں گے کہ اس کھانا کھانے کی وجہ سے ان پر ذلت طاری ہوگی۔لیکن کھانے کی لذت ان پر غالب آ رہی ہوگی اس لئے اس پر اس طرح ٹوٹ پڑ رہے ہوں گے جیسے مٹھائی پر کھیاں ٹوٹ کر پڑتی ہیں۔آپ چاہیں تو ایسے شخص کی حالت کی تصویر اس طرح کھینچ سکتے ہیں کہ گویا اس کا نفس ایک ترازو ہے اس کے ایک پلڑے میں ذلت وحقارت رکھی ہوئی ہے اور دوسرے میں لذت طعام کا حصول ہے ایسے میں وہ لذت کے حصول کو ترجیح دیتا ہے یہ وہ شخص ہے جس پر صوفیا کی اصطلاح میں

لطیفۂ نفس غالب آ گیا ہے اور فلاسفہ کی اصطلاح میں نفس شہویہ غالب آ گیا ہے۔

اور ان میں کوئی شخص ایسا ہوگا جو اس بات کو سن کر غصہ سے بھڑک اٹھے گا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو جائے گا اس کی گردن کی رگیں پھول جائیں گی اور وہ کہے گا کیا ہمیں اس طرح کی گھٹیا اور بری باتوں کا سامنا کرنا پڑے گا؟ اللہ کی قسم میں نہ یہ کھانا کھاؤں گا، نہ اس مجلس میں بیٹھوں گا اور نہ ان ذلیل لوگوں کے ساتھ رہوں گا۔ پھر وہاں سے نکل کر چلا جائے گا۔ خواہ لوگ ہزار عذر و معذرت کرتے رہیں۔ وہ کسی کی معذرت قبول نہ کرے گا۔ اس پر صوفیا کی اصطلاح میں قلب اور فلاسفہ کی اصطلاح میں نفس سبعیہ غالب آئے گا۔

اور کوئی شخص ایسا ہوگا جو کہے گا۔ تم نے اس طرح کے کھانے کے بارے میں ایسی بات کیوں کہی ہے کہ اس کا کھانا مناسب نہیں ہے۔ اس کی وجہ بتاؤ۔ اگر کوئی ایسا امر ہوگا جس کو عقل قبول کرے گی تو میں اس کو چھوڑ دوں گا خواہ کتنا ہی لذیذ ہو اور اس کی طرف طبیعت کتنی ہی راغب ہوتی ہو۔ اور اگر معاملہ یہ ہے کہ تم بلاوجہ یوں ہی کہہ رہے ہو تو کھانے سے منع کرنا تمہاری غلطی ہے، تمہاری بات کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اور اس کا نفس اپنے معاملہ میں مطمئن ہوگا۔ یہ وہ شخص ہے جس پر صوفیا اور فلاسفہ سب کی اصطلاح میں لطیفہ عقلیہ غالب آ گیا ہے۔

اور یہی حال اس وقت ہوگا جب کوئی حسین عورت سامنے آ جائے اور اس کی طرف دیکھنے میں ذلت و رسوائی کا اندیشہ اور قیامت کے دن کے عذاب کا خوف ہو تو جس پر طبیعت غالب ہوگی وہ تو اس کی طرف دیکھے گا۔ اور لذت نظر اس کے دل و دماغ کی مالک ہوگی اور توہین و بدنامی کا اندیشہ اور عذاب کا ڈر اس پر قوی نہ ہوگا۔ ایسا شخص صاحب نفس ہے۔ اور جو اس کو اہانت کے اندیشہ اور لوگوں میں رسوائی کے ڈر سے چھوڑ دے۔ اگر چہ اس کی طرف اس کی رغبت سچی ہو اور وہ خلوت میں اس سے جیسے چاہے فائدہ اٹھا چکا ہو۔ وہ صاحب قلب ہے اور جو اپنے خوف میں شارع کی دی ہوئی خبر کی تصدیق کرتا ہے اور اس کی طرف سے نظر پھیر لیتا ہے۔ اس کے حق میں خلوت اور محفل برابر ہے۔ وہ شرائع کی تربیت یافتہ عقل والا ہے۔

اور جب انسان اس طرح کے معاملات میں غور و فکر کرتا ہے تو لازمی طور پر یہ تینوں لطائف ثابت ہوتے ہیں اور اس کا انکار کرنے والا ظالم ہے۔ پھر تامل و تدبر سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عقل اور قلب میں سے ہر ایک کے دو دو طبقات ہیں اور لوگ ان طبقوں میں جبلت

اور کسب کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ عقل کا اعلیٰ طبقہ عالم قدس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس سے خوابوں وغیرہ میں علم حاصل کرتا ہے۔ اور اس کی آنکھوں کے سامنے زمان و مکان سے مجرد ثابت ہوتا ہے اور وہ اس کو ملاحظہ کرتا ہے اور اس کا مشتاق ہوتا ہے۔ اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو عقل کا استعمال صرف محسوسات میں کرتے ہیں اور ان کے اندر اتنی قوت نہیں ہوتی کہ مجرد کی طرف متوجہ ہوں۔ اور کبھی انسان کند ذہن بالکل جامد طبیعت کا حامل ہوتا ہے۔ پھر طرح طرح کی ریاضت کرتا ہے جس سے اس کی عقل مجرد کی طرف متوجہ ہونے کے قابل ہو جاتی ہے جو کہ پہلے نہیں تھی۔ اس طرح طبقہ علیا راز ہے اور جس کی جبلت ایسی ہو کہ وہ اس پر غالب آ جائے وہ اپنی اصل فطرت میں صاحب راز ہے۔ اور جس نے اس کو کسب سے حاصل کیا اس نے لطیفۃ العقل سے لطیفۃ السر کی طرف ترقی کی۔

اور اس طرح قلب کے بھی دو طبقے ہیں۔ ایک طبقہ سافلہ ہے جس میں بے قرار محبت اور وجد ہوتی ہے جو کودنے، پھاندنے، اچھلنے کودنے، کپڑے پھاڑنے، گرجنے کی راہ پر چلاتی ہے۔ اور دوسرا طبقہ عالیہ ہے، اس میں محبت انسیہ ہوتی ہے جو دائمی روح، حصول لذت، سکوت اور سکون کی طرف لے جاتی ہے۔ اس طرح اول الذکر صاحب لطیفۃ القلب ہے خواہ وہ اس کے اندر جبلت کے اعتبار سے ہو یا کسب کے۔ اور دوسرا صاحب لطیفۃ الروح ہے، اس کے لئے بھی برابر ہے کہ جبلت کے لحاظ سے ہو یا کسب کے۔ اس طرح یہ پانچ لطائف ہوئے جو انسان میں واضح طور پر بنائے گئے ہیں جیسے غلبہ اور ضعف، کدورت اور صفائی اور ان کے اختلاف سے لوگوں کے اخلاق، احوال اور اعمال میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ جب انسان اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے ذکر اور اس کے سامنے عجز و انکسار کے ہر اس لطیفہ کو قبول کر لیتا ہے جس کی اس کی جبلت متقاضی ہوتی ہے۔ اور جب بھی نفس ناطقہ کی طرف ترقی کرتا ہے تو نفس ناطقہ پر غالب نسمتہ سے پیدا ہونے والے امر سے زیادہ صاف اور حسین ہو جاتا ہے۔ یہ پانچ ظاہری لطائف کی بات ہوئی۔

لطائف خفیہ پوشیدہ کے بارے میں ان صوفیا نے کوئی بات نہیں کہی جو پہلے زمانہ میں تھے اور جن متاخرین نے اس بارے میں کلام کیا ہے، ان کے اقوال مختلف ہیں اور ان کے اختلاف کا منشا ان کے راہ سلوک میں سفر کا اختلاف ہے جو ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے

توجہ دینے کے وقت کے احوال سے وارد ہوتا ہے۔ اور ہم نے پوشیدہ لطائف کو اپنے بعض رسائل میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے جس کو ہمارے وجدان نے واجب قرار دیا۔ اور اب ہم ان امور کا ذکر کرتے ہیں جو سالکین پر اس وقت وارد ہوتے ہیں جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ واردات وہ ہیں جو پوشیدہ لطائف کے اثبات کے لئے اسباب ہوتے ہیں اور میں نے ان کے نام ان کی انواع کے لحاظ سے رکھے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ انسان کا امتیاز گھوڑے سے اور اس طرح حیوان کا امتیاز نبات سے، حقیقت میں رنگوں، شکلوں اور نقش و نگار خدوخال کا امتیاز نہیں ہے۔ اسی طرح ایک انسان کا امتیاز دوسرے انسان سے انہی رنگوں وغیرہ کا امتیاز نہیں ہوتا جس کا ہم نے ذکر کیا۔ بلکہ یہ سب ایک دوسری حقیقت مجردہ کے تابع ہوتے ہیں اور اس مجرد کی اصل رحموت ہے لیکن رحموت کے بھی بہت سارے درجات ہوتے ہیں اور یہ سب رحموت کے لئے تقید، تنزل اور تعین ہیں۔ اور رحموت سے علم حضوری پیدا ہوتا ہے جو کہ "انا" ہوتا ہے۔ اور جب انسان اس لطیفہ کی طرف متوجہ ہوا اس کے لئے علم حضوری مجرد ہو گیا اور "انا" سے بیدار ہو گیا پھر اس کا تقرر حق کے تقرر میں مضمحل طور پر پہچانا گیا۔ پھر نور تمام ہیکلوں پر پھیلا ہوا پایا گیا۔ پھر وہ اس نور کی طرف مجرد ہو گیا جس کو فارسی میں ہست (موجود) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تو نظر اس متقید سے خیرہ ہو جاتی ہے اور وہی باقی رہ جاتا ہے جس کو "ہست (موجود) کہتے ہیں اور وہ تجلی ذاتی ہے۔ پھر اس کی طرف علم کثرت لوٹتا ہے، تب اس کے لئے حق تعالیٰ کے ساتھ تنبّہ ہوتا ہے جس کو "یادداشت" (ذاکرۃ) کہتے ہیں۔ پھر جب "یادداشت" میں پہنچ گیا اور اس کو اوپر اور نیچے سے لپیٹ لیا تو اس کو نور الٰہی حاصل ہو گیا جو بدء اول سے فیضان کرنے والا ہے۔ اس کی مثال موسیٰ کی آگ جیسی ہے۔ البتہ وہ اپنے نفس نطقیہ کے ساتھ قائم ہو کر پیش آئی جس کا تحقق حق کو پا لینے سے ملا ہوا ہے۔ اور یہ نور الٰہی ہے جس کی طرف قرآن کریم میں اشارہ کیا گیا ہے۔ فرمایا اللہ نور السموٰت والارض، مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح، المصباح فی زجاجۃ، الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبرکۃ زیتونۃ لاشرقیۃ ولاغربیۃ، یکاد زیتھا یضیئ ولو لم تمسسہ نار، نور علی نور، یھدی اللہ لنورہ من یشآء ویضرب اللہ الامثال للناس، واللہ بکل شیئ علیم

"اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے (کائنات میں) اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو۔ چراغ ایک فانوس میں ہو، فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا، اور وہ چراغ زیتون کے ایک ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے جو نہ مشرقی ہے نہ مغربی، جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑکا پڑتا ہو، چاہے آگ اس کو نہ لگے۔ (اس طرح) روشنی پر روشنی (بڑھنے کے اسباب جمع ہو گئے ہوں) اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے رہنمائی فرماتا ہے۔ وہ لوگوں کو مثالوں سے بات سمجھاتا ہے۔ وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔" (النور ۳۵)

اور یہاں علم شریف یہ ہے کہ یہ نور فیض پھیلا رہا ہے۔ اس کی حقیقت عجیب ہے، وہ اس حقیقت سے مجرد صورتوں اور نفوس ناطقہ سے بمنزلہ رنگوں اور نوروں کے ہے۔ تو جس طرح جوہری، حیوانی یا شجری صورت کو نفس کلیہ پیدا ہوتا ہے اور اس ظہور کے لحاظ سے جسم کی تدبیر کی جاتی ہے تو تدبیر الٰہی مقتضی ہوتی ہے کہ جسموں، شکلوں، رنگوں اور نقش و نگار پر فیضان کرے۔ مصلحت کلیہ کا تقاضا ہوتا ہے کہ ان امور کا ان مجرد صورتوں کے ساتھ دائمی تعلق ہو۔ یہ امور خارجی صورتوں کی مدد چاہتے ہیں۔ چنانچہ شکلوں اور پتوں کی وجہ سے ہی کہا جاتا ہے کہ یہ انگور ہے اور وہ خرما ہے اور انگور اور خرما حقیقت میں دو مجرد صورتیں ہیں یہی معاملہ ظاہر ہونے کا ہے جس کو نفس کلیہ ظاہر کرتا ہے تاکہ شخص انسانی نرم ہو جائے۔ اس کی وجہ سے احوال، اعراض، اوضاع، معاملات اور مناقشات کا اس فرد پر عام فیضان ہو جائے۔ اور یہی ہے جس کو حکما کے نزدیک بخت کہا جاتا ہے اور ان رقائق (باریکیوں) کے اندر تمام رقیقہ ہیں جو تجلی اعظم کے مدمقابل ہوتے ہیں۔ اور اسی کی وجہ سے نور الٰہی کا فیضان ہوتا ہے اگرچہ اس نور کا مادہ تجلی اعظم کے ساتھ بیدار ہوتا ہے اور یہ رقیقہ حجر بخت ہوتا ہے اور اس نور الٰہی سے جو طاری ہے، اللہ کے شاذ و نادر بندوں کے علاوہ کوئی منفرد نہیں ہوتا۔ بالجملہ یہ جو ہم نے ترتیب سے بیان کی ہے، اکثر عارفین محققین کی سیر ہے اور ان میں سے ایک جماعت بہت سے نقطۂ قصوی کی طرف ترقی کرتی ہے اور وہ نہ عین خارجہ کو پہچانتے ہیں اور نہ ہی ملاء اعلیٰ کو۔ اس لئے وصول کی وجہ سے نقطۂ قصوی (اعلیٰ آخری نقطہ) کی طرف چلتے ہیں اور کمال کے وجوہ کو گھیرے ہوئے ہوتے ہیں اور ان میں نقصان بالکل نہیں ہوتا۔ لیکن جب ان کا اس لطیفہ کی طرف عروج یا اس

سے نزول ہوتا ہے تو اس کا حکم اور اس کی معرفت ان پر قوی ہو جاتی ہے۔ اس طرح تمام اسرار جن کے بارے میں تمام کاملین مختلف علوم کے ساتھ بولتے ہیں، ان پر یہ دو نقطوں کے ضمن میں بولا جاتا ہے۔ ایک ظہور الوحدت فی الکثرت اور دوسرے باطن الوجود کے احکام کا ظہور ظاہر الوجود میں، اور ان کے مناسب الفاظ ہوتے ہیں۔

قوم کی اصطلاح یہ ہے کہ موجودات کے ہیکلوں پر پھیلے ہوئے نور کے مشاہدہ کو خفی نام دیا جاتا ہے اور جو نور نفس پر بمنزلہ نار موسی نازل ہوتا ہے اس کو اخفی نام دیا گیا۔ اور علم حضوری جس کو ہم نے ''انا'' سے تعبیر کیا ہے، وہ ظہور خاصہ ہے جس کو نفس کلی نے ظاہر کیا، اس کو نفس نام دیا گیا۔ اب اگر اسفل السافلین میں دھکیل دیا گیا تو وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ جاہل اور سب سے بڑا کافر ہوگا۔ اور اگر اپنے منبع کی طرف ترقی کرتا ہے تو اللہ کی مخلوق میں سب سے بڑا عالم اور سب سے افضل ہوگا۔ اور یہاں ایک دوسری سیر ہے جو اللہ اپنے بعض کامل بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہاں ایک دوسرا لطیفہ ہوتا ہے۔ اور وہ وجود ہے جس کا فیصلہ اس کے ناسوت میں تعین سے قبل کیا گیا۔ اور یہ مثال کی جگہوں میں سے ایک جگہ ہے۔ اور اس کی اصل یہ ہے کہ صورت انسانی نے جب مثال میں شکل اختیار کی اور اس کا وجود ملاء اعلیٰ میں پیدا ہوا تو باری تعالیٰ نے اس کی طرف نظر رحمت سے دیکھا۔ اور وہ ہر اس انسان کے لئے وسیع ہوگئی اور اس کا انشراح ہوگیا جو آنے والے زمانہ میں پیدا کیا جائے گا۔ جیسے آدم علیہ السلام سے بنایا گیا۔ بلکہ وجدان یہ حکم لگاتا ہے کہ وہ آدم سے اللہ کی صورت انسانیہ میں صفت سے حکایت کے طور پر بنایا گیا تھا۔ چنانچہ ہر انسان کا خارج میں تحقق وجوہ مثالی سے ہے۔ اور جب سالک اس لطیفہ کی تجرید میں پہنچا تو اس پر ظہور الوحدت فی الکثرت اور احادیث کی تاویل کی شرح ہوگئی۔ اب وہ ہر کلمہ کی تاویل علی وجہہ پہچان لیتا ہے اور جب ترقی اس لطیفہ میں واقع ہوئی تو ازل الآزال میں اس کے اندراج کے لئے تنبہ ہوا۔ پھر ازل کا اندراج وحدت بسیطہ میں ہوا۔ چنانچہ اس کے لئے وہاں وسیع علوم ہوتے ہیں پھر یہ تنبہ اس لطیفہ کے اوپر کامل خلعت ہوگیا۔ اور ہم ان کمالات کو قرب وجود کا نام دیتے ہیں۔

اس کے بعد دوسرا لطیفہ آتا ہے اور وہ انسانی صورت ہے جو ملاء اعلیٰ میں متصور ہوتی

ہے۔اس لئے اس نوع کے ہر شخص کی شخصیت ساقط ہو جاتی ہے تو اس کی اصل نوع باقی رہ جاتی ہے اور جب سالک اس لطیفہ پر پہنچتا ہے تو اس پر ان علوم وجدانیہ کا دروازہ کھل جاتا ہے جن کا صورت انسانی تقاضہ کرتی ہے۔ جیسے بھوکے کو کھانے کی اور پیاسے کو پانی کی طلب اور جنسی خواہش رکھنے والے کو عورت کی طلب سے حاصل ہوتا ہے۔اور یہ عبادت، نظافت، حکمت اور مدنیت کے علوم کو واجب کرتا ہے جس طرح اس کا طریقہ ہے۔اور ارشاد باری سے یہی مراد ہے واتیناہ حکما و علما "اور ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا کیا" (القصص ۱۴) واوحینا الیھم فعل الخیرات "اور ہم نے انہیں وحی کے ذریعہ نیک کاموں کی ہدایت کی"۔(الانبیاء ۷۳)

اور انبیاء میں یہ لطیفہ بہت قوی طور پر بیدار ہوتا ہے پھر جب اس راستہ سے رحمان کی طرف ترقی ہوتی ہے اور نقطۂ لاہوت سے اس طرح مطلع ہوتا ہے جو اس کے لئے مناسب ہوتا ہے تو اس کو صورت انسانیہ پر خلعت الٰہیہ آتی ہے۔اور کبھی ہم ان کمالات کو تفہیم اور قرب فرائض کہتے ہیں۔اور کبھی یہ خلعت انبیا کے لئے خلعت نبوت، رسالت اور وصایت ہوتی ہے۔اور اس کے بعد دوسرا لطیفہ آتا ہے اور وہ روحوں کی روح ہے اور پیدائشی صورت ہے اور وہ پہلی شے ہے جو افلاک اور عناصر کی تکمیل کے بعد رحمان سے جاری ہوئی۔اور جب سالک اس تک پہنچا تو اس کے اپنے نفس کو جامع للعالم پایا۔اور یہ جمعیتہ کا پہلا مرتبہ ہے۔پھر اکثر سالکوں کو رحموت میں ترقی ہوتی ہے۔اور یہ میرے نزدیک ان کی طرف چھلا تنگ ہے۔اور امر حق وہ ہے جو میرے افلاک اور عناصر کے حقائق میں چلنے سے واقع ہوا۔اور وہ یہ کہ انسان ارواح فلکیہ اور حقائق عنصریہ سے مرکب ہے اور یہ ترکیب جسد خاکی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ہر وجود فوقانی ہے۔اس میں افلاک اور حقائق عناصر اور ان کے اصول سے مدد ہوتی ہے۔پھر جب سالک رحموت تک پہنچتا ہے تو اس کو دنیا کے تمام موجودات کا اجمالی علم اس طرح حاصل ہو جاتا ہے جیسے اس کو خود اپنے نفس کا علم ہوتا ہے۔

اور کچھ لوگ اس کو ظل الصفات کا نام دیتے ہیں۔اس لئے کہ جبروت اپنی پوری وسعت کے ساتھ رحموت میں ظاہر ہوتی ہے۔میں کہتا ہوں یہ لفظ اس کے مفہوم کو ادا کرنے سے قاصر ہے۔پھر اس کے بعد جبروت ہوتی ہے اور اس کو صفات سے تعبیر کرنے میں زبان

قاصر ہے۔اس کے بارے میں سب سے بہتر تعبیر یہ ہے کہ یہ اسماء ہیں۔اوراسی طرح جس نے یہ کہا ہے کہ ان لطائف کے اصول عرش کے اوپر موجود ہیں تو اس پر امر مشتبہ ہو گیا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ عارف جب نفس ناطقہ کی طرف مجرد ہوتا ہے تو جمیع علم کو نفس نطقیہ کے طور پر پاتا ہے۔اوراس کی نظر سے نفس کے سوا سب کچھ اوجھل ہو جاتا ہے تو اس کو اپنے سر سے عالم بناتا ہے۔اوراسی طرح جب عین خارجیہ کی طرف مجرد ہوتا ہے تو دنیا میں موجود ہر شے کو تحقق عینیہ کے طور پر پاتا ہے۔اور جس نے اس کو غیر عین کے طور پر دیکھا اس کی نظر سے حقیقت اوجھل ہو گئی۔اس لئے اس نے اپنے دماغ سے اس کا نام عالم رکھ دیا۔اور یہ وہ امر ہے جو میرے وجدان نے بیان کیا ہے۔اور میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے سابق عارفین کی بالکل یہی مراد تھی۔اور سیر کی یہ تفصیل اہل اللہ سے شاذ و نادر ہی ہے۔اس لئے وہ ان مقامات میں سے ہر مقام کو تفصیلی طور پر جانتے ہیں اوران پر ہر مقام کے آثار علیحدہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔

اب اگر تم کہو کہ مجھے نبوی ورسالتی حکمتوں کے بارے میں بتاؤ کہ وہ کیا ہیں اور کیا ان میں سے بعض کا اکتساب غیر انبیا کو وراثتاً ممکن ہے؟ اور مجھے ملاء اعلیٰ اور نفوس افلاک کے کمالات کے بارے میں بتاؤ جو کہ اپنی شان کے اعتبار سے اعظم اور ملاء اعلیٰ کی معرفت کے لحاظ سے بہت وسیع ہیں۔اگر چہ راز اکثر عارفین پر اس فطرت کے سبب سے پوشیدہ ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔

فلمت: نبوت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی اصلاح کا ارادہ فرماتا ہے تو ایسے وجود کے لئے ان سے قریب ہوتا ہے جو اس وجود عرضی سے مشابہ ہوتا ہے جو پاکیزہ فطرت، تام الاخلاق شخص کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔اس سے لطیفۂ انسانیہ، متنبہ ہوتا ہے۔یہ نہیں کہا جا سکتا کہ علماء اہل السنت اس طرف گئے ہیں کہ نبوت محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔اس میں بندہ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔اور آپ ان کے لئے ان کی استعداد میں خصوصیت ثابت کرتے ہیں۔اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ ایسا قول ہے جو اس زمانہ کے کئی قرون کے بعد سامنے آیا جس کے بارے میں خیر ہونے کی شہادت دی جا چکی ہے۔اس لئے کہ کتابوں اور سنت کا مدلول اور جس پر سلف کا اجماع ہے، وہ یہ ہے کہ جو خصوصیت کثرت الکمال اور چہرہ کی صباحت وغیرہ ان صفات کی طرف راجع ہوتی ہے، جن پر عام لوگ فخر کیا کرتے ہیں، ان

کو نبوت میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اور کفار کہا کرتے تھے کیا اللہ تعالیٰ کو اپنی رسالت کے لئے ابوطالب کے یتیم کے سوا کوئی اور نہیں ملا۔ لولا نزل هذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم "یہ قرآن دونوں شہروں کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نہ نازل ہوا؟" (الزخرف ۳۱) تب اللہ تعالیٰ نے شبہ کو دور فرمایا اور پوری طرح اس کو رد کر دیا۔ ہاں جہاں تک صفات باطنیہ کا تعلق ہے جن کے بارے میں ہم بات کر رہے ہیں تو بلاشبہ انبیا اتم الاخلاق، اخلاق کے لحاظ سے سب سے زیادہ قوی اور سب سے زیادہ پاکیزہ نفس ہوتے ہیں۔ اور جو اس کا انکار کرے وہ اس کا مستحق نہیں ہے کہ انبیا کے مقام سے دور ہونے کی وجہ سے اس سے بات کی جائے۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ ہرقل نے کس طرح کہا تھا۔ "اور اسی طرح انبیا اپنی قوم میں سب سے اعلیٰ حسب ونسب والے ہوتے ہیں۔"

اور بالجملہ رسالت کے دو رکن ہوتے ہیں۔ ایک رکن رسول کے اندر قبول کرنے والا اور دوسرے مرسل بھیجنے والے سے قربت اور تدبیر۔ چنانچہ انبیا کا وارث رکن اول کے لحاظ سے وہ ہوتا ہے جس میں وہ لطیفہ بیدار ہوتا ہے، اور اس کا مزاج ان کے مزاج کے مشابہ، اور اس کا کمال ان کے لئے سبب ہوتا ہے۔ اور رکن ثانی کے لحاظ سے ان کا وارث وہ ہوتا ہے جس سے حق قریب ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو نبی کا وصی بنانا اس کے علوم کو متحمل ہوتا ہے اور اس کو ہدایت کے مذہب پر مقرر کرنا دین کی تجدید کے لحاظ سے اور اس سے جاہلوں کی تاویل اور غلط باتیں منسوب کرنے والوں کے انتساب کو دور کرنے اور مخلوق کی رہنمائی اور ان کو ظاہر میں شریعت کی طرف دعوت اور باطن میں آداب طریقت کی دعوت کے لئے ہوتا ہے۔ اور اس کے سوا جو کچھ ہے اس کا وحی میں پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ مدبر حق لوگوں کے معاملہ کو یوں ہی بیکار نہیں چھوڑ دیتا۔ بلکہ وہ ان کے ساتھ لطف ازلی کا معاملہ کرتا ہے اور بہترین نظام کا قیام چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے اس نے انبیا کو مبعوث فرمایا اور جب انبیا کا دور ختم ہو گیا تو اس لطف کا تقاضہ ہوا کہ لوگوں میں ان کے علم ورشد کا ان کی امت میں سے کسی شخص کے واسطہ سے تحفظ کیا جائے۔ چنانچہ لوگوں میں سے کسی نے اس لطف وتدبیر کا ادراک کر لیا اور اس کا ماہر ہو گیا اور کسی نے ادراک نہیں کیا۔ اور لوگ دونوں رکنوں کے اختلاف کے لحاظ سے اور تلون کی شدت اور اس کے ضعف کے لحاظ سے نبوت کے کمالات کے رنگ میں

بہت سارے درجوں پر ہیں۔ اور جب وہ وارث کمزور پڑ گیا تو اس کے نفس میں ہیئت اجمالیہ نوریہ نقش ہو گیا نہ کہ غیر۔

اور ملاء اعلیٰ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایسی اقوام ہیں جو روحانیات الافلاک اور لطائف العناصر سے پیدا ہوئی ہیں۔ پھر جب اتصالات مبارکہ متفق ہو گئے اور قوی افلاک مبارک و حسن جوش میں آئے تو عناصر سے حقائق صاف اور ازکی، پاکیزہ منعقد ہوئے اور ان دونوں کے درمیان ایسے نقوش پیدا ہوئے جن کا اکثر میلان روحانیت کی طرف تھا۔ اور عنصر ان کے قوی کے تعین کے لئے ہے نہ کہ غیر۔ اور اس کے علاوہ ایسی بھی اقوام ہیں جنہوں نے بنی آدم کو کمال کے درجہ پر پہنچایا۔ اپنے اجار کو تجلی اعظم میں فنا کر دیا تو وہ روشن جوہر کے بمنزلہ شعاعوں کے ہو گئے اور ان میں سے ہر ایک تجلی اعظم کے ارد گرد مجتمع ہے تو ان کو ملاء اعلیٰ کہا جاتا ہے۔ اور ان کے مقابلہ میں وہ اقوام ہیں جو اتصالات موحشہ فاسدہ میں پیدا ہوئیں، اور عنصر خبیث دخولی کو شیاطین نام دیا جاتا ہے اور پاکیزہ اخلاق وعلوم اور ہمتیں طیب لوگوں کے لئے ہوتی ہیں، اور ان میں سے خبیثات، خبیثون کے لئے تو ملاء اعلیٰ کے کمالات انطباع کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی ان کے الواح صدور میں دو چیزیں نقش ہوتی ہیں۔ ایک قضا اور رضا اور غضب اور لعنت اور شکر۔ اور ان کے سینوں میں جو کچھ نقش ہوتا ہے۔ اس کے لحاظ سے ہمت اور دعا کی طرف سے منطبع ہوتے ہیں۔ اور میرے وجدان نے یہ فیصلہ کیا کہ وہاں اللہ قربت الٰہیہ کے لحاظ سے ان میں کاملین کے صدور میں ہوتا ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر لعنت فرماتا ہے اور ان کے شکر کو قبول کرتا ہے اور ان کی طرف ہنستا ہے اور اسی سے انبیا کی طرف وحی نازل ہوتی ہے اور کامل اولیا پر الہام ہوتا ہے۔

اور ان میں سے دوسرا قضائے الٰہیہ اور ایجادات کا نقش ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر وجود اور قضا ان کے الواح صدور پر نقش ہو جاتے ہیں اور قوت مثالیہ اس کی خدمت کرتی ہے تو یہ نقش اس قوت کے ساتھ موجود خارجی ہو جاتا ہے اور اصل قضا اور ایجاد بہتر نظام کا تقاضہ کرتے ہیں۔ اور اس کا دوسرا رکن اس نظام سے مطلوب علم عقلی توہمی اور تخیلی ہے جب وہ دونوں جمع ہو گئے تو اس کے لئے مطلوب وجود خارجی اس سے قبل حاصل ہو گیا کہ اس باب میں ناسوت اور لوح میں اس کے ظہور کی آن پائی جائے۔ چنانچہ جو بشر ملاء اعلیٰ سے قریب الاستعداد ہو گا،

اس کی لوح میں دو صورتیں نقش ہوں گی اور اس کی ہمت بہت بلند شمار کی جائے گی گویا کہ وہ ملاء اعلیٰ سے ہے۔

البتہ محبت وعشق، فنا، بقا اور ہر حال نفس کی لگام اور ناسوت کی تاریکیوں سے خروج یا قربت الٰہی کے رنگ کے درجہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس سے ملاء اعلیٰ کو دیکھتا ہے اور ملاء اعلیٰ کے لئے دوسری عنایت کے بغیر اس کی عنایت کے نقش کے اعتبار سے آپس میں نزاع ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر ایک غیر طبعین کے قبض یا بسط کی طرف اس کے لئے بغیر تبدیلی و تصرف کے اپنے طریقۂ اولی پر عنایت کا ظہور چاہتا ہے **واللہ یقضی بینھم بالقسط** "اور اللہ ان کے درمیان اعتدال کے ساتھ فیصلہ فرماتا ہے۔"

جہاں تک افلاک کا سوال ہے تو ان کے کمالات بہت وسیع ہیں۔ ان کا احاطہ عارفین میں سے شاذ و نادر علما ہی کر پاتے ہیں تو ان کے لئے رحمت کے طریق سے جبروت اور لاہوت کے علوم اور بہتر نظام کے لئے ارادۂ اولی کی ہمراہی میں تقاضا اور عرش مثالی سے مدد عظیم ہوتی ہے۔ اس لئے ہر فلک میں ایک کوکب ہوتا ہے **واللہ اعلم بمراتب خلقه** "اپنی مخلوق کے مراتب کو اللہ زیادہ بہتر طور پر جانتا ہے۔"

قولہ قدس سرہ:- ہر ایک پر فنا اور بقا پیش کئے جاتے ہیں یا نہیں؟

اقول:- ہاں ہر طبقہ کے لئے بقا اور فنا ہے لیکن ان کے فنا کا مطلب وہ نہیں ہے جو اوہام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بالکل ہی معصوم ہو جاتا ہے یا اپنے نفس سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے ایک لباس اتار کر دوسرا لباس پہن لیا جاتا ہے۔ بلکہ ان کے فنا اور بقا کا مطلب مغلوبیت اور غلبہ ہے کہ جب انسان پر ان لطائف سے کوئی شے غالب آجاتی ہے اور انسان اس کے سامنے مغلوب ہو جاتا ہے اور اس پر اس کے احکام غالب ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں، آدمی اس میں فنا ہو گیا اور اس کو اس میں بقا حاصل ہو گئی۔ اور فنا اور بقا کی بہت ساری قسمیں ہیں جب بھی انسان ایک لطیفہ سے دوسرے کی طرف ترقی کرتا ہے تو لطیفۂ اولی کے مقتضی سے فنا ہو جاتا ہے اور اس کو لطیفۂ ثانیہ میں بقا حاصل ہو جاتی ہے اور کبھی اس طرح کے معاملوں میں یہ بھی کہا جاتا ہے، لطیفۂ فلانیہ فنا ہو گیا اور لطیفۂ فلانیہ کو بقا ہو گئی۔ اس طرح مختلف قسم کے بیانوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

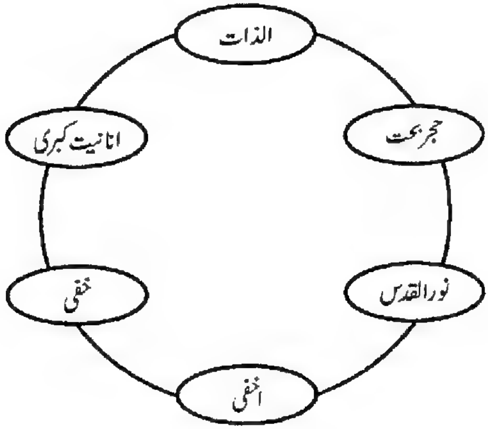
اور خواجہ نقشبند قدس سرہ نے ان انواع کو دو جنسوں میں محدود کیا ہے۔ یہ امر ان سے

خواجہ محمد پارسا قدس سرہ نے رسالہ قدسیہ میں روایت کیا ہے۔ان میں ایک فناء وجود ظلمانی اور بقا بالوجود روحانی ہے۔اور دوسری فناء وجود روحانی اور بقالوجود الٰہی ہے۔اور تمام صوفیا نے جب بھی مطلق استعمال کیا تو اس سے ثانی کو مراد لیا۔اور وجود ظلمانی اور بقائے وجود روحانی کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے اول امر میں اعتقاداً عملاً اور احوالاً اپنے نفس کے شہود کا تابعدار ہوتا ہے۔اور خواطر اصلاً اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔پھر جب مطیع و فرماں بردار ہو جاتا ہے ،اسلام قبول کر لیتا ہے اور اس کے نفس میں نور ایمان اثر کر جاتا ہے تو لازمی طور پر اس کا اعتقاد، اس کے اعمال اور احوال و خواطر متغیر ہو جاتے ہیں۔پھر جب اس کا حال اللہ کے ذکر سے استہزا کرنے والوں اور اپنی نظروں سے اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کے حال جیسا ہو جاتا ہے تو کہا جاتا ہے، اس کا وجود فنا ہو گیا اور اس کا وجود روحانی باقی رہ گیا۔اور یہ امر واضح ہے، اس کا انکار جان بوجھ کر حق کی مخالفت کرنے والا گھمنڈی ہی کر سکتا ہے۔

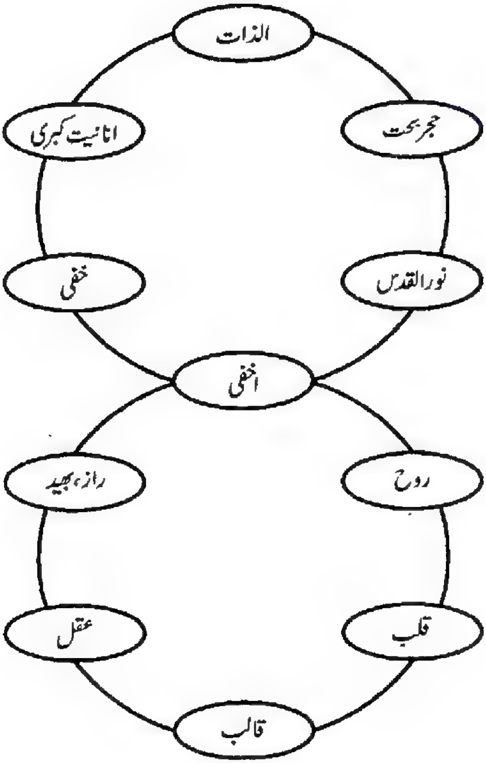
اور فنائے وجود روحانی اور بقائے وجود الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ لطائف ظاہرہ کے آثار کو قلب، عقل، روح اور اسرار کی کوئی حاجت نہ رہے اور اس پر لطائف پوشیدہ کے احکام غالب آ جائیں اور لطیفۂ خفیہ کا غلبہ ہو جائے۔پھر اس سے تمام موجودات میں پھیلی ہوئی انانیت کبری کی طرف ترقی کر جائے۔اور راہ سلوک کی طرف چلنے کے دوسرے مرحلہ میں اس پر نور القدس غالب آتا ہے پھر حجر بحت کی طرف ترقی کرتا ہے تب اس کے علوم اور احوال ان امور کی مناسبت سے متغیر ہو جاتے ہیں۔اس فنا کو غلبة کون الحق علی کونک کہتے ہیں اور فنی فی اللہ و بقی به کہا جاتا ہے۔یہ سب وہ تعبیرات ہیں جو ہم نے بیان کیں اور یہ لطائف اپنے حدود، حقائق اور خواص سے خارج نہیں ہوتے ہیں بلکہ لطائف ظاہرہ بڑھتے اور لطائف پوشیدہ ظاہر ہوتے ہیں۔

اور لطائف خفیہ کے احکام جو انانیت کبری پر غلاف کی طرح ہیں تمام موجودات اور ان کے مناسب امور میں حقیقت واحدہ کے چلنے کی معرفت ہے۔اور انانیت کبری کے احکام کل عالم میں ظہور قیومیت اور اپنے نفس کی اس طرح رویت ہے کہ وہ قیام ہے۔اور یہ کہ وہ ملک (فرشتہ) میں ملک، حجر میں حجر اور شجر میں شجر وغیرہ ہے جن کی گنتی بہت طویل ہے۔اور نور القدس کے احکام ملاء اعلی کے تنازعہ اور وہاں سے نازل ہونے والے فیصلہ اور حجر بحت کے

احکام کی معرفت ہے۔ یہ تجلی اعظم ہیں بلا کیف اضمحلال ہے۔ پھر انسان کی حقیقت کا جوارح میں سے کسی جارح میں اس کے نفس کا زاید انگلی کی طرح مطلع ہونا ہے۔اس کے سوا کچھ نہیں۔ اگر تم عالم مثال میں لطائف پوشیدہ کی صورت کی معرفت حاصل کرنا چاہتے ہو تو وہ یہ ہے



اس طرح اخفی سب سے نیچے ہے اور اس کے دائیں جانب اس سے اوپر نور القدس اور اس سے اوپر حجر بحت ہے۔ گویا کہ حجر بحت نور القدس کا خلاصہ ہے اور گویا کہ وہ تجرد اور ترقی کے بعد ہے۔ اور اس سے بائیں جانب اس سے اوپر خفی اور اس سے اوپر انانیت کبری ہے اور گویا کہ وہ تجرد اور ترقی کے بعد ہے جیسا کہ ہم نے قلب، روح، عقل اور راز میں بیان کیا ہے۔ اور ذات الٰہیہ سب سے اوپر ہے اور ان لطائف پوشیدہ کا جسد کے کسی جز کے ساتھ مختص کرنا مناسب نہیں ہے۔ جب کہ قلب کا قدم مضغہ صنوبری سے اور عقل کا قدم دماغ سے بندھا ہوا ہے۔ اور نفس کا قدم جگر سے بندھا ہوا ہے۔ اور بدن میں روح صرف اتنی ہے کہ اس کی نظر فلک کی طرف ہے اور بدن میں نظر صرف اتنی ہے کہ اس کی نظر دماغ کی طرف ہے۔ اور نفس ناطقہ کی چار نظریں ہیں۔ دو نیچے کی طرف روح اور راز تک اور دو نظریں اوپر کی طرف خفی اور نور القدس تک۔ اور نفس ناطقہ موضع اخفی میں ہوتا ہے۔ اور اگر تم ظاہر اور پوشیدہ سب کی شکل دیکھنا چاہتے ہو تو وہ یہ ہے۔



اب اگر تم کہو کہ جب اخفی تمام لطائف پوشیدہ میں سب سے نیچے ہے تو پھر اس کو اخفی کیوں نام دیا گیا۔ میں کہتا ہوں کہ اس کو اخفی اس لئے نام دیا گیا کہ علم اجمالی دونوں سیروں کا جامع حاصل ہے جو دو سیروں کے بعد حاصل ہوتا ہے اور سالک اس تک ان دونوں کی تکمیل کے بعد پہنچتا ہے۔ اسی لئے اس کا نام اخفی رکھا گیا۔ اور نفس ناطقہ کے اس اجمال کے ساتھ اس کا نفس قائم ہے۔ اس وقت علم لطائف کے سلسلہ میں ہمارے اتنے ہی بیان کو محفوظ کرلو۔ یہی کافی ہوگا حتی کہ اللہ تعالیٰ بسط و تفصیل کا فیصلہ کردے۔

قولہ قدس سرہ:- کیا فنا اور بقا سالک کے صفات وجوبیہ سے متصف ہونے کا سبب ہوتی ہیں؟

اقول:- وجدان صریح کا حکم ہے کہ عبد، عبد ہے خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے اور رب رب ہے خواہ اپنے مقام سے کتنا ہی نیچے اتر جائے اور بندہ کبھی بھی وجوب یا صفات لازمہ للوجوب سے متصف نہیں ہو سکتا اور نہ ہی غیب کی باتوں کو جان سکتا ہے الا یہ کہ کوئی شے اس کے لوح صدر میں نقش ہو جائے۔ اور یہ علم غیب نہیں ہے۔ یہ وہ ہے جو من ذاتہ ہوتا ہے ورنہ انبیا اور اولیا لامحالہ بعض ان چیزوں کو جانتے ہیں جو عام لوگوں سے غائب ہوتی ہیں۔ اور نہ ہی وہ تکوین اور خلق سے متصف ہوتا ہے، سوائے اس کے کہ اس کے ساتھ قوت الٰہیہ کا فیضان ہوتا ہے۔ جیسا کہ زنجبیل (سونٹھ) کا کھانا بدن میں مبدأ اول سے حرارتوں کے فیضان کا سبب ہوتا ہے۔ اور اس مسئلہ میں عارف کے تردد کا مقصد یہ ہے کہ پوشیدہ متعینہ امور سے افلاک اور عناصر کے قوی سے امور عظیمہ ہوتے ہیں جن کو ہم تدلیات کہتے ہیں۔ وہ رب العالمین سے قریب العہد ہیں۔ ان میں جبروت کے لئے حکایت ہے اور لاہوت کے لئے اشارہ ہے۔ جب ان قربتوں سے حق ظاہر ہو گیا تو ان کے لئے لوگوں کی تواضع اور عاجزی واجب ہو گئی۔ اور ان مداخلتوں سے پاک ہونے اور ناسوت مرکب میں افلاک کی روحانیات اور عناصر کے لطائف سے منعقد ہونے والی ان قربتوں سے فرق کے لئے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس وقت اشارہ کیا تھا جب آنکھ سے رویت حق کے امکان کے بارے میں یہ آیت پیش کی گئی **لاتدرکه الابصار وهويدرك الابصار** "نظریں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نظروں کا ادراک کرے گا" (الانعام ۱۰۳) تو انہوں نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اس کے نور میں تجلی ہو گی جو اس کا نور ہے یعنی تدلیات قربتوں کو رب العالمین نے اس لئے ظاہر کیا تا کہ مخلوق سے قریب ہو جائے اور وہ نورانیت کے پردے ہیں۔

بہت سے احکام الٰہی ہیں جو ان تقربات میں حق کے ظہور کے واسطہ سے اس سے متصف ہوتے ہیں۔ اور ہمارے لئے اس کی حقیقت کے کشف میں دو مقام ہیں۔ مقام اول سب اِنی کا بیان اس کے وجود کے ساتھ ہے، یہ ہم اس وقت کہتے ہیں جب تدبیر حق ہوتی ہے۔ اول لوگوں میں علم کا ظہور یا تکمیل ناقص وغیرہ ہیں۔ اس مراد کے لئے اسباب ارضی کافی نہیں ہوتے۔ اب اگر اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے خیر کا ارادہ ہوتا ہے اور اس

کا علم یہ ہوتا ہے کہ خیر کا ظہور فلاں فلاں طریقہ سے ہوگا تو ظہور سے مستعمل ہوتا ہے اور افلاک اور ملاء اعلیٰ تمام کے تخیلات ہیئت خیالیہ کے تصور کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور حق اول سے مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ یہ ہیئت خارج میں پائی جائے اور پانی صورت قدسیہ کے رنگ میں ہوتا ہے اس کا نیا عہد رب کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ عادت کے مطابق عناصر سے ظاہر ہونے والی صورت میں ہوتا ہے۔ چنانچہ خارج میں وہ شے متحقق ہوتی ہے جس کو جبروت کہا جاتا ہے اور جو لاہوت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس کا جسم ملائکہ کی روحانیات ہوتی ہیں اور ان کی ہمتیں پانی میں نقش ہوتی ہیں اور اس کی روح لوگوں کے ساتھ حق کا ارادہ ہوتا ہے۔ اور اگر حق چاہتے ہو تو ملائکہ کی شکل ہی میں ایک راز ہے کہ جب وہ کسی خاص شکل میں رغبت کرتے ہیں تو اس کا مستقیم وقوی تخیل کرتے ہیں۔ اور ان کے تخیل میں طبیعت کلیہ کی قوت عجیبہ مدد کرتی ہے۔ چنانچہ پانی اس کا رنگ اختیار کرتا ہے اور جب تک تخیل قائم رہتا ہے۔ وہ باقی رہتا ہے۔ پھر یہ محقق کبھی موسیٰ علیہ السلام کی آگ اور جبرئیل کی مکمل بشری صورت کی طرح باب جواہر سے ہوتا ہے اور کبھی عرض نفسانی کے باب سے۔ تو جس طرح غضب اور محبت وغیرہ وہ صورتیں ہیں جن سے نفس ناطقہ کیفیت حاصل کرتا ہے، اسی طرح جب نفوس کاملین حق اول کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان کو تجلی ذاتی علی وجہہ حاصل ہوتی ہے تو وہ جبروت کی صورت علمی ومحا کی کیفیت اختیار کرتے ہیں پھر ان صورتوں میں آگے بڑھتے ہیں تو اس کا نفس پر خلع الہٰی (الہٰی لباس) ہوتا ہے۔ اور اس سے خارق عادت امور صادر ہوتے ہیں۔ اور جس شخص میں یہ کیفیت ہوتی ہے، وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ حق اس کے اندر نازل ہوگیا اور وہ ان اختلاطات اور محاکات کی وجہ سے عین حق ہوگیا ہے۔ اور اگر تم تحقیق چاہتے ہو تو ان تدلیات (قربتوں) کی مثالیں دنیا میں بہت ہیں اور یہ ان کے دین ودنیا کا انتظام ہے۔

ان میں سے ایک قرآن عظیم ہے اور وہ اس لئے کہ قرآن کے الفاظ عربی لغت سے ہیں جن کو ہمارے نبی محمدؐ جانتے اور سمجھتے تھے اور ان کے بارے میں تخیل غور وفکر کرتے تھے۔ اور معانی غیب سے معلوم ہوتے تھے جو آپ کو سکھائے جاتے تھے ان میں حق کی طرف قربت کرتے ہوئے کلام الہٰی ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس لئے ہوتا ہے کہ انسانوں کے ساتھ خیر کا ارادہ

نبیؐ کے خیال میں اعانت ومدد کرتا ہے۔ یہ وہ صورت ہے کہ الفاظ اور ان کا نظام جمع ہو جاتا ہے پھر معاملہ اس نظام میں بڑھتا ہے اور جبروت کو لباس الٰہی محاکی پہناتا ہے، تو اس سے قربت الٰہی ہو جاتی ہے اور اس کو کلام اللہ اور اسی طرح لفظ اللہ کا نام دیا جاتا ہے اور ان کی تعظیم اس لئے واجب ہوتی ہے کہ وہ ذات عظیمہ پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اس میں ایک اشارہ ہے جو اس نسبت میں بڑھاتا ہے پھر اس نسبت کے جسم میں روح الٰہی کا فیضان ہوتا ہے۔ اس طرح یہ اسم قرب الٰہی ہو جاتا ہے، جس کی تعظیم واجب ہوتی ہے۔

دوسرا مقام سماعت اور عقل کے لحاظ سے اس کا اثبات ہے۔ جہاں تک سماعت کا تعلق ہے تو آپ کہیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام کی آگ لامحالہ عناصر کے قبیل سے نہیں تھی اور اس کا فیضان موسیٰ علیہ السلام کے لئے اس کی ربوبیت سے ہوا تھا۔ اور وہ صدقا وحقا اس طرح کلام کرتی تھی کہ انی انا اللہ "میں ہی اللہ ہوں"۔

اور جہاں تک عقل کا تعلق ہے تو آپ کہیں گے کہ یہ بات ثابت ہے کہ عالم میں مبدأ تکوین، اللہ کی عنایت ہے۔ اور وہ یہ علم ہے کہ نظام خیر اسی صورت میں ہوتا ہے۔ پھر جب اسباب ارضی وفلکی اس صورت کے اتمام سے قاصر رہ جاتے ہیں تو وہ غیب سے ارادہ اور علم کے تصرف سے ظاہر ہوتی ہے اور افلاک اور ملاء اعلیٰ کے خیالات چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور پانی میں عام صورتوں کی طرح رنگ نقش ہو جاتا ہے۔ تو اس صورت کے لئے بھی ایک فضیلت اور تمام صورتوں کی طرف نسبت کے رجحان کا ہونا لازمی ہوتا ہے۔ اس لئے ہم اس کو تدلی الٰہیہ کہتے ہیں اور اس برہان سمعی وعقلی کا پوری طرح بیان یہاں ممکن نہیں ہے، اس لئے کسی دوسرے موقع پر بیان کریں گے۔

قولہ قدس سرہ:- کیا توحید ذاتی کی حقیقت تک پہنچنا ہر صورت میں تمثیل ونمایندگی کی قوت بلکہ ہر معنی کے ظہور کا سبب ہوتا ہے؟

اقول:- حقیقت توحید تک وجدان کے لحاظ سے پہنچنے کی حقیقت یہ ہے کہ وہ یقین پیدا ہو جائے جو بہت سے لباسوں میں ملبوس ہوتا ہے کہ وہ موجود ہے اور عالم میں ہر صورت کے لئے وہ ہیولی ہے اور یہ قوت تمثیل وصورت کو انسانی یا حیوانی، یا نباتی یا عرضی قائم بالغیر کے لحاظ سے موجب نہیں ہوتی۔ وہ علم اجمالی ہے جو اس حقیقت جامعہ سے مترشح ہوتا ہے کہ

اس میں کل کی قابلیت ہے۔ اور یہ علم اجمالی اس یقین کے لحاظ سے صادق ہے جو اس کی زبان پر بھروسہ کرتا ہے۔ لیکن وہ تعینات کے گڑھے میں بھرا ہوا ہے بہت سے پردوں میں دبا ہوا ہے۔ وہ تمثل کے ظہور سے اس کو منع کرتا ہے۔ ہاں! جب عارف سے جزء غلیظ ارضی مضمحل ہو گیا اور باقی وہ رہا جس کا تعلق ملاء اعلیٰ سے ہے، اور جب طبیعت عرشیہ کلیہ کا حق اس سے زایل ہو گیا کہ فلاں ابن فلاں ہے اور وہ بدن میں اس طرح اور اس طرح تھا اور اس کے نزدیک اسماء الٰہیہ اور جوارح حق سے ایک جارحہ ہو گیا اور اس کی انانیت، انانیت حق کی طرف منقلب ہو گئی تب وہ کل عالم کو بنفسہ اپنے عالم کے ضمن میں جانتا ہے جس طرح طبیعت کلیہ جانتی ہے۔ تو اس وقت کبھی حق ظہور تدلی کا ارادہ کرتا ہے تب وہ اس تدلی کے لئے روح تھا یا خلق یا بشر کے ظہور کا ارادہ کیا تو وہ اس کی طرف اس طرح نازل ہوا جیسے طبیعت کلیہ نازل ہوتی ہے۔

اب اگر تم کہو کہ توحید وجودی کی تحقیق کیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ توحید وجودی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ خارج اور نفس الامر میں صرف ایک حقیقت ہے۔ اور وہ وجود ہے۔ اور تحقیق اور تقرر کے معنی میں ہے نہ کہ معنی مصدری میں[1]۔ اور تمام موجودات اس سے۔ اس طرح قائم اور اس کے لئے اس طرح عارض ہیں جس طرح موجوں کی ہیئتیں سمندر کے ساتھ قائم ہوتی ہیں یا اعراض کا عروض ان کے محلوں میں ہوتا ہے۔[2]

اس طرح ان کی موجودیت کی حقیقت یہ ہے کہ ان کا انضمام حقیقت الوجود سے ہے اور ان کے تمام حقائق توحید پرست صوفیا کے نزدیک عوارض الوجود ہیں۔ اور دوسروں کے نزدیک وجود، ماہیت کے لئے عارض ہے۔ اور وجود کو عارض ہونے والے یہ حقائق بذات خود امور مستقل نہیں ہیں۔ بلکہ وہ وجود کی شان اور اس کے اعتبارات اس معنی میں ہیں کہ جب وہ بنفسہ لنفسہ تجلی کرتا ہے تو قابلیات کثیرہ اس معنی میں ظاہر ہوتی ہیں کہ کبھی اس کا ان احکام سے متعلق ہونا ممکن ہوتا ہے اور کبھی دوسروں سے۔ تو اگر ان سے متعلق ہوتا ہے تو انسان کہا جاتا ہے۔ اور دوسروں سے متعلق ہوتا ہے تو گھوڑا (فرس) کہا جاتا ہے۔

پھر ان قابلیات سے جو کہ تمام حقائق میں شامل کلیہ ہیں۔ انسان اور ضاحک کے تصادق جیسا تصادق ہے۔ چنانچہ انسان کا مفہوم اس مفہوم سے مختلف ہے جو ضاحک کا ہے۔

اور اسی فرق کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے مختلف مستقل دو ہو گئے۔ لیکن وہ دونوں صدق میں مجتمع ہوتے ہیں کہ جب بھی اس کا تحقق ہوتا ہے، اس کا بھی تحقق ہوتا ہے۔ یا تمام حقائق خاصہ سے متعلق اجمالی تدبیر کی شمولیت ہوتی ہے جیسا کہ علم غیب اور عالم میں نظام خیر کا ارادہ ہے۔ یا تمام کی شمولیت ہے۔ تب حقائق اس کے لئے قیود کے انضمام کے ساتھ صرف اس کے اقسام ہوتے ہیں جیسا کہ خارج میں تحقق اس سے اس قید کا الحاق کرتا ہے کہ وہ قائم بنفسہ ہے۔ ایسی صورت میں وہ جوہر ہو جاتا ہے یا وہ قائم بغیرہ ہوتا ہے تو عرض ہو جاتا ہے۔ پھر جوہر کے ساتھ یہ قید لاحق ہوتی ہے کہ یہ تحیز سے مجرد ہے۔ یا یہ قید لگائی گئی کہ وہ صاحب وضع متحیز ہے۔ پھر متحیز یا تو نامی ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اور نامی یا تو صاحب احساس، صاحب حرکت ہوگا یا نہیں۔ اور صاحب احساس ناطق ہوگا یا نہیں۔ ھلم جرا

پھر حقیقت اجمالی قیود خاصہ کے رفع سے حاصل ہوتی ہے۔ تمام میں پوری طرح شامل ہوتی ہے۔ اور یہ حقائق جب ان سے متعلق ہوتے ہیں تو وہ اسماء الٰہیہ ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ فلک، عنصر، جوہر، عرض، نبات اور معدن وغیرہ کی طرح خاص ہوتے ہیں۔ اور وہ حقائق ممکنات ہوتے ہیں۔ چنانچہ وجود کے دو کمال ہوتے ہیں۔ ایک کمال باطن اور وہ اس کے حقائق مکثرہ ہونے کے لئے قابلیت ہے۔ دوسرے کمال ظاہر اور وہ اس کے تحقق اور تقرر خارجی کا متصرف ہوتا ہے۔ اور جب ان قابلیات اور ظاہر الوجود کے درمیان نسبت حاصل ہوتی ہے جو اس کے مناسب ہوتے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ شئے فانی موجود ہو گئی تو اس کے خارج میں صرف ایک حقیقت ہوتی ہے اور وہ وجود صرف ہے۔ اور اعیان علمیہ کو وجود کی خوشبو بالکل نہیں پہنچتی۔ البتہ یہ وجود اس کے احکام اور آثار سے متعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ عالم اعراض ہوتا ہے جو عین واحدہ میں مجتمع ہوتی ہیں اور اس کے لئے کثیر ہیئتوں میں تقلبات ہوتے ہیں۔ اور یہ صوفیا کا ذوق اور ان کا وجدان ہے۔ اور یہ ذوق حق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رحموت نے جب عماء کو قائم کیا اور اس کے وجود کا سبب ہو گیا اور معدومیت ہیولانیہ پر غالب آ گیا تو یہ مفہوم اخذ المتقوم فیہ اس میں سیدھا کرنے کے معنی میں ہو گیا نہ کہ خارج میں تنزل الٰہیہ کے لحاظ سے سیدھے کی شرط لگانے کے معنی میں جو کہ آخری تنزلات الٰہیہ ہے۔ اس لئے صوفیا نے اس کا نام وجود صرف رکھا۔ اور وہ اس پر طاری ہونے والی تمام صورتوں کو قبول کرنے والا

ہے۔ اور صورتیں رحموت سے جاری ہوتی ہیں۔ اس لئے اس کو باطن وجود سے جاری ہونے والا نام دیا گیا۔ اس لئے کہ انہوں نے تقوم اور مقوم فیہ کو اختیار کیا۔ اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے پھیلے ہوئے اس وجود کو جس میں حقائق متعین ہوئے حق تبارک وتعالیٰ سے پہلا صادر ہونے والا بنایا۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ عبارت میں زیادہ حق اور بیان میں زیادہ صریح بات یہ ہے کہ رحموت، اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور عماء ایک ہیولانی شے ہے، اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے نہیں ہے۔ پس جس طرح شے خاص اس کی مستحق نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام شمار کی جائے اسی طرح میلی کچیلی شے ہیولی جس میں عدم کا مزاج ہے۔ اس کی مستحق نہیں ہوتی اگرچہ صادر بالابداع واللزوم ہو۔ جب کہ یہ متقوم، حال متعلق سے اسم ہے اور متقوم کا نفس محال نہیں ہوتا۔ اور اس کی مثال اسمیت اور امکان میں وجود اور عدم کے احوال جیسی ہے۔ اس کے قائلین کے نزدیک اس کے لئے تحقق باقی رہتا ہے۔ اس لئے اس مقوم کے لئے اسمیت بالعرض ہے۔

قولہ قدس سرہ:- قطبیہ ارشادیہ کے مقام تک کون پہنچا؟

اقول:- طرق الی اللہ کثیر ہیں۔ اور جہاں تک جزئیات کا سوال ہے وہ تو اللہ کی طرف چلنے والوں کی تعداد کے برابر ہیں۔ بلکہ حق بات تو یہ ہے کہ ہر نفس کے لئے ہر وقت ایک الگ ہی شان ہوتی ہے۔ جو دوسرے وقت کی شان سے الگ ہوتی ہے۔ البتہ کلیات کی تین اعلیٰ قسم ہوتی ہیں۔ ایک کامل یعنی جن میں لطائف ظاہرہ غالب ہوتے ہیں۔ دوسرے سابقون، یہ وہ ہیں کہ جن میں قلب، عقل اور نفس پر روح اور راز کا لطیفہ غالب ہوتا ہے۔ یا ان میں ان کے مزاج کی استقامت اور ذکر وقربات میں ان کے اشتغال کی کثرت کے ساتھ قلب اور عقل کے لطیفہ کی شرع سے تہذیب غالب ہوتی ہے۔ اور مزاج کی استقامت کے معنی یہ ہیں کہ نہ اس کی بہیمیت انتہائی ضعیف ہو اور نہ ہی ملکیت انتہائی پستی میں ہو۔ تیسرے اصحاب الیمین وہ ہیں کہ ان کے مزاج کی صحت کے ساتھ ان کے قلب اور عقل کی ایک جانب مہذب ہوگئی اور دوسری جانب نہیں ہوئی یا قربات الٰہیہ بہت زیادہ کرلیں اور ان پر دوام اختیار کیا۔ الا یہ کہ ان کی بہیمیت انتہائی ضعف میں ہو اور ان کی ملکیت انتہائی سافلیہ ہو تو جو سابقون نے پالیا، وہ انہوں نے نہیں پایا۔ تو اصحاب الیمین میں سے یہ باقی رہ گئے اور اہل ارشاد کے لئے یہ

واجب ہے کہ وہ سابقون میں سے ہوں۔ اور ان کے لئے ان امور میں جو دین کی طرف رجوع کرتے ہیں بلند مرتبہ اور ظہور کا فیصلہ کیا جائے۔ پھر ان میں سے کچھ وہ ہیں جن پر روح اور راز غالب ہو گئے۔ اور کچھ وہ ہیں جن پر قوت بہیمیہ اور قربات الٰہیہ میں کثرت اشتغال کے ساتھ عقل اور قلب غالب ہو گئے۔ اور ان سے غایت ضعف میں ملکیت کا نہ ہونا تو یہ قدر اہل ارشاد میں واجب ہے۔ اب اگر اس کے ساتھ کچھ کامل لوگ ہوں تو اچھا اور بہتر ہے۔

جہاں تک رجال الغیب کا تعلق ہے تو وہ نفوس بشریہ ہیں جو جبلت اور کسب کے لحاظ سے ملائکہ سے لاحق ہیں، تو ان میں سابقون وہ ہیں جن کی بہیمیت اور ملکیت قوی ہو اور ملائکہ سے ان کا تشبہ قوی ہو۔ اور ان میں عالم مثال قوی ہو، وہ مصلحت الٰہیہ کے لئے عالم مثال و ناسوت سے برزخ میں قائم ہوئے۔ ان میں اصحاب یمین کی ملکیت سافل پست اور بہیمیت ضعیف رہی۔ اور ملائکہ سے ان کا تشبہ قوی ہو گیا۔ اور وہ بمنزلہ ملائکہ عنصریہ ضعیفہ کے ہو گئے۔ اور وہ مصلحت کبھی ایسی ہوتی ہے کہ وہ نظام عالم میں اس امر کی محتاج ہوتی ہے کہ ناسوت میں ایسے نفوس ہوں گے جو بشریت اور ملکیت کو جمع کرتے ہیں تو ان کو الہام کیا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ ایسے امور کی تدبیر کرتے ہیں جن کا تقاضہ تنہا اسباب ارضیہ نہیں کرتے۔ اور ان میں سے خضر علیہ السلام ہیں اور وہ سب سے افضل ہیں۔ اور ان میں ابدال ہیں۔ اور کبھی فیض مستقیم اس مثال میں شکل اختیار کرنے والے ناسوت کی طرف نازل ہوتا ہے جس کے لئے ملکوت میں امر کلی کے طور پر فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ وہ نظام خیر میں ایسے نفوس کے محتاج ہوتے ہیں جن کو نظام خیر کی طلب علی وجہ خاص قوی ہمت ہوتی ہے۔ تاکہ ان کی ہمتیں ناسوت میں امر کلی کی مشخص ہوتی ہیں اور وہ قطب اور ان کا لشکر ہے۔ اور اہل ارشاد کو ان کے طریقہ کا علم نہیں ہے۔ اور وہ ایک دوسرے سے دور ہیں۔ اللھم، الا یہ کہ کوئی شخص تمام وجہوں سے پایا جائے۔ واللہ اعلم

اور اہل ارشاد انبیا علیہم السلام کے وارث ہیں۔ اور قطب ایک خاص مقام یا زمانہ کے لئے ہوتا ہے اور اس کے لشکر ابدال اور ان کے جیسے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ تکوین کے راز کے ساتھ قائم ہوتے ہیں نہ کہ تشریع کے راز کے ساتھ۔ اور کاملوں کے لئے ان کے کمال کے لحاظ سے ایسی اسناد نہیں ہوتیں جس سے یہ کمال حاصل کرتے ہیں۔ ان میں بعض انبیاء ہوتے ہیں۔ ان کو بھیجا جاتا ہے اور ان کے لئے فیصلہ کیا جاتا ہے کہ وہ علم یا رشد کے ظہور میں حق کے

جوارح ہوں۔ اور ان میں سے بعض اولیا ہوتے ہیں۔ ان کے لئے اس کا فیصلہ کیا جاتا ہے لیکن اللہ کی حکمت یہ ہے کہ کامل کی طرف اس طرح متوجہ ہوتی ہے کہ وہ جانے یا نہ جانے۔ یہ ایک اسناد اور سلسلہ ہوتا ہے جو اس کی طرف جاتا ہے جو اس سے قبل مقام ارشاد پر قائم کیا گیا تھا۔ تا کہ وہ برکات ملکیہ کا ذاکر ہو اور اس کا اہتمام کرنے والا ہو جس کا اس سے ارادہ کیا گیا ہے۔ ذالک تقدیر العزیز العلیم۔

اور اہل کمال کی ایک قوم ہوتی ہے جن کو افراد کہا جاتا ہے۔ وہ اس لئے پائے جاتے ہیں تا کہ ان کے ذریعہ دائرہ حظیرۃ القدس کے پیچھے چلائے اور لوگوں میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہوتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ان کے علم کی وجہ سے ترجیح دیتے ہیں۔ ان کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور انبیا میں سے ایک جماعت دوسروں کی تابع ہوتی ہے۔ ان کو اتمام حجت کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اور ان کے لئے ظہور کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ نہ ہی ان کو کسی شے کے ظہور میں حق کے جوارح بنایا جاتا ہے۔ یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ کبھی کبھی ان پر ایک شخص بھی ایمان نہیں لاتا اور ان میں صرف وہی واجب ہوتا ہے جو فقط اہل ارشاد میں واجب ہوتا ہے۔

اور ہم قطب اور خضر کو اور ان کے لشکروں کو صرف اس محل سے پہچانتے ہیں جس میں کمال تقسیم کیا گیا۔ ان کو ان کے ایمان سے نہیں پہچانتے۔ اور یہ آخری بات ہے جو ہم نے خواجہ خرد قدس سرہ کے سوالات کے جواب میں لکھی ہے۔ والحمدللہ اولا و آخرا

۶۸- تفہیم:

کلی اور جزئی ظہور کی بحث

الحمدللہ الکبیر المتعال الکثیر النوال وصلی اللہ علی خیر خلقه محمد والہ وصحبہ وسلم امابعد. یہ علوم شریفہ اور معارف جلیلہ ہیں جن کو عبد ضعیف، اللہ الکریم کے محتاج ولی اللہ بن عبدالرحیم کان اللہ لهما فی الاخرة والاولی نے سمجھا ہے۔ نفس کلیہ نفوس جزئیہ کو نیچے اتارتا ہے اور اس اتارنے میں ایک ترتیب ہوتی ہے اور بعض کا اتارنا بعض پر موقوف ہوتا ہے جیسا کہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ مثلاً نفوس انسانیہ کی پیدائش عنصر ارض کی پیدائش پر موقوف ہوتی ہے۔ اور ہر ترتیب کے لئے ایک شے ہوتی ہے جو اول

مبدا ہے، وہ کسی شے پر موقوف نہیں ہوتی اور وہ نور اعظم ہے جو نفس کلیہ میں تمثال ذات ہے۔ جو کچھ نفس کلیہ میں ہے وہ سب پر غالب ہے۔ چنانچہ کوئی بھی جوہر ہو یا عرض اور کوئی بھی تدبیر ہو وہ اس تجلی اعظم کی تاثیر سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس تجلی کی شان ارادہ اور اختیار ہے۔ اور یہ اختیار اگر اس تجلی کے لئے ہو تو واجب ہے۔ اگر چہ اس کا مرجع حقیقت میں ایجاب کی طرف ہو۔ اور ہم اس کے لئے ایک مثال دیتے ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ رطوبت درخت کے پتوں میں جمع ہوتی ہے تو اس میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اس کا تعفن نفوس حیوانیہ سے حدوث نفس کی طرف بڑھتا ہے تو واجب ہوتا ہے کہ اس میں اختیار اور حرکت بالا رادہ پائے جائیں تو حیوان اپنے نفس میں اپنی ذات کی طرف نسبت سے استوائے فعل اور ترک پاتا ہے۔ اور اس کو حسن قصد پاتا ہے جس کی طرف فعل کی نسبت کی جاتی ہے۔ اور یہ بلاشبہ انصاف والا ہے۔ پھر یہ کہ اس میں اس اختیار کا وجود اضطراری ہوتا ہے جو وجوب سے حادث ہوتا ہے۔ اور اسی طرح حیوان کی ہر نوع کے لئے ایک خاص استعداد ہوتی ہے۔ چنانچہ اس میں اختیار خاص طریقہ سے ہی ہوتا ہے جو اسی کو خاص قرار دیتا ہے اور اس کی استعداد اس کی مدد کرتی ہے۔ ایسی صورت میں یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اختیار واجب ہے اور یہ کہ صورت اختیار کی صورت ہوتی ہے اور حقیقت وجوب کی حقیقت۔

اب جب کہ عالم میں معاملہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا تو اول الحقائق اولی ہے کہ اس میں ارادہ اور اختیار ہو۔ اور اس کا اختیار اور ارادہ ایجاب میں مضمحل ہوتا ہے۔ اور جب تم نے اس کو سمجھ لیا تو تمہیں اطمینان اور یقین حاصل ہو گیا اور تمہارا نفس عقلا کے درمیان برپا ہونے والے اس تنازعہ میں مضطرب نہیں ہوگا جو مسئلہ ایجاب و اختیار میں ہوتا ہے۔ اور جو بندوں کے اپنے افعال میں اختیار اور ان کے افعال میں اختیار کی طرف نسبت کے مسئلہ میں اور ان کے اپنے افعال کا سبب ہونے میں ہوتا ہے۔ باوجودیکہ خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اس نور اعظم کے عکس اور چکر ہوتے ہیں۔ اور اب ہم ان عکسوں کا تذکرہ کرنا اور ان کے مراتب کے کلیات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ایسا علم شریف ہے جس کے بارے میں حق کے ترجمانوں نے کم ہی گفتگو کی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس لئے میں کہتا ہوں کہ سب سے پہلے جو ظاہر ہو وہ تجلی اعظم ہے۔ اس

کے لئے نہ کوئی قید ہے اور نہ ہی ایسا وصف ہے جس سے اس کو معین اور ماسوا سے ممیز کیا جائے۔ سوائے اس کے کہ یہ اول تعین ہے جس کو نفس کلیہ نے قبول کیا پھر جب افلاک جدا ہو گئے تو ان کے لئے نفس مجردہ رہ گئے اور وہ نفس کلیہ رہ گیا اور وہ نفس کلیہ کے بعد نفس جزئیہ ہو گیا۔ پھر جب وہ نیچے اترا تو صورت حق کے ساتھ اترا۔ اس طرح نفوس افلاک میں پہلا لطیفہ نور سفیدی غالب ہے اور تجلی اعظم کا نام اس کے اس نور کی تفسیر کرنے والے کے اعتبار سے ہے نہ کہ اس سفیدی کے لحاظ سے جو غالب ہے۔

اس موقع پر ہم تمہیں ایک عجیب لطیفہ سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ حکما کے کلام میں غور و فکر کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے نزدیک انوار قاہر سفید یہی عقول عشرہ ہیں۔ جب کہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ مرتبہ عقلیہ، نفس کلیہ سے پہلے ہوتا ہے اور مرتبۂ عقلیہ، مرتبۂ ثبوت ہوتا ہے۔ اور مرتبۂ نفس کلیہ مرتبۂ وجود ہوتا ہے۔ لیکن انوار قاہرہ مجر بحت ہوتے ہیں جو کہ تجلی اعظم کی شکل میں نفوس افلاک میں اترتے ہیں۔ اور جس پر ان انوار قاہرہ کا انکشاف ہو گیا اس کو ایجاب، تکوین اور تحقیق کے سوا کچھ معلوم نہیں ہوا۔ اور اس کے لحاظ سے اس کو خیر اور شر کے درمیان تمیز نہیں ہوئی۔ اور اس کے بعد دوسرا مرتبہ ہوتا ہے اور وہ نفوس مجردہ میں مجر بحت ہوتے ہیں جن کو افلاک کا نام دیا جاتا ہے۔ اور وہ ایسی قوم ہیں جو صرف اس جہت سے پائے جاتے ہیں کہ مصلحت کلیہ اطلاق، تقیید، وجوب اور امکان کے مراتب کے جامع موطن الٰہی کے وجود کا تقاضہ کرتی ہے۔ اور وہ اس لئے ہے تاکہ دونوں قبیلوں کے درمیان واسطہ اور برزخ ہو جائے تو یہ مصلحت فرشتوں کی اس قوم کے وجود کے لئے تقاضہ کرتی ہے۔ اور مادہ کی خصوصیت اس مصلحت کے لئے اہتمام کے طور پر آئی تو ان اجار بحتہ نے تجلی اعظم کے گرد احاطہ کر لیا جس طرح یاقوت کا احاطہ شعاعیں کرتی ہیں۔ اور بعض لوگوں نے جن کو کمال وجدان حاصل نہیں ہے، کہا ہے کہ نفوس کاملہ دورۂ اولیٰ میں تھے۔ پھر برابر تجلی اعظم سے ملحق ہوتے رہے حتیٰ کہ ان کے اجار بحتہ تجلی اعظم میں فنا ہو گئے اور اس دورہ میں لوگ ان کو اسماء ارضیہ سے موسوم کرتے تھے۔ اور ان کو آخری شے جو حاصل ہوئی وہ شفاعت کبریٰ ہے۔ پھر دورہ محو ہو گیا اور نفوس انفرادیت اور تجلی اعظم سے الحاق میں بہت دور تک چلے گئے اور دوسرا دورہ آ گیا تو ان کو اس دورہ کے فضل میں بڑھے ہونے کے طور پر پیش کیا۔ اور ان کے اسماء

ارضیہ نہیں پہچانے تو ان کے لئے ان کے اوصاف کے لحاظ سے اسماء کا اشتقاق کیا اور اس طرح نام رکھا کہ یہ جبرئیل ہے اور وہ اسرافیل ہے اور وہ عزرائیل و میکائیل ہیں۔ پھر لوگ ملے تو ان کے نزدیک اسماء علامات کے اسما ہو گئے اور وہ اس امر کو بھول گئے کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نفوس ہیں اور اس اعتبار سے تجلی اعظم کا نام عبرانی زبان میں لاہوت اور لاہا اور عربی میں اللہ ہے۔ اور اس سلسلہ میں متاخرین کا کلام جس طرف اشارہ کرتا ہے وہ تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے کہ اللہ اس ذات باری کا باعتبار ذات نام ہے کہ یہ ایک قسم ہے جس میں مراتب ایک دوسرے سے خلط ملط ہو گئے۔ اور ہم صرف اپنے وجدان سے ہی تمہیں بتاتے ہیں کہ ہم نے دوسرے لوگوں کے اقوال کو ایک طرف ڈال دیا۔ اور یہ وہ شان ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ظہور فرمایا کہ آپ کی زبان کے ذریعہ نجوم کو حرام قرار دیا، علم طلسمات وخزرات وغیرہ کو باطل کیا اور یہ سب اس ظہور اور اس شاخ کی شاخیں ہیں۔ اول کی مثال نور محض ہے اور اس شان کی مثال صاف شفاف نور ہے۔ اور انبیا علیہم السلام اس ملت پر قائم رہے جو ان کو اس تجلی کے ساتھ حاصل ہوتی ہے جو ملائکہ کی نسبت ادبیہ کے صدور سے پیدا ہوتی ہے۔ تب ان پر علوم حکمت، علوم تشریع ومخاصمت، علوم تذکرے بآلاء اللہ وایام اور علوم فتن وغیرہ کا فیضان ہوتا ہے۔ اور انبیا کو ہر زمانہ میں پورے بدن سے ان کے نفوس کے خالص ہونے کو سمجھایا جاتا ہے جس سے ان کی ہمتوں کی شعاعیں ملائکہ سے لاحق ہوتی ہیں اور ان کے ارد گرد کو درجہ بدرجہ گھیر لیتی ہیں یہاں تک کہ فضا پوری طرح بھر جاتی ہے اور ان کے آخری سیدنا وشفیعنا محمدؐ ہیں اور آپ سے حجر بحت انتہائی صاف وشفاف تھا۔

پھر حق تبارک وتعالیٰ کو دوسری شان کلی حاصل ہوئی اور وہ اس کا عالم مثال کی صورت میں ظہور ہے۔ اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ عالم مثال نفس کلیہ کے لئے بمنزلہ خیال ہے جو عرش سے ایک قسم کا تعلق رکھتا ہے۔ پھر جب عالم مثال فراخ ووسیع اور تمام ہو گیا تو واجب ہو گیا کہ اس میں تجلی اعظم کی صورت اس کے پہلے اور دوسرے ظہور کے ساتھ ظاہر ہو۔ چنانچہ صورت نورانیہ کاملہ ظاہر ہوئی۔ البتہ پہلے دونوں ظہوروں اور اس ظہور کے درمیان اس لحاظ سے بہت بڑا فرق ہے کہ پہلے دونوں ظہوروں میں وجوب ظاہر ہے اور یہ ظہور بمنزلہ اس شے کی صورت کے ہے جو آئینہ میں ظاہر ہوتی ہے کہ جب آئینہ میں آگ ظاہر ہوتی ہے تو اس ظاہر ہونے

والی آگ میں آپ گرمی وحرارت نہیں پاتے۔ کہ وہ آگ کی صورت ہے اور اس کو ظاہر کرتی ہے اور اس تجلی کے اردگرد کو دو قوموں نے بھر دیا۔ ان میں ایک نفوس انسانیہ کی جماعت ہے جو اس پر راز اور عقل کے لطائف کے درمیان غالب ہے۔ اور ان دونوں لطیفوں کو عالم مثال کے ساتھ خفیہ مناسبت ہے بلکہ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ راز اور عقل عالم مثال کے لئے سایہ ہیں۔ پھر جب یہ قوم مرگئی اور حق کی صورت ان کے اسرار اور عقلوں میں مستقر رہی تو واجب ہوا کہ ان نفوس میں مثال میں موجود حق کی صورت کی طرف جذب وکشش ہو۔ تو اس کے اردگرد تجلی اعظم کے اردگرد ملاء اعلی کے گھیراؤ کی طرح گھر گیا۔ اور دوسری جماعت ملائکہ عنصریہ کی ہے ان کا مادہ نفوس زکیہ اور عالم مثال کے امن کی مدد کا مستوجب ہوا۔ چنانچہ ان کے نفوس مثال میں حق کی صورت کے آئینہ کی طرح ہو گئے اور ان کی طرف اس طرح کشش ہوئی جیسے لوہے کی کشش مقناطیس کی طرف ہوتی ہے۔ اور اس تجلی کے لئے اس سے ملا ہوا کشادہ میدان ہے۔ اس میں اسماء الٰہیہ بسیطہ رحمٰن، رحیم اور وہاب اور مرکبہ مثلاً هو الذی یخرج الحی من المیت "وہ ایسا ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے" اور وھو الذی انزل من السماء ماء فاحیی به الارض بعد موتها "اس کی ذات وہ ہے جس نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر اس سے زمین کو زندہ کیا جو پہلے مرچکی تھی۔" (البقرہ:۱۶۴) کی صورتیں متعین ہوتی ہیں۔ چنانچہ ہر صفت کے لئے جو کتب الٰہیہ میں مذکور ہیں اور افضل بندے ان کی تلاوت کرتے ہیں اور ان کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف تقرب حاصل کرتے ہیں۔ اس مقام پر ایک قسم کا نمونہ ہے اور ہر صورت کے لئے خادم ملائکہ ہیں جو ان کی لمبائی و درازی کے ساتھ متعلق ہیں اور ان کی محبت میں مستغرق ہیں اور یہ صورتیں اپنے نفوس کے آئینہ کے مدمقابل آتی ہیں حتی کہ اس میں ان کا عکس ظاہر ہوتا ہے۔ اس مقام سے اسماء الٰہیہ کے اہل دعوت مدد طلب کرتے ہیں اور اس سے نیچے مقام مثالی ہے جس میں اعتقادات بشر واضح ہوتے ہیں جن پر ان کی زندگی اور موت واقع ہوتی ہیں۔ اور ان کے نزدیک پھیلے ہوئے مسلمات ہو جاتے ہیں پھر کبھی اس مقام سے ایک نفس ملتا ہے اور ہم وہاں سے ان اعتقادات کو خواب میں یا صورتوں اور شکلوں کے فیضان سے اخذ کرتے ہیں اور اس کی حقیقت کا یقین کرتا ہے۔ اور حق بات یہ ہے کہ اس مقام پر حق اور باطل ہوتا ہے اور اس مقام پر کبھی وہ شکل پیدا ہوتی ہے جس کے وجود پر

بعض اسباب پختگی کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔ پھر اس کو بعض دوسرے امور عارض ہوتے ہیں پھر وہ خارج میں نہیں پایا جاتا۔ اور اسی مقام سے شیفتہ ہونے والا ابتدا میں اللہ کا شیفتہ ہوتا ہے۔ اور اسی مقام سے بعض اہل اللہ کسی چیز کے بارے میں اشارہ کرتے ہیں لیکن وہ خارج میں نہیں ہوتی۔ اور محقق کے نزدیک اس مقام پر اعتماد نہیں ہوتا۔ البتہ حظیرۃ القدس پر اور جو کچھ وہاں منعقد ہوتا ہے اس پر اعتماد ہوتا ہے۔ چنانچہ تجلی اعظم کے لئے یہ تین برزات (ظہور) کلیہ ہوتے ہیں اور ہر برزہ (ظہور) میں ایک حکم ہوتا ہے جو دوسرے برزہ میں نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ اگر تمہیں برزۂ اولی کا کشف ہوتا ہے تو تم کلیہ ازلیہ کی توجہ سے مشابہ ارادہ دیکھو گے اور نور روشن دیکھو گے۔ اور تم سمندر میں غرق اس شخص کی طرح ہو جاؤ گے جو نہ اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ اس سمندر کی طرف جس میں وہ غرق ہوتا ہے۔ اور اگر تمہیں برزۂ ثانیہ کا کشف ہوتا ہے تو اس ارادہ کو دیکھو گے جو قصد متجدد کے مشابہ ہوتا ہے اور مصلحت کلیہ کو دیکھو گے جو وہاں خفیہ طور پر نکلتی ہے، اس سے سمجھا بھی نہیں جا سکتا۔ اور وہاں حوادث کلیہ کے لئے قضا، مخاصمت، ایجاب تشریع اور انبیا و رسولوں کے لئے بعثت دیکھو گے اور ایسا مقام دیکھو گے کہ اس کے عجائب تم پر غالب آ جائیں گے۔ اور اگر تم پر برزۂ ثالثہ کا کشف ہوتا ہے تو صورت الٰہیہ کو جو تمام کمالات کی جامع ہے خاموش اور بے حرکت دیکھو گے۔ اور اس کے اردگرد ایسے نفوس کو دیکھو گے جو بے حرکت حیران ہوں گے۔ تمہیں کسی بات کا جواب نہیں دیں گے۔ وہ کاغذ پر نقش تصویروں کی طرح ہوں گے اور یہ ساری باتیں برزات کلیہ کی ہیں۔ جب کہ برزات جزئیہ میں وہاں سب سے بڑی چیز وہ نقوش ہیں جو نفوس انسانیہ میں پوشیدہ ہوتے ہیں اور وہ یہ کہ نفس کلیہ جب نفس جزئیہ ہو جاتا ہے تو وہ صورت عالم میں اتر جاتا ہے پھر ضروری ہو جاتا ہے کہ عالم میں تمام نشأت کلیہ نفوس جزئیہ میں ودیعت اور محفوظ کر دیئے جائیں۔ پھر ہر فلک یا سیاروں وغیرہ میں سے کسی کوکب کے مقابلہ میں ایک پوشیدہ تحریر ہوتی ہے اس کے لئے کوئی حکم نفس نطقیہ یا نسمۂ ہوائیہ کی لوح پر پیش کی گئی صورتوں کے ظہور کے بغیر ظاہر نہیں ہوتا اور ان صورتوں کے ظہور کا سبب تدبیر ہے اور وہ یہ کہ تدبیر کا تقاضہ ہوتا ہے کہ کسی بھی نفس کے ساتھ معاملہ صرف ان تحریروں کے مطابق کیا جائے جو اس میں پوشیدہ ہیں اور یہ وہ راز ہے جس کو قدماء نے فلاسفہ سے سمجھا اور اس کا نام بخت رکھا۔ اس نفس میں بسا اوقات ایک خفی تحریر

ہوتی ہے جو اس کے دامن یا بازو میں واقع مریخ کے مقابلہ میں ہوتی ہے۔ تو نفس کے لئے وحشت، انقباض اور تند خلقی پیدا ہوتی ہے جو ان خبیث افعال کا سبب بنتی ہے اور یہ افعال اس پوشیدہ تحریر کی شرح ہو جاتی ہے اور اسی طرح اس نفس میں تحریر اجمالی ہوتی ہے۔ اس نے مریخ کی طرف جو کہ فاسد الطبع ہے، محبت یا عداوت کی نظر سے دیکھا تو تدبیر الٰہی میں اس طرح کے نفس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ بعض ان لوگوں کو جن کے نفس میں مریخیت خبیثہ ہے، یہ الہام کرے کہ اس کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ کرے جس سے اس میں وحشت اور انقباض خاطر پیدا ہو اور وہ وحشت اجمالی تحریر کے لئے بنیاد ہو جائے۔

اب جب تم نے اس کو سمجھ لیا تو یہ بھی جان لو کہ سب سے خوش نصیب نفوس وہ ہیں جن کو نفس کلیہ اپنے بہترین احوال میں پوشیدہ کواکب سعیدہ سے برکات کے پھیلاؤ کے وقت ہوتا ہے، خاص طور سے ان احوال میں جو ان میں لاہوت کی طرف سعادت روحانیہ کی طرح جو زہرہ میں پوشیدہ ہے، رغبت رکھتے ہیں۔ جب کہ وہ اپنے شرف میں اترتا ہے۔ خاص طور سے جب عالم برکات فلکیہ اور ملکیہ سے بھر جاتا ہے اور ان کے ضمن میں اس طرح سیر لاہوتی سے بھر جاتا ہے جیسے سمندر کی طرف سے ہوا آتی ہے تو اس کے جوہر میں پانی کے چھوٹے چھوٹے اجزا شامل ہوتے ہیں۔ ایسے وقت میں کہا جاتا ہے کہ پانی ہوا کے ساتھ نازل ہوتا ہے۔ اور اس طرح کہا جاتا ہے کہ لاہوت فلاں ساعت میں فلاں کوکب سے نازل ہونے والی برکت کے ضمن میں نازل ہوتا ہے پھر جب وہ ساعت جس میں نفس کلیہ، نفس جزئیہ کے طور پر اترتا ہے ساعت حمیدہ ہوتی ہے جس میں لاہوت کی برکات پھیلتی ہیں اور اس حیثیت میں ہوتی ہیں کہ شرع میں کہا جاتا ہے کہ اللہ سماء دنیا اور زمین کی طرف نزول فرماتا ہے تو اللہ کی حکمت اور اس کی تدبیر میں واجب ہوتا ہے کہ اس نفس میں پوشیدہ تحریر تمام یا بعض برزات کلیہ کے مقابلہ میں بجلی کی طرح مستقل بنفسہ روشن ہو۔ پھر اللہ کی حکمت اور تدبیر میں ضروری ہوا کہ ایک وقت میں اس نفس نطقیہ یا نسمۂ ہوائیہ میں اس صورت عرضیہ کا فیضان ہو جو اس اجمالی تحریر کی تشریح کر دے۔ اور وہ اپنی اصل کے مطابق ہو جائے۔ پھر رقم اجمالی کے لئے متحقق ہو جائے اور اس طرح نازل ہو جائے جس طرح ملکۂ کتابت اس صفت کی طرف اس وقت نازل ہوتا ہے جب کاتب بالفعل لکھتا ہے۔ پھر اللہ کی حکمت اور تدبیر میں یہ ضروری ہوتا ہے

کہ اس صورت عرضیہ سے اس کے مناسب علوم اور احوال پیدا ہوں اور جو شخص اس کی استعداد رکھتا ہو، اس کے قلب میں اس کے لئے اس صورت عرضیہ کی شعاعوں کے عکس ظاہر ہوں۔ پھر جب یہ نفس ایسا ہو کہ اس کے لئے شرافت اور قدر و منزلت کا فیصلہ ہوا اور یہ کہ وہ علم میں صاحب مذہب یا صاحب ملت ہو اللہ کی حکمت اور اس کی تدبیر میں ضروری قرار پایا کہ اس نفس پر اور اس کے علوم و احوال پر اس کے بندوں کی جماعتیں قرناً بعد قرن جمع ہوں جو اس کے مذہب اور ملت کی مدد کریں اور اس کے امر کو شائع کریں اور اس کے علم کی تشریح کریں پھر یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ دورہ پورا ہو جاتا ہے اور دوسرا دورہ شروع ہو جاتا ہے۔ پھر یہ سب کچھ پوشیدہ تحریر کی شکل اختیار کرتا ہے اور اس کے علوم، احوال، شعاعیں اور ان شعاعوں کی تفسیر عالم مثال میں دوبارہ شارحین کی استعداد کے مطابق ہو جاتے ہیں اور اسی لئے میں نے ان کا نام فلک رکھا جب کہا

اری کل تدویر یثور کانہ
سماء من الار شاد للخلق شامل

"میں دیکھتا ہوں کہ ہر دور اس طرح جوش مارتا ہے گویا کہ ارشاد سے آسمان ہے جو خلق کے لئے شامل ہے۔" یہی برزات جزئیہ ہیں۔

اور جان لو کہ پوشیدہ تحریروں کی بھی جو برزات کلیہ کی شارح ہیں، تین قسمیں ہیں۔ لیکن جب ہم اجمال کو ترجیح دیتے ہیں تو ہم ان کا ایک ہی نام رکھتے ہیں اور وہ حجر بحت ہے۔ اور جب ہم تفصیل کو ترجیح دیتے ہیں تو ہر تحریر کا حکم علیحدہ بیان کرتے ہیں تو پہلی تحریر یزدان کے مقابلہ میں ہے کہ جب عارف اس میں مستغرق ہوتا ہے تو اس پر کشف ہوتا ہے کہ دورہ لامتناہی ہیں۔ اور جس پر عام لوگ شیفتہ ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ نبیؐ نے معراج کی رات میں اونٹوں کی ایک قطار دیکھی، اس کا اول و آخر ہی معلوم نہیں ہوتا تھا ہر اونٹ پر بیشمار انڈے تھے ہر انڈے میں بہت بڑا عالم تھا۔ ان میں سے ہر ایک، ایک رمز ہے جن کی بعض عارفین نے وضاحت کی اور کامل کے لئے ان کی مثالیں دیں۔ جب ان پر یہ بات کھلی کہ دورات غیر متناہی ہیں۔ اگرچہ اس حدیث کو محدثین کے مطابق نبی تک مرفوع قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ اور دورات کے علم کے استقصا کی امید ان نفوس کے لئے کی جا سکتی ہے

جو اپنے ہیکلوں میں محصور ہیں۔ اس لئے کہ یقینی مقدار و تعداد کی نہ گنتی کی جا سکتی ہے، نہ احصا کیا جا سکتا ہے۔

اور ہم تمہیں ایک نکتہ پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ کہ دورات جزئیہ میں کبھی کواکب کی طرف منسوب امور کے حال کا عکس پایا جاتا ہے۔ مثلاً مریخ کی طرف منسوب سورج کی طرف منسوب ہو جاتا ہے اور سورج کی طرف منسوب مریخ کی طرف منسوب ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں قیاس گڑبڑ ہو جاتا ہے اور علم نجوم باطل ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ اپنے کسی ایسے بندے کو پیدا کرتا ہے جس میں کواکب کی قوتیں اس طرح ودیعت کرتا ہے جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔ پھر ان میں علم نجوم کو دوسری طرح نکالتا ہے۔ جو ان کو دوسرے طریقہ سے بیان کرتے ہیں۔ اور اگر تم قول کو قبول کرنے میں ایک آدمی کو آگے بڑھاتے اور دوسرے کو پیچھے ہٹاتے ہو اور کہتے ہو کہ احوال کیسے بدل جاتے ہیں؟ تو جان لو کہ کواکب کی طرف منسوب امور ان کے بروج کے اختلاف سے مختلف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کبھی مریخ کی طرف منسوب اور اس کے مقابلہ میں اہل کشف کے قلوب میں پیدا ہونے والی تصویر سرخ رنگ کے آدمی کی ہوتی ہے جس کا شباب پھوٹا پڑتا ہے۔ سخت گرفت اور شدت والا ہوتا ہے۔ اور کبھی ایسی عورت کی تصویر ہوتی ہے جس کا رنگ سرخ، آنکھیں نیلی، قد طویل ہے اور جو زبان دراز اور بدگو بیہودہ کلام کرنے والی ہے اور مرد کی یہ صورت اس کے اس برج میں ہونے کی قید کے ساتھ ہے اور وہ صورت اس کے اس برج میں ہونے کے ساتھ ہے۔ اسی طرح ان کواکب کے لئے سیر خفی ہے کہ محاسبوں کے لئے اس کو دائرہ ضبط میں لانا ممکن نہیں ہوتا۔ وہ کواکب کے احوال کے اختلاف اور اس کے منسوبات کے انقلاب کو اس طرح مستوجب ہوتا ہے کہ ذہین و دانشور کے لئے بھی اس کا سمجھنا دشوار ہوتا ہے اور بشر کو سب کا احاطہ کرنے والا علم اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک وہ ان متغیر ہونے والے جسموں کے اندر ہے۔ ہاں ان کو اس وقت علم خاص حاصل ہوتا ہے جب ان میں سے کسی نوع کی تدبیر کا تقاضہ ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کی سنت جاری ہے کہ ہر دور میں ایسی شریعت نازل کرتا ہے جو اس دور کے لئے مناسب ہوتی ہے چنانچہ جس نے امتوں کی جماعتوں میں سے نسخ کا انکار کیا اس نے طریق حق میں غلطی کی اور راہ راست سے دور ہو گیا۔ پھر جب ان دورات جزئیہ کا یہ حال ہے تو دورات کلیہ کے

بارے میں تمہارا کیا گمان ہے؟

اور جب عارف اس تحریر میں مستغرق ہوتا ہے جو لاہوت کے مقابلہ میں ہوتی ہے تو وہ اپنے نفس میں قضا، ایجاب، ترجیم اور ملاء اعلیٰ کے لئے مقالات پاتا ہے۔ پھر کبھی خواب میں ایسی چیزوں کو دیکھتا ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ قضا ایسی اور ایسی ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ میں ایسا اور ایسا حکم فرمایا ہے۔ اور اس وقت ملاء اعلیٰ میں ایسی اور ایسی بحث چل رہی ہے۔ اور جب عارف نبی ہوتا ہے تو کبھی اس کے پاس فرشتہ آتا ہے اور اللہ کی طرف سے اسے خبر دیتا ہے۔ اور کبھی اس کو اجتہاد، ایک قسم کی فکر، مقدمات کی ترتیب، تجسس و تحقیق اور کلیات سے جزئیات کی طرف اور جزئیات سے کلیات کی طرف نجات ہوتی ہے۔ تو یہ اس کے سینہ میں علم طویل کا سبب بنتا ہے اور یہ سب صورت عرضی ہیں جو اس پوشیدہ تحریر کی حکایت بیان کرتی ہیں جو لاہوت کے مقابلہ میں ہوتی ہے اور جب عارف اس پوشیدہ تحریر میں مستغرق ہوتا ہے جو برزہ مثالیہ کے مقابلہ میں ہوتی ہے تو اس کے راز اور روح میں تعلق اس کی عقل اور قلب میں اعتقاد دائم، التفات، تصور اور یادداشت پیدا ہوتے ہیں اور اگر وہ اس کی پوری عمر بھی باقی رہتا ہے تو بھی اس کو کوئی جواب نہیں ملتا۔

اور یہ شخص کبھی دعا کرتا ہے تو وہ قبول کی جاتی ہے، اس کو جواب ملتا ہے اور کبھی اس کو کسی حادثہ کے پیش آنے سے پہلے ہی پتہ چل جاتا ہے۔ پھر جیسا اس کو معلوم ہوا ویسا ہی ہوتا ہے اور کبھی دلوں کا حال اسے معلوم ہو جاتا ہے تو وہ دلوں کی باتیں بتا دیتا ہے۔ یہ سر تکوینی ہیں جو اللہ کی تدبیر سے پیدا ہوتے ہیں کسی شے میں ملاء اعلیٰ کی توجہ سے نہیں ہوتے۔ اور اللہ نے کفار کو الزامی جواب دیا فمن یهدی الی الحق احق ان یتبع ام من لا یهدی الا ان یهدی "اتباع کا زیادہ حق دار وہ شخص ہے جسے حق کی طرف رہنمائی کی گئی یا وہ جسے کوئی ہدایت نہیں مگر یہ کہ ہدایت دے دی جائے۔" (یعنی ہدایت کا خود محتاج ہے۔) (یونس ۳۵) "اس کا حاصل یہ ہے کہ بشر کی توجہ نہ اس وقت تک سیدھی ہوتی ہے اور نہ ہی اس کو نجات کا راستہ ملتا ہے جب تک کہ اس حقیقت کلیہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی جو بندوں کو ہدایت دیتی ہے اور ان کے سامنے شریعت عامہ پیش کرتی ہے اور اسی کو لاہوت کا نام دیا جاتا ہے جہاں تک عالم مثال میں نقشہ پیش آنے کا سوال ہے تو وہ شریعت حقہ عامہ کی طرف رہنمائی کرنے والا نہیں ہوتا۔

اور جب نبی کو مبعوث کیا گیا تو آپ کے وجود کے وقت عالم مثال سے قسط عظیم زمین کی طرف منتقل کی گئی۔ برزہ مثالیہ ظاہر ہوئی اور برزہ لاہوتیہ ایک طرح سے پوشیدہ ہوگئی اور اس کی وجہ سے وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اور لوگ عام حالت میں آگئے۔ شریعت کے صرف ظواہر کو سمجھتے ہیں۔ پھر وہ علوم نازل ہوئے جن کی شان صرف عقل ہے نہ کہ حجر بحت۔ تب انہوں نے علم نحو، لغت، عربی زبان اور اس کے اشعار میں کلام اور بحثیں کیں اور علوم حدیث، تفسیر، فقہ اور کلام کو مدون کیا اور ان میں تفصیل سے بحثیں کیں۔ اور افکار و خیالات کو شامل کیا اور آرا ظاہر کیں۔ حتی کہ وہ اصل وجود کی طرف خارج ہوا جو کہ حساب نہیں تھا۔ اور اس زمانہ میں توجہ مثال میں ظاہر ہونے والی حقیقت کی طرف ظاہر ہوگی تو اس زمانہ میں کسی نے بھی سر لاہوت و یزدان کے بارے میں کلام نہیں کیا۔ پھر وہ زمانہ آیا جس میں روشنیوں کے عکس ان کے مغرب کی طرف ظاہر ہوئے اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہوگئی ذلک تقدیر العزیز العلیم۔ "یہ غالب اور علم والے کا فیصلہ ہے۔"

اور برزات جزئیہ کی ایک دوسری قسم ہے۔ وہ یہ کہ افلاک ایک قسم کی توجہ سے ایک بقعۂ زمین کی طرف متوجہ ہوئے یا ملاء اعلی یا برزۂ مثالیہ متوجہ ہوئے تو وہاں توجہ کے سبب سے صورت عرضیہ متحقق ہوئی جو برزات کلیہ کی حکایت بیان کرتی ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ ہوا جب آپ نے پہاڑ پر آگ دیکھی یا جب عرض کیا رب ارنی انظر الیک "اے میرے رب! مجھے تو اپنے آپ کو دکھا دے کہ میں تجھے دیکھ لوں۔" اس کی تحقیق یہ ہے کہ مقام بلند سے توجہ سلسلۂ تدبیر کو حرکت دے دیتی ہے۔ اس وقت قضا عناصر لطیفہ کے آمیزہ کو جمع کرتی ہے جو کہ وہاں کے تمام موجودات سے اپنی خوبی کے لحاظ سے ممتاز ہوتے ہیں۔ پھر ان پر ان روشنیوں کا فیضان ہوتا ہے جو کہ دیکھنے والے کی حیرت اور مدہوشی کا سبب ہوتی ہے۔ پھر وجود عرضی اور وجود ذہنی کے درمیان واقع ایک وجود سے لباس پہناتا ہے۔ تب اس لباس سے وہ حکایت بیان کرتا ہے جو جبروت میں ہوتی ہے۔ اور مجھ سے ایک صاحب تصوف نے اپنے شیخ کے حوالہ سے بیان کیا کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حق کو ایک شخص کی جہت سے نور کی شعاع میں دیکھا۔ میرے نزدیک اس قصہ کی تاویل یہ ہے کہ جو خوبی اسباب ارض سے حاصل ہوتی ہے، اس نے اس وجود سے لباس لطیف نہیں لیا جو کہ عرض اور وجود ذہنی کے درمیان تھا اور اس

لباس سے تجلی الٰہی ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں بے شمار اسرار ہیں۔

قولہ:- ان برزات میں کیا اسرار ہیں اور وہاں تجدد کہاں سے آیا؟

اقول:- اس مسئلہ کی حقیقت انتہائی گہرائی میں ہے۔ اس موقع پر زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ برزات کلیہ اپنے وجود کے پردہ میں مصلحت کلیہ ہے پھر مصلحت کلیہ وہ ہے جو اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ تجلی اعظم فلاں فلاں زمانہ میں ظاہر ہو۔ اسی طرح "برزہ اور فلاں فلاں زمانہ میں" کا معاملہ ہے۔ اور اس کی مثال اس درخت کی سی ہے جس میں یہ امر ودیعت کیا گیا ہے کہ درخت جب فلاں وفلاں زمانہ میں ہوگا تو وہ بڑھے گا اور نہ اس میں پتے آئیں گے اور نہ ہی پھل۔ اور جب فلاں حد کو پہنچ جائے گا تو اس میں پتے بھی لگیں گے اور پھل بھی آئیں گے اور اسی طرح ہر طبیعت جزئیہ کا حکم ہے جس کی مدت مقرر ہے اور یہ تمام طبیعتیں طبیعت کلیہ میں مدغم ہیں کہ وہ اپنے ظہور کے ادوار کے لئے مقتضی ہیں۔ یہ راز زیادہ بہتر اور قابل توجہ ہے۔

برزات جزئیہ کے لئے مصلحت کلیہ میں شامل ہونے کے بعد دوسرے اسباب ہوتے ہیں وہ افلاک میں قرانات کلیہ ہیں۔ اور افلاک میں سر عجیب ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو طبائع بسیط سے پیدا کیا ہے۔ ان کی بساطت میں مختلف قسم کی طبیعتیں شامل ہوتی ہیں پھر ان کو گھمایا تاکہ گھمانے سے بہت سی مختلف شکلیں اور جگہیں ظاہر ہو جائیں۔ پھر ان کا سایہ عالم ارض پر پڑے اور زمین میں بہت سارے اور مختلف قسم کے حوادث پیش آئیں اور اللہ کی حکمت اس کی مخلوق میں مکمل ہو جائے اور جس طرح زمین میں مختلف قسم کی شکلیں پیدا ہوتی ہیں، ملکوت میں بھی مختلف قسم کے احوال ظاہر ہوتے ہیں اور وہ یہ کہ ان کو اکب میں ان کے احجار بحتہ کے لئے خادم روحانیت ہے۔ تو مصلحت کلیہ احجار بحتہ کے واسطہ سے ان کی روحانیت کی طرف نازل ہوتی ہے، تو عالم مثال میں حوادث اور تجلیات شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

اور اسی طرح ان کی روحانیت کی جانب سے احجار بحتہ کی طرف ان احجار کے حضور کی جہت سے محل ارفع میں احوال ترقی کرتے ہیں اور ان کا ربط اس روحانیت کے ربط کی طرح ہے۔ اور اگر یہ ربط نہ ہوتا تو وجوب کی طرف امکان کے جمع سے مقام تحقق نہ ہوتا۔ چنانچہ بسا اوقات ملکوت میں حادث بعض ان امور کا شارح ہوتا ہے جو محل ارفع میں ہوتے ہیں۔ اور

کبھی ملکوت میں حادث ان امور کے ظہور کا متقاضی ہوتی ہے جو محل ارفع میں بصورت خاصہ ہوتا ہے اور دوسری صورت کو چھپانے کا متقاضی ہوتا ہے۔ اس صورت میں محل ارفع میں تجدد اور تلون آتا ہے۔ وذلک تقدیر العزیز العلیم۔

۶۹- تفہیم:

ملاء اعلیٰ کی حقیقت۔ حظیرۃ القدس

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ امابعد۔ پوشیدہ علم جس کے ذریعہ حق تبارک وتعالی اپنے بندوں میں سے چنے ہوئے برگزیدہ لوگوں کو مخصوص کرتا ہے، ملاء اعلی کے مقالات کا علم ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ تجلی اعظم اور ملاء اعلی کے اردگرد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان کے نفوس کی لوح میں ان اعلی ہستیوں کے بعض علوم نقش ہوجاتے ہیں جیسا کہ موم میں مہر کے نشانات نقش ہوجاتے ہیں تو ان کے علوم ان کے علوم ہوجاتے ہیں۔ پھر اس طرح ہوجاتے ہیں گویا وہ ان کو بذات خود جانتے ہیں پھر ان علوم کے مطابق چلتے ہیں اور ملاء اعلی کے نزدیک ان کا جو حسن ہے اس کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک اس کا جو قبح ظاہر ہوا ہے اس کو قبیح تصور کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالی کی عظیم ترین نعمتوں میں سے یہ ہے کہ اس نے ان کے کچھ مقالات کا دروازہ مجھ پر کھول دیا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ان میں سے جن کا ذکر آسان ہے وہ ان اوراق میں تمہارے لئے بیان کردوں۔ اے برادر صادق طالب! اللہ خیر میں تمہاری رغبت بڑھائے، ان میں سے کچھ کا بیان یہاں ایک مقدمہ کے ساتھ شروع کرتے ہیں۔

یہ جان لو کہ ملاء اعلی ایک جماعت کے اجار بحتہ تجلی اعظم سے بمنزلہ یاقوت کے شعاعوں کی گرد کے ہوگئے اور عالم سے تجلی اعظم بمنزلہ انسان کے قلب کے ہوگئے۔ چنانچہ اس میں مصلحت کلیہ کے مطابق اجمالی تحریریں ظاہر ہوتی ہیں جو عالم میں خیر کے نظام کے لئے اللہ تعالی کی عنایت کی حکایت ہیں۔ ان میں سے کچھ حوادث ایسے ہیں کہ ان کے وجود کے اسباب ارادہ کی پختگی کے ساتھ جمے رہتے ہیں۔ اور ان میں سے کچھ بنی آدم کے افعال، اقوال، عقائد اور رسوم کے لئے مستحسن اور قابل نفرت ہیں۔ پھر ان کا دائرہ ملاء اعلی میں وسیع ہوا اور خفیہ تحریریں حظیرۃ القدس میں ہیکل کی شکل میں ہوگئیں۔ اور یہ وہ مقام ہے جس میں ملاء

اعلی کی ہمتیں عالم مثال کی سطح میں متعین ہوتی ہیں۔ پھر وہ ہیکل مثالیہ نفوس بشریہ میں نقش ہوتی ہیں۔ اس کے بعد ان کے بدن جدا ہو جاتے ہیں۔ درآں حالیکہ وہ تجلی اعظم سے فیضان کرنے والے قوی الٰہیہ کے لئے جوارح ہیں۔ پھر وہاں تحقق شہادی وحضوری متحقق ہوتا ہے۔

اور جان لو کہ چونکہ نوع انسان کا نظام اعظم مصالح سے ہے۔ اس لئے واجب قرار پایا کہ ان اجمالی تحریروں سے ایک قسط معتد بہ (قابل لحاظ قسط) ہو، تجلی اعظم کے رنگ کے لئے ان کی مطابقت سے استحسان ہو۔ اور اس وقت اس کی شان، اس کے طور طریقے موجود ہوں جن کو محققین نے دورہ حاضرہ میں وضع کیا ہے۔ اسی طرح اس طریق مستقیم سے ان کے انحراف، اس سے ان کے بعد کے بقدر قباحت کا بیان ہو۔ اس مقام پر ایک علم ہوتا ہے جو تمام افراد بشر سے اجمالی طور پر متعلق ہوتا ہے جیسا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے نفس کو جانتا ہے تو وہ اپنے نفس سے متعلق اپنے نفس کے ضمن میں اپنے جوارح اور اپنے قول کو اجمالی طور پر علم حضوری کی حیثیت سے جانتا ہے۔ تو جب بھی ان میں نظام خیر کے لئے موافقت پیدا ہوتی ہے تو رضا ایک شکل اختیار کر لیتی ہے اور جب بھی ان میں منافرت پیدا ہوتی ہے تو غضب وناراضگی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ جیسا کہ ہم میں سے کسی کی جلد کا کوئی حصہ گرم چیز پر پڑتا ہے تو اس کی حرارت کو محسوس کرتا ہے اور جلد کو اس سے تکلیف ہوتی ہے اور اس کو روکتی ہے۔ پھر وہاں پوشیدہ تحریریں ظاہر ہوتی ہیں۔ پھر ملاء اعلی میں توسع پیدا ہوتا ہے تو چھوٹی تحریر بڑی ہو جاتی ہے یا اس کی طرف اجمالی طور پر متوجہ ہونے والے معنی صورت ذہنی ہو جاتے ہیں جو آنکھوں کے سامنے موجود ہوتے ہیں۔ پھر ان نفوس پر جن کا معاملہ ہم نے بیان کیا ملاء اعلی کے علوم کا فیضان ہوتا ہے۔ تو وہ نفوس ان کا احاطہ کر لیتے ہیں، ان کو جمع کر لیتے ہیں اور اپنے لئے خاص کر لیتے ہیں۔ پھر ان کے نفوس سے دو شریف علم پیدا ہوتے ہیں۔

ان میں سے ایک علم الاحکام ہے کہ فلاں شے واجب ہے، اور فلاں شے حرام ہے۔

اور دوسرا علم گمراہ لوگوں سے مخاصمہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کی جو بہت سی فاسد عادتیں، باطل اقوال، گھٹیا شبہات ظاہر ہوتے ہیں اور علوم حقہ سے ان کی منافرت ظاہر ہوتی ہے اور غیظ و غضب واقع ہوتا ہے، تو ان سادات کرام کے دلوں میں ان کے لئے اقوال اور جواب آتے ہیں اور یہ دونوں علم قرآن کے عظیم ترین علوم میں سے ہیں اور ہم ان اوراق میں علم مخاصمہ کا

ایک حصہ بیان کریں گے۔

اور یہ بھی جان لو کہ انسان اکبر سے تجلی اعظم انسان اصغر سے بمنزلہ قلب کے ہے، تو جس طرح قلب کے لئے حسن کی طرف، دوسری شکل میں ہر عضو کی طرف میلان ہوتا ہے۔ اسی طرح تجلی اعظم کے لئے تمام انواع کے افراد کی طرف اور دوسری تدبیر سے ہر نوع کے افراد کی طرف میلان ہوتا ہے۔ اور جو تدبیر افراد انسان کی نسبت سے تجلی اعظم سے ظاہر ہوتی ہے، وہ متعدد علوم کے افاضہ سے تمام تدابیر سے ممتاز ہوتی ہے۔

ان میں سے ایک باری تعالیٰ جل مجدہ کی آیات پر اطلاع کے ضمن میں اس کی معرفت اور اس کے لئے بلندی و عظمت کا اقرار ہے۔ اور ان میں سے حق اپنے بندوں کے افعال پر ان سے درگزر کرنے کی معرفت ہے۔ اور ان کی معرفت جو ان کو موت کے وقت اور اس کے بعد عذاب و ثواب لاحق ہوتے ہیں، اور حق کی طرف تقرب کے وجوہ کی معرفت، اور وہ نیکی اور گناہ کا باب ہے۔ اور ان میں سے گھر اور شہر و ملک کے نظم میں عدل کی معرفت ہے۔ اور گمراہ فرقوں کے ساتھ مخاصمت و جدال کی معرفت ہے۔ یہ ایسے علوم ہیں کہ تجلی اعظم افراد انسان پر برابر ان کا فیضان کرتی رہتی ہے۔ اور اسی لئے قوم ان کو حاصل کرتی رہتی ہے حتیٰ کہ یہ علم ان کے اندر کسی نہ کسی طرح ظاہر ہو جاتا ہے خواہ وہ بالکل درست ہو یا اس میں کچھ غلطیاں بھی شامل ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی نیا دور آتا ہے، وہ ان علوم کو ان لوگوں کے دلوں میں الہام کر دیتا ہے۔ جن کی شان کو اس دورہ میں نمایاں کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ معاملہ اسی طرح چلتا رہا حتیٰ کہ دورہ عظیمہ آ گیا اور اللہ نے سیدنا محمد ﷺ کو وجود میں لانے اور آپ کی شان نمایاں کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور آپ کی طرف ان علوم کو اس طرح کلام بلیغ میں وحی کیا کہ باطل نہ آپ کے سامنے سے آتا ہے نہ پیچھے سے۔ اور ان علوم کو آپ کی طرف خالص کر کے پیش کیا کہ اس میں خطا، غلطی شامل نہیں ہوتی تا کہ آسمان سے زمین تک نازل ہونے والی طویل رسی ہو جائے جس نے اس کو پکڑ لیا وہ اوپر چڑھ گیا اور نجات پا گیا۔ اور جس نے اس سے اعراض کیا وہ پستی میں گر گیا اور گمراہ ہو گیا۔

اور یہ بھی جان لو کہ نبیؐ میں دو فضیلتیں جمع ہیں، ایک نبوت اور دوسری آپ کے سبب

سے قریش کی سعادت۔ نبوت تو تمام اصناف کے لئے عام ہے۔ ان امور میں گورا اور کالا سب برابر ہیں جن پر اس فیض کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جو باب نبوت سے ہے۔ اور اسی لئے مصلحت کلیہ نے جب ترکوں کی سلطنت کے عموم کا فیصلہ کیا تو ان کو دین اسلام کے قبول کرنے کے بارے میں الہام کیا۔ اور قریش کی سعادت کا سبب ایک طویل زمانہ تک ان کی خلافت کا ہونا ہے۔ اور جس نے یہ یقین کیا کہ مثلاً ہندوؤں کا اقلیم ہندوستان پر عام غلبہ مستقل ہو گیا تو اللہ کی حکمت میں ضروری ہوا کہ ان کے سرداروں کو دین اسلام قبول کرنے کے بارے میں الہام کر دیا۔ جیسا کہ ترکوں کو الہام کیا تھا۔ اور یہ آپ کی نبوت کے عموم اور آپ کے صاحب ملت ہونے کا شعبہ ہے اور نبیؐ کے لئے بہت سے مراحل ہیں، آپ کبھی اپنی نبوت کی جہت سے کلام کرتے ہیں اور کبھی اس جہت سے کہ وہ قریش کی سعادت کا منشا ہوتا ہے۔

اور جب ہم نے اس امر کا ذکر کر دیا جو اس بات کا مستحق ہے کہ ملاء اعلیٰ سے مستفاد مقالات پر مقدم ہو تو اب ہم دوسرے امور کا ذکر کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں کہتا ہوں کہ میرے دل میں ملاء اعلیٰ کی جانب سے ایک داعیہ پیدا ہوا اور ان کے علوم کے نقش ہونے سے ایک ہیئت حاصل ہوئی۔ واللہ علی مانقول وکیل ''ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اللہ اس پر گواہ ہے۔'' اے لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے ساتھ ان کو شریک کرتے ہو جن کے حق میں کوئی سلطان، دلیل نہیں ہے۔ ہر شہر والوں نے اپنے احبار و رہبان کو اللہ کو چھوڑ کر اپنا رب قرار دے لیا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ تم سے دور ہے اور یہ تم سے قریب ہیں۔ ہرگز نہیں حق تعالیٰ علی اور کبیر ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ تمام کمزوریوں اور برائیوں سے پوری طرح منزہ ہے۔ اپنی مخلوقات سے قریب ہے تو جب بھی کوئی شخص کہتا ہے یا ربی، یا ربی، تو وہ اس کے مقابلہ میں کہتا ہے یا عبدی، یا عبدی۔ یہ اس کا قریب ہونا اس کی قدوسیت کے منافی نہیں ہے۔ اور اس کے ایک کام میں مشغول ہونے سے دوسرے کام میں مشغولیت میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ یا تمہیں ان آثار نے دھوکہ میں ڈال دیا ہے جن کو تم ان کے سامنے تضرع کے بعد دیکھتے ہو۔ جن سے سمجھ لیتے ہو کہ وہ تمہاری فریاد پوری کر دیں گے؟ ہرگز نہیں یہ تضرع جود و سخا کے کسی دروازہ کو کھٹکھٹانا ہے اور ان کی طرف تضرع وہ کھٹکھٹانا نہیں ہوتا۔ بلکہ لوگوں کی ہر جماعت کے مجوس اور ہنود ہوتے ہیں اور ایسی جہت ہوتی ہے جس کی طرف وہ متوجہ ہوتے

ہیں۔اور قبلہ ہوتا ہے جس کے پاس تضرع کرتے ہیں تو ان کے خیال میں ان کا تضرع قبول کرلیا جاتا ہے۔اور حق بات تو یہ ہے کہ تدبیر غیب کی طرف تضرع جود وسخا کے باب کو کھٹکھٹانے کے لئے مفید ہوتا ہے۔تو جس نے حق واجب، دائم جل مجدہ کی طرف تضرع کیا، اس نے صحیح کام کیا اور کامیاب ہوا اور جس نے اس کے غیر احبار ورہبان کی طرف یا کواکب کی طرف تضرع کیا اس نے غلطی کی اور گمراہ ہوا۔اور اس سے تضرع غیب کی طرف نکل گیا اور اس کی ضروریات کی کامیابی میں فائدہ مند نہ ہوا۔جب کہ ان سے پہلے بھی امتیں گزری ہیں۔

اور ہر امت یا جماعت ان کی طرف تضرع کرتی ہے جن کو تضرع کا مستحق سمجھتی ہے، تو آپ دیکھتے ہیں کہ انہیں تضرع کی طرف کبھی کچھ اور راغب کر دیتا ہے۔اور کبھی انسان صاحب قبر کی طرف تضرع کرتا ہے۔تو اس کا تضرع جود وسخا کے ان دروازوں کو کھٹکھٹاتا ہے جو اسباب کو سبب کی طرف فیضان کے مشابہ ہوتا ہے۔وہ اس لطف کے مشابہ نہیں ہوتا جس کا منبع تجلی اعظم ہوتی ہے۔تو فیضان کرنے والا خاص طور سے مدعو کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔وہ اس امر کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ اس نے غیب کی طرف تضرع کیا ہے اور اس نے جود وسخا کے دروازہ کو کھٹکھٹایا ہے۔اور جو کریم کے دروازہ کو کھٹکھٹاتا ہے، وہ کھول ہی لیتا ہے۔اور نفع وضرر دو امر ہیں۔نظام عالم اس کے مطابق چلتا ہے۔اس میں فاسق وصالح اور شقی وسعید برابر ہیں۔

اور اشراک یا شریک کرنے سے نفی سے مراد یہ ہے کہ انسان کا نفس اپنے ہی جیسے متعین ومتشخص کی طرف توجہ کے ساتھ ملوث نہ ہو۔اور جب بھی مصلحت کلیہ کسی نفع یا ضرر کے حصول کی طرف مائل ہوتی ہے تو اس کے عقیدہ میں مبتلا شخص کے لئے وہ شکل اختیار کر لیتا ہے یا اس کو خواب میں نظر آجاتا ہے کہ فیض پہنچانے والا فلاں ہے۔جب کہ حقیقت میں وہ فلاں اس کے خیال میں فیض کے لئے عنوان ہوتا ہے اور حقیقت میں فیض رساں خود افاضۂ حق ہوتا ہے۔

اور بہت سے انسان ملاء اعلیٰ کے سادات میں سے کسی عظیم القدر عبد کو شعور وغیرہ سے محسوس کر لیتے ہیں اور وہ اس لئے ہوتا ہے کہ ہر انسان کے باطن ایسے مسامات ہوتے ہیں جن کی جہت سے علوم فوقانیہ مترشح ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اس کا معاملہ اس کو حیران وششدر کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے **ماھذا بشر اِن ھذا الاملک کریم** "یہ انسان نہیں ہے یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے"۔حالانکہ درحقیقت وہ ملاء اعلیٰ سے ایک بندہ ہوتا ہے جو مامور ہوتا ہے اور ایسی

استطاعت نہیں رکھتا کہ جس امر کا اس کو حکم دیا گیا ہے اس سے روگردانی کر لے۔ وہ دعا کرتا ہے تو وہ قبول کی جاتی ہے۔ پکارتا ہے تو اس کو جواب دیا جاتا ہے۔ دنیوی نفع وضرر کی طرف التفات کرنا چھوڑ دو۔ البتہ دینی نفع وضرر کا اہتمام کرو۔ اور وہ یہ ہے کہ بندہ کی بصیرت جب عالم میں اس تجلی کی تدبیر کی کوشش کرتی ہے اور زمین میں جو بھی موجود ہیں، سب کو اپنی تدبیر میں شامل کرنا جان جاتا ہے اور اس کے قلب کی ہمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو اس کا نفس ایک طرح سے تجلی سے چپک جاتا ہے۔ تب وہ نجات پاتا ہے اور درجات عالیہ پر فائز ہو جاتا ہے اور جب اس کی بصیرت اپنے ہی جیسے مقہور و مامور بندہ سے چپکتی ہے اور وہ اپنی تدبیر پر عقیدہ کرتا ہے اور ہمت کے ساتھ اس کی طرف توجہ کرتا ہے تو اس کا نفس عالم تقید وخصوص سے چپکتا ہے۔ اور عالم تجرد، اطلاق اور صرافہ (خالص) سے دور ہو جاتا ہے۔ قرآن عظیم نے ان دونوں قسم کے دینی نفع وضرر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے اور ان دونوں کی طرف تجلی اعظم سے یہ لطیف وفصیح اشارہ کرتا ہے۔

اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں اپنے دل میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں یہ اہل تصوف جو خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ میں اللہ کے لئے ان ہی کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ اسلام میں ایسا نیا فرقہ ہیں جس کا اصل اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جیسے کسان غذا کے کام آنے والے نفع بخش دانے بوتا ہے، پھر اس کی سینچائی کرتا ہے۔ تو پانی کی کثرت اور زمین کی نرمی کی وجہ سے سبزہ اور گھاس پھونس اگ آتے ہیں تو کسان کا مقصد ان کو کاٹنے اور تلف کئے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ اسی طرح اللہ نے اپنی کھیتی بوئی اور وہ محمدؐ اور آپ کے علوم کے حامل لوگ ہیں۔ پھر اس کی قرآن اور حکمتوں سے سنچائی کی اور وہ زمین اچھی ہوئی تو مطلوبہ کھیتی اگی اور اس کے ساتھ ہی گمراہ فرقہ بھی پیدا ہوا۔ جو فہم وذکا کا حامل ہے۔ اور اس عالم کے معاملات میں ان کے نفوس جو تقاضہ کرتے ہیں بعض ان باتوں کی طرف بھی میلان رکھتے ہیں تو جب علوم کا پانی ان کو ملا، انہوں نے اس سے وہ غذا حاصل کی جو اس میں سب سے اہم تھی جس سے ان کے قلوب میں وہ مذاہب پیدا ہوئے جو اللہ اور رسول کے نزدیک مطلوب تھے اور جن کے بارے میں کتاب وسنت سے استمداد اور ان کے حاملین کی ذہانت وفطانت اور قول وعمل میں ان کے قائم رہنے کی وجہ سے سمجھا جاتا ہے کہ وہ مذہب حق ہیں۔

اسلام میں جو پہلا فرقہ ان لوگوں سے پیدا ہوا جن کے دلوں میں ریاست کا داعیہ پیدا ہوا اور ان کے دلوں میں نسب وحسب کی برتری تھی۔ اور ان میں بلند ہمتی اور ریاست کی طلب تھی۔ پھر جب انہوں نے دیکھا کہ انبیا ریاست عاملہ، دلالت علی الخیر اور اللہ کی خلافت کے ساتھ آئے ہیں تو انہوں نے گمان کرلیا کہ ساری سعادت انسان کے فاطمی علم ہونے میں ہے پھر وہ تلوار لے کر نکلے تاکہ لوگوں پر غالب آجائیں اور ان کے درمیان سیرت حسنہ کے ساتھ چلیں اور انہیں بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں مگر ان کے اس گمان کے پیچھے ہولناک بلائیں، اختلافات اور فرقہ بندیاں تھیں۔ جب کہ اللہ کے نزدیک مطلوب امر اختلاف اور فرقہ بندی کو ترک کرنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے دو معنوں کے لئے خلافت کا وعدہ کیا ہے لیکن دوسری کو چھوڑ کر صرف فاطمیوں کو خاص نہیں کیا۔ جیسا کہ فرمایا **وعداللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا** ”اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے۔ اور ان کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل دے گا۔“ (النور ۵۵)

اور دوسرا فرقہ تنگ دست، بدحال، پراگندہ بال میلے کچیلے گندے رہنے والوں کا ہے۔ انہوں نے اللہ کے لئے تجرد اختیار کرلیا۔ تلاش معاش کو ترک کر دیا۔ لوگوں سے قطع تعلق کرلیا اور حتی الامکان اقل ترین پر اکتفا کرلیا اور رسول اللہ ؐ کے ارشاد پر عمل نہیں کیا جس میں آپ نے اپنی امت سے عہد لیا تھا کہ عمل میں اعتدال کی راہ اختیار کریں۔ انہوں نے دوام صوم اور دوام قیام کی راہ اختیار کرلی۔ ان کے اس اجتہاد کے پیچھے تین ظاہری لطائف میں نورانیت آگئی جب کہ ان میں حق بھی آیا اور باطل بھی۔ حق تو ان کی وہ نورانیت ہے۔ اور باطل بعض وہ امور ہیں جو انہوں نے خلاف سنت اختیار کئے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ پھر سید الطائفہ جنید بغدادی تشریف لائے۔ آپ نے اس طریقہ کو سنت کے مطابق تیار کیا۔ اس کی تہذیب اور تلخیص کی۔ چنانچہ جنید کا طریقہ پوری طرح خیر ہی خیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں

برکت کی روح پھونک دی اور بیشمار طائفوں (جماعتوں) کو اس پر جمع کردیا۔ پھر لوگ دوسری رسوم اون کے کپڑے پہننے، لوگوں کے خلاف طنز و تشنیع اعتراضات اور الزام تراشی کرنے اور گانے سننے وغیرہ میں طویل مدت تک مبتلا رہے۔ پھر اللہ نے اس طریقہ کی تجدید شیخ ابو سعید بن ابوالخیر کے ذریعہ اور پھر شیخ ابن عربی کے ذریعہ کی۔ اور شیخ ابن عربی پر علوم و معارف کے اتنے دروازے کھول دیے جن کا کوئی حساب نہیں۔

پھر ایک فرقۂ خبیثہ پیدا ہوا یہ وہ فرقہ ہے جس کا گمان ہے کہ اللہ عین العالم ہے۔ اور عالم عین اللہ ہے اور یہ کہ نہ کوئی حساب ہے نہ عذاب۔ ہمارے نزدیک محقق بات یہ ہے کہ اس کا حکم کہ اللہ تعالیٰ فرد واحد ہے، وہ موجود ہے، راضی بھی ہوتا ہے اور خفا بھی ہوتا ہے۔ معاف بھی کرتا ہے اور مواخذہ بھی کرتا ہے، وہ واجب ہے، انسان کی جبلت اور فطرت تقاضا کرتی ہے تو جس نے اس عقیدہ میں کوئی قصور کیا وہ زندیق کافر ہے۔ اور اگر تم اس مسئلہ میں حق کی تحقیق چاہتے ہو تو سمجھ لو کہ ہم نے جب زمین میں گٹھلی بوئی اور اس کا پانی، ہوا اور زمین نے احاطہ کرلیا تو لازم ہو جاتا ہے کہ وہ گٹھلی ان مذکورہ اشیا سے چھوٹے چھوٹے اجزا کو اپنی طرف جذب کرے، اپنے ساتھ ملائے اور ان کے حجم کو بڑھائے پھر برابر جذب کرتی اور بڑھاتی رہے حتی کہ اس کو اپنی طبیعت کے تقاضہ کے لحاظ سے اس سے زیادہ بڑھانا مناسب نہ رہے۔ پھر طبیعت نے ان مادوں میں تصرف کر کے ان پتوں میں پھر ڈالیوں، ٹہنیوں، پھر بڑے درخت اور پھولوں اور پھلوں میں بدلے، یہاں تک کہ ڈھانچہ کے جدا ہوجانے کا وقت آجائے۔ تو یہاں لوگ صرف چھوٹے چھوٹے اجزا دیکھتے ہیں جو ان اشیا کے اردگرد ہوتے ہیں۔ لیکن عقل کامل والے جب یہ دیکھتے ہیں کہ یہ گٹھلی کھجور کا درخت بن رہی ہے اور وہ انگور اور دوسرا بیری بن رہی ہے۔ اور ہر نظم کے لئے دوسرے سے مختلف نظم ہے تو وہ محض نفس نباتیہ کے اثبات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ جسم نہیں ہے لیکن جسم کی اس تربیت کے سایہ میں ہوتا ہے۔ اور فطرت سلیمہ اس نفس کا ادراک بغیر برہانی دلیل کے کسی سابق کسب کے بغیر محض عطیۂ اور ہبۂ الٰہی سے کرلیتی ہے۔ اب صورت مجردہ کو یاد رکھو اور اس کو اپنے پیش نظر رکھو۔ پھر ان سے نفوس حیوانیہ، نفوس انسانیہ، نفوس ملکیہ اور نفوس فلکیہ کی طرف منتقل ہو جاؤ۔ اور نفوس اور ان کے اختلاف مراتب اور ایک دوسرے پر مبنی ہونے کو اپنے پیش نظر رکھو اور وہ سب مجرد

ہیں۔ جسموں کے ساتھ تعلق تدبیر کے طور پر متعلق ہیں۔ پھر ان سے اس نفس کی طرف منتقل ہو جوام النفوس ہے۔ ہر نفس اسی سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ قائم ہوتا ہے جیسا کہ حروف کے لئے سیاہ خط اور تمام مراتب اعداد کے لئے واحد ہوتا ہے۔

پھر نفس میں ایک ترتیب ہوتی ہے۔ تو اس میں جو پہلی چیز متعین ہوئی وہ ذات الہیہ کی صورت ہے جو مبدأ المبادی ہے اور وہ صورت "سفید نور" ہے جو اپنے سوا سب پر غالب ہے۔ نبیؐ کے ارشاد میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جب سوال کیا گیا ہمارا رب اپنی مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل کہاں تھا، تو فرمایا عماء میں تھا کہ اس کے اوپر بھی ہوا تھی اور اس کے نیچے بھی۔ اور اسی کی طرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارہ کیا گیا ہے۔ الله نور السموات والارض. مثل نوره الاية "اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے (کائنات میں) اس کے نور کی مثال ایسی ہے............ (النور ۳۵) یہاں مثل نوره کا مطلب مومن کے قلب میں اس کے نور کی مثال ہے۔ جیسا کہ ابن عباس نے پڑھا ہے۔ اور اس نور سے مراد حجر بحت ہے اور یہ صورت الہیہ قدیم دائم غیر حادث ہے کہ اس کا وجود غیر منقطع ہے اور وہ فرد واحد ہے۔ اس پر ایمان لانا فرض ہے۔

اور جس نے ان علوم سے اغماض کیا جن سے اللہ کے بندوں میں سے کچھ افراد مختص ہیں کہ نفس کلیہ جب نفس جزئیہ ہو گیا اور احکام خصوص سے متعین ہو گیا تو وہ جس دن نیچے اترے گا بصورت عالم اترے گا۔ چنانچہ تمام افراد عالم کے درمیان انسان کو اس طرح مختص کیا کہ اس سفید نور کے مقابلہ میں جو کہ غالب ہے اور وہی حجر بحت ہے اس کے نفس میں نقطہ ظاہر ہوا۔ پھر وہ نقطہ اپنے دائرہ میں اور اپنے ٹھہرنے کے مقام پر جذب ہو گیا جس طرح لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے۔ پھر اس جذبے سے نوع انسان میں تکیف پیدا ہوا اور اس جذب سے دوسری سعادت وشقاوت تھیں۔ اور اس جذب سے محبت ذاتی پیدا ہوئی جس کے ساتھ افاضل عباد اللہ مخصوص ہیں اور اس نقطہ کے طریق سے دواعی الہیۃ کلیہ اور علوم اطلاقیہ نازل ہوتے ہیں۔

پھر یہ جان لو کہ اس نور غالب میں اللہ عزوجل کی طرف میلان اس کے ظہور کے اعتبار سے اصل فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیدا کیا ہے۔ اب جس نے نور کا اعتراف نہیں کیا اور یہ نہیں کہا کہ وہ فرد واحد ہے اور نہ دنیا و آخرت میں مجازات کے بارے

میں کہا اور نہ اخروی سعادت وشقاوت کے بارے میں کہا تو وہ اللہ کے تمام انبیا اور محدثین و متکلمین کی زبان میں زندیق کافر ہے۔ جو سوائے حق تعالیٰ اور اس کی صفات واسماء کے سارے عالم کے حدوث کے قایل ہیں۔ اور یہ کہ حق فرد واحد ہے۔ قدیم اور غالب ہے، وہ صحیح بات کہنے والے اور محقق ہیں اور اس بارے میں جو بھی ان کی بات کو رد کرتا ہے وہ باطل زندیق ہے۔ البتہ اللہ کے کچھ شاذ و نادر بندے جو محقق ہیں، جانتے ہیں کہ یہ تفصیلی علم ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ اور عام لوگ علم اجمالی پر ہی توقف کر لیتے ہیں۔ اور نقلی اہل تصوف جو یہ کہتے ہیں کہ عالم عین اللہ ہے اور اللہ عین عالم ہے، وہ زندیق ہیں۔ ان کا نقصان عام لوگوں کو شدید اور بہت بڑا ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک نوامیس الٰہیہ ذلیل وحقیر ہیں اور ان کی نظریں مغلوبین کے اشاروں کی طرف اٹھ گئی ہیں۔ اور عشاق کے کلام آنکھوں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔ وہ بیان نہیں کیے جاتے۔

اور جان لو کہ تجلی اعظم کے افلاک کی وضعوں اور قرانات کلیہ کے لحاظ سے بہت سی حالتیں ہیں۔ اور نفوس کلیہ، ملاء اعلیٰ، نفوس انسانیہ وغیرہ میں اس کے بلند عکس ہیں۔ دورۂ اولیٰ میں سورج اور تمام ستاروں اور آگ اور نور میں اس کے بلند عکس کے ظہور کے لحاظ سے اس کی شان عظیم ظاہر ہوئی۔ پھر اس کا وہ ظہور صورت انسانیہ کے قیاس پر تھا جیسا کہ آئینہ میں عکس صرف آئینہ کے قیاس سے ہوتا ہے۔ تو اگر تلوار کی طرح طویل ہوگا تو صورت طولانی ہوگی اور اگر آئینہ چوڑا عریض ہوگا تو صورت عریض ہوگی اور اگر گول ہوگا تو گول ہوگی۔ چنانچہ وہ عکس جس کے ذریعہ صورت انسانیہ کی طرف توجہ کی، اس سے زیادہ قریب ہوگا جس سے نور بسیط مشابہ ہے تو قول غالب آجائے گا اور وہ خیر محض اور لطف ورحمت ہے۔ اس کو اس اعتبار سے یزدان کہتے ہیں اور ان مناسبتوں سے نور، آگ اور سورج کو اس کی طرف قبلۂ توجہ بنایا۔ پھر تجلی اعظم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے قبل قریب ہوئی اور ملاء اعلیٰ کے ذہنوں میں بمنزلہ صورت ذاتیہ محفوظ ہو گئی اور پہلا طریقہ محو ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نور اور نار کی طرف توجہ فرمائی اور اللہ کی طرف تقرب ہمارے اس زمانہ میں ہوا کہ اس کی طرف توجہ ملاء اعلیٰ کے ضمن میں ہوئی اور اس کے مطابق جو وہاں ہے اور اس علم شریف میں ہم نے بہت بار قائم کیا تو ہم حجر بحت کے ساتھ باقی رہ گئے اور اس کے سوا ہر لطیفہ سے فنا ہو گئے پھر حجر بحت تجلی اعظم میں

غوطہ لگایا تو ہم تجلی اعظم کے ساتھ باقی رہ گئے اور جوہر کی نسبت سے عرض کی طرح ہو گئے اور ایسے ہو گئے کہ بنفسہ تجلی اعظم کے علم سے اور اس کے تمام اطوار سے جانیں۔ اور ہم نے اس کے تمام اطوار کو اجمالا جان لیا اور ہم کبھی نور غالب قاہر کی طرف اترے جس کو یزدان (رحمٰن) کہا جاتا ہے تو ہم نے ایک امر عجیب دیکھا۔ پھر ہم کبھی دوبارہ اترے کہ خلق ملاء اعلی میں ثابت ہے اور ہم نے دونوں شانوں کے درمیان فرق کا محقق ثابت ادراک کیا۔ اللہ کا شکر ہے جو علوم کا فیضان کرنے والا اور حقائق کا اس طرح ہبہ کرنے والا ہے جیسی کہ وہ اصل میں ہیں اور یہ مکمل ترین سعادت ہے جیسا کہ میں جانتا ہوں۔ **و العلم عنداللہ تعالی۔**

اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں ان فقہا سے کہتا ہوں جو اپنے کو موٹا کئے ہوئے ہیں اور تقلید پر جمود اختیار کئے ہوئے ہیں کہ ان کو نبیؐ سے اسناد صحیح سے حدیث پہنچتی ہے جس کو فقہا متقدمین میں سے ایک بڑی تعداد نے اختیار کیا ہے۔ اور جو اس کو اختیار نہیں کرتا، اس کے لئے تقلید کے سوا کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اور ان ظاہر پرستوں سے کہتا ہوں جو ان فقہا کا انکار کرتے ہیں جو اصحاب علم ہیں اور اصحاب دین کے ائمہ ہیں کہ وہ سب بیوقوفی کی راہ پر اور کمزور رائے اور گمراہی پر ہیں اور یہ کہ حق بین بین ہے۔ اور اللہ کے لئے اللہ ہی کو گواہ بناتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سب سے زیادہ شان والا اور سب سے زیادہ عدل والا ہے۔ وہ اس سے پاک و بے نیاز ہے کہ لوگوں کو ایک شریعت کا مکلف بنائے کہ قیامت تک اس پر عمل کریں پھر اس کو ان پر ایسی مشتبہ بنا دے کہ حق اور باطل میں تمیز نہ کرسکیں۔ بلکہ اللہ تبارک وتعالی نے حق کو روشن اور ظاہر کردیا ہے حتی کہ سوائے نافرمان اور سرکش کے اللہ کے بارے میں ایسی بات کوئی نہیں سوچ سکتا۔ اس نے کتاب محکم نازل فرمائی جس میں انسانوں کا کلام التباس نہیں کرسکتا۔ اور اس کی اس میں کوئی تحریف راہ نہیں پاسکتی اور اس کا سلسلہ متواتر فرمادیا کہ اس کے بارے میں دو آدمی بھی مختلف نہیں ہوتے۔ اور اس کے رسول صلوات اللہ علیہ نے احکام بیان فرمائے۔ اور حکم دیا تو اس سے ایک جماعت الفاظ یا معنی سے مستفیض ہوئی۔ مستفیض باللفظ سے میری مراد وہ حدیث ہے جس کو رسول اللہؐ سے تین یا زیادہ صحابہ نے روایت کیا اور ان کا حال صدق وتقوی میں معلوم ہے کہ رسول اللہؐ نے ان کے بارے میں شہادت دی کہ وہ بہترین جماعت ہیں اور لوگوں کو ان کی تعظیم کی رغبت دی۔ اور ان کو سب وشتم کا نشانہ بنانے

سے روکا۔اس طرح سے ملنے والی احادیث متواتر یا تواتر سے ملحق ہیں اور وہ فقہ اور سیرت کے ہر باب میں بہت زیادہ موجود ہیں۔خواہ ان کے الفاظ ایک دوسرے سے متفق ہوں یا مختلف۔

اور مستفیض بالمعنی سے میری مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے اپنے مذاہب کے اختلاف اور احوال کے تضاد کے باوجود ان کے زعماء نے شریعت حق کے بیان میں کفالت کی ہے جو رسول اللہؐ سے مروی ہے۔ان میں سے اہل السنہ بھی ہیں اور ان کے علاوہ بھی۔ان مسائل میں انہوں نے باہم اتفاق کیا یا تھوڑا اختلاف کیا۔سمجھنے والا سمجھ لیتا ہے کہ اس طرح کی باتیں ہر اس معاملہ میں پائی جاتی ہیں جو ایک دوسرے سے نقل کیا جاتا ہے اور اس کا سلسلہ طویل زمانہ تک چلتا ہے۔یا مسلمانوں نے اختلاف کیا لیکن سواد اعظم سختی کے ساتھ ایک امر پر قائم رہا اور جس نے اس میں مخالفت کی اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔اور مخالفت کے اختلاف کو حل یا عقد میں قابل اعتنا ماننے سے انکار کر دیا اور مخالف ان کی جمعیت کے خوف سے کھل کر سامنے آنے سے بچتا رہا۔محفل سے دور رہا،مجمع سے چپکے سے کھسک کر پناہ ڈھونڈتا رہا۔یا جمہور جو کچھ کہہ رہے تھے تقیہ کرتے ہوئے خود بھی وہی کہتا رہا،تا کہ اپنی جان و مال کو بچا لے۔اور یہ کہ وہ کوئی فیصلہ کر دیں اور یہ ایسی دلیل کی طرف ہے کہ صرف بدعی مذاہب سے ہی کامیاب ہوا۔یہ بات کبھی مسلمانوں کے کانوں میں نہیں پڑی حتی کہ اس شخص نے بیان کی تو اس طرح کے معاملے بہت کم ہیں اور ان کو شمار میں نہیں لایا جاسکتا۔یہ ملت قیمہ اسی قدر رہی جس سے خفا اور پردہ زائل ہو گیا۔اور اس پر دلائل قائم ہو گئے۔اب خود ہی انصاف کر لو کہ مومن وہ ہے جو خود انصاف کر لے کہ منقول ملتوں کے لئے کیا اتنے زمانہ تک یہ ممکن ہو گا کہ اس سے بہتر طریقہ کی تحقیق کرے اور اس کا احاطہ کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے ملت مصطفویہ کے لئے پسند کیا۔

پھر اس کے بعد احادیث کو عدول (معتبر) صحاح اور حسان لوگوں سے نقل اور روایت کیا گیا جن کے صدق کی گواہی اس شان والوں نے دی۔اور اگر ان کو عام لوگوں نے نہیں پہچانا تو تم پر ان کا تتبع اور ان کی اقتدا لازم ہے۔اور جن امور میں پہلے اختلاف ہو چکا ہے،ان کے بارے میں صحابہ اور تابعین کے دور سے ہمارے زمانہ تک دو رائے چلی آ رہی ہیں۔کوئی ان میں سے کسی ایک قول کو رد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا کہ اس پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔صرف ترجیح کی بات کرتی ہے اور اس کی معرفت اصول کے زیادہ مشابہ ہے۔اس لئے تم پر

لازم ہے کہ ان کے اقوال، قیاسوں اور استنباطوں سے باہر مت جاؤ کہ ان میں ان کی عقلیں اور آرا مختلف ہوئی ہیں۔ تو تم پر ان میں سے کوئی شے واجب نہیں ہوتی۔ سوائے اس کے جو قوی جلی ہو۔ تو جو شریعت کے مرتبہ کو نہیں سمجھتا اور ہر مرتبہ کے حق کو ادا نہیں کرتا اور اولی کو ایسی سختی سے اختیار نہیں کرتا کہ اس میں مخالفت کرنے والے کو بدعتی قرار دے دے۔ اور دوسرے کو حد احتیاط کے ساتھ اس کے لئے کسی عالم کو امام بنائے بغیر نہیں پکڑتا تو وہ جاہل گمراہ ہے۔

اور اللہ کے لئے اللہ ہی کو گواہ بناتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی حاکم نہیں اور حکم صرف اللہ کا ہے کہ اللہ نے واجب، مندوب، مباح، مکروہ اور حرام کا حکم اپنے عرش کے اوپر سے دیا، پھر یہ سب کچھ ملاء اعلی میں اور اس کی تجلی اعظم کے گرد قائم شعاعوں میں متحقق ہوا، پھر لوگوں میں شریعت کو اس ذات کی زبان سے نازل فرمایا جس کو اس نے اپنی رسالت کے لئے منتخب فرمایا۔ اب جس نے کسی چیز کے بارے میں واجب یا حرام ہونے کی بات بغیر کسی ثبوت اور معتبر حوالہ کے کہی، اس نے اللہ کے خلاف جھوٹی الزام تراشی کی۔ اللہ کا ارشاد ہے **ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلل وھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لایفلحون** ”اور یہ جو تمہاری زبانیں جھوٹے احکام لگایا کرتی ہیں کہ یہ چیز حلال ہے اور وہ حرام تو اس طرح کے حکم لگا کر اللہ پر جھوٹ نہ باندھا کرو۔ جو لوگ اللہ پر جھوٹے افترا باندھتے ہیں وہ ہرگز فلاح نہیں پایا کرتے۔“ (النحل ۱۱۶)

بلکہ حق بات مرتبہ اولی میں یہ ہے کہ جو بات معلوم ہے، اس پر اعتقاد کے ساتھ اس طرح قائم ہو جاؤ کہ اس کے خلاف کچھ بھی قبول نہ کرو اور ایسے قول کو مرتبہ ثانیہ میں رکھ دیا جائے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ مثلاً صحابہ سے دو قول مروی ہیں مگر ہمیں یہ قول محبوب ہے اور یہ سنت سے زیادہ قریب ہے۔ اور میں اللہ کے لئے اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ ایسے شخص نے اللہ کے سلسلہ میں کفر اختیار کیا کہ امت کے کسی ایسے شخص کے بارے میں جو خطا بھی کرتا ہے اور صحیح بات بھی کہتا ہے، یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ نے اس کے اتباع کا حتمی حکم دیا ہے اور یہ کہ میرے اوپر واجب وہ ہے جو یہ شخص میرے اوپر واجب کرتا ہے۔ حالانکہ شریعت حقہ نے اس شخص سے ایک زمانہ پہلے ثابت کر دیا تھا جس کو علما نے یاد رکھا اور راویوں نے روایت کیا اور اس پر فقہا نے حکم لگایا۔ البتہ لوگوں نے علماء (مجتہدین) کی تقلید پر اس معنی میں اتفاق کیا ہے کہ وہ نبیؐ سے شریعت کو

محسن ہے۔ یہ مرتبہ نبیؐ اور اوائل امت سے منقول سنن و آداب اور تورعات یا منقول پر قیاس کئے جانے والے امور کا ہے۔ اور دونوں مرتبوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ اس فرق کو چھوڑ دینا بڑا خسارہ اور جہالت ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان فرق کو چھوڑنے سے علماء کا غالب اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ ہم اس کو مثالوں میں بیان کرتے ہیں۔ مرتبۂ اولیٰ میں تنزیہ شدید نہیں بلکہ تنزیہ متوسط ہے۔ ان امور میں تنزیہہ کی جاتی ہے جو بندوں کے ساتھ امت امی کے نزدیک ظاہر حق کی مساوات کا سبب ہوتی ہے۔ جس کی لغت میں قرآن نازل ہوا۔ اور ان تشبیہات سے تنزیہ کی جاتی ہے جن کو جماعتوں نے استعمال کیا اور ان کو بڑھایا اور ایک کے بعد ایک طبقہ نے ان کو بطور وراثت منتقل کیا۔ حتیٰ کہ طول و عرض والا فرقۂ باطل پیدا ہو گیا۔ اس فرقہ کو اس تشبیہ کے راستے پوری طرح بند کئے بغیر پامال کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس طرح کہ بالکل ڈھیل نہ دی جائے اور اس کے ماسوا کوئی بغیر کسی تعرض کے چھوڑ دیا جائے۔ اور تشبیہ کا علاج ایسے اجمالی کلمہ سے کیا جائے جس کا ہر مومن اعتقاد رکھتا ہے۔ اور وہ یہ ہے لیس کمثلہ شیء "اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے" وھو السمیع العلیم "وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔" اور اس سے زیادہ میں مشغول نہ ہو۔ اور ہم نے ان قیود میں علم کثیر کو ملا دیا ہے۔ اگر تم اس کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہو تو سمجھ سکتے ہو۔

اور ان اسرار کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات توقیفی ہوں۔ کسی کو ان کے بارے میں کلام کرنے کی اس سے زیادہ اجازت نہ دی جائے جس کا ذکر شارع نے کیا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ ان مصالح کی مراعات وہ لوگ نہیں کر سکتے۔ اس لئے شریعت نے ان کی ذمہ داری لی اور فساد کا دروازہ بند کر دیا۔ اور اللہ نے اپنا نام سمیع و بصیر اور علیم رکھ لیا اور ذائق (چکھنے والا) اور شام (سونگھنے والا) نہیں رکھا۔ اور ضحک (ہنسنے) کلام اور نزول کے اطلاق کو جائز قرار دیا لیکن چلنے، بھوک، حزن اور نیند کے اطلاق کو جواز نہیں دیا۔ اور ولد اور شریک کے اثبات سے روکا، باوجودیکہ اگر ان امور کے حقائق کے اس مفہوم کا ارادہ کرے جو مخاطب کے نزدیک ہو تو دونوں فریق سمجھتے ہوں کہ اس سے کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔ اور اگر ان کے حقائق کے علاوہ کا ارادہ کرے تو ہر ایک کے لئے وجہ ہے۔ لیکن اللہ کے لئے ہر اس امر میں جس کو مباح قرار دیا، یا جس سے روکا اسرار ہیں۔ اور اس کے نزدیک ہر چیز مقررہ مقدار میں

محسن ہے۔یہ مرتبہ نبیؐ اور اوائل امت سے منقول سنن وآداب اور تورعات یا منقول پر قیاس کئے جانے والے امور کا ہے۔اور دونوں مرتبوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔اس فرق کو چھوڑ دینا بڑا خسارہ اور جہالت ہے۔اور ان دونوں کے درمیان فرق کو چھوڑنے سے علماء کا غالب اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ہم اس کو مثالوں میں بیان کرتے ہیں۔مرتبۂ اولی میں تنزیہ شدید نہیں بلکہ تنزیہ متوسط ہے۔ان امور میں تنزیہ کی جاتی ہے جو بندوں کے ساتھ امت امی کے نزدیک ظاہر حق کی مساوات کا سبب ہوتی ہے۔جس کی لغت میں قرآن نازل ہوا۔اور ان تشبیہات سے تنزیہ کی جاتی ہے جن کو جماعتوں نے استعمال کیا اور ان کو بڑھایا اور ایک کے بعد ایک طبقہ نے ان کو بطور وراثت منتقل کیا۔حتی کہ طول وعرض والا فرقۂ باطل پیدا ہو گیا۔اس فرقہ کو اس تشبیہ کے راستے پوری طرح بند کئے بغیر پامال کرنا ممکن نہیں ہے۔اس طرح کہ بالکل ڈھیل نہ دی جائے اور اس کے ماسوا کوئی بغیر کسی تعرض کے چھوڑ دیا جائے۔اور تشبیہ کا علاج ایسے اجمالی کلمہ سے کیا جائے جس کا ہر مومن اعتقاد رکھتا ہے۔اور وہ یہ ہے لیس کمثلہ شیء "اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے" وھو السمیع العلیم "وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔" اور اس سے زیادہ میں مشغول نہ ہو۔اور ہم نے ان قیود میں علم کثیر کو ملا دیا ہے۔اگر تم اس کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہو تو سمجھ سکتے ہو۔

اور ان اسرار کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات توقیفی ہوں۔کسی کو ان کے بارے میں کلام کرنے کی اس سے زیادہ اجازت نہ دی جائے جس کا ذکر شارع نے کیا ہے۔اور یہ اس لئے کہ ان مصالح کی مراعات وہ لوگ نہیں کر سکتے۔اس لئے شریعت نے ان کی ذمہ داری لی اور فساد کا دروازہ بند کر دیا۔اور اللہ نے اپنا نام سمیع وبصیر اور علیم رکھ لیا اور ذائق (چکھنے والا) اور شام (سونگھنے والا) نہیں رکھا۔اور ضحک (ہنسنے) کلام اور نزول کے اطلاق کو جائز قرار دیا لیکن چلنے، بھوک، حزن اور نیند کے اطلاق کو جواز نہیں دیا۔اور ولد اور شریک کے اثبات سے روکا، باوجودیکہ اگر ان امور کے حقائق کے اس مفہوم کا ارادہ کرے جو مخاطب کے نزدیک ہو تو دونوں فریق سمجھتے ہوں کہ اس سے کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔اور اگر ان کے حقائق کے علاوہ کا ارادہ کرے تو ہر ایک کے لئے وجہ ہے۔لیکن اللہ کے لئے ہر اس امر میں جس کو مباح قرار دیا، یا جس سے روکا اسرار ہیں۔اور اس کے نزدیک ہر چیز مقررہ مقدار میں

ہے۔اور مرتبہ اولی میں واجب ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر شدت اور ضعف کے ساتھ ہو۔ اور مرتبۂ اولی میں احتیاط اور تورع نہیں ہے۔ اس میں یہ ہے کہ ان امور سے اجتناب کرے جن کی حرمت ثابت ہے۔ اسی وجہ سے صحابہ کا عمل مختلف رہا کہ ان میں غازی، حرفت پیشہ اور تاجر ہیں جو معاش کے امور میں مشغول رہتے ہیں، زمین پر سفر کرتے ہیں، اور اصل شریعت پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور ان میں ایسے تمام کاموں سے خالی، عابد و زاہد ہیں ،انہوں نے مرتبۂ ثانیہ اختیار کیا اور آداب کی پوری پوری رعایت کی۔ اور ان میں بین بین بھی ہیں۔ اپنی معاش کے کاموں میں مشغول لوگوں خاص طور سے غلاموں، باندیوں، کسانوں اور حرفت پیشہ لوگوں کو مرتبہ اولی سے زیادہ کا حکم دینا مناسب نہیں ہے۔ ورنہ شریعت ان پر شاق ہو جائے گی اور معاملہ اس کو ترک کرنے اور اس سے تنفر کا ہو جائے گا۔ یہ امر حدیث میں داخل ہے ان منکم منفرین ''تم میں تنفر پیدا کرنے والے ہیں''۔ اور قرآن اور نبی کی حدیثوں میں خواص سے زیادہ ان عوام کے حال کی رعایت رکھی گئی ہے۔ اور ان عام لوگوں کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ اپنے علوم کو صوفیا اور متکلمین کے علوم سے خلط ملط کریں۔ بلکہ ان کے لئے واجب ہے کہ ظاہر کتاب وسنت سے جو سمجھا جاتا ہے۔ اس پر اکتفا کریں۔

اور لوگوں کے ہر فرقہ کو میں ان پر ملاء اعلی کو پیش کرتے ہوئے مخاطب کرتا ہوں۔ پھر معاملہ عام ہو گیا ہر صاحب رائے اپنی رائے کی اتباع کرتا ہے۔ تم نے اس طریقہ کو ترک کر دیا جو اللہ نے لوگوں کے ساتھ لطف و کرم اور رحمت کا معاملہ کرتے ہوئے اور ان کے لئے ہدایت ورہنمائی کرتے ہوئے محمدؐ کی زبان پر نازل کیا۔ تو تم میں سے ہر ایک نے الگ امام مقرر کر لیا اور لوگوں کو اس کی طرف بلانے لگے اور سمجھ لیا کہ اس کا نفس ہادی مہدی (خود ہدایت یافتہ اور دوسروں کو ہدایت دینے والا) ہے۔ جب کہ وہ خود گمراہ ہے، دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ ہم ان لوگوں سے راضی اور خوش نہیں ہیں، جو لوگوں کو اس لئے بیعت کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ تھوڑی سی دولت حاصل کر لیں یا علم حاصل کر کے دنیوی اغراض پوری کر لیں۔ اس لئے کہ اہل ہدایت سے تشبہ اختیار کئے بغیر دنیا حاصل نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی ان لوگوں سے راضی ہیں جو اپنے نفس کی طرف بلاتے ہیں۔ اور اپنے نفوس کے مطابق حکم دیتے ہیں۔ یہ راہزن ہیں، دجال ہیں کذاب ہیں، فتنوں میں پڑے ہوئے گمراہ دیوانے ہیں۔ خود گمراہ ہیں تمہیں

بھی گمراہ کرتے ہیں۔صرف ان لوگوں کی اتباع کرو جو کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سنت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔اپنے نفس کی طرف دعوت نہیں دیتے۔اور ہم مجالس و محافل میں صوفیا کے اشارات کی اشاعت سے خوش نہیں ہیں۔راضی اور خوش ہونے کا ذریعہ وسبب احسان ہے۔تمہارے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ارشاد میں عبرت ہے وان هذا صراطی مستقیما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله ''میرا یہ سیدھا راستہ ہے اسی کی اتباع کرو اور دوسرے راستوں کی پیروی مت کرو کہ پھر تم اس کے راستہ سے بھٹک جاؤ گے۔''(الانعام ۱۵۳)

اور میں طلباء علم سے کہتا ہوں کہ اے بے وقوفو! تم علما کے واسطہ سے اپنے نفس کو موٹا کر رہے ہو۔تم علوم یونانی، صرف، نحو اور معانی میں مشغول رہتے ہو، اور سمجھتے ہو کہ یہی اصل علم ہے۔حالانکہ علم تو اللہ کی کتاب کی آیات محکمہ ہیں۔کہ تم ان کو ان کی تفسیر غریب، سبب نزول، ان کی مشکلات کی تاویل کے ساتھ سیکھو، یا رسول اللہ کی سنت قائم کو سیکھو اور یاد کرو کہ نبیؐ نے نماز کس طرح ادا کی؟ وضو کیسے کیا؟ اور قضائے حاجت کے لئے کس طرح جاتے تھے؟ اور کیسے روزہ رکھتے تھے؟ کیسے حج اور جہاد کرتے تھے؟ اور آپ کا کلام کیسا ہوتا تھا؟ آپ اپنی زبان کی حفاظت کیسے فرماتے تھے؟ اور آپ کے اخلاق کیسے تھے؟ پھر آپ کی ہدایت کی اتباع کرو۔پھر آپ کی سنت پر اس طرح عمل کرو کہ وہ ہدایت ہے اور سنت ہے، اس لئے نہیں کہ وہ فرض ہے یا تمہارے اوپر لازم کر دیا گیا ہے یا فریضہ عادلہ ہے کہ سیکھو وضو کے ارکان کیا ہیں؟ نماز کے ارکان کیا ہیں؟ اور زکوۃ کا نصاب کیا ہے؟ اور واجب کی مقدار کیا ہے؟ میت کے فرائض کے سہام کیا ہیں؟ البتہ سیرتیں اور جو آخرت کی رغبت پیدا کرنے والی صحابہ وتابعین کی حکایتیں ہیں تو وہ فضل ہیں۔اور ان میں سے تم ایسی جن چیزوں میں مشغول ہوتے ہو، جو دم گھونٹنے والی ہیں تو وہ علوم آخرت نہیں ہیں۔وہ علوم دنیا ہیں۔تم نے اپنے سے پہلے فقہا کے استحسانات اور ان کی تفریعات میں خوب غور وخوض کیا ہے۔کیا تم نہیں جانتے کہ حکم وہ ہے جس کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے؟ اور تم میں سے کتنے انسان ہیں جن کو حدیث کی فہم اور ان کی بنیاد پر فیصلہ کی اہلیت، کمال مہارت شان کے ساتھ حاصل ہوئی ہے؟ اور ائمہ ایسے نہیں تھے جن پر یہ حدیث اور امر پوشیدہ رہا ہو لیکن انہوں نے اس کو صرف اس لئے چھوڑ

دیا کہ ان کے لئے دین میں منسوخیت یا مرجوحیت ظاہر ہوئی۔

اور یہ بھی جان لو کہ یہ کسی بھی طرح دین نہیں ہے کہ تم اپنے نبی پر ایمان لاؤ، پھر کسی دوسرے کی اتباع کرو، خواہ وہ مذہب کے لحاظ سے اس کے خلاف ہو یا موافق ہو۔ حق کی مرضی تو یہ ہے کہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت میں شروع ہی سے مشغول رہو۔ پھر اگر ان دونوں کو اختیار کرنا تمہارے لئے سہل ہو توفبها و نعمت اور اگر سمجھنے میں تمہاری فہم کا قصور ہو تو ان علماء رائے سے مدد لو جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور جن کو تم زیادہ حق صریح و واضح اور سنت سے زیادہ موافق سمجھتے ہو۔ اور ان علوم آلیہ میں صرف اس لئے مشغول ہو کہ وہ علوم آلیہ ہیں، اس طرح نہیں کہ وہ امور مستقل ہیں۔ کیا اللہ نے تم پر یہ واجب نہیں کیا کہ علم کی اشاعت کرو حتی کہ عالم اسلام میں شعائر اسلام ظاہر ہو جائیں؟ مگر تم شعائر کو ظاہر نہیں کرتے۔ اور لوگوں کو اس طرح حکم دیتے ہو کہ وہ زوائد میں مشغول ہوں۔ اور تم ان کی نظروں میں خود کو حق اور دین کا طلب کرنے والا ظاہر کرتے ہو۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ بڑے بڑے شہر علماء سے خالی ہو رہے ہیں۔ جب کہ ان کی فہم بھی شعائر کے ظہور سے کم تر ہے۔

اور میں فاسق واعظوں، عبادت گزاروں اور خانقاہوں میں بیٹھنے والوں سے کہتا ہوں کہ اے عبادت گزارو! تم نے ہر مشکل اور ذلت کو برداشت کیا ہے اور ہر رطب و یابس کو اختیار کیا ہے۔ اور لوگوں کو موضوع گھڑی ہوئی اور باطل باتوں کی دعوت دی ہے، اور مخلوق کو تنگی میں مبتلا کیا ہے، حالانکہ تمہیں آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا گیا تھا نہ کہ تنگی پیدا کرنے والا بنا کر۔ اور تم نے عشاق میں سے مغلوبین کے کلام کو اختیار کیا حالانکہ عشاق کا کلام پر پیچ اور پوشیدہ ہوتا ہے۔ وہ ظاہر نہیں ہوتا۔ اور تم وسوسوں کو اچھا سمجھتے ہو اور ان کو احتیاط قرار دیتے ہو۔ حالانکہ حق کی مرضی یہ ہے کہ احسان کو اس کے اعتقادی اور عملی جزئیات کے ساتھ سمجھو۔ اس کو مغلوبین کے احوال اور مکاشفہ والوں کے اشارات کو ملائے بغیر حاصل کرو، اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دو، اور اس کو حاصل کرو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ رحمت مکمل رحمت ہے اور ہدایت مکمل ہدایت ہے جو محمدؐ لائے؟ کیا آپ تمہارے جیسا یہ فعل کرتے تھے یا آپؐ کے صحابہ اس طرح کے افعال کرتے تھے؟

اور میں بادشاہوں سے کہتا ہوں کہ اے بادشاہو! ملاء اعلیٰ کے نزدیک اس زمانہ میں

یہ ہے کہ تلوار سونت لو اور پھر ان کو میان میں مت کرو حتی کہ اللہ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان فرقان قائم کر دے اور حتی کہ کفار اور فساق کے سرکش لوگوں کو ان کے ضعفا کے ساتھ ملا دے۔ پھر ان کے لئے کسی چیز کی استطاعت نہ رہے۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مطلب ہے وقاتلوھم حتی لاتکون فتنة ویکون الدین کلہ للہ "اور ان کے ساتھ قتال کرو حتی کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پوری طرح اللہ کے لئے ہو جائے۔" (انفال ۳۹) پھر جب فرقان ظاہر ہو گیا تو ملاء اعلیٰ کی رضا یہ ہے کہ ہر جہت میں اور ہر تین دن اور چار دن کی مسافت پر امیر عادل مقرر کر دو جو ظالم سے مظلوم کا حق لے اور حدود قائم کرے اور اس امر کی کوشش کرے کہ ان میں سرکشی پیدا نہ ہو، نہ جھگڑا، ارتداد اور کبیرہ گناہ پھیلیں۔ اور اسلام کو پھیلائیں اور اس کے شعائر کو ظاہر کریں۔ اور ہر ایک اپنے فرائض کو اختیار کرے۔ اور ہر شہر کے امیر کی ایک شان و شوکت ہو جس کے ذریعہ وہ اپنے شہر کی اصلاح پر قادر ہو لیکن ایسی شوکت نہ ہو جس کے سبب خود فائدہ اٹھائے اور سلطان کی نافرمانی کرے۔ اور ہر اقلیم کبیر میں ایک امیر مقرر کیا جائے۔ اس کی ذمہ داری صرف قتال ہو اس کی جمعیت بارہ ہزار مجاہدین پر مشتمل ہو جو اللہ کے معاملہ میں کسی لومتہ لائم کی پروا نہ کرتے ہوں۔ وہ ہر باغی اور سرکش کے ساتھ قتال کریں۔ یہ سب کچھ ہو جائے تو ملاء اعلیٰ کی رضا یہ ہے کہ اس وقت نظام منزلی اور عقود (معاملات) وغیرہ پر توجہ دے، حتی کہ کوئی بھی امر خلاف شرع نہ رہے اور لوگ ہر لحاظ سے مامون ہو جائیں۔

اور میں امراء سے کہتا ہوں، اے امراء! کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے ہو؟ تم فنا اور ہلاک ہونے والے کی ذات میں مشغول ہوتے اور رعیت کو چھوڑ دیتے ہو، جو ایک دوسرے کو کھاتے ہیں۔ کیا شراب کھلے عام نہیں پی جا رہی ہے اور تم نکیر نہیں کرتے؟ کیا زنا شراب پینے اور جوئے کے لئے مکان نہیں بنائے جا رہے ہیں اور تم روک نہیں رہے ہو؟ کیا ایسے بڑے بڑے شہر نہیں ہیں جہاں چھ سو سال یا زیادہ سے حد جاری نہیں ہوئی؟ تم جس کو ضعیف پاتے ہو اس کو کھا لیتے ہو اور جس کو قوی پاتے ہو اس کو چھوڑ دیتے ہو، اور حد سے گزر جانے دیتے ہو۔ تمہارے افکار کا زور کھانے کی لذتوں عورتوں کے ساتھ آسودگی، کپڑوں کے محاسن اور گھومنے پر ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف سر اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں۔ اس کا جو کچھ ذکر کرتے ہو۔ صرف تمہاری زبانوں تک ہوتا ہے تمہاری حکایات ایسی ہوتی ہیں، گویا تم اللہ کے نام کے ذریعہ انقلاب لانا چاہتے ہو۔ کہتے ہو

اللہ اس پر قادر ہے تمہارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ زمانہ میں اسی طرح انقلاب آ جائے گا۔

اور میں فوجیوں سے کہتا ہوں، اے فوجیو! اللہ نے تمہیں جہاد کے لئے نکالا ہے تا کہ کلمۂ حق بلند کرو اور شرک اور اہل شرک کو ختم کر دو۔ تو جس مقصد کے لئے تمہیں نکالا تھا، تم نے اسے چھوڑ دیا۔ گھوڑے باندھنا اور صلح مصالحت کے ذریعہ کمائی کرنے کا راستہ اختیار کر لیا۔ اس کے ذریعہ تم جہاد کی نیت اور قصد و اعتدال کے بغیر اپنے اموال بڑھاتے ہو۔ شراب اور بھنگ پیتے ہو، داڑھیاں کٹاتے ہو، مونچھ بڑھاتے ہو، لوگوں پر ظلم کرتے ہو، اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ کیا کھاتے ہو۔ اللہ کی قسم! تم جلد ہی اللہ کی طرف لوٹو گے۔ تب وہ بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔ تمہارے بارے میں حق کی مرضی یہ ہے کہ نیک و صالح غازیوں کی ہیئت اختیار کرو، داڑھیاں بڑھاؤ، مونچھیں کٹاؤ، پنج وقتہ نمازیں ادا کرو، لوگوں کے اموال کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرو، حرب اور حرج و نقصان میں صبر کرو۔ نماز کی ہیئت جیسے قصر و جمع، ترک سنت اور تیمم کے بارے میں علم حاصل کرو پھر ان کی پابندی کرو، فرائض کو پابندی کے ساتھ ادا کرو، اپنی نیتوں کی اصلاح کرو۔ تمہارا رب تمہارے جانوروں اور غلاموں میں برکت دے گا۔ اور تمہارے دشمنوں کے معاملہ میں تمہاری مدد کرے گا۔

اور اہل حرفہ و صنعت سے کہتا ہوں، تمہاری امانتیں ضائع ہو گئیں۔ تم اپنے رب کی عبادت کے سلسلہ میں ڈھیلے سست پڑ گئے۔ اپنے رب کے ساتھ شرک کر لیا۔ اپنے طاغوتوں کے نام پر ذبح کرنے لگے۔ مدار اور سالار کی طرف بار بار جانے لگے، تمہارا یہ عمل بہت برا ہے۔ تم میں سے کچھ لوگ اپنے مال اور کمائی کو اڑانے لگے تو اپنے لباس، ہیئت اور کھانے میں ایسے تکلفات کرنے لگے کہ ان کی کمائی ان کے لئے کافی نہیں ہوتی تو اپنے گھر کی عورتوں کے حقوق ضائع کرتے ہیں۔ اور تم میں سے کچھ لوگ شراب پینے اور شرم گاہوں کو کرایہ پر حاصل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ وہ اپنے معاش و معاد کو ضائع کر دیتے ہیں۔ اللہ نے تمہارے لئے کمائی کے راستے مہیا کئے ہیں جو تمہارے اور تمہارے ذوالحقوق کے لئے کافی ثابت ہوں، اگر تم اس اعتدال اور قناعت سے کام لو جس کا غلبہ معاد کی طرف ہوتا ہے۔ لیکن تم نے اپنے رب کی نعمتوں کی ناشکری کر کے بہت برا راستہ اختیار کیا۔ کیا تم جہنم کے عذاب سے نہیں ڈرتے؟ کتنی بری بات ہے۔ اپنے صبح و شام اللہ کے ذکر میں اور سارا دن اپنے حرفہ پیشہ میں

اور رات اپنی عورتوں میں گذارو، خرچ کو آمدنی سے کم رکھو۔ جو بچ رہے، اس میں غریب وفقیر کا حصہ رکھو۔ اور کچھ اپنی اتفاقی ضرورتوں اور حاجتوں کے لئے رکھ چھوڑو۔ اگر تم ان امور کی خلاف ورزی کروگے تو غلطی کروگے۔

اور تمام مسلمانوں کی جماعتوں سے ایک عمومی خطاب کے طور پر کہتا ہوں، اے بنی آدم کی جماعتو! تم اپنے رب سے غافل ہو گئے، تمہارے اوپر حرص و لالچ غالب ہو گئے، تمہارے اوپر شیطان نے غلبہ پالیا۔ عورتیں مردوں پر دہاڑنے لگیں اور مرد عورتوں کو حقیر سمجھنے لگے۔ تم حرام اشیا علاج کے لئے استعمال کرنے لگے۔ حلال کو بے مزہ سمجھنے لگے۔ اللہ کی قسم! اللہ نے نفس کو اس کا مکلف بنایا ہے جس کی وہ طاقت رکھتا ہے۔ اپنی شرم گاہوں کی شہوت کا علاج نکاح سے کرو، اگرچہ زیادہ ہو۔ اور اپنے نفقہ اور ہیئت میں ایسا تکلف نہ کرو جس کی تم طاقت نہ رکھتے ہو۔ اور عورتوں کو گنہگار نہ کرو کہ وہ معلق ہیں۔ اور اپنے اوپر معاملات کو تنگ نہ کرو۔ اگر تم تنگی میں مبتلا کروگے تو تمہارے نفس فسق کی حد تک چلے جائیں گے۔ اور اللہ چاہتا ہے کہ اس کی رخصتوں کو اختیار کیا جائے جیسا کہ وہ چاہتا ہے کہ اس کی عزیمتوں کو اختیار کیا جائے۔ اور اپنے بیٹوں کی خواہش کا کھانوں کے ذریعہ علاج کرو اور اتنا کماؤ جو تمہارے لئے کافی ہو۔ پوری طرح لوگوں پر انحصار نہ کرو کہ تم ان سے مانگو اور وہ نہ دیں۔ اور نہ ہی پوری طرح خلفا اور امرا پر انحصار کرو۔ تمہارے لئے پسندیدہ تمہاری اپنی کمائی ہے۔ سوائے اس بندہ کے جس کو اللہ نے الہام کردیا ہو کہ اللہ تیرے لئے کافی ہے اور اللہ تجھے فرق کی آفتوں سے محفوظ رکھے گا۔ یا معشر بنی آدم! جس کو اللہ نے رہنے کے لئے اتنی جگہ دیدی جو اس کے لئے کافی ہو اور پینے کے لئے اتنا دے دیا جو اس کے لئے کفایت کرے اور کھانے کے لئے اتنا عطا کردیا کہ اس کا پیٹ بھر دے اور پہننے کے لئے اتنا دیدیا جو اس کے جسم کو ڈھانپ لے اور نکاح کرادیا جس سے اس کی شرمگاہیں محفوظ ہو جائیں اور اس کی معیشت میں اس کی مدد کردی تو اس کو دنیا سے سب کچھ دیدیا۔ اسے چاہئے کہ اللہ کا شکر ادا کرے اور اتنی کمائی کرے جو اس کے لئے اکتفا کرے۔ اس کی مثال قناعت اور معیشت میں اعتدال ہونی چاہئے۔ اور چاہئے کہ فرصت کو اللہ کے ذکر کے لئے غنیمت جانے اور تین وقتوں صبح، شام اور سحر کی حفاظت کرے، اور کلمہ، تسبیح اور تلاوت قرآن سے اللہ کا ذکر کرے۔ اور حدیث کو دھیان سے سنو اور

ذکر کے حلقوں میں حاضر رہو۔

اے معاشر بنی آدم! تم نے دین میں تغیر کر کے فاسد رسوم کو اختیار کرلیا۔ یوم عاشورہ میں باطل کاموں میں جمع ہوتے ہو۔ ایک قوم نے اس کو ماتم کا دن بنالیا۔ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ تمام دن اللہ ہی کے ہیں اور حوادث اللہ کی مشیت سے پیش آتے ہیں اور اگر حسین رضی اللہ عنہ اس دن شہید کردیئے گئے تو کون سا دن ہے جب کوئی محبوب نہ مرا ہو۔ اور انہوں نے اس دن کو اپنی نیزہ برداری اور اپنے ہتھیاروں سے کھیل بنالیا ہے۔ اور ایک قوم نے تمہاری ان حرکتوں کو عبادت کا درجہ دے دیا ہے۔ تم یوم برأت میں جمع ہوتے ہو ایک قوم کھیلتی کھلواڑ کرتی ہے، لہو ولعب میں مبتلا رہتی ہے اور ایک قوم یہ گمان کرتی ہے کہ مردوں کے لئے زیادہ سے زیادہ کھانا کھلانا واجب ہے۔ قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین "تم کہو اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔" (البقرہ ۱۱۱) اور تم نے ایسی رسوم اختیار کرلی ہیں جو تمہارے لئے تنگی و پریشانی کا باعث ہیں۔ جیسے دلیموں میں افراط اور طلاق کی ممانعت اور عورت کو اس کے شوہر کے بعد نکاح سے روکنا، اس طرح تم نے اپنے اموال اور اوقات کو رسوم میں ضائع کردیا۔ اور ہدایت صالح کو ترک کردیا۔ حالانکہ اچھی بات یہ تھی کہ ان رسوم کو اختیار کرتے ہوئے سہولت کی راہ اپناؤ جس میں کوئی تنگی اور دشواری نہ ہو۔ تم نے ماتم کو عید بنالیا۔ کھانا زیادہ بنانا تم پر واجب تھا اور تم نے نماز ضائع کردی۔ لوگ اپنی کمائی میں مشغول رہے، اس لئے نماز نہیں پڑھ سکے۔ اس فساد کا منشا یہ ہے کہ انہوں نے اس رخصت کو اختیار نہیں کیا جو اللہ نے دی تھی۔ لوگ حکایات واحادیث، قصہ کہانیوں میں وقت گزارنے اور تفریح میں مشغول رہے۔ اگر انہوں نے اپنی مجالس کا اہتمام مسجدوں کے پاس کشادہ مقامات پر کیا ہوتا تو ان کے لئے نماز کی ادائیگی آسان ہوتی۔ اور تم نے زکوۃ کو ضائع کردیا۔ کوئی غنی ایسا نہیں ہے جس کے متعلق محتاج نہ ہوں کہ وہ ان کو کھلائے اور ان کو سیراب کرے۔ اور اگر وہ زکوۃ اور عبادت کی نیت کرلے تو یہ بھی اس کے لئے کافی ہے اور تم نے رمضان کے روزوں کو ضائع کردیا تو قوم نے بھی ضائع کردیا اس لئے کہ فوجی بن گئے۔ اس لئے روزہ پر قادر نہیں رہے۔ حالانکہ انہیں کوئی محنت نہیں کرنی پڑ رہی ہے۔ جان لو کہ تم نے بری تدبیر اختیار کی ہے۔ تم نے اپنا نان ونفقہ سلطان کے ذمہ کردیا ہے اور جب سلطان تمہیں دینے کے لئے کچھ نہیں

پا تا تو رعایا پر تنگی کرتا ہے۔ تو تمہاری یہ حرکت کتنی قبیح ہے۔ اور لوگ ہیں کہ سحر خیزی نہیں کرتے اور نہ ہی ان اعمال سے اجتناب کرتے ہیں جو ان پر شاق گزرتے ہیں اور یہ ان کی بدتدبیری اور بدعقلی ہے۔ اور اس زمانہ میں ملاء اعلیٰ کے مقالات بہت زیادہ ہیں یہ چلو بھر پانی بڑے سمندر سے لیا گیا ہے۔ کوزہ میں سمندر سمویا گیا ہے کہ قلیل، کثیر کا نمونہ ہوتا ہے۔

۷۰-تفہیم:

نفحات الٰہیہ کی بعض مشکلات کا حل، شیخ صدرالدین کی تالیف میں سے شیخ محمد عاشق کے مطالعہ کے لئے

حقائق و معارف سے باخبر برادرم شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ، سلام محبت مشام کے بعد دو تحریریں موصول ہوئیں۔ مطالعہ میں آئیں۔ ان میں شیخ کبیر صدرالدین قدس سرہ کی تالیف نفحات الٰہیہ کے مشکل مقامات کے بارے میں استفسار کیا گیا ہے۔ فقیر کو یہ بات اتنی اچھی لگی کہ ان مسائل میں جو کچھ بطریق وجدان ظاہر ہوا ہے جواب میں لکھتا ہے۔ اور شیخ کے کلام پر اس مکتوب کی تطبیق آنجناب کی فہم کے حوالہ کرتا ہے۔

علوم وجدانیہ میں سے ایک یہ ہے کہ عالم اعلیٰ میں حوادث کی صورتیں متحقق ہوتی ہیں۔ اور بنی آدم میں سے نفوس زکیہ ان صورتوں کو بطریق انعکاس اس عالم اعلیٰ سے لیتے ہیں۔ ان کو اختیار کرنے کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں۔ کبھی ان صورتوں کو جیسی کہ وہ ہیں بعینہ بغیر اختلاف صورت کے لے لیتے ہیں اور کبھی ایسا اختلاف کے ساتھ کہ اس راز کے کشف کی تعبیر ہو سکتی ہے۔

اور اختلاف کا سبب دو میں سے ایک امر ہوتا ہے یا تو یہ کہ اس نفس میں کوئی سختی قسوۃ حقیقت کے نقش میں مانع ہوتی ہے۔ اس لئے نقش نہیں ہوتی۔ مگر جسم اور مثالوں کے پس پردہ ایک چیز آئینہ کی طرح زنگ کا ملمع کر دیتی ہے کہ بعینہ اس صورت کی کاشف نہیں ہو سکتی۔ یا یہ ہے کہ اس نفس کو علوم نشأت و تطابق بعض وجہ یا بعض بوجہ کمال دیتے ہیں۔ اور اس جگہ راز یہ ہے کہ یہ نفس تجلی اعظم کی حقیقت کے ساتھ سارے عالم کے لئے جمع ہے۔ اور صورت الٰہیہ میں بوجہ قہر و تاثر۔ اور اس کی تفصیل کا عالم یہ ہے کہ اظہار مغلوبیت و تاثیر کے رنگ میں ربط جلی

واقع ہے۔اور وہ ربط علوم نشأت کے فیضان کا موجب ہوتا ہے۔اسے جانیں یا نہ جانیں۔ چنانچہ وہاں جمع علوم اور اوقات کا حکم ہجوم کرتا ہے اور اس صورت کو جسم اور مثالوں میں لیتے ہیں۔اسی جگہ سے کشف متوسطوں کی تعبیر کے بغیر اور مبتدیوں کی اور ملتھیوں کی تعبیر کے ساتھ ہوتا ہے۔ایسا بھی بکثرت ہوتا ہے کہ عارف کے خواب متعدد بطون کے نشات و مزاج رکھتے ہیں۔اور ہر بطن ایک الگ حادثہ پر دلالت کرتا ہے۔یا یہ ہے کہ اس کے افاضہ کی اصل سے مراد وہ علمی خواب ہوتا ہے،اور اس خاص صورت سے مراد دوسرا علم ہوتا ہے اور ان امور کی فہم تک پہنچنا کچھ دشوار نہیں ہے۔

یہاں ایک نکتہ ہے اس کو بھی جان لینا چاہئے کہ ان علوم میں ان کے افاضہ کا سبب فقط مفاض کی استعداد ہوتی ہے بلکہ اصلاح عالم کا ارادہ اور اس علم کا تعدیہ و اضافہ اس تمیع سے تمام نفوس بشریہ سے بھی ان کے افاضہ کا سبب ہوتا ہے۔اور ان سے مراد انبیا کے علوم ہیں۔تبلیغی احکام میں اس فنا و پردہ کو نہیں گزارتے ہیں۔یا وہ ہے کہ تعبیر کا کشف کرتے ہیں۔یا یہ ہے کہ حقیقت حال عنقریب روشن کر دیتے ہیں تا کہ کوئی اشتبا واقع نہ ہو۔اور اصلاح عالم میں خلل کی صورت پیدا نہ ہو۔اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ عالم مثال شہادت اور غیب کے درمیان برزخ ہے۔اسی جہت سے شہادت و حضور کا ایک رنگ پیدا ہوتا ہے اور عالم مثال میں شامل ہو جاتا ہے۔اور اجمالی تدبیر کو جو کہ عالم غیب سے مثال کے راستہ سے گزرتی ہے،ایک خاص صورت اختیار کرتی ہے۔اس کی مثال یہ ہے کہ زمین سے ابخارات اٹھتے ہیں اور زمہریر کے طبقہ میں پہنچ جاتے ہیں اور اس جگہ سے پوشیدہ بارش کی شکل میں زمین پر گرتے ہیں۔اور سبزہ کے اثبات اور ہوا کی رطوبت کی شکل میں تاثیر ظاہر ہوتی ہے۔فقیر کے نزدیک اسماء اور ادعیہ کی تاثیر غالب اسی دقیقہ سے متفرع ہے۔بنی آدم کے افراد اس کے پابند ہوتے ہیں اور ان کا تفرع و انقسام ان کی شکل اختیار کرتا ہے۔اور عالم مثال میں جسم صحیح شکل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور جسموں کی صورت ملائکہ عنصریین کے قلوب میں فیضان کرتی ہے۔چنانچہ ان دعاؤں کا سلسلہ ہوتا ہے جو ملائکہ عنصریین کے قلوب کو ان کے ذریعہ حرکت دی جاسکتی ہے۔اسی جہت سے آثار عجیبہ بروئے کار آتے ہیں۔اور اسی مقام سے اعمال کا فساد اور عالم کی وضع بعض اعمال کی تاثیر میں نقصان دیتے ہیں۔اور کبھی عنایت الٰہی عالم مثال میں زمین پر آنے کے

لئے مستعد ہوتی ہے۔ تقویت کی جہت سے اہل صلاح کا معاملہ اوران کے حال کی اصلاح اس وقت میں یہ صالح ذکر عنایت ہوتا ہے۔ اوراس کا ہدف ہوتا ہے اوراس کی محبوبیت اس شخص کی محبوبیت سے زیادہ سخت ہوتی ہے جو اس سے مختلف حالت میں ہوتا ہے۔ اگر چہ بالفعل اس کے اعمال کے آثار ظاہر نہیں ہوتے اور وعدہ ابرآخرت کے علاوہ کے دائرہ کی وسعت کا ہوتا ہے۔ اوران میں سے ایک یہ ہے کہ نفس کلیہ صورتوں کا منبع ہے۔ اور ہر صورت جو دنیا میں جوہر اورعرض سے پیدا ہوتی ہے، اسی مقام سے آتی ہے۔ لیکن ان صورتوں کا نزول گھومنے والے گھوڑے کی چال کی طرح ہوتا ہے کہ اس کے چلنے میں فرصت یا امکان وجود کے لئے گنجائش نہیں ہوتی۔ جیسے کسی انسان سے غیب کے پردہ سے نقطۂ محبوبیت عالم شہادت میں ظہور کرتا ہے۔ اسی کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے احببت ان اظهر فخلقت الخلق ”میں نے چاہا کہ خود کو ظاہر کروں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔“ اس فرد کا پیدا ہونا اس وقت تک نہیں ہے، جب تک فرد معدنی پیدا ہو اور دنیا میں اپنی عمر کی مدت قیام کرے۔ اوراس کے بعد لباس شہادت وحضور اتارے۔ اوراس لباس سے ایک لباس معنوی اتارے اوراپنے ساتھ لے جائے تو نقطۂ محبوبیت اس لباس میں پوشیدہ ہوجائے۔ پھر اس عالم میں ایک فرد نباتی پیدا ہوجاتا ہے اور وہ حال ہوجاتا ہے جو ہم نے بیان کیا۔ پھر حیوانی اور پھر انسانی ہوتا ہے پھر جب کام مکمل ہوجاتا ہے اور نقطۂ محبوبیت اپنی مراد کو پہنچ جاتا ہے۔ اوراس لباس کے پہننے اور اتارنے میں ایک کو اختیار کرنا اور ایک جگہ میں صرف کرنا ہے۔ اپنے آثار میں تصرف طبیعت کے مشابہ ایک تصرف ہے۔ اور یہ بحث جوہری صورتوں میں ہے۔ اوراسی طرح کا حکم عرضی صورتوں میں ہوتا ہے کہ اعمال خیر وشر بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً نیک لوگوں کی ایک جماعت کسی عمل خیر کے ذریعہ تقرب حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اوران کی ہمت کا ساتھ ملاء اعلیٰ دیتے ہیں تو وہ عمل منظور ہوجاتا ہے اور قبولیت کا درجہ حاصل کرلیتا ہے اوراس کو تجلی اعظم کی جانب سے تجلی اعظم کے رنگ میں ایک خاص خلعت پہناتے ہیں۔ پھر بنی آدم اس عمل کے ذریعہ دوسرے دورہ میں مامور ہوتے ہیں۔ اور یہ بار زیادہ تر اول محل سے رحمت اور منظور نظر ہوکر لطف ہوجاتا ہے۔ اوراجر کے بڑھنے کا موجب ہوجاتا ہے۔ اوراس حدیث میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت موسیٰ صلوات اللہ والسلام علیہ کی امت نے بہت عمل کیا اور تھوڑا

سا اجر پایا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے اس سے کم علم کیا اور انتہائی اجر پایا اور حضرت پیغمبرؐ کی امت عمل میں ان سے بہت کم رہی اور دوہرا اجر پایا۔ اس سلسلہ میں یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے لاتزر وازرۃ و زر اخری "کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔" اس لئے کہ یہ تدبیر حوادث ساویہ کا حکم رکھتی ہے جو آدمی کے اختیار کے بغیر اس پر گزرتی ہے۔ اور آیت کا محل بشری اختیار کے اعمال ہیں ۔والسلام والاکرام.

۷۱-تفہیم:

زمانہ میں اللہ کے نزدیک پسندیدہ سلوک کا بیان

معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں اللہ کو خاص طور سے یہ سلوک پسند ہے کہ سالک پہلے بیداری کے وقت کی طرح طہارت اختیار کرے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ خلوت اختیار کرے، اور کھانا پینا کم رکھے، اور مکرر غسل کرے، اور طہارت کی پابندی کرتا رہے یا نور کا ذکر کرے اور نور بسیط کے ملاحظہ کو لازم قرار دے۔ اور احوال کے اختلاف کے لحاظ سے چند روز نور طہارت کو روشن کرے۔ اس سلسلہ میں حدیث نفس اور اخلاط ردیہ دمویہ وسوداویہ کی کثرت اور منی سے تناسل کے دواعی کا امتلا اور حیوانات ملعونہ کی صحبت، نور طہارت کے ظہور کے لئے رکاوٹ ہوتی ہے، ان سے اجتناب کیا جانا چاہئے۔ نور طہارت کے ظہور کی علامت، راحت پہنچانے والے واقعات، اطمینان خاطر، نفس کی انسیت، بغیر لذت حسیہ حاصل کئے اور حدیث نفس کے لئے تنہا بیٹھنا اختیار کرے۔

اس کے بعد ملاء اعلیٰ کی مناسبت کا اکتساب کرے اور یہ تین چیزوں سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ خلوت اختیار کرے، نماز کثرت سے پڑھے اور سورہ فاتحہ اور ربنالاتزغ قلوبنا الخ جیسی آیت پر اکتفا کرے۔ اور رکوع وسجود میں کوئی ذکر تسبیح وغیرہ نہ پڑھے۔ ذکر و تسبیح کے بجائے نور پر نظر ڈالے۔ جب نماز شروع کرنی چاہے، اس سے پہلے وضو کر کے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے۔ اور اپنے دل میں رشتہ نورانی فرض کرے کہ اس کی ایک جانب دل کے اوپر پائے جانے والے سیاہ نقطہ میں ہے اور دوسری جانب اس نور سے متعلق ہے جو عرش کے

اوپر ہے۔ جب یہ تصور دل نشین ہو جائے تب نماز شروع کرے اور نماز کے دوران دل کی نظر کو اس رشتہ سے نہ ہٹائے اس طرح کی نماز مکرر قریب دو رکعت روزانہ ادا کرے تو لازماً ملاءِ اعلیٰ سے مناسبت پیدا ہو جائے گی۔

اور دوسرے یہ کہ زبان سے یا اللہ! یا اللہ! کا ورد کرے اور تصور کرے کہ اس لفظ کی ادائیگی کے وقت ایک نور اس کے منہ سے نکلتا ہے۔ اس طرح قریب تین سو ہزار بار کہنے کے بعد اس کو اس اسم کی حقیقت سے ایک مناسبت پیدا ہو جاتی ہے جو کہ عالم ملکوت میں مستقر ہے۔ تیسرے یہ کہ خلوت میں اللہ تعالیٰ سے بکثرت مناجات کرے اور دینی و دنیوی چھوٹی بڑی تمام حاجات کا ذکر کرے۔ اور ہر مکروہ سے پناہ طلب کرے اور اپنی ہمت و قوت کو فانی سمجھے اور حق سبحانہ کو اپنے سامنے تصور کرے۔

اور نور صلاۃ کے حصول کی علامت خلوت صلاۃ میں راحت پانا اور نماز میں مجرد حضور دل کی نظر ملاءِ اعلیٰ کی جانب کھولنا اور اس کی محبت اپنے اندر پانا اور ان کی نسبت اپنے اندر ایک انجذاب و انس دیکھنا ہے۔

اور اسم مبارک کے نور کے حصول کی علامت اس اسم سے دلبستگی اور اس اسم کی نسبت سے اپنے اندر شغف و انس اور لذت پانا ہے۔

اور نور مناجات کے حصول کی علامت اس کے دل کی دنیا کے دل میں رقت اور مناجات میں لذت ہے۔ جب سلوک کی راہ اس قدر طے کر لی تو طاعات پر وقت کی تقسیم کو جو کہ اہل تصوف کے درمیان ایک مشہور فصل ہے، مامور کرے۔ بلاشبہ صلوات اور دعاؤں کے ان اصولوں کی تمہید کے بعد سالک کے نفس کی تہذیب ہو جائے گی۔

چنانچہ چاہئے کہ مقامات قلب پر نظر رکھے کہ صبر اور یقین دونوں راستے اس کے مانند ہیں کہ کونسا ظاہر ہوا اور کونسا ظاہر نہیں ہوا۔ جو ظاہر نہیں ہوا اس کو اس کے استحسان کے اعتقاد اور اس کے گمان میں وقوع سے بیداری ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد نسبت اویسیہ کو پالنا ہے۔ اس کے بعد یادداشت کو۔ اور خاص اس زمانہ میں توحید کی نسبت ان تمام نسبتوں کو جمع کرنا پسندیدہ ہے۔

۶۷-تفہیم:

بدی کا بدلہ اسی کے برابر اور نیکی کا دس گنا ہونے کا راز

اللہ نے ہمارے بھائی پر احسان کیا جو وجدان اور ذوق سے جن چیزوں کا ادراک کیا جاتا ہے، ان کے سلسلہ میں توفیق پانے والے کو ملنے والے فوق الفوق کی طرف متوجہ ہے۔ یعنی شیخ محمد عاشق، اللہ ان کو سلامت و باقی رکھے، اور جس کی وہ تمنا کریں ان کو عطا کرے۔

امابعد، شریعت متواترہ میں وارد ہوا ہے کہ اللہ بدی کا بدلہ اسی کے برابر دیتا ہے اور حسنہ کا اس سے دس گنا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری معرفت کو اس کے ذریعہ بڑھائے۔ تم نے مجھ سے اس امر کے راز کے بارے میں سوال کیا ہے تو میں کہتا ہوں وباللہ التوفیق۔ یہ مسئلہ دو مقدموں پر موقوف ہے۔ ایک یہ کہ بلاشبہ جو صورت اپنے آپ میں اس گھوڑے کے لئے کشف کرنے والی ہے، وہ اس صورت سے مختلف ہوتی ہے جو اس گدھے کے لئے کشف کرنے والی ہوتی ہے۔ اور یہ مقدمہ بدیہی، وجدانی ہے۔ اس لئے ہم اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہیں کہ کیا اس صورت کا اختصاص اس سے ہے، اور اس کا ان اوصاف جسمانی رنگ اور مقدار وغیرہ سے؟ ہرگز نہیں، بلکہ ہمارے نفس میں وہ اوصاف جسمانی بالکل نہیں ہیں۔ تو انسان کو یہاں سے سمجھنا چاہئے کہ عالم مثال اور عالم شہادت میں مناسبات جبلی اور مناسبات طبیعی ہیں۔ ان کو مصلحت کلیہ نے واجب قرار دیا ہے اور ان مناسبات پر خوابوں کا معاملہ مبنی ہوتا ہے۔

دوسرا مقدمہ جان لو کہ انسان جب اچھا یا برا عمل کرتا ہے تو اس کی طرف شخص اکبر میں پیدا ہونے والے قویٰ اور ادراکیہ بڑھتے ہیں۔ جن کا تحقق اس شخص میں اسی طرح واجب ہوتا ہے جس طرح ہر فلک میں، جو ضرورت عقلی سے حرکت کرتا ہے۔ مرکز، منطقہ، قطبین اور محور کا تحقق واجب ہوتا ہے۔ اور یہ قویٰ نوری جسموں میں ودیعت کئے ہوئے ہوتے ہیں، ان کو ملاء اعلیٰ کا نام دیا جاتا ہے، اس امر پر تمام اہل ذوق کا اتفاق ہے، تو اس صورت میں یہ انسان نقش ہوتا ہے جو کہ اس عمل کا عامل ہوتا ہے جو عالم مثال میں اس کے مقابلہ میں متحقق ہے۔ یہ بمنزلہ اس صورت کے ہے جو انجینئر گھر کو خارج میں بنانے سے قبل کاغذ پر بناتا ہے۔ اور یہ تصویر سازی ملاء اعلیٰ کی تاثیر کی طرح ہوتی ہے تو جس کو اچھا سمجھتے ہیں، اس کو نقطۂ نورانیہ میں نقش کرتے

ہیں، اور جس کو برا سمجھتے ہیں، اس کو نقطۂ ظلمانیہ میں۔ اور یہ نقاط اس طرح ہوتے ہیں کہ ان سے دنیا اور آخرت میں جزا کی کیفیت ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ بمنزلہ اس کے ہوتا ہے جس کو گھوڑے کی صورت سے خارج میں موجود گھوڑے کی حقیقت سے بیان کیا جاتا ہے۔ اور یہ ان جبلی مناسبتوں کی وجہ سے ہے جو مصلحت کلیہ سے پیدا ہوتی ہیں، جیسا کہ ہم نے صورت خیالیہ کا حال بیان کیا۔

جب تم نے ان دونوں مقدموں کو سمجھ لیا تو ہم کہتے ہیں۔ مثل اس امر سے عبارت ہے جس کا تقاضا اس نقطۂ نورانیہ یا ظلمانیہ کی طبیعت کرتی ہے۔ جس کا بیان یہاں جزا کے امر کو لکھنے کے وقت کیا جاتا ہے۔ پھر یہ کہ جب انسان دنیا سے پیچھے ہٹ جاتا ہے، تو اس کی بہیمیت ضعیف اور ملکیت قوی ہو جاتی ہے۔ تو اگر اپنے رب پر ایمان رکھنے والا ہے اور اس کے اور اس کے رب کے درمیان دروازہ کھلا ہوا ہے، خواہ سوئی کی نوک کے برابر ہی کیوں نہ ہو، وہ اس دروازہ کو بڑھا لیتا ہے۔ اور اس پر ملکیت کے انوار نازل ہوتے ہیں تو اس وقت وہ نقطہ اس طرح دکھائی دیتا ہے کہ واضح طور پر وسیع ہو چکا ہوتا ہے۔ تو شرع میں کہا جاتا ہے کہ مومن کو اس کی حسنات کے بدلہ میں دس گنا زیادہ بدلہ دیا گیا اور اگر اس نے بدی کی اور انوار ملکیہ آ گئے تو برائی معدوم ہوگی یا بالکل مضمحل ہوگی۔ اور اگر محو نہیں ہوئی اور نہ مضمحل ہوئی تو وہاں اس نقطہ کے لحاظ سے صرف اس برائی کے برابر ہی رہ جائے گی۔ تو شرع میں کہا جائے گا، مومن کو اس کی سیئات کے برابر جزا دی گئی۔ یا اس سے معاف کر دیا گیا۔ اور جہاں تک اس شخص کا سوال ہے کہ اس کے اور اس کے رب کے درمیان باب بالکل ہی نہیں کھلا تو وہ تمام آزمائشوں میں مبتلا ہے۔ ہم اس قدر پر اکتفا کرتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اسی میں کفایت ہو جائے گی۔
والحمدللہ اولا و آخرا۔

۴۳- تفہیم:

دعائیں

اے اللہ! ہر چیز کے مالک اور بادشاہ! میں تجھ سے ان علوم کا سوال کرتا ہوں جو تو نے اپنے بندے اور رسول سیدنا محمدؐ پر نازل کئے جو تیری مخلوق میں منتخب و چنیدہ اور تیری مملکت کے

دولہا ہیں۔ تیری صلوات وتسلیمات آپؐ پر یوم التناد (قیامت کے دن) تک بلکہ ابدالآباد تک نازل ہوتی رہیں۔ اور تیرے ان علوم کا سوال کرتا ہوں جو تو نے آپؐ کے بھائیوں انبیا و مرسلین پر نازل کئے۔ اور جن کا الہام آپؐ کے اہل بیت طیبین وطاہرین اور آپؐ کے ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والے صحابہ اور تمام فقہاء مجتہدین اور ثقہ محدثین اور صاف و پاکیزہ صوفیا پر ان کے طبقات کے اور ان کے مقامات کے اختلاف کے لحاظ سے کیا جیسا کہ تو ان کو جانتا ہے۔ اور اے اللہ! میں تجھ سے تیری تجلی اعظم کے عکسوں کا سوال کرتا ہوں جو انبیا و مرسلین اور انبیا کے انوار کے بہترین وارثوں کے سینوں میں نقش ہوئے۔ اور ان کے اصحاب واحباب کے سینوں میں قیامت کے دن تک بلند ہونے والے عکسوں کی شعاعوں کا سوال کرتا ہوں۔

اور اے اللہ! میں تجھ سے ان تمام علوم، عکسوں، روشنیوں اور شعاعوں کا سوال کرتا ہوں جن کی مقداریں مختلف اور جن کے مراتب میں فرق ہے۔ جب وہ وجود ناسوتی سے قبل وجود ملکوتی میں تیرے نزدیک باہم مجتمع ومخلوط ہو کر چمٹے تو تو نے ان کی طرف رحمت ورافت اور استحسان کی نظر سے دیکھا۔ اور ان کی تربیت تیری قدرت کے اختیار میں ہے جیسے انسان کی تربیت پھولوں اور ان کے پودوں کی طرح کی جاتی ہے۔ پھر جب عالم ارضی میں جنین تیار ہو گیا، اس میں روح پھونک دی، اور وہ نفس کلیہ میں بدلنے کے قریب ہو گیا جو کہ تیرے جمال کا آئینہ تیرے کمال کے ظاہر ہونے کی جگہ ہے۔ اس جنین کی مقدار کا نفس جزئیہ ہے، اس میں تو نے اپنے عرش، کرسی، آسمان وزمین اور تو نے آسمان وزمین میں جو تمام پیدا کئے ہیں، ملائکہ اور موالید ثلاثہ سب کو ودیعت کر دیا اور اس میں تو نے ملاء اعلیٰ، حقائق الانبیا اور رسولوں، اپنے تمام کامل بندوں کو ودیعت کر دیا اور اس میں ان عکسوں کو بھی ودیعت کیا جو ظاہر ہونے والے ہیں، خواہ وہ شخص واحد کے لحاظ سے اجمالاً چمٹے ہوئے ہیں یا نہیں۔ اور بیشمار اشخاص کے طور پر اس کی وضاحت دوسری تفصیل کی شکل میں کی گئی۔ پھر اس شخص واحد کو از سر نو عالم کے طور پر چلایا گیا جس میں وہ سب کچھ شامل ہے جو عالم کبیر میں ہے۔ وہ حقائق الحق والکون کے لئے نسخۂ جامعہ ہے اور تیرے عکسوں، روشنیوں، اور علوم کی قسموں کے لئے مکمل داعیہ ہے۔ تیری تجلی اعظم کے لئے نمونہ ہے، نفس کلیہ سے پھوٹنے والا چشمہ ہے۔ وہ اپنی انانیت کبری سے جوش مارتا ہے۔ جو کہ اس لوح کی طرح ہے جس پر تمام انانیات صغری کی تصویر بنائی گئی

ہو۔اوران تمام امورکواس کی نظر میں جمع کر کےاس کےنفس ناطقہ نے تیرے نبی یوسف علیہ السلام کی زبان میں خفیہ اشارہ کیا۔ جب انہوں نے کہارب قدآتیتنی من الملک و علمتنی من تاویل الاحادیث فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین ''اے میرے رب تو نے مجھے حکومت بخشی، اور مجھ کو باتوں کی تہہ تک پہنچنا سکھایا، زمین و آسمان کے بنانےوالے، تو ہی دنیا اورآخرت میں میراسرپرست ہے، میرا خاتمہ اسلام پر کراورانجام کار مجھے صالحین کے ساتھ ملا۔'' (یوسف ۱۰۱) فخاشا جناب یوسف اس طرح کی جامع وکامل دعا اپنے نفس میں جمع ہونے والی باتوں کی جہت سے نہیں کرسکتے، جوسفلیات سے جوش مارتی ہیں۔وہ اس سے دور ہیں اور بہت دور ہیں۔انہوں نے یہ بات اس نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے کہی، جو ثابت ہے، اولاً اس جمع اوراجمال کی، اور دوسرے کشف وتفصیل کی مقتضی ہے۔ بلکہ اس حقیقت جامع کی ترجمانی کرتے ہوئے کہی جو یوسفؑ وغیرہ پر مشتمل ہے جن میں کہ یہ خصائل شامل ہیں۔ چنانچہ اس وقت اشارہ کیا گیا کہ حقیقت جامعہ یوسفؑ پراوران تمام پر مشتمل ہے جواس طرح کے خصائل میں شریک ہیں۔ میں تجھ سے استعداد کا سوال کرتا ہوں اورتو کسی ایسے سائل کو ناامید نہیں کرتا جو تجھ سے استعداد کا سوال کرتا ہے کہ ان نمونوں کا حامل آخرزمان میں شخص واحد ہو۔ جب تو دنیا کو کمالات انسانیہ کی قسم سے اس کی بادشاہی اورملکیت کے انقضا کا حکم دے اوراس کو باتوں کی تہہ تک پہنچنے کا علم سکھائے جوصرف اس جامعیت سے پیدا ہوتا ہے۔ اورتو دنیاوآخرت میں اس کا ولی ہو۔اوراس کے معادومعاش اورتمام احوال میں ظاہری اور باطنی طور پراس کے معاملہ کا ذمہ دار ہوجس طرح دایہ،انا بچہ کے معاملہ کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ تیری ہمت اورقوت کے بغیر کہیں نہ پھرے۔اوراس کو صالحین میں شامل فرما۔اور صالح بھی کیسا جس کی شان مکمل اور برہان اعظم ہے۔ تیری مخلوق میں سے منتخب اور تیرے ملک کا دولہا محمد صلوا تک علیہ اور تیرے ارشاد میں دوسرا خفیہ اشارہ کیا گیا ہے۔ وھو الذی انشاکم من نفس واحدۃ فمستقر ومستودع ''اوروہی ہے جس نے ایک جان سے تم کو پیدا کیا۔ پھر ہرایک کے لئے ایک جائے قراراورایک سونپے جانے کی جگہ ہے۔'' (الانعام ۹۸) اور بلاشبہ یہ خطاب افراد انسان، حیوان اور موالید سب کے لئے ہے۔اور یہ

سب صرف نفس کلیہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ نفس کلیہ میں ظہور متعینہ کے دو وجود ہیں۔
ایک وجود استقرار، اور وہ نفوس جزئیہ ہیں جو ابتداء خلق سے انتہائے امر تک ظاہر ہیں۔
دوسرے وجود استبداع اور وہ جمع کی ہوئی استعداد اور خفیہ طور پر جمع کی ہوئی تحریریں ہیں جو اس نفس میں ودیعت کی گئی ہیں جس کو تو نے از سر نو عالم اور نسخہ جامعہ اور مکمل داعیہ بنایا ہے۔

اے اللہ! اور میں تجھ سے تیری اس نظر خاص کا سوال کرتا ہوں جس سے تو نے اس میں پلٹ دیا جو ایک کے بعد ایک طبق تھا۔ اور اس میں بدلا جو یکے بعد دیگرے حال تھا۔ حتیٰ کہ وہ تجھ میں فنا ہو گیا اور اس کا کچھ بھی باقی نہ رہا۔ نہ وہ بعینہ رہا، نہ اس کا اثر، ذکر یا خبر رہی، وہ پہلو جو منتقل ہوا، تیری محبت کا نقطہ تھا۔ جس کے شہادت و حضور کی طرف منتقل ہونے سے نفس جزئیہ پایا جاتا ہے۔ پھر نامویہ میں داخل ہوتا ہے۔ پھر نباتی جدا ہونے والے جسم پر سوار ہوا۔ پھر جب وہ نباتی جسم کھل گیا اور نقطہ جدا ہو گیا تو اس نے تیری طرف رجوع کیا۔ اور تیرے سامنے روحانی لباس پہن کر کھڑا ہو گیا جو جسم نباتی کے مدمقابل ہوتا ہے، تو نے اس کو نظر امتنان واستحسان سے دیکھا اور حکم دیا کہ جدا ہونے والے حیوانی جسم پر سوار ہو جا۔ پھر جب وہ جسم حیوانی کھل گیا اور اس سے نقطہ جدا ہو گیا تو اس نے تیری طرف رجوع کیا اور تیرے سامنے وہ روحانی لباس پہن کر کھڑا ہو گیا جو جسم حیوانی کے مدمقابل ہوتا ہے۔ تو نے اس پر رحم کیا، اس کا اکرام کیا۔ اس کے ساتھ احسان کیا اور اس کو حکم دیا کہ جدا ہونے والے انسانی جسم پر سوار ہو جا۔ پھر اس میں روح پھونک دی۔ اور تو اس کی طرف اپنی تجلی اعظم سے نعمت، رحمت اور رافت کے ساتھ متوجہ ہوا۔ اور اس کو اپنی نظر سے تکریم اور تعظیم کے ساتھ گھیر لیا۔ تو تو نے اس میں اس نظر سے اچھائی پائی جیسے سورج کھلے آئینہ کے سامنے آتا ہے۔ تو اس میں شعلۂ نور پیدا ہوتا ہے۔ تو یہ شعلہ تیری اپنی مخلوق میں سے تھا جو تیری جبروت کی حکایت بیان کرتا ہے جیسے دن میں پانی کی حوض سورج کی روشنی کی حکایت اس وقت بیان کرتی ہے جب نصف النہار اور ہوا کے رک جانے کے وقت صاف ہوتی ہے۔ چنانچہ تیری جبروت میں اس طرح فنا ہو جاتا ہے جیسے شعاع صاحب شعاع میں، اور عرض جوہر میں، اس حیثیت سے کہ عرض کا وجود فی نفسہٖ اس کی وضع کا وجود ہے۔ پھر جب تو نے اس کو دنیا سے قبض کر لیا، اٹھا لیا تو قبض اس کے لئے دوسری پیدائش ہو گئی۔ چنانچہ جوہر تیری جبروت کی شعاع ہو جاتا ہے۔ اور نفس ناطقہ شے

زائد ہوجاتا ہے۔ جیسے انسان کے ہاتھ میں چھٹی انگلی ہوتی ہے۔ اس سے صرف خاص طور سے تیری قضا کی تعیین ہوتی ہے۔ پھر تیری دوسری شان نہیں ہوتی جس کی وجہ سے روح ہوائی مضمحل ہوجاتی ہے نفس معدوم ہوجاتا ہے اور جوہر پوشیدہ ہوجاتا ہے۔ اور شعاع معدوم ہوجاتی ہے۔ اس وقت سفر مکمل ہوجاتا ہے اور دورہ پورا ہوجاتا ہے۔ نقطۂ محبت اپنے مبتدا کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اور سفر کی تکان سے آرام کرتا ہے۔ اس وقت زبانیں اس کی تعریف و توصیف چھوڑ دیتی ہیں اور خیالات اس کے وصف سے قاصر رہ جاتے ہیں۔

اے اللہ! اور میں تجھ سے تیرے مقدس داعیہ کے سرایت کرنے سے تیرے تقدس کے سمندروں سے اٹھنے والے اور مصلحت کلیہ سے پیدا ہونے والے تیرے نور کے خالص ہونے کا سوال کرتا ہوں، جو اس صاف شفاف جوہر میں مصلحت جزئیہ ہونے والی ہے۔ جیسے سمندر کی بارش کا ساحل کے قریب برسنا۔ پھر اس شخص سے روح اور راز میں اس رطوبت کے ظہور کا، پھر اس شخص سے قلب و عقل (دل و دماغ) میں جو رطوبت نازل ہوتی ہے۔ پھر اس کے اثر کے اقطار ارض تک مشرق و مغرب میں خشکی اور سمندر میں اس ہوا کی طرح پھیلنے کا جو گیلی زمین کے اوپر سے گزرتی ہے جو گارا ہوجاتی ہے تو جب ٹیلوں اور مٹی کے ڈھیر پر سے گزرتی ہے تو ان کو مرطوب کردیتی ہے سوائے ہر خشک اور دور دراز چیز کے جو مصلحت کے مطابق جھکنے سے انکار کردیتی ہے۔

اے اللہ! اور میں تجھ سے اس شخص کے تیری اس شان کے لئے اطاعت گذار ہونے کا سوال کرتا ہوں جو تو نے اس زمانہ میں اختیار کی ہے۔ بیشک تیری ہر روز الگ شان ہے۔ اور تیرے نزدیک ایک دن ہزار سال کی برابر ہے، جو لوگ گنتے ہیں۔ اور انسان کی صورت صاف شفاف جوہر میں اس طرح ڈھلتی ہے۔ جیسے آئینہ میں شعلہ کی صورت ظاہر ہوتی ہے، جب تاریک رات میں روشن چراغ اس کے سامنے لایا جاتا ہے، یا نیر اعظم کی صورت پانی کے پیالہ میں ظاہر ہوتی ہے۔ پھر علوم کی شاخوں کا سوال کرتا ہوں، جو اس شان کے مناسب ہوں، جو روح اور راز اور قلب و عقل کے جوہر سے قریب ہوتی ہے۔

اے اللہ! تو نے فرمایا ہے اور تیرا فرمان حق ہے۔ **اللہ نور السموات والارض، مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح، المصباح فی زجاجۃ، الزجاجۃ کانھا**

کوکب دری یوقد من شجرة مبارکة زیتونة الایة ''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔(کائنات میں)اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہو۔چراغ ایک فانوس میں ہو، فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارہ۔اور وہ چراغ زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو۔'' (النور ۳۵)

تو نے زیتون کو اس داعی و مبلغ کے لئے مثال بنایا جو تیرے خالص قدس سے نازل ہوتا ہے۔اور تو نے چراغ کو جو کہ یہاں بمعنی فتیلہ ہے۔صاف شفاف جوہر کے لئے مثال بنایا۔اور فانوس کو روح اور راز کے لئے اور طاق کو قلب اور عقل کے لئے مثال بنایا۔

اے اللہ! تیرے اس مبلغ کو اس کے تمام امور و معاملات میں حاکم مقرر کرنے کا سوال کرتا ہوں کہ یہ اسی طرح تیری قدرت میں ہے جیسے مردہ غسل دینے والے کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔اس کا ارادہ تیرے ارادہ کے تحت ہے اور اس کا قصد تیرے قصد میں فنا ہے اور اس کا اختیار تیرے اختیار میں محو ہے۔وہ کوئی حرکت نہیں کرتا اور وہ صرف تیری وجہ سے اور تیری قدرت اور ارادہ سے کمزوری دکھاتا اور خوش ہوتا ہے۔

اے اللہ! جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے اس کا سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس نور وجدانی ذات سے ملا دے جو اوصاف کے لحاظ سے متعدد ہے بلکہ اس میں فانی ہے۔اس کے ساتھ قائم بنا دے حتی کہ تیرے حاکم بنانے سے تیرے اس کو حاکم بنانے کے ضمن میں اس جھونکے کی طرف لوٹے۔اور مجھے اپنی رحمت کے ضمن میں اپنی رحمت کی نظر میں شامل فرما لے۔اور اپنی ان بشارتوں کے ضمن میں اپنی بشارت سے روشن کر لے جس کو تو نے دوچند کرنے میں اس میں نافذ کیا۔جامع ہے تیری کتاب کے لئے۔اور تیری مقدس مجرد روشنیوں کے لئے حکایت کے ضمن میں۔اس کے صاف و شفاف جوہر سے تیری ایک روشنی نے مجھ پر غلبہ پا لیا۔اور تیری اس شان نے میرا احاطہ کر لیا جو اس زمانہ میں اس سے قریب ہے۔اور جس کو تو نے اس کا ترجمان۔اس کی طرف سے بولنے والا، اس سے اس کے احاطہ کے ضمن میں اس کو بیان کرنے والا بنایا۔

اے اللہ! اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس صاف شفاف جوہر سے ملا دے، حتی کہ میں اس کے ساتھ دنیا اور آخرت میں شے واحد کی طرح ہو جاؤں۔اس کے ساتھ مخلوط، اس

کے وجود کے ساتھ موجود، حتی کہ اس کے دوام کے ساتھ دائم۔ تیری شانوں میں سے ایک شان، اور اس کے تجھ سے ہونے کے ضمن میں تیری روشنیوں میں سے ایک روشنی ہو جاؤں۔

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تجھ سے الحاح کرتا ہوں کہ راز و روح اور فنا کے مقام سے میری تمام حاجتیں پوری فرما جن کا تو نے ان کی زبان سے مجھ سے وعدہ کیا۔ اور اپنے انوار میں سے ایک نور کو میرے ہاتھ پر پورا فرما، جس کو تو نے ان کی زبان پر ظاہر فرمایا۔ اور مجھے اپنے علوم اور ان معارف کا حافظ بنا جو ان پر نازل ہوئے اور تیری اس شان کے لئے موافقت اس سے ظاہر ہوئی جو اس زمانہ میں اس سے قریب ہے۔ اے اللہ! میری طرف سے سوال ہے اور تیرے ذمہ قبول کرنا ہے۔ میری طرف سے عجز و انکساری ہے اور تیرے ذمہ کامیاب کرنا ہے۔ تو رحیم و کریم، رؤف، قریب، مجیب، سمیع اور بصیر ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور تیرے سوا کوئی رب نہیں۔ تو میرا مولی ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

۷۴-تفہیم:

خلیفۃ اللہ فرد، تحقق کے معنی

الحمدللہ الذی بنعمته تتم الصالحات. واشھد ان لاالٰه الااللہ واشھدان محمداعبده ورسوله صلی اللہ علیه وعلی اله وصحبه وسلم. امابعد. عبد ضعیف اپنے رب کریم کا محتاج ولی اللہ بن عبدالرحیم عفی عنہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ وہ اسماء صفات ہیں۔ اور ایک اسم ذات ہے۔ اور بندہ کے لئے ان میں سے ہر ایک کا تحقق ممکن ہے۔ اور ہماری مراد تحقق سے یہ ہے کہ مثلاً اس پر یہ کشف کرے کہ اللہ کے سوا کوئی علیم نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی بصیر نہیں اور اللہ کے سوا کوئی سمیع نہیں۔ اور جس طرح بصر، سمع اور علم کو دیکھا جاتا ہے تو یہ وحدۃ الوجود کی اصل پر اللہ کی سمع اس کی اور اس کے علم کے شعبے ہیں۔ اور یہ وحدۃ الوجود کا کشف ہے یا اس کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے اور تحقق نہیں ہے۔ اور تحقق سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے نفس سے فنا ہو جائے اور اللہ کے ساتھ باقی رہ جائے۔ اور ہبہ کئے ہوئے وجود کو عطا کر دے۔ پھر اس کے تداخل سے اللہ عزوجل کے اسماء ہوں۔ پھر اس کے نفس میں ان اسماء کے قوی ظاہر ہوں اور عالم ان قوتوں کے لحاظ سے اس کا مطیع ہو۔

اور اللہ تعالیٰ کے اسما کا تحقق دو میں سے ایک آدمی ہے۔ ایک وہ آدمی جس کے قوائے طبیعیہ جو عناصر سفلیہ اور قوائے فلکیہ سے پیدا ہوئے، تمام ہوں۔ پھر اس کا حجر بحت تام ہو، وہاں سے ان قوائے طبیعیہ پر رشحات الٰہیہ ٹپکتے ہوں۔ جو اپنے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں تو وہ عالم میں خلیفۃ اللہ ہے۔ اور دوسرا شخص جس کا حجر بحت تام ہو گیا، اور اس کے قوائے طبیعیہ تام نہ ہوئے ہوں پھر وہاں سے رشحات الٰہیہ ٹپکتے ہیں، پھر اس کے نفس میں نور کے مشابہ آثار ظاہر ہوتے ہیں، اور اس کے آثار خارج میں صرف اس طرح ظاہر ہوتے ہیں تو یہ فرد اللہ عز و جل ہے۔

اور تحقق باسم الذات کی حقیقت میرے نزدیک یہ ہے کہ اس سے لطیفۂ روحیہ ترقی کرے۔ حتیٰ کہ صیقل شدہ آئینہ کے مشابہ ہو جائے۔ اور تجلی اعظم اس کے مقابلہ میں آ جائے تو اس سے رنگ اس میں نقش ہو جیسا کہ آئینہ اس رنگ سے بھرا ہوا ہوتا ہے، جو اس کو ڈھانپ لیتا ہے۔ یا جس طرح موم میں مہر کے نشانات نقش ہو جاتے ہیں، تو اس کو انس عجیب اور جوش غریب حاصل ہوتا ہے۔ اس کو اس کی کنہ نہیں چھپاتی۔ اور میرے نزدیک یہ ہے کہ شارع نے نماز کے حکم سے اس کی نیت کی اور اس کو اسلام کے ارکان میں سب سے اعظم قرار دیا۔ اور فرمایا انکم سترون ربکم. الحدیث ''تم اپنے رب کو عنقریب دیکھ لو گے۔'' اس لئے کہ اس سے باطن کا بطن لطیفہ روحیہ میں ایک رنگ ہے، جو تجلی اعظم سے نازل ہوتا ہے، اور وہ اسم ذات کا عین تحقق ہے۔ اور حجر بحت تجلی اعظم سے لاحق ہو جاتا ہے اور اس میں فنا ہو جاتا ہے۔ پھر کبھی نفس ناطقہ حیران و پریشان باقی رہتا ہے۔ اور کبھی اس میں عظیم جوش مترشح ہوتا ہے۔ اور تجلی اعظم کا علم بنفسہ گویا کہ اول میں تجلی اعظم کو ایسی شے کے طور پر جانتا ہے جو اس کا مقصود ہے۔ اور دوسرے میں اس کو بنفسہ اس کے علم کی طرح جانتا ہے۔ اور یہ بھی اسم الذات کا عین التحقق ہے۔

اور جان لو کہ سلوک کی حقیقت یہ ہے کہ ایک لطیفہ کا حکم دوسرے لطیفہ پر غالب آتا ہے اور اس لئے فنا دو قسم کی ہوتی ہیں۔ فناء الوجود الظلمانی اور فناء الوجود الرحمانی۔ فناء وجود ظلمانی یہ ہے کہ لطیفۂ قلبیہ و عقلیہ کا حکم نفس بشریہ اور نفس سبعیہ پر غالب آ جاتا ہے۔ اور نفس امارہ رسوم و عادات کی حفاظت کرتا ہے۔ اس لئے نہ شہوت کی پیروی کرتا ہے نہ ہی رسم کی، سوائے اس کے بعد کہ اس کو عقل صحیح قرار دے۔ حتیٰ کہ آدمی اپنے وصف سے بدل جائے اور ایسا ہو جائے گویا کہ

وہ، وہ نہیں جو تھا۔ پھر اس پر لطیفۂ روحیہ وسریہ کا حکم غالب آجائے اور اس پر لذت معنویہ غالب ہوجائے جو روح کے انس اور راز کی معرفت سے حاصل ہوجائے۔ پھر تمام لذات سے متنفر ہوجاتا ہے اور اس کی ہمت کا قبلہ صرف یہ ہوجاتا ہے۔ اس وقت کہا جاتا ہے اس کا وجود ظلمانی فنا ہوگیا۔ اور وجود روحانی کی فنا یہ ہے کہ اس پر موجودات میں پھیلی ہوئی انانیت کبری کا حکم غالب آجائے۔ جو اس کو کاٹنے والی ہے۔ تب انانیت صغری مضمحل ہوجاتی ہے۔ تب موجود جانتا ہے کہ وہ لفظ انا کے اشارہ میں کس حیثیت سے موجود ہے۔ اور پوری طرح جوش میں آجاتا ہے یا اس پر حجر بحت کا حکم غالب آجاتا ہے جو تجلی اعظم میں غوطہ لگانے والا ہے۔ اس سے ظاہر ہونے والا عود ظاہر ہوتا ہے تو انانیت فعالہ قہارہ لفظ انا میں اس کے اشارہ سے جانتی ہے۔

اور جان لو کہ نصاری نے روح اللہ صلوات اللہ علیہ کے کلام کی تاویل میں غلطی کی اس لئے سمجھ لیا کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ میں عین اللہ تعالیٰ ہوں۔ حاشا وکلا بالکل ایسا نہیں تھا۔ آپ کے قول کے معنی حجر بحت کے حکم پر غالب آگئے، جو تجلی اعظم سے اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں غوطہ لگانا شروع کر دیا تو میرا علم میری انانیت سے بدل کر عالم میں انانیت فعالہ قہارہ کا علم ہوگیا۔ اور اس پتھر سے حق کے علوم اور ارادہ پر مترشح ہوتا ہے۔

اور جان لو کہ عالم میں حقیقت فعالہ قہارہ ہے۔ تو جس طرح فرد نباتی میں نفس ہے جو قوی تغذیہ وتنمیہ کا متحمل ہوتا ہے۔ اور اس نفس کا حکم ہر ورق، ہر ڈال، پھول اور پھل میں جاری ہے۔ اور اگر ان اشیا کی زبانیں ہوتیں تو وہ اس نفس کی طرح تضرع کرتیں اور کہتیں اے میرے آقا! میں نے تیری طرف توجہ کی اور تجھ میں رغبت کی اور تیرا قصد کیا۔ اور اپنی ہمت وقوت کو تیری ہمت وقوت میں فنا کر دیا، تو میرا وہاب ہے میرا خلاق، میرا باری اور میرا مصور ہے۔ اسی طرح اس میں شخص اکبر حقیقت فعالہ موثرہ ہے۔ اس سے اس کے سوا کے لئے ارادہ، اختیار اور تسخیر ہیں۔ اور اس سے نیچے والے کا احاطہ کرتا ہے۔ اور اس کے ماسوا ہر ایک معاون ونباتات اور حیوان اس کی طرف تضرع کرتا ہے۔ لسان حال سے اس کے پاس ہاتھ پھیلائے ہوئے۔ لیکن انسان نفس کے لحاظ سے مخلوقات میں سب سے زیادہ پاکیزہ، عقل کے لحاظ سے سب سے زیادہ مکمل اور تخمینہ کے لحاظ سے سب سے زیادہ سخت ہے۔ اس لئے واجب ہوا کہ زبان حال کے مقابلہ میں اس کی ایک زبان فعال ہونی چاہئے۔ اور ان دونوں

زبانوں کے مقابلہ میں ایک زبان فعل ہونی چاہئے۔ اس پر حقیقت فعالہ ثابت ہوئی۔ حق ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے اور اس کی طرف عاجزی وانکساری کی جائے۔ اور جان لو کہ وہ موثر فعالہ ہے۔ چنانچہ انسان کے لئے اس کی تربیت کو واجب قرار دیا گیا کہ ملکوت میں اس کے لئے ایک شریعت مقرر کی جائے۔ پھر لوگوں میں ایک رسول بھیجا جائے جو اس کا ترجمہ کرے، جو ان کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔

اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں بار بار فرمایا ہے **له مافی السموات ومافی الارض** ''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اسی کا ہے''۔ اس کا راز یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین پر اور جو کچھ ان میں ہے، ان پر غلبہ پانا اور ان سب کو گریبانوں سے پکڑنا اور ان کی پیشانیوں پر قبضہ کرنا اور اس میں مشیت کی تنفیذ اور ان کا احاطہ کرنا، پہلی چیزیں ہیں، جو تجلی اعظم کے خواص میں شامل ہیں، تو یہ خاصیت اللہ کے کلام میں مقدم رہی، جس کا ترجمہ تجلی اعظم کے خواص سے ان کے طبعی طور پر مقدم ہونے کے لحاظ سے کیا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ اسم ذات سے حدیث تحقق ہے جیسا کہ ہم اپنے نفوس میں بار بار پاتے ہیں۔ البتہ اسماء صفات سے تحقق تو اس کی حدیث کے مطابق ہے جس کو ہم اپنے نفوس میں پاتے ہیں جس کو اللہ نے ہم پر اس طرح کھولا ہے کہ اس کی کئی قسمیں ہیں۔

ان میں سے ایک بوجہ انفعال اور قبول اثر کا تحقق ہے جیسے مغنی، معطی، منعم، وہاب، رزاق، عارف۔ ان اسماء میں سے کثیر کی طرف یا تو اپنے قلب کے آئینہ کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے، ان کی تلاوت، ورد اور مثالوں میں پائے جانے والے ان کے حقائق کی طرف توجہ سے، یا دونوں وجہوں سے اس کا نفس منفعل ہوتا ہے اور خاص اس صفت کے لئے استطاعت ظاہر کرتا ہے۔ تو اس میں اس صفت کا رنگ پیدا ہوتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہوتی ہے کہ اسباب کو مغلوب کرے حتیٰ کہ مرزوق، منعم علیہ، معطی لہ اور موہوب لہ ہو جائے تا کہ نظام نفسی اور خارجی کے مطابق ہو جائے۔

اور ان میں سے تحقق بوجہ تشبہ ہے جیسے عزیز، عظیم، ذوالجبروت، غنی اور واجد۔ عارف یا تو ان میں سے کثیر کی تلاوت اور ورد کرتا ہے یا ان کے حقائق مثالیہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے یا دونوں معاملے کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے سبب سے ان اسماء کے مقابلہ میں اس میں ودیعت کیا ہوا

رقیق حرکت کرتا ہے۔اس متحرک کے سبب سے اس میں ودیعت کیے ہوئے رقیق نجوم اور قوی فلکیہ میں سے سورج اور چاند وغیرہ کے مقابلہ میں کھلتے ہیں۔تو وہ اس طرح ہو جاتے ہیں گویا کہ وہ سوئے ہوئے تھے،اب بیدار ہو گئے۔اس وقت اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ اہل سعادت وجد جہد اور اہل ملک و جبروت میں سے اس کا معاملہ کرے جو اپنی جبلت میں ان رقیقوں سے قوی ہو۔

اب جب کہ یہ تمہید تمہارے سامنے آ گئی تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے میرے نزدیک ایک اچھی بات یہ ہے کہ میں نے اسم حی کی تحقیق کی اور وہ یہ کہ میں نے اس حقیقت کا مشاہدہ کیا جو حظیرۃ القدس میں شکل اختیار کر کے سامنے آئی پھر میری طرف متوجہ ہوئی تا کہ مجھ پر نازل ہو۔تو اولا قوی فلکیہ میں جگہ بنائی اور اس میں زہرہ کی طرف منسوب قوت کو اختیار کیا۔پھر اس قوت کا ساتھ دیتے ہوئے میری طرف نیچے اتری اور میری اس عمر میں زیادتی کر دی جو میری والدہ کے شکم میں میرے لئے لکھی گئی تھی۔اور وہ زیادتی اس قوت میں ظاہر ہوئی جو زہرہ کی جانب سے ودیعت کی گئی تھی۔پھر ملاء اعلیٰ میں دوبارہ جگہ بنائی اور اس کا ارادہ کیا۔پھر ان کی ہمت کے ساتھ میری طرف اتری۔پھر میری اس عمر میں زیادتی کی جو میری والدہ کے بطن میں مجموعی طور پر میرے لئے لکھی گئی تھی۔اور اس زیادتی میں جو زہرہ کی جانب سے زیادہ کی گئی تھی۔اور یہ میرے لئے اللہ کی عجیب کاری گری تھی۔الحمد للہ۔

اور ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ میں نے اس طرح کے امور میں اسم العزیز کی بھی تحقیق کی،تو اس تحقیق کا مشاہدہ کیا جو حظیرۃ القدس کی شکل میں سامنے آئی۔وہ میری طرف دوبار متوجہ ہوئی۔ایک بار زہرہ کی طرف سے اور دوسری بار ملاء اعلیٰ کی طرف سے۔تو میں نے اپنے نفس میں اس علم کی زیادتی دیکھی جس کو اس میں نہیں دیکھا جو میرے لئے میری ماں کے پیٹ لکھا گیا تھا۔اور اکثر اسماء حسنیٰ میں اسی طرح کا معاملہ ہے۔والحمد للہ۔

اور یہ بھی جان لو کہ تحقق کے سوا ایک اور چیز ہے جو اللہ صوفی کو عطا فرماتا ہے۔وہ مراقبہ ہے۔اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ احکام الحدوث سے بلند و بالا ہے۔نہ اس کا بیان کرنا ممکن ہوتا ہے،نہ لوگ اس کو پہچانتے ہیں،سوائے اس کے کہ اس کو سمجھتے ہیں اور اس کو ترتیب دیتے ہیں تو اس نے اپنے نفس کا بیان بشری صفات سے تنزیہ کے طور پر کیا اور اس زیادتی کے ساتھ

اس کا ذکر کیا جو ان کی عقلوں میں آ جائے۔ جیسے اس کا ارشاد ہے وان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون ''تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔'' (الم السجدة ۵)۔ یہ اس امر کے مطابق ہے جو ان کی عقلوں میں ایک ہزار سال تک عمل کے بعد ہی آ سکتا ہے۔ اور اللہ کے نزدیک یہ آسان ہے کہ اس کو ایک دن میں کر دے۔ اور ان میں سے ہر صفت اسم مرکب ہے اور ہر ایک کے طریقہ کا مراقبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کے اسم ذاتی سے کرے۔ پھر امر مجمل کی طرف متوجہ ہو جس کو ہر کوئی اللہ کے نام سے آواز اور حرف سے مجرد صورت میں سمجھتا ہے۔ پھر ان صفات میں سے کسی ایک صفت کو یاد کرتا ہے۔ اور اس صفت سے اس کے متصف ہونے کا تصور اس طرح کرتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے جلال کے لائق ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی آنکھ کھل جاتی ہے اور وہ کشف الٰہی کے لئے اپنی استعداد کے لحاظ سے تیار ہو جاتا ہے۔ اور یہ وہ آخری شے ہے جس کو ہم نے اس ورق میں بیان کرنے کا ارادہ کیا۔ والحمدللہ تعالیٰ اولاً و آخرا وظاهرا وباطنا۔

۷۵- **تفہیم:**

جزا کا سبب بننے والے اعمال کی انواع

اللہ تمہارے ساتھ بہتر معاملہ کرے اور تمہیں زیادہ توفیق دے اور تمہیں اس حد تک ترقی دے جس کی تم میرے لئے تمنا کرتے ہو۔ بلکہ اس حد تک جو اس سے اوپر ہے کہ وہ کریم، جواد، رؤف اور رحیم ہے۔ اما بعد۔ نحۂ اولی و ثانیہ کا راز ان کے وقتوں سے متعلق نظام عالم میں مصلحت کلیہ کی طرف لوٹتا ہے جس کے بیان کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ اور نہ وہ برہان سے ثابت ہوتا ہے کہ فلک اطلس کی حرکت کی تخصیص پر ایک جہت سے اور ستارے والے آسمان کی تخصیص پر دوسری جہت سے برہان قائم کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اس کی تفصیل ہے جو عنایت ازلیہ میں درج ہے۔ اور وہ حقیقت اولی کی مقتضی ہے اور وہ اقتضا اولا اسکے وجود کے لئے عنایت میں اور دوسرے خارج میں موجب ہے۔ اور جو اعمال جزا کے مستوجب ہوتے ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو ظاہر روح سے چپکتے ہیں۔ چنانچہ جب روح کے بعض اجزا بکھر گئے تو ان کی صورتیں مضمحل ہو گئیں۔ چنانچہ ان کو قبر میں عذاب دیا جائے گا نہ کہ معاد

میں۔ اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو روح کے باطن سے چپکتے ہیں جو نفس ناطقہ سے قریب ہوتے ہیں۔ ان کو معاد میں عذاب دیا جاتا ہے نہ کہ قبر میں۔ اور امت مرحومہ کے اکثر لوگ جن کی بہیمیت ضعیف ہے، ان کی ملکیت بھی ضعیف ہے۔ اس لئے ان میں سے اکثر کو عذاب، قبر میں ہوگا۔ اور ان کو ہلکا پھلکا اٹھایا جائے گا کہ ان کے اوپر کوئی بوجھ نہ ہوگا۔ اور جن کی بہیمیت شدید ہوگی ان کو اکثر امم سابقہ کی طرح قبر سے زیادہ معاد میں عذاب دیا جائے گا۔ بلکہ ممکن ہے کہ ان میں سے کسی جماعت کو قبر میں بالکل عذاب نہ دیا جائے، صرف معاد میں دیا جائے۔

اور جو لوگ بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے کہ ان کی فطرت پاکیزہ ہو چکی ہوگی۔ ان کی بہیمیت ان کی ملکیت کے رنگ میں رنگی جا چکی ہوگی۔ چنانچہ ان کی روح میں ایسا کچھ باقی نہ رہے گا جو ان کے جنت میں دخول کا یا ان کی ایسی رحمت عظیمہ کی شمولیت کا موجب ہو جو ان کی خطاؤں کا کفارہ بن جائے۔

اور ہم ان اعمال کے اختلاف کی مثال جو جزا کا موجب ہوتے ہیں، اختلاف امراض سے دیتے ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان کی فطرت کی اصل کے مخالف امراض کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک وہ پھوڑے پھنسی جو بدن کے اخلاط سے بھر جانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور جب اخلاط کا استفراغ ہو جاتا ہے تو مرض جاتا رہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ آدمی کے دونوں پیر اور دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہوتے ہیں تو استفراغ اخلاط سے یہ مرض نہیں جاتے۔ لیکن جب یوم المعاد میں جمع ہوں گے تو صورت نوعیہ پوری طرح ظاہر ہوگی، اور انسان مکمل ہو جائے گا۔ اور اسی طرح مختلف مراتب پر امراض نفسانیہ ہوتے ہیں۔ یہ وہ امر ہے جو سوال کے جواب میں فی الحال میسر آیا۔ والحمدللہ اولا و آخرا

۷۶-تفہیم:

شیخ عبدالرحمٰن اور ان کو درس و تلقین کی اجازت

الحمدلله الذی انعم و خول ونول فاجزل ووفق فسهل وفی جمیع الحالات علی فضله المعول واشهد ان لااله الاالله القدیم الاول واشهد ان محمدا عبده ورسوله اکرم مرسل والفضل مفضل صلی الله علیه وعلی اله

وصحبه الامثل فالامثل. ’’تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے انعام عطا کیا، نگہبانی و حفاظت کی، اور خوب دیا۔ اور توفیق دی اور سہولت عطا کی۔ اور تمام حالات میں اس کے فضل پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو قدیم ہے، اول ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول اکرم ہیں۔ وہ بھیجے گئے ہیں، افضل اور مفضل ہیں۔ اللہ آپ پر اور آپ کی آل واصحاب پر رحمت نازل فرمائے جو ایک کے بعد ایک اشل ہیں۔ امابعد۔ اللہ کریم کی رحمت کا محتاج ولی اللہ بن عبدالرحیم عفا اللہ تعالیٰ عنہ والحقہ بالصالحین کہتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی اپنے بندوں پر ان کے باطن میں پوشیدہ طور پر لطف وکرم کرتے ہوئے، ان کے ادراک کو عزت اور نعمتیں بخشتا ہے اور جو کچھ اس کے اوران کے درمیان ان کے جذب کے لحاظ سے ہیں ان کے معنی کا سمجھنا دشوار ہوتا ہے۔

اوران پوشیدہ الطاف اور عظیم نعمتوں میں سے ہمارے نیک وصالح اخی فی اللہ جو مصلح ہیں اوران کے اوقات طاعات سے لبریز ہیں۔ ان کے انفاس حسنات کے سمندروں میں ڈھکے ہوئے ہیں۔ یعنی حافظ عبدالرحمٰن بن حافظ نظام الدین التقوی شہر دہلی میں ہماری اقامت گاہ پر آئے۔ اللہ ان پر دنیا اور عقبی میں احسان فرمائے۔ اور اولی واخری میں اپنی نعمتیں ان پر عام فرمائے۔ ان کو اللہ نے میرے پاس بھیجا اوران کو مجھ سے صوفیا کے طریقہ خاص کے طلب کے لئے الہام فرمایا۔ پھر اس طریقہ کے سہل اور دشوار اعمال پر صبر اوراس راہ کے رطب ویابس کو طے کرنے میں مشکلات کو برداشت کرنے کا الہام کیا اوران کو مراقبات وتوجہات کے اہتمام کی توفیق دی۔ ان پر توحید کا کشف کیا۔ قوم کے نزدیک معتبر نسبتوں، نسبت احسان، نسبت اویسیہ، نسبت یادداشت، نسبت توحید اور نسبت عشق کے دروازے کھولے۔ اور انہیں خرق عادت اشیا کا عامل بنایا۔ مناجات کی حلاوت کا ذائقہ چکھایا۔ مختلف قسم کی عبادتوں کی لذت عطا فرمائی۔ نورارواح دکھایا۔ لطیف گزرگاہوں پر چلایا۔ اسماء وآیات کے کچھ خواص پر اللہ اوراس کے رسول کے لئے اور مشائخ طریقت کے لئے ان کی ظاہری و باطنی خیرخواہی و خلوص کے ساتھ مطلع کیا۔ اوران کے سینہ کو کینہ وحسد سے سلامت رکھا۔ حرص اور لمبی لمبی امیدوں کی طرف میلان کم کیا۔ مشکلات، شدائد اور امراض میں صبر کی قوت عطا کی، اور عبادت میں اشتغال کے وقت ان آلام کے احساس کو ختم کیا۔ اس طرح بہت سے الطاف و

کرم اللہ تعالیٰ نے فرمائے، جن کا بیان طول کا متقاضی ہے۔ اور ان کی تعداد بیان کرنا مشکل ہے۔ اور وہ ان معاملات وحالات میں تقریباً بیس سال تک رہے۔ واللہ اعلم۔

اور ان پوشیدہ الطاف اور عظیم نعمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ان کو مجھ سے علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ چنانچہ انہوں نے مجھ سے کچھ پڑھا۔ ان میں اول سے آخر تک عاصم سے حفص کی روایت میں میرے اس سلسلہ سے جو نبی تک پہنچتا ہے، قرآن عظیم، صحیح بخاری وصحیح مسلم، موطا محمد بن الحسن تھوڑے حصہ کے استثنا کے ساتھ، شرح سنہ کا ایک حصہ، سنن نسائی نصف کے قریب اور پھر دوبارہ دوسرے طالب علم کے میرے سامنے پڑھنے پر صحیح بخاری کی سماعت بھی کی۔ اس کے علاوہ اور جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی، مشکوۃ المصابیح، حصن الجزری اور نسائی کا ایک حصہ شامل ہیں۔ انہوں نے مجھ سے میری بعض تصنیفات مثلاً فتح الرحمٰن ترجمۃ القرآن، الحجۃ البالغہ اور مسوی وغیرہ بہت سے رسائل بھی سنے جن کی تعداد بیان کرنا مشکل ہے۔

اس سب کے بعد اللہ نے مجھے شرح صدر عطا کیا کہ ان کی تعریف وتحسین کروں۔ اور مشہور طرق والے صوفیا کے اشغال کی تلقین کے لئے انہیں اجازت دوں۔ چنانچہ میں نے کہا کہ ان کا ہاتھ میرے ہاتھ کی طرح ہے جیسا کہ میرے حق میں یہی بات سیدی والد صاحب قدس سرہ نے کہی تھی۔ اور ان کو خرقۂ صوفیا پہنایا۔ جو خلیفہ اور نائب کا لباس ہوتا ہے، اور مشہور طرق کی اسناد اور ان کے بعض اشغال واذکار عطا کئے۔ جو الانتباہ فی سلاسل اھل اللہ نامی ہمارے رسالہ میں مذکور ہیں۔ اور میں نے ان کو اس سب کی اجازت دیدی جو انہوں نے میرے سامنے پڑھا، یا مجھ سے سنا، یا ان کے نزدیک جن کا میری مرویات ہونا صحیح ہے، اور کتب حدیث کی اسناد ہمارے رسائل میں درج ہیں۔ اور میں نے انہیں آیات عظمیٰ، اسماء حسنیٰ اور ادعیۂ مبارک کی تلاوت اور ان کے حروف اور اوقاف کی کتابت کی اجازت دی۔ جیسا کہ مجھے ان کی اجازت میرے والد قدس سرہ نے دی تھی۔

اور میں نے ان کو خاص ان کی ذات کے بارے میں بتادیا کہ ان کے قوت خیال میں بعض خلل ان امراض کی وجہ سے ہیں جو ان پر غالب ہیں۔ اور یہ مناسب نہیں ہے کہ اپنے واقعات پر مراجعت اور فراست صادقہ کی تائید کے بغیر بھروسہ نہ کریں اور یہ کہ ان کے لطائف

میں سے غالب لطیفۃ الروح ہے۔ خاص طور سے اس کی وہ صورت جو عقل سے قریب ہے۔ اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اس کو آسودگی اور خوشحالی وفراوانی حاصل ہو جائے کہ یہ نسبت اویسیہ ہے اور ان کی نسبت احسان ہے۔ اور یہ کہ ان کا نفس ناطقہ اس طرح پیدا کیا گیا کہ وہ اپنی قوت ملکیہ اور بہیمیہ کو جذب کر لیتا ہے۔ اور یہ دونوں قوتیں غایت درجہ کی قوی نہیں ہیں۔ چنانچہ جب وہ کسی قسم کے حال میں پوری طرح مشغول ہوگا تو اس کا نام اس کے ماقبل سے رکھا جائے گا گویا کہ وہ کوئی شے مذکور ہی نہیں تھی۔ اس لئے حزن میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ حال اول کی اصل گئی نہیں ہے بلکہ پوشیدہ ہوئی ہے۔ اور تمام پہلوؤں کو جمع کریں اور تمام اضداد کے احاطہ کا لالچ نہ کریں اس لئے کہ کشمکش والا نفس اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور ایک حال سے دوسرے حال میں بدلنا اور تلون اس صنف کی جبلت کے لوازم سے ہے۔

اور میں ان کو ان امور کی وصیت کرتا ہوں جن کی وصیت میرے مشائخ نے مجھے کی تھی۔ یعنی احکام شرعیہ اور آداب صوفیا پر استقامت اور یہ کہ میرے لئے میرے مشائخ اور میرے اصحاب کے لئے دعا کریں۔ اقول قولی هذا واستغفر الله ارحم الراحمین والحمدلله رب العالمین ان سطور کی کتابت ۲۹ رمضان ۱۱۶۰ھ کو بروز جمعرات ہوئی والحمد لله تعالیٰ اولا وآخرا وظاهرا وباطنا وصلی الله علی خیر خلقه محمد واله وصحبه وسلم۔

۷۷-تفهیم:

رب العالمین کی ربوبیت اور تقدیر سے تکلیف کے انشقاق کی تحقیق

الحمدلله وسلام علی عباده الذین اصطفی امابعد. یہ تقدیر سے تکلیف کے انشقاق کی تحقیق اور انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے خصائل کے بیان، انبیا سے تشبہ رکھنے والے نفوس جو خلافت کا استحقاق رکھتے ہیں، کے انواع کے بیان، خلافت کے معنی اور شیخین وعلی مرتضی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے سلسلہ میں چند کلمات ہیں۔

جاننا چاہئے کہ نوع انسان کی نسبت سے رب العالمین کی ربوبیت کے شعبے ہیں۔

ایک نوع انسانی کی تکوین وتخلیق اور دوسرے انسان کے لئے تشریع، قانون سازی۔ اور اس ربوبیت کو ہم ایک نکتہ سے واضح کرتے ہیں کہ جب ہم کسی بیج یا گٹھلی کو زمین میں بوتے ہیں اور وہ اجزاء مائیہ، ارضیہ اور ہوائیہ اور جو اس کے لئے مناسب ہوتے ہیں کو خود جذب کرتا ہے تو وہ اجزا کے مادہ کے مناسب جامہ سے لباس شجری اختیار کرتا ہے۔ لامحالہ اس مادہ میں خود اپنی نوعیت کے اعتبار سے درجہ بہ درجہ تصرف کرتا ہے۔ اولا اس پر سبزہ طاری ہوتا ہے، پھر کچھ پتے آتے ہیں، اس کے بعد سبزہ کو تقویت عطا کرتے ہیں اور تنا درخت بن جاتا ہے اور شاخیں اور پتے ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد پھول اور پھل آتے ہیں جیسا کہ رب تبارک وتعالی نے فرمایا **كزرع اخرج شطأه فازره فا ستغلظ فاستوى على سوقه** "گویا ایک کھیتی ہے، جس نے پہلے کونپل نکالی، پھر اس کو تقویت دی، پھر وہ گدرائی، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی (الفتح ۲۹)۔ اب اگر اپنی عقل رکھتے ہو تو صورت نوعیہ اور اس کے ان احکام کا جو بیج کے اندر داخل ہیں، سب کا ایک ایک کر کے تماشہ دیکھو۔ وہ درخت ان احکام اجمالی کے لئے جو اس کے اندر ہیں، بمنزلہ آئینہ کے ہے۔ اور وہ صورت نوعیہ بمنزلہ دیکھنے والے کے ہے، کہ اس کی صورت آئینہ کے اندر نظر آتی ہے۔ چنانچہ جاننا چاہئے کہ پتوں، پھولوں اور پھلوں اور ان کی شکلوں اور رنگوں اور ذائقوں کی کیت اور وہ خواص جن سے علم طب میں بحث کرتے ہیں، حرارت وبرودت وغیرہ، اور وہ خواص کہ جن سے نجار (بڑھئی) بحث کرتے ہیں۔ یعنی نرم اور سخت وغیرہ۔ مختلف قسم کے بہت سے خواص بالجملہ جن کے ذریعہ اس قسم کے درخت کو دوسرے درختوں سے امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ یہ تمام احکام اس کی صورت نوعیہ ہیں جو کہ بیج کے اندر پوشیدہ اور شامل ہوتے ہیں۔ وہ اس مادہ میں واضح اور ظاہر ہوتے ہیں

گر تامل قفص بیضۂ طاؤس شود
درشبستان عدم نیز چراغانی ہست

"مور کے انڈے کی ساخت کے بارے میں غور کیا جائے کہ شبستان عدم میں بھی ایک چراغاں اور حسن ہے۔"

اور بیج اور درخت کی طرح ہی منی اور حیض کے خون کو قیاس کرو کہ جو مادے چوپایوں کے رحم میں جمع ہو کر جنین کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ اور اس کی نوع کے احکام کے دائرہ کو

مزید کشادہ کر کے دیکھو اور نفس کی حرکات کو جو ساعت بساعت قوت فعل سے صادر ہوتی ہیں، قوائے ادراکیہ اور قوائے عملیہ کے قبیل سے سب کا اس سے الحاق کر لو۔

انسان کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہے۔ البتہ اس کی نوع کے خاص ارتفاقات و انتظامات اور مجازات نفسانیہ اور سعادت وشقاوت نوعیہ وغیرہ کے لحاظ سے اس پر زیادتی ہوتی ہے۔ اس طرح اس نوع کے تمام احکام ہیں جو افراد میں دکھائی دیتے ہیں۔ جب تم اس حد تک سمجھ گئے تو نظر کو اور بلند کرو اور دیکھو کہ نوع موجد حقیقی کی تاثیر کے لئے ایک قالب اور ایک خصوصیت ہے، نہ کہ بذات خود موثر۔

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے برآ ہوئے چیں بستہ اند

"مشک افشانی تو تیری زلف کا کام ہے لیکن عاشق لوگ اپنی مصلحت کی وجہ سے آہوئے چین کے سر الزام تھوپتے ہیں۔"

اس لئے جس طرح ایک ماہر مصور پتھر کا ٹکڑا یا لکڑی لیتا ہے اور عظیم الشان تصویر اعضا کے تناسب کے ساتھ بناتا ہے۔ جب کہ فی الحقیقت اس صورت کا حسن ایک صنم اور خاص اس صورت کا نمونہ ہے، جو اس تصویر کو بنانے سے پہلے مصور کے ذہن میں پیدا ہوئی تھی، بلکہ خاص اس کلی اجمالی استعداد کا نمونہ ہے جو اس کے نفس کی قوت عملیہ میں ثابت ہے۔ اس لئے ہم اس مصور پر مکمل مہارت کا حکم لگاتے ہیں۔ اسی طرح واجب جل مجدہ کے سلسلہ میں نوع کے یہ تمام احکام اس کے علم میں پوشیدہ ہوتے ہیں بلکہ اس کی ذات کے اقتضا کے لحاظ سے اتنا فرق ہے کہ یہ احکام واجب تعالیٰ میں قہر غلبہ اور تاثیر کی صفت کے طور پر پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اور مخلوق میں مغلوبیت اور تاثر کے رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں۔

اب جب تم نے اس نکتہ کو بھی سمجھ لیا تو نظر کو مزید کشادہ کرو اور یہ سمجھ لو کہ واجب جل مجدہ میں اس کی نوع و احکام تفصیلیہ تمام اسی ترتیب کے ساتھ شامل ہوتے ہیں جو کہ اس کے علم میں اولاً تقاضہ کی صفت سے ظاہر ہوئی جس کو لوح محفوظ اور امام مبین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ سب خود اس کے علم کے ضمن میں اپنے تقاضہ کی صفت سے مقرون ہو کر عملی شکل میں سامنے آئی۔ دوسرے ملاء اعلیٰ کے ذہنوں میں جو کہ عرش تکوین کے حامل ہیں، نقش و تخیل کی صفت

سے، تیسرے اس کے بعد جب علویہ وسفلیہ کو اس کے ساتھ اس قدر کھینچا گیا کہ قضاء سے پہنچ گیا، اور قوت سے فعل میں آ گیا، انسان خارجی انسان کا مقدر ہو گیا۔ اور اس کے تمام احکام نمایاں ہو گئے اور بالفعل رب العالمین کی تربیت و پرورش انسان کی نوع اور اس کے خاص احکام کی نسبت سے ہو گئی۔

اور ربوبیت کے اس مرتبہ میں دو شعبے ہوئے۔ ایک ربوبیت ان احکام کے لحاظ سے کہ اس کے عصروں اور ادوار کے لئے احوال وافعال اور اخلاق مثلاً نطق، ضحک، جرأت وبزدلی، دانش مندی اور اس کے ضروری ارتفاقات اور اس کے اصول جو شہد کی مکھی اور چڑیا کو طبیعی الہامات کے رنگ میں کر دئے جاتے ہیں، تغیر اور تحویل نہیں ہے۔ اور ان احکام کے لحاظ سے جو ربوبیت کو عصروں اور ادوار (زمانوں) کے تغیر کے لحاظ سے متغیر اور متحول ہوتے ہیں اور ان احکام متغیرہ سے غرض انسان کی صورت نوعیہ سے مقرون ان ادوار اور عصروں کے حکم اور اس پر اصول کے اطلاق اور اس کی مناسبت سے جسموں کے لباس سے اس کی مشابہت ہے۔

اس نکتہ کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح صورت نوعیہ کے لحاظ سے درختوں کے لئے احکام ہیں کہ ان احکام سے ایک قسم کا اعتدال حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح ان درختوں کے لئے گرمی اور سردی کے موسم میں ایسے مختلف احکام ہیں کہ اس صورت نوعیہ کو فصل اور وقت کے احکام سے ملے ہوئے حاصل ہوتے ہیں۔ اور بالجملہ اس کے تغیر سے متغیر احوال واوضاع سے قرانات کلیہ میں، اور جو کچھ تجلی اعظم کے تشبہ کا موجب ہوتا ہے، اور جو کچھ اس ہیئت کا موجب ہوتا ہے، جو تشبہ کی ضد ہے، بالآخر تمام نقش ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بہت ساری حدیثوں میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور صورت نوعیہ کا حکم اس لحاظ سے ایک بار ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے شریعت میں شعبے ہو جاتے ہیں۔

اور یہ عالم تکلیف کی ابتدا ہے اور جو اس تکلیف کی بقا سے مشابہ ہوتا ہے اس کو عروق کی راہ سے ملاء اعلیٰ سے کھینچ لیا جاتا ہے۔ اور اس جگہ نیکی اور بدی کے سائے اور اس زمانہ کی شریعت خاصہ کی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس ندی کے درمیان جو کہ ملاء اعلیٰ کے اجبار ہمت اور تجلی اعظم کے درمیان واقع ہے، شریعتوں کی صورت میں عملی شکل اختیار کرتی ہے، اور اس صورت کی رضا و خفگی دونوں ضدوں سے تعلق رکھتی ہے۔

اس کے بعد بھی ربوبیت تشریعیہ تقاضا کرتی ہے کہ ایک ایسے شخص کو جو اپنی چند کامل جارح خصلتوں کا جامع ہو، بنائے اور عالم بشر میں اپنا نمونہ قرار دے۔

ان خصائل میں سے ایک تجلی اعظم سے اس کی حجر بخت سے مشابہت ہے۔ دوسری اس کی قوت خیالیہ کی ملاء اعلیٰ سے مشابہت ہے۔ اور یہ خصلت ملاء اعلیٰ سے علوم کی قبولیت کا سبب ہوتی ہے۔ تیسری ملاء اعلیٰ سے اس کی قوت عملیہ کی مشابہت ہے اور یہ خصلت اس کی عصمت اور طہارت کا سبب ہو جاتی ہے۔ اور اس کے گناہوں اور آلودگی سے مختلف قسموں سے اس کے اوپر صورت اعتدالیہ کی بقا صفت عدالت ہے۔ چوتھی انسان کے نفس کا سماجی ہونا ہے۔ یعنی اس کا نفس ناطقہ ایسی خاصیت رکھتا ہے کہ اس کا سایہ عالم خارج میں پڑتا ہے اور افراد انسان اس کے سبب سے خاص ترتیبی اور انتظامی سایہ اختیار کرتے ہیں۔ پانچویں اس کی ہر ہمت اور قصد میں ملاء اعلیٰ کی تائید تا کہ جو کچھ سوچا جائے ملاء اعلیٰ اس کی مناسبت کے واسطہ سے سوچیں۔ اور یہ خصلت خرق عادت ظہور کا سبب ہوتی ہے۔ اور چھٹی اس کے قوائے ثلثہ کا اعتدال یعنی اس کی قوت شہویہ باوجود سبوغ و وفور کے اس کے نفس سبعیہ کی مقہور و مغلوب ہو۔ اور اس کا نفس سبعیہ باوجود کمال شدت و غلیان اس کی قوت عقلیہ کا مغلوب و مقہور ہو۔ اور اس کی قوت عقلیہ باوجود صلابت اور گرانباری و مضبوطی ملاء اعلیٰ کی مغلوب ہو۔ ساتویں اعدا پر اس کی نصرت میں اس کا بخت مسعود اور احباب کے قلوب میں اس کی محبت کا الہام اور اس کی ملت و دولت کی زمانہ دراز تک بقا۔

جب یہ سات خصلتیں کسی شخص میں بکمال متحقق ہو جاتی ہیں، اس کی ربوبیت تشریعیہ خود جارحہ ہو جاتی ہے اور عالم بشر میں اپنا نمونہ بنا دیتی ہے اور اپنی بات اس کی زبان میں رکھ دیتی ہے اور اس کو اس مقام کا خبر دینے والا قرار دے دیتی ہے اور اس کی عزیز عزت سے اپنے معمولی کام سرانجام دیتی ہے۔

اور یہ نفس شریف قدسی، عالم بشر میں چند کام کرتا ہے۔ ایک یہ کہ بھلائی اور گناہ کے صول و اتفاق علوم اجمالیہ کلیہ حکمیہ کی اس طرح تفصیل بیان کرتا ہے کہ الہام کے مطابق افراد انسانی اجمال کو قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن اس کی شرح بر خلاف اصل علوم اجمالیہ رسوم باطلہ سے کر سکتے ہیں جیسا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام لم ابواہ

یھودانه اوینصرانه اویمجسانه "ہر بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔" چنانچہ پیغمبر، ان رسوم باطلہ کو منہ کے بل گرادیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ان ادوار اور عصروں کے تغیر سے جو اس عصر کا حصہ ہوتے ہیں تغیر اختیار کرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ بعض مجملات کی تفصیل کا اس طرح سبب ہوتے ہیں جیسے جب تک بادبان نہ ہو، ہوا کی قوت، کشتی کا مقابلہ نہیں کرتی۔ اسی طرح جب تک اس نفس کی گرانباری ومضبوطی نہ ہو، روح القدس کی تائید اور ملاء اعلی کی خوشنودی وخفگی حاصل نہیں ہوتی۔ بالجملہ اسی طرح جب اس نفس شریفہ قدسیہ سے جو کامل بالفعل ہے، یہ نوبت گذرتی ہے، نفوس مشتبہ کے نفوس کی تفتیش اس کام کو انجام دیتی ہے۔

انبیا سے مشابہت رکھنے والوں کی بہت سی قسمیں پیدا ہوتی ہیں۔ بعض کچھ خصائل جزئیہ کے لحاظ سے مشابہ ہوتے ہیں، اور بعض اکثر خصائل کلیہ کے لحاظ سے مشابہ ہوتے ہیں۔ اصل تشبہ ہر ولی، عالم، صالح اور بادشاہ عادل کو حاصل ہوتا ہے۔ لیکن ہماری بحث کلیات کے لحاظ سے تشبہ میں ہے۔ اور بالجملہ ممکن ہے کہ ایک شخص ان تمام خصائل میں پیغمبر سے مشابہ ہو لیکن درمیان میں اس قدر فرق ہو کہ نفس پیغمبر بغیر ریاضت بدنیہ ونفسانیہ اور بغیر توسط بشری اس مقام پر فائز ہو جائے اور اس شخص کا نفس، ریاضت کے واسطہ سے اور نفس پیغمبر سے فیض حاصل کر کے اس مقام پر پہنچے جس طرح عالم متبحر ایک ذکی و ذہین طالب عالم کی تربیت کرتا ہے۔ اور اس ذہین وذکی کا نفس اس عالم کی تربیت سے بیدار ہو جاتا ہے۔ اور وہ عالم متبحر ہو جاتا ہے اور علم کے اصول وفروع کا بغیر تقلید کے بصیرت سے احاطہ کر لیتا ہے۔ اسی طرح صوفی مرشد اپنے کسی مستعد تلمیذ کی جو کہ پہلے عام آدمی تھا تربیت کرتا ہے اور وہ فنا و بقا سے مشرف ہو جاتا ہے۔ اور جس طرح گھر میں سورج کی جانب کھڑکی کھولتے ہیں اور اس کے مدمقابل ایک آئینہ رکھ دیتے ہیں اور آئینہ کی روشنی زمین پر پڑتی ہے اور سورج کی روشنی آئینہ کے واسطہ سے گھر کے اندر حلول کرتی ہے۔ اگرچہ اس شخص کو اس کام کے لئے مقرر نہیں کرتے اور امت کی تربیت کے نام پر اس سے کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص اصل فطرت کے لحاظ سے انبیا کے ان خصائل میں قریب الحل ہو اور وہ امور جو در اصل پیغمبر کی بعثت سے مقصود الٰہی تھے۔ پیغمبر، ان امور کی بنیاد

رکھتا اور ان کی اصل بیان کرتا ہے۔اور ابھی کام پورا نہیں ہوتا کہ پیغمبر کی عمر پوری ہو جاتی ہے اور وہ ملاء اعلیٰ کو انتقال کر جاتا ہے، تب وہ شخص اس کے کام کو پورا کرتا ہے۔اور عنایت الٰہی کی ہوا، اس کے نفس کے بادبان سے ٹکراتی ہے، اور وہ اس کام کو علماً عملاً اور فتوحاً انجام دیتا ہے۔ حالانکہ اس شخص نے پیغمبر کی صحبت حاصل نہیں کی تھی اور اس سے علوم حاصل نہیں کئے تھے۔

اور اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے واما نرینک بعض الذی نعدھم اونتوفینک ''یا تو ہم تمہیں وہ دکھادیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا یا تمہیں اس سے پہلے ہی اٹھالیں گے۔'' (یونس ۴۶) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ھلک کسری فلاکسری بعد وھلک قیصر فلاقیصر بعد ''کسری ہلاک ہو گیا، اب اس کے بعد کوئی کسری نہ ہوگا اور قیصر ہلاک ہو گیا اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا۔'' اور فرمایا لتفتحن کنوز کسری ولنقسمنھا ''کسری کے خزانے کھول دیے جائیں گے اور ہم ان کو تقسیم کر لیں گے۔'' اور اپنے رب کے حوالہ سے فرمایا ان اللہ قدمقت عربھم وعجمھم وانما بعثتک لابتلیک بھم وابتلیھم بک ''اللہ ان کے عرب و عجم ہونے کو ناپسند کرتا ہے۔اور میں نے تمہیں صرف اس لئے مبعوث کیا ہے تاکہ تمہیں ان کے ذریعہ آزماؤں اور انہیں تمہارے ذریعہ آزماؤں۔'' (الحدیث) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان علینا جمعہ وقرآنہ ''اس کو یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے۔'' (القیمۃ ۱۷)

یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنی فطرت کے لحاظ سے پیغمبر سے اخذ کرنے کے قریب ہو اور علوم کو پیغمبر سے حاصل کرے اور امت کی سیاست ان کا نظم وضبط، حدود کا قائم کرنا، ان کے مقدمات کا فیصلہ کرنا، علوم کی تعلیم، امر بالمعروف نہی عن المنکر کا ملکہ اس سے حاصل کر لے اور پیغمبر کے بعد اس کی امت میں اس کا خلیفہ ہو جائے۔اگرچہ ان کاموں میں سے کچھ بھی باقی نہ رہا ہو۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب پیغمبر ان خصائل کے احاطہ کے بعد دعوت خلق کے کام میں متوجہ ہو اور اپنا کچھ رنگ خلق میں منتقل کر دے تو کوئی دوسرا شخص بھی اس کی موجودگی میں سورج سے آئینہ کی نورانیت کے مانند اس کا قلب مبارک اکتساب کر لے اور اس کے پیغمبر سے اجتماع کے سبب بنی آدم کی نورانیت بڑھ جائے جیسے چند آئینوں سے آفتاب کی روشنی کو گزاریں اور ان کے واسطہ سے زمین میں سورج کی روشنیوں کا عکس پڑنے لگا ایک عجیب حالت پیدا

ہو جائے جیسے ایک شعلہ تاریک گھر میں لے آئیں اور وہاں دیواروں میں آئینے نصب ہوں جن سے شعلہ کی روشنی کا عکس ظاہر ہو اور ایک دوسرے سے ٹکرا دے تو عجیب و غریب نیرنگی ظاہر ہو۔ حدیث میں اسی فضیلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ الحمدلله الذی ایدنی بهما ای بابی بکر و عمر ''تمام حمد و ثنا اللہ کے لئے ہیں جس نے ان دونوں یعنی ابوبکر اور عمر کے ذریعہ میری تائید فرمائی۔'' اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ ابوبکر اور عمر کان اور آنکھ کی مانند ہیں۔ بالجملہ افراد امت میں یہ خصلتیں فضل کلی رکھتی ہیں اور افضلیت انہی خصلتوں کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اور دیگر فضائل کو ان میں منفی اور مثبت کے لحاظ سے کوئی دخل نہیں ہے۔ اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ خلیفۂ پیغمبر حقیقت میں اس آواز کے مانند ہے جو بانسری بجانے والے کے منہ میں ہوتی ہے۔

او بجزنائے وما جزنے نیم
او دمے بے ماوما بے وے نیم

''وہ ہمارے بغیر گانے والا ہے اور ہم اس کے بغیر بانسری کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ وہ ہمارے بغیر ایک پھونک ہے اور ہم اس کے بغیر کچھ نہیں ہیں۔''

چنانچہ ارادہ الٰہی ہوتا ہے اور علم کا ظہور افراد انسان میں ہو جاتا ہے۔ اور ان کے مظالم رفع اور عالم مطیع و فرماں بردار ہو جاتا ہے۔ یہ مفہوم ارادہ کے بالکل خلاف نہیں ہے جیسا کہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین، انهم لهم المنصورون، وان جندنا لهم الغالبون ''اپنے بھیجے ہوئے بندوں سے ہم پہلے ہی وعدہ کر چکے ہیں کہ ان کی مدد کی جائے گی اور ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر رہے گا۔'' (الصّٰفّٰت ۱۷۱ تا ۱۷۳)

اور اس کی مثال ایسی ہے کہ بانسری بجانے والے کے دل میں ایک عزم پیدا ہوتا ہے کہ مقامات راست یا مثلاً عشاق کے لئے فلاں غزل کے ضمن میں گائے۔ اس کے بعد ایک رنگ اسی مقصد سے پیغامبر کے قوائے عقلیہ قلبیہ میں نزول کرتا ہے اور اس کے قویٰ میں اس مقصد کے لئے مناسب قرار پانے والے افعال میں جوش پیدا کرتا ہے اور پیغامبر اس رنگ کا تابع ہو کر ہر ممکن روش سے اس مقصود کی ہیئت میں مداخلت کرتا ہے۔ اور یہ اس کے مشابہ ہے

کہ بانسری بجانے والا ایک آواز اپنے گلے سے نکالتا ہے جو کہ اس نفس کا اجمال ہوتا ہے کہ جس کو انجام دیا جائے، خواہ آواز کو بلند کرنے کی غرض سے یا اس کی تحسین کی غرض سے۔ بانسری کو ہاتھ میں لیتا ہے اور اپنے منہ پر رکھتا ہے۔ اس کے بعد وہی ارادۂ الٰہی پیغامبر کی ہمت اس کی عزیمت، اس کی مداخلت سے اور اس کے سبب سے ایک شخص کے نفس میں جو اس کام کے لئے تیار ہوتا ہے عمل کرتا ہے، اور اس سے وہ افعال صادر ہوتے ہیں۔ اور یہ اس طرح ہے جیسے بانسری سے غمگین آواز نکلتی ہے۔ جب کہ وہ آواز سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔

یہی نبوت کی خلافت کے معنی ہیں اور قابلیت واستعداد سے قطع نظر یہ ایک فضیلت ہے۔ اگر فضیلت میں تمام مشترک ہوں اور فیصلہ الٰہی مصلحتوں کے اعتبار سے ان میں سے ایک تخصیص کا ہو کہ خدائے تعالیٰ اپنے علم میں منفرد ہے، تو یہ شخص امت میں سب سے افضل ہوگا۔ اور اس موقع پر پیغمبر کا مطلق نائب وجود بالفعل مطلوب ہے۔ نہ کہ وجود بالقوی اور انبیا کا تفاضل اس لحاظ سے امت کی کثرت سے واقع ہے۔ حدیث معراج میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی کثرت دیکھی تو رقت کے ساتھ فرمایا **بعث بعدی غلام یدخل الجنة من امته اکثر بمن یدخل من امتی** ''میرے بعد ایک شخص کو مبعوث کیا گیا جس کی امت کے لوگ میری امت کے مقابلہ میں زیادہ جنت میں داخل ہوں گے۔'' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **تزوجوا فانی مکاثر بکم الامم** ''نکاح کرو تا کہ میں تمہاری وجہ سے دوسری امتوں کے مقابلہ میں فخر کروں۔''

اگر اس فضیلت میں وجود بالفعل نہ ہوتا تو کثرت کیوں طلب کرتے؟ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت فی نفسہ وہ ہے جس کا بیان اوپر گزر چکا۔ پس اس جگہ وجود خارجی ارادۂ الٰہی کی شرح کرتا ہے۔ اور جتنا زیادہ کثرت سے فائدہ ہوگا نبوت کی خلافت محکم تر ہوگی۔

اور یہ فضیلت ایک ایسا امر ہے کہ جب تک عارف تحقق اور تخلیق کے لحاظ سے اس رنگ میں نہ رنگا جائے گا۔ اس کی باریکی کو نہیں جان پائے گا۔ اور تمام فضائل پر اس کے رجحان کو نہیں سمجھے گا۔ اور اس فقیر نے جب تک اس بستان کی روح نہ سونگھ لی، اس سے آشنا نہیں ہوا۔ اور یہ فضیلت اپنی حقیقت کے لحاظ سے کسی استعداد سے مشروط نہیں ہے

تو چوں ساقی شوی در وے تنگ ظرفی نمی ماند

بقدر بحر باشد وسعت آغوش ساحلہا

"تم جب ساقی ہو گئے تو اس میں ظرف کا چھوٹا پن نہیں رہا، ساحلوں کی آغوش کی وسعت سمندر کے حساب سے ہوتی ہے۔"

لیکن اللہ کی سنت یہ جاری ہے کہ یہ فضیلت اس شخص کے سوا کسی کو نہیں دی جاتی جو جبلتا اور کسبا مختلف فضائل کا جامع ہوتا ہے۔ مدت تک رحمت الٰہی جس پیغامبر کی طرف متوجہ رہی ہے، اس پیغامبر کے ضمن میں اس شخص نے بھی اپنا کام کیا ہو اور اخلاق کاملہ کا حامل ہو اور علوم پیغامبر کو بوجہ کامل اس نے اخذ کیا ہو۔ ان شرائط کی شرطیت اس لحاظ سے اٹھ جاتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب ہم نے حظیرۃ القدس میں جو کہ افضل ترین لوگوں کی ہمتوں کو جمع کرنے والا ہے، غور و خوض کیا تو شیخین اور مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی ارواح کا پتہ چلا اور ان کے کمالات جدا جدا ہماری سمجھ میں آئے۔ ہم نے انتہائی روشنی میں شیخین کی روحوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بمنزلہ شعلہ پایا۔ کہ آئینے گھوم رہے ہیں اور روشنیوں کے ایک دوسرے پر عکس کے سبب وہ روشنی دوبالا ہو گئی ہے جو نور زمین پر پھیلا ہوتا ہے۔ وہ سب ایک ہی کشتی نظر آتا ہے۔ شعلہ کی شعاع کا اس پھیلے ہوئے نور کے درمیان آئینوں کی شعاع سے تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح شیخین کی ارواح کی شعاعیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شعاعوں کے ساتھ یکساں ہو گئی ہیں اور باہم گھل مل گئی ہیں۔ اب شیخین کی ارواح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے جدا کر کے نہیں پہچانا جا سکتا۔

رق الزجاج ورقت الخمر
فتشابها وتشاكل الامر

"شیشہ پتلا ہو گیا اور شراب پتلی ہو گئی، دونوں ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے معاملہ متشابہ کا ہو گیا اور معاملہ کو سمجھنا مشکل ہو گیا۔"

فكانها خمر ولا قدح
وكانها قدح ولا خمر

"گویا کہ شراب ہے اور پیالہ نہیں ہے اور گویا کہ پیالہ ہے شراب نہیں ہے۔"

ہم نے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روح کو آنحضرتؐ کے تعلق سے بمنزلہ چاند کی روشنی

کے پایا جو کہ سورج کے مقابلہ میں واقع ہے اور اس سے نورانیت کسب کر کے خود دوسری صورت اختیار کر کے اپنے جمال سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روح جو ولایت کا راستہ کھولنے والی ہے، آنحضرت کی روح میں داخل ہو کر اس میں شامل ہوئی، جتنا اس کے لائق تھا پھیلی اور پھر بذات خود قائم ہوئی

آں بادۂ شعلہ گوں کہ دارد خورشید
در کاسۂ ماہ چوں رسد شیر شود

"وہ شعلہ گوں شراب جو خورشید میں ہے جب چاند کے جام میں پہنچتی ہے تو دودھ ہو جاتی ہے۔"

اسی کی شرح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب سے تجلی اعظم کے مرتبوں میں سے ایک مرتبہ جو کہ ملاء اعلیٰ کی ہمتوں کے رنگ میں رنگین تھا، ختم ہو گیا۔ اور دوسرا مرتبہ جو عالم مثال کے رنگ میں واقع ہے، پیدا ہو گیا۔ پہلی راہ نبوت کی راہ تھی اور یہ دوسری ولایت کی راہ ہے۔ پس شیخین رضی اللہ عنہما کے ایام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ایام ہیں اور مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ایام دورۂ ولایت کے ایام ہیں۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ میں فنا اور عکس کے اعتبار سے ہم نے زیادہ شعاعیں پائیں۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق کے بارے میں فرمایا **لو کنت متخذا خليلا غير ربي لاتخذت ابا بكر خليلا** "اگر میں اپنے رب کے علاوہ کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر ہی کو خلیل بناتا۔" یہ اسی فنا اور عکس کی طرف اشارہ ہے۔

اور حضرت فاروق میں تشبہ کا زیادہ تر ادراک ہم نے آپ کے دست مبارک پر کام کی تکمیل کے مطلوب ہونے اور حظیرۃ القدس کی تائید کے اعتبار سے کیا۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لو كان بعدي نبي لكان عمر** "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔"

اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں ہم نے قوائے ثلٰثہ کے اعتدال اور ان میں بعض کے بعض کے ساتھ انتظام کے اعتبار سے زیادہ تر دیکھا۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **هو مني وانا منه** "وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔"

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تب فیض خاص محل خاص میں نازل فرماتا ہے اور یہ حکمت

کے قبضہ میں لازمی ہے۔ اس لئے کہ عنصری ہیئتیں اور فلکی ہیئتیں اس فیض کی اس میں تخصیص کرتی ہیں تا کہ مقتضائے حکمت باطل نہ ہو۔ چنانچہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے فیض نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا تو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک اس فیض خاص کے لئے جہت عنصر سے تیار تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت حاصل ہوگئی۔

اور اسی طرح اگر استعداد فلکی بعض میں پائی جاتی ہے تو لامحالہ اس شرکت کی جہت سے بعض فیوض ظاہرہ میں شرکت حاصل ہوگی۔ جیسا کہ تاریخ کی کتابوں میں پایا جاتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی کا طالع زائچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طالع زائچہ سے کواکب سیارہ کے مواضع، ان کے مناظرات، قران علوی، اور شمس و مریخ وغیرہ کی سعودیت کی جہت سے مکمل مشابہت تھی۔ چنانچہ سلطان محمود سے فتوح اور مجاہدات عظیمہ ظہور میں آئے۔ علی ھذاالقیاس. وجدان کے طریقہ سے معلوم ہوا کہ حضرت مرتضی رضی اللہ عنہ کی استعداد عنصری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی استعداد عنصری سے مشابہ تھی اور اسی جہت سے ایک قسم کا قرب حضرت مرتضی کو حاصل ہوا۔ اور یہ معنی قرابت قریبہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتا لیکن یہ فضیلت جزئیہ ہے جو مقامات ولایت سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ من حیث النبوۃ انبیا کے ساتھ تشبہ کے باب سے۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی پر شیخین رضی اللہ عنہم کی فضیلت کے راز کے بارے میں روحانی سوال کیا حالانکہ وہ نسباً ان سے اشرف، حکماً ان سے بہتر فیصلے کرنے والے، اعضا کے لحاظ سے ان سے زیادہ شجیع و بہادر ہیں اور صوفیا بھی اپنی آخری نسبت انہی سے قائم کرتے ہیں۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے میرے قلب پر یہ فیضان ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو جہت ہیں، جہت ظاہر اور جہت باطن۔ وجہ ظاہر لوگوں میں عدل کے قیام، ان کی تالیف اور ظاہر شریعت کی طرف ان کی رہنمائی ہے۔ اور شیخین اس میں آپ کے لئے بمنزلہ جوارح کے ہیں۔ اور جہت باطن مرتبہ فنا و بقا اور آپ کے علوم مرویہ کی طرف ہے اور ان سب کا تتبع وجہ ظاہر سے ہوتا ہے۔ اور اسی کے ساتھ ہماری جو مراد تھی وہ پوری ہوگئی۔ والحمدللہ تعالیٰ اولا وآخرا وظاھرا وباطنا.

۷۸-تفہیم:

سعادت اخرویہ کی تحقیق

الحمدللہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات و علی فضلہ المعول فی جمیع الحالات وصلی اللہ علی سیدالبشر شفیع الناس فی المحشر وعلی الہ و صحبہ وسلم. امابعد. یہ سعادت اخرویہ کی تحقیق کے سلسلہ میں چند کلمات ہیں۔ جاننا چاہئے کہ سعادت اخرویہ کی تحقیق تین مقدمات پر موقوف ہے۔ حقیقت روح، اس کی علت اورانیت مجازات۔

چنانچہ روح ایسی چیز سے عبارت ہے کہ اس کا جسم سے ملنا جسم کی زندگی اور اس جسم میں حرکت بالا رادہ اور حس کے ظہور کا سبب ہوتا ہے۔ اور اس کا جسم سے جدا ہونا جسم کی موت اور اس جسم سے حس و حرکت بالا رادہ کے زوال کا سبب ہوتا ہے۔ اور جب ہم اس روح میں غور وخوض کرتے ہیں تو تہہ بر تہہ تین جز پاتے ہیں۔

ایک نسمہ ہے اور وہ بخار لطیف ہے جو خلاصۂ دم سے قلب میں پیدا ہوتا ہے، اور عمل قوی دکھاتا ہے، اور تمام اعضا میں سرایت کرتا ہے اور اس میں تغلیظ (گاڑھے پن) ترقیق (پتلے پن) تصفیہ، تکدیر (گندہ ہونا) تقلیل (کم ہونا) اور تکثیر (زیادہ ہونا) کی جہت سے طب کی تدبیر کا تصرف جاری ہے۔ اور ان حالات میں سے ہر ایک کا اس میں مبتلا شخص کے اخلاق واوضاع پر اثر پڑتا ہے۔ اور یہ روح کے جسم میں جذب ہونے، جسم سے اس کے تعلق اور روح کے اخلاق ظلمانیہ، شہویہ وسبعیہ میں گرفتار ہونے کا سبب ہے۔

دوسرے نفس ناطقہ ہے اور اس کی حقیقت نفس کلیہ مدبرہ کا مافی الکون کے لئے خاص مرتبہ میں تنزل ہے کہ اس مرتبہ کی شرط کے ساتھ اس جسم میں نظام انسانی تقاضہ کرتا ہے اور یہ جز و نفس کلیہ میں جذب اور معیت وہم آہنگی کی راہ میں کشادہ ہونے اور حقیقت جامعہ سے دور ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ تیسرے روح سماوی اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ عنایت اولی میں وہ صورت انسانی بنتی ہے جو کہ انسان کے ہر فرد پر منطبق ہوجاتی ہے کہ اس پر قیاس کرتے ہیں۔ اور نفس عرش کہ شریعتوں میں ذکر اس سے عبارت ہے یہ صورت کو قبول کرتا ہے۔ اور اس طرح

اس کی پیروی میں تمام نفوس افلاک صورت کو قبول کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ عالم ساوی میں قائم ایک صورت اس طرح متعلق ہو جاتی ہے گویا کوئی قائم نہیں ہے۔ اس طرح بہت سارے چراغ حاضر کرتے ہیں اور سب کی روشنی داخل ہوتی ہے۔ اور ہر روشنی کی اسناد ایک خاص چراغ کے ساتھ شکل اختیار کرتی ہے۔ جو کچھ عالم ناسوت میں موجود ہے اس کے وجود میں آنے سے پہلے اس مقام پر شکل اختیار کرتا ہے اور اس کو کتاب کی شریعتوں میں محو و اثبات کہتے ہیں۔ چنانچہ مدتوں کے بعد بعض اوضاع فلکی اس کے مقتضی ہوئے کہ انسان کلی کی صورت کی تفسیر ان افراد سے کی جائے جو اوضاع فلکی اور استعداد ارضیہ اس دور میں اس کا تقاضہ کریں پھر ایسی شکل اختیار کرتا ہے کہ اگر اس وضع اور اس استعداد میں انسان پیدا ہوتا ہے تو یہ نفس چاہتا ہے اور اگر اس وضع اور اس استعداد میں موجود ہوتا ہے تو وہ نفس چاہتا ہے۔ اور جو کچھ حضرت آدم علیہ السلام پر ظاہر ہوا وہ اسی کتاب کا نسخہ تھا۔

اور بالجملہ ہر انسان کے مقابلہ میں حظیرۃ القدس میں جو کہ عالم مثال میں تجلی الٰہی سے عبارت ہے اور اس کے گرد ملاء اعلی کے نفوس مکمل بشر میں اس طرح جذب ہیں جیسے لوہے کی کشش مقناطیس کی طرف ہوتی ہے۔ ایک صورت ہے جیسے معمار کے ذہن میں گھر کی شکل، جیسی وہ تعمیر کرنا چاہتا ہے، قائم ہوتی ہے۔ اور یہ صورت انسان پر سر بہ سر ہو بہو منطبق ہوتی ہے اور ایک اعتبار سے یہ کہنا کہ وہ جیسی ہونی چاہئے ویسی ہی ہے، صحیح ہے۔ اور جب روح انسان کے جسم میں پھونکی جاتی ہے، وہ ان میں سے کوئی ایک صورت اختیار کر لیتا ہے، اور لطافت کے حکم سے نفس ناطقہ اور روح ساوی کا حظیرۃ القدس میں حضور ہر فرد میں حظیرۃ القدس کی طرف ایک جذب اور کشش مجہول ہے۔ جانیں یا نہ جانیں۔ اور اس کی سعادت حظیرۃ القدس کی طرف میلان ہے اور اس سے مناسبت پیدا کرنا اور اس کی شقاوت حظیرۃ القدس سے داخلا اور زمین کی طرف اعراض ہے اور حظیرۃ القدس کی طرف پشت کرنا ہے۔

اور بالجملہ اس قدر جاننا چاہئے کہ آدمی کی روح بمنزلہ کمان ہے کہ اس میں جانور کا سینگ اور لکڑی دونوں پنہاں ہوتے ہیں اور مضبوط و محکم ہوتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے سے اس طرح پیوست ہوتے ہیں کہ ایک کی حرکت سے دوسرا متحرک ہو جاتا ہے۔ البتہ حکیم نکتہ شناس جانتا ہے کہ آگ سے نرم ہونا سینگ کا کام ہے اور کمان کو کھینچنے کے وقت شدت اور

ممانعت لکڑی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یا بمنزلہ سیماب ہوتی ہے کہ اس میں پانی اور نقرہ دونوں کے اجزا جمع ہوتے ہیں تاہم حکیم نکتہ شناس جانتا ہے کہ اس کا سیلان، بہاؤ پانی کی وجہ سے اور بھاری پن چاندی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اور موت حقیقت میں نسمہ کے تعلق کا جسم سے منقطع ہو جانا ہے۔ کہ حیات اس وقت تک ہے جب تک ہر لحہ خلاصۂ دم جگر سے قلب کی طرف بلند ہوتا رہتا ہے اور روح طبعی پیدا ہوتی ہے اور اعضا میں سرایت کرتی ہے۔ اور اس کا ایک حصہ تحلیل ہو جاتا ہے اور دوسرا آ جاتا ہے

یکے میرود دیگر آید بجائے

''ایک چلا جاتا ہے اور دوسرا اس کی جگہ آ جاتا ہے۔''

جب موت نسمہ اور بدن کے درمیان حائل ہوتی ہے تو وہ مدد منقطع ہو کر جو کچھ قلب میں تھا نفس ناطقہ کی سواری ہو جاتی ہے۔

اس موقع پر یہ جاننا چاہئے کہ تعلق منقطع ہونے کے وقت اگر قلب اور تمام اعضا روح طبعی سے بھرے ہوتے ہیں تو نفس ناطقہ کا نسمہ سے گھنا قوی تر ہوتا ہے اور قوائے نسمہ واضح تر ہوتے ہیں۔ اور اگر بھرے ہوئے نہ ہوں جیسا کہ امراض مزمنہ محللہ میں محسوس کرتے ہیں تو طبیعت کلیہ نہیں گزارتی ہے کہ اس میں سے تھوڑا سا جو کہ نفس ناطقہ کی سواری ہو سکتی ہے، باطل ہو جاتی ہے۔ اور اسی کی طرح یہ کہ ہوا کے عنصر کی ایک طبیعت ہے کہ جب تک مقدار معین کثافت اور کھوکھلے پن کی گنجائش رہتی ہے اور جب اس مقدار سے زیادتی گزرتی ہے تو کھوکھلے پن اور کثافت کے لئے گنجائش نہیں رہتی۔ چنانچہ اگر شیشہ میں ہوا پھونکی جائے تو کثافت کو قبول کرتی ہے، حتیٰ کہ کثافت کے لئے گنجائش نہیں رہتی۔ اس لئے شیشہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اس راستہ سے ہوا نکل جاتی ہے۔ یا نفخ کو پھونکنے والے کا منہ رد کر دیتا ہے۔ اور اگر شیشہ سے ہوا کو چوس لیتے ہیں تو خالی پن کو اس حد تک قبول کرتا ہے کہ دوسرا کوئی امکان نہیں رہتا۔ اس وقت شیشہ اندر کی طرف پچک جاتا ہے اور ٹوٹ بھی جاتا ہے۔ یا ہوا کو چوسنے کی ممانعت ظاہر ہوتی ہے، ورنہ خلا کا وجود لازم آتا ہے۔ اور طبیعت کلیہ بھرنے کا تقاضہ کرتی ہے اور اسی طرح شیشہ ٹوٹنے کے قریب ہو جاتا ہے۔ نفخ یا ہوا کا شدت سے چوسنا ایک طبعی امر ہے۔ اسی طرح نسمہ سے بقائے جزوی جو نفس ناطقہ کی سواری ہوتی ہے، ایک طبعی امر ہے۔

اگر فرض کریں کہ نسمہ کے خالی ہونے کے ہزار سبب موجود ہیں تو اس تقاضاءِ طبعی کے سبب ان اسباب کی اس سے حد معین ہے۔ لامحالہ دست کوتاہ کر لیتے ہیں۔

بالجملہ جب نفس ناطقہ کی سواری جدا ہو جاتی ہے اور بدن میں اس کا تصرف منقطع ہو جاتا ہے تو صورت نباتی کے احکام پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔ اور معدنیاتی قسم کی ایک چیز ظہور میں آتی ہے۔ اس طرح کہ درخت اپنی جگہ سے اکھڑ جاتا ہے اور وہ جسم اس صورت میں مدت تک رہتا ہے۔ اس جگہ سے غذا کا حصول اور نشو و نما پانا بند ہو جاتا ہے۔ اور وہ معدن کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کا جسم نسمہ کے جدا ہونے کے بعد معدن کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اور جو نسمہ نفس ناطقہ کی سواری ہے، وہ بھی معدن کے مشابہ ہو جاتا ہے اور یہ ممکن ہوتا ہے کہ طبیعت کلیہ اس کی تحلیل کے قریب بعض حوادث کے سبب ہوا کے عنصر سے بھیجتی ہے، جیسا کہ اجسام ملائکہ سفلیہ میں ہوتا ہے۔ ان کا ایک جسم ہوتا ہے جو لطائف عناصر سے پیدا ہوتا ہے۔ اور کیڑوں کے مزاج کے مشابہ ایک مزاج ہوتا ہے۔ جب عناصر کے اجزائے کثیفہ متعفن ہو جاتے ہیں اور ان میں اجزاءِ حیاتی کا فیضان ہو جاتا ہے، تو کیڑوں کی اخلاط کے تعفن سے مشابہ ایک تعفن ہوتا ہے، پس اگر اجسام ملائکہ میں بعض حوادث کے سبب سے تحلیل پیدا ہوتی ہے تو اس کی جگہ طبیعت کلیہ، لطائف عناصر سے مدد بھیجتی ہے۔ اور وہ وجود اور فساد کے نزدیک ہوتی ہے، نہ کہ غذا اور نمو حاصل کرنے کے نزدیک۔

اور ہم جو کہتے ہیں کہ اس بات کی ایک حد معین ہے کہ امتلا نفس ناطقہ کو قبول کرے۔ اس کی مراد یہ ہے کہ نسمہ کے چند اجزا جو قوائے ادراکیہ اور قوائے نفس بہیمیہ کو اٹھاتے ہیں، اپنی جگہ رہ جاتے ہیں۔ اس حالت میں طبیعت کلیہ کے حکم سے خود بخود حس مشترک سمع و بصر کا کام کرتی ہے اور کلام و افادہ اور استفادہ قوائے قلبیہ کی مدد سے قوائے ادراکیہ اس طرح دکھاتے ہیں کہ ملائکہ بھی اس کی طرح کرتے ہیں۔

اور بالجملہ ملائکہ اور ارواح مفارقہ ایک معدنی رُخ سے مشابہت رکھتے ہیں اور وہ رخ ضبط و حفظ نفس ہے۔ جسم خود کو بغیر غذا اور نمو کے حصول رکھتا ہے۔ اور ایک دوسرا رُخ حیوان ہے۔ اور وہ رخ نسمہ کا اپنے قوی کے ساتھ جمع ہونا ہے۔

دراصل مجازاۃ، حیوان میں بلکہ نباتات میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ

ایک چیز کے افعال میں سے ایک فعل حالت کی ترتیب کا سبب ہو جاتی ہے کہ نظام کلی کے حکم میں اس سے لذت پاتی ہے یا رنجیدہ ہوتی ہے۔ مثلاً حیوان عادت سے زیادہ چارہ کھالیتا ہے اور بدہضمی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یا سم کے درخت سے کھالیتا ہے اور سخت درد میں مبتلا ہو جاتا ہے یا درخت طبیعت سے زیادہ رطوبت جذب کر لیتا ہے تو پھلوں کے فساد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وعلی هذا القياس.

اور چونکہ انسان کو تمام نفوس سے زیادہ ذکی اور لطیف نفس دیا گیا ہے۔ لامحالہ اس کے مجازد و قسم میں منقسم ہوتے ہیں۔ اول وہ افعال کہ جو بدن سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً امتلا کے بعد بدہضمی کا لاحق ہونا یا زنجبیل کو کھانے کے بعد حرارت کا عارض ہونا۔ اور اس قسم میں فعل کا صدور شرط مجازاۃ کے اختیار میں نہیں ہے۔ کہ خواہ زہر کو زبردستی یا غلطی سے کھلایا جائے ہر حال میں مر جائے گا۔ بخلاف قسم ثانی کے اس جگہ جب تک بندہ کا ارادہ واختیار مطلوب نہ ہوگا۔ نفس ناطقہ اپنے فعل کے رنگ کو اپنے اندر نہیں کھینچے گا۔ اور جزا کی سیئت منعقد نہ ہوگی۔ اور ایک قسم اپنے نفس کا تعلق رکھتی ہے اور حقیقت مجازاۃ متعلقہ اس کے نفس سے ہے کہ اس کے نفس کے تین جز ہیں اور ہر جز کا ایک قبلہ ہے کہ اس میں جذب ہوتا ہے اور ایک چیز ہے کہ اس کی خواہاں ہے جب اس جگہ پہنچتی ہے تو ساکن ہو جاتی ہے۔ اور جب مناسب صفات اس جگہ کسب کرتی ہیں تو لذت حاصل کرتی ہے۔ اور اگر اس جگہ نہیں پہنچتی اور اس جگہ صفات مباینہ اکتساب کرتی ہیں تو رنجیدہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ نسمہ قوائے شہویہ، بہیمیہ، ادراکیہ کو جذب کرنے والا ہے۔ اور روح سماوی حظیرۃ القدس، ملاء اعلیٰ کو جذب کرنیوالی ہے اور نفس ناطقہ حقیقت میں جامعہ کی طرف، جذب کرنے والا اور چھڑانے کی طرف متوجہ ہے اور ہر ایک کی سعادت خود وجدان میں ملائم ہے اور اس کی شقاوت وجدان منافر ہے اور یہ کشاکش زندگی کے حال میں بھی ہے۔ جہاں تک مغمور (ڈوبے ہوئے) غیر ظاہر کا تعلق ہے۔ وہ اذکیا کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور موت کی حالت میں نسمہ بدن کو الوداع کہہ دیتا ہے اور آلات بدنیہ کو دورہ دکھا دیتا ہے اور اس کی مدد کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور رقیق اور ضعیف ہو جاتا ہے اور قوائے شہویہ، سبعیہ وادراکیہ سب ضعیف ہو جاتے ہیں۔ اور روح سماوی کا حکم غالب آ جاتا ہے۔ اور جذب وکشش حظیرۃ القدس کی جانب ہو جاتی ہے۔ اور دوسری آنکھ کھل جاتی ہے۔ لقد كنت في

غفلة من هذا فكشفنا عنك غطاءك فبصرك اليوم حديد ''اس چیز کی طرف سے تو غفلت میں تھا، ہم نے وہ پردہ ہٹا دیا جو تیرے آگے پڑا ہوا تھا، اور آج تیری نگاہ خوب تیز ہے۔'' (ق ۲۲)

اور اس حالت میں اگر یہ نسمہ، حظیرۃ القدس کی صفات ملائمہ ومناسبہ کسب کرتا ہے تو لذت بے کیف پاتا ہے۔ اور اگر ہم صفات منافرہ کا اکتساب دکھاتے ہیں تو روح سماوی کے ساتھ اپنی ترکیب اور اس کے ساتھ انعقاد کے سبب رنج وتکلیف اٹھاتا ہے۔

اور ہر شخص اپنے اوپر تجربہ کرتا ہے کہ مقام رویا میں ایک عالم سے اس پر علم گرتا ہے۔ چنانچہ اس علم بسیط کی صورتوں اور شکلوں کا پرتو عالم فوقانی سے ہے اور وہ صورتیں اور شکلیں نسمہ کے خزانہ سے۔ اور اپنے گمان کی جگہ میں انسان کے دل پر بلکہ چوپایوں کے دلوں پر بھی الہام ہوتی ہیں۔ اور درحقیقت رویا بھی کیفیت ہے کہ دل پر گزرتی ہے اور حواس کے تعطل کے سبب حس مشترک ومتصرفہ اس کی طرف متوجہ ہوتی ہیں اور اس کو مناسب خلعت پہناتی ہیں۔ اور بیداری کی حالت میں جب حواس اپنے کلام میں مشغول ہوتے ہیں، اس کو صورت وہمیہ کے سوا کچھ میسر نہیں آتا۔

اور اگر تم اس کیفیت پر جو لوگوں کے دلوں پر گزرتی ہے، غور کرو گے تو پاؤ گے کہ بعض کواکب کی طبیعتیں اور ان کے بعض خیالات جو عالم مثال سے عبارت ہیں، گرتے ہیں۔ اور بعض دوسرے ملائکہ علویہ سفلیہ سے عقلا ونقلا ثابت ہے کہ ان سے لوگوں کے دلوں پر آثار کا فیضان ہوتا ہے۔ اگر عقل پیش دستی کرتی ہے تو وہ فیضان خاطر ہوتا ہے اور اگر دل سبقت کرتا ہے تو وہ فیضان حال ہوتا ہے اور بعض دوسرے شیاطین سے اور بعض طبیعتوں سے جیسا کہ اس کی تفصیل، رویا کی اقسام میں بیان ہو چکی۔

اور بالجملہ ہر مقدمہ جو فیضان کرتا ہے۔ اگر اس کے اندر اس کی استعداد ہے جس کا تقاضہ کیا گیا ہے تو جب بدن ارضی کی کدورتوں کی روح الگ ہوتی ہے اور لامحالہ وہ مافوق کی کیفیتوں اور احوال سے ملاپ کی استعداد خود پیدا کر لیتی ہے۔ اور اس پر عالم مثال اور ملاء اعلیٰ سے علوم وخواطر نازل ہوتے ہیں۔ اور اپنے احوال اعمال اور اقوال کو روشن دیکھتی ہے، ایک قسم سے متنفر ہوتی ہے۔ جب کہ دوسری قسم سے لذت حاصل کرتی ہے۔ اور اس کے اکثر نفوس

کے لحاظ سے دفعات ودرجے ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ نسمہ کے اجزا اس قدر تحلیل ہو جاتے ہیں، اور نفس کی ذکاوت اس قدر ہو جاتی ہے۔ اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کو عذاب دینے اور نعمتوں سے نوازنے کے لئے ملائکہ کو اس طرح الہام کیا جاتا ہے کہ اس شخص کی تقدیر کے تقاضہ کے مطابق ملائکہ کو الہام ہوتا ہے اور یہ مصلحت کلیہ کے مقتضیات کا ایک شعبہ ہے اور یہ حالت موت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اس عالم میں بھی جزا وسزا کا یہ مقولہ واقع ہوتا ہے۔

عقل، شرع کے طبقات میں ادراک کرتی ہے کہ جزا وسزا کے چار مقام ہیں۔ ایک اس دنیا میں، اور اس کی دو قسمیں ہیں، ایک اس شخص کے نفس میں ملاء اعلیٰ سے نفرت کا ترشح، دوسرے ملائکہ کا الہام کہ اس کے انعام وآلام کے مقتضیات کو انجام دیں۔ اور یہ الہام بنی آدم کے نفوس یا چوپایوں یا ملائکہ سفلیہ کے نفوس میں قرار پاتا ہے۔ اور یہ جماعت اس کو انعام اور آلام پہنچاتی ہے اور یہ جزا وسزا اسباب سماویہ وارضیہ سے مخلوط ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر اسباب سماویہ وارضیہ اس کے انعام کے مقتضی ہوتے ہیں، اور فیصلہ مجازاۃ بھی انعام کا مقتضی ہوتا ہے، تو دوگنی نعمتیں دی جاتی ہیں، اور اگر مقتضی آلام کا ہے تو اس کے طبعی راستہ سے نعمت کم کر دی جاتی ہے، اور اگر اسباب سماویہ وارضیہ اس کو رنج وتکلیف پہنچانے کا تقاضہ کرتے ہیں تو اگر فیصلہ مجازاۃ بھی تکلیف والم پہنچانے کا مقتضی ہوتا ہے تو تکلیف دوگنی کر دی جاتی ہے۔ اگر مقتضی انعام کا ہے تو اس کی تکلیف کو کم کر دیا جاتا ہے یا تکلیف کے دوران گناہوں کی اس تکلیف کو روک کر انعام دیا جاتا ہے۔ یا اس شخص کے نفس کو فرحت عطا کر دی جاتی ہے۔ اور اگر اسباب سماویہ وارضیہ دونوں جانب سے ساکت ہوتے ہیں تو حق جزا وسزا مکمل کر دیا جاتا ہے۔ اور جب یہ شخص معاد کی طرف انتقال کرتا ہے تو گویا وہ امور سے فارغ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا بھی مطلب ہے سنفرغ لکم ایھا الثقلان ''اے زمین کے بوجھو! عنقریب ہم تم کو فارغ کر دیں گے۔'' (الرحمٰن ۳۱)

اور جب اس عالم سے انتقال کرتا ہے اور عالم برزخ میں جاتا ہے تو وہاں بھی جزا وسزا کے دو قسم کے فیصلے متحقق ہوتے ہیں۔ ایک جو کچھ اعمال دنیا میں کئے تھے، ان کی لذت وتکلیف کا ادراک ملکات حسنہ وسیئہ سے۔ اور اس شخص کو خوشی وشادمانی یا نفرت سے ملاء اعلیٰ کے گھیر لینے کا ادراک، خواہ یہ ادراک بے پردہ ہو جیسا کہ بیدار شخص اپنے اوپر طاری ہونے والی

کیفیتوں کا احساس کرتا ہے یا پس پردہ چند صورتیں۔ اور جسم اس کے خیال میں آ جاتے ہیں۔ جیسا کہ سونے والا اپنے غیظ و غضب کو درندہ کی شکل میں دیکھتا ہے۔ اور اپنے صفراوی مزاج کو آگ کی شکل میں دیکھتا ہے۔ اور اس کے شعلوں کا ادراک نہیں کرتا۔

اور دوسرے ان ملائکہ کو جو اس مقام پر موکل ہیں، انعام عطا کرنے یا رنج والم پہنچانے کا الہام کرتا۔ چنانچہ یہ ملائکہ خود کو انس و محبت کرنے والی یا وحشت زدہ کرنے والی صورت میں ظاہر کرتے ہیں۔ نرمی اور لطف کی یا تند و سخت باتیں کرتے ہیں۔ اور نعمت یا عذاب کی کیفیت ظاہر کرتے ہیں۔

اور جب اس مقام سے گزر جاتا ہے اور دوسرا عالم پیش آتا ہے جس کو شرع کی زبان میں یوم الحشر کہتے ہیں اور اس کی حقیقت وہ مقام ہے کہ اس میں نفوس ارضیہ بہت سے احکام فردیہ کو جو عناصر کے اختلاط اور مادہ تاریک کی جہت سے پیدا ہوتے ہیں، الٹ پلٹ کر دیتا ہے۔ اور یہ نفس بمنزلہ جسم شفاف صورت نوعیہ کی حکایت بیان کرتا ہے۔ اور صورت نوعیہ کے احکام ظہور اور غلبہ کے طریق سے اس طرح ظاہر ہوتے ہیں کہ افراد انسان میں صورت نوعیہ محسوسات میں تقاضہ کرتی ہے کہ دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں، دونوں آنکھیں اور دونوں کان پیدا ہوں لیکن کبھی استعداد مادہ کی کوئی رکاوٹ اس سے منع کرتی ہے اور جنین ناقص الخلقت اندھا، ہاتھ کٹا ہوا اور مخنث پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ سب مادہ کے قبیل سے ہوتا ہے نہ کہ صورت نوعیہ کے قبیل سے۔ اسی طرح امور منقولہ میں صورت نوعیہ کا تقاضہ یہ ہے کہ عقل سلیم اوہام کی آلودگی میں ملوث نہ ہو کر مبدأ فیض سے علوم حقہ کی قبولیت کی استعداد رکھے، اور صحیح خیال سے شے کو جو اپنی مناسب صورت میں عالم مثال کی شکل کے طبق پر ہے، ظاہر کرے۔ چنانچہ احکام فردیہ مغلوب اور احکام نوعیہ غالب آ جاتے ہیں۔ نوع کے تمام مقتضیات عقل و خیال میں انجام پاتے ہیں اور صورت فردیت احکام نوع کے ظہور کو قبول کرتی ہے۔ اور مکمل وجود سے اس کو اس طرح بیان کرتی ہے کہ افراد نوع میں ممکن نہیں ہوتا کہ اس سے بہتر نوع کے احکام ظاہر ہوں۔ فکشفنا عنک غطاء ک فبصرک الیوم حدید ”ہم نے وہ پردہ ہٹا دیا جو تیرے آگے پڑا ہوا تھا اور آج تیری نگاہ خوب تیز ہے۔“ (ق ۲۲)

چنانچہ اس مقام پر چند وقائع ظاہر ہوتے ہیں۔ میزان، حساب، تجلی الٰہی، حوض،

اعمال ناموں کا دائیں اور بائیں ہاتھوں میں دیا جانا۔ ہاتھوں اور پیروں کی شہادت، پل صراط سے گزرنا، چہروں کا سفید اور سیاہ ہونا اور رسولوں کی شفاعت۔

چنانچہ میزان اعمال حسنہ وسیئہ کی مقدار کی صورت کے ظہور اور دونوں قسم میں سے ہر ایک کی تاثیر کو اس شکل میں پہچاننا جس کا عالم مثال تقاضا کرتا ہے، عالم مثال کے درمیان ترازو کے دونوں پلڑوں وغیرہ سے۔ اور عالم شہادت اس معنی میں کہ اجسام خارجیہ قوائے مثالیہ اور ان کی مانند کی شکل قبول کرنے والے ہو جائیں۔ جیسا کہ جبرئیل نے ایک اعرابی کی صورت اختیار کر کے ایمان، اسلام، احسان اور قیامت کی شرائط کے بارے میں ہمارے پیغمبرؐ سے سوال کیا تھا۔ اور جس طرح حضرت داؤدؑ کے سامنے آپس میں لڑنے والوں کی شکل اختیار کر کے فرشتے آئے تھے۔ اور حساب اس شخص کی اطلاع سے عبارت ہے جس کے اعمال کے مساوی ومحاسن اس طرح ہوں کہ ان کے مترتب اجزا علوم غیبیہ کے اس شخص پر فیضان کے سبب سے واضح ہو جائیں۔

اور تجلی الٰہی، تجلی اعظم کے منزہ اور مقدس صورت میں اس طرح ظہور سے عبارت ہے کہ انسان کی صورت نوعیہ اس کی معرفت کی استعداد رکھے۔ اور چونکہ بعض الٰہیات کے ماہروں کو تجلی نوری متحقق ہو جاتی ہے لیکن اس جگہ اس تجلی کی استعداد رکھنے والا اس کی خصوصیت فردیہ ہو جاتی ہے۔ اور اس جگہ تجلی، صورت نوعیہ کلیہ کو چاہے گی۔ تجلی ہمیشہ نہیں ہوتی، سوائے اس کے کہ جس کے لئے تجلی کی جارہی ہے، اس کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے۔

اور حوض ہدایت ورشد کی صورت ہے جو کہ تجلی اعظم سے بہ نفس نفیس حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈالی گئی۔ اور وہاں سے پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قوی کے واسطہ سے عالم شہادت میں جاری ہوئی۔ اور حوض کے برتن ان ہدایات کے بقدر صورت ہیں جن کو افراد مسلمین نے قبول کیا ہے۔

اور اعمال نامے صورت نفس انسانیہ سے عبارت ہیں کہ عالم مثال میں، جس کی شرح ہم بیان کر چکے ہیں، ظاہر ہوتی ہے۔ اور سفید وسیاہ نقاط محاسن اعمال کو بیان کرتے ہیں۔ اور ان کے برے اعمال اس میں نقش ہوتے ہیں۔

اور ہاتھوں اور پاؤوں کی شہادت ان صورتوں کی دوسری نمائش ہے، اس نفس کے اس

صورت کے ساتھ من وجہ اتحاد کے اعتبار سے۔

اور صراط اس راستہ سے عبارت ہے جو فطرت سلیمہ انسانیہ کا مقتضی ہے کہ تمام شریعتوں میں اس کا بیان اور شرح ہوتے ہیں اور اس پر تیزی اور سستی سے چلنا اور دوزخ کی آنکھیں یا گرم سلاخیں سب اس فطرت سلیمہ کی موافقت اور اس سے منافرت ہے۔ اس امر سے کہ جو موافقت اور منافرت کو ہوتی ہے۔

اور سفیدی اور سیاہی وغیرہ نور نفسانی کے ظہور سے جو کہ اعمال حسنہ کے کسب سے ہوتا ہے اور ظلمت نفسانی جو اعمال سیئہ کے ارتکاب کے سبب حاصل ہوتی ہے، صورت ہیئۃ حسیہ کی ایک نمائش ہے۔ جو اس نور و ظلمت کے مشابہ ہوتی ہے۔ عالم مثال کے حکم کے بارے میں اس قدر جان لینا چاہئے کہ یہ سب کچھ عالم اجسام میں ہے لیکن اس طرح کہ قوائے مثالیہ غالب ہوں اور استعداد جسمی مغلوب۔ اسی طرح تمام اجسام اخرویہ یہی حکم رکھتے ہیں۔

اور شفاعت ایک خاص رحمت کے نزول سے عبارت ہے۔ جو نفوس بشریہ سے حضرات انبیا خصوصاً حضرت خاتم النبین صلوات اللہ علیہ وعلیہم اجمعین کے واسطہ سے گناہوں کو زائل کرنے والی ہوتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ دنیا میں کبھی ایک شخص کو ملاء اعلیٰ کی برکات حاصل ہو جاتی ہیں، اور جو گناہ اس کے دامن پر لگے ہیں، وہ متاثر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید اللہ نے اہل بدر سے کہہ دیا ہے کہ تم جو چاہے کرو، میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ اور اس مقام پر ملاء اعلیٰ کی نفرت اور ان کی رحمت سخت اور نرم خطابات سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور ملائکہ رحمت و عذاب ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اعمال کے مناسب ہولناک صورتیں اونٹ اور بیل وغیرہ کی اختیار کرتے ہیں، اپنے منہ سے کاٹتے ہیں، اپنے سینگوں سے مارتے ہیں اور اپنے پاؤں سے روندتے ہیں۔ اس طرح کہ اس جگہ ملائکہ سفلیہ وغیرہ کے نفوس پر ملاء اعلیٰ سے الہام ہوتے ہیں، اور اسی طرح جیسے ظہور کے مقامات میں ہوتا ہے، اس جگہ اجسام اخرویہ خیال کے مقام سے پہلے قوائے مثالیہ اثر پذیر ہوتے ہیں۔

اور جب اس مقام سے گزر جاتے ہیں تو دوسرا مقام پیش آ جاتا ہے۔ اور اس جگہ رحمت و غضب الٰہی صورت نوعیہ انسان کے مقتضیات کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ انسان کی صورت نوعیہ ایک بدن کا ایسا اور ایسا تقاضہ کرتی ہے اور بدن میں قوائے ادراکیہ و

طبعیہ شہویہ تقاضا کرتی ہیں۔ اور ہر قوت کی ایک لذت اور تکلیف ہوتی ہے۔ چنانچہ رحمت الٰہی ہر قوت کی لذت کی صورت میں اور غضب ہر قوت کے رنج والم کی شکل میں ظہور کرتی ہے۔ اور چونکہ رحمت وغضب اعمال واخلاق اور نفوس کی ہیئتوں سے متعلق ہوتے ہیں۔ ان میں لذتیں اور آلام، رحمت وغضب کے مراتب سے ہوتے ہیں۔ مثلاً مقربین کے کھانے، پینے اور رہنے کے عطایا ابرار کے عطایا سے بہتر ہوتے ہیں۔

مقربین کا عطیہ آب چشمہ تسنیم ہوتا ہے جو کہ لذات عقلیہ کی مثال ہے کہ مجردات کے ادراک سے حاصل ہوتا ہے۔

اور عطیہ ابرار وہ شراب ہے جس میں آب تسنیم کی آمیزش ہے۔ جو کہ لذت وہمیہ و خیالیہ کی مثال ہے کہ اس میں لذت عقلیہ کی روح تجلیات صوریہ کی مثال پر پھونک دی جاتی ہے جو کہ علوم مجردہ کی حکایت بیان کرتی ہے۔ اور ہر ہیئت حسی بجائے ہیئت عقلی بیٹھ جاتی ہے، اور اسی کی حکایت ظاہر ہوتی ہے، اور اس موقع پر واجب ہے کہ صورت نوعیہ کے تمام مقتضیات نکاح، کھانا، پینا، مجالس، دلکشائی اور راحت افزا خطابات ظاہر ہوں۔ اور انجیل میں جو مذکور ہوا ہے کہ معاد میں فقط لذت عقلیہ ہوگی، تو یہ مجازات جمی کا بیان ہے کہ تنہا برزخ کے مقام میں ان کے قوائے عقلیہ غالب تر ہیں۔ ورنہ جب خصوصیت فردیہ کا پردہ پوری شفافیت پیدا کر دیتا ہے تو لازم ہو جاتا ہے کہ اس سے تمام قوی جو بدن ارض میں صورت نوعیہ کے مقتضی ہوتے ہیں، تمام فرشتوں کے ساتھ مل جاتے ہیں اور قوائے طبعیہ سے چھڑانا اگرچہ ایک قسم کا کمال ہے۔ صورت نوعیہ کی جانب اقطع (ہتھ کٹا)، اعمی (اندھا) اور اسک (مخنث) کا حکم رکھتا ہے۔ اور یہ آخری شے ہے جو ہم نے ان اوراق میں پیش کی ہے۔ والحمدللہ تعالیٰ اولاً وآخراً۔

۷۹- تفہیم:

اس مسئلہ کی تحقیق جو مسائل خلق میں اصل الاصول ہے

مسائل خلق میں اصل الاصول یہ مسئلہ ہے کہ اس میں رایوں کا بہت زیادہ اختلاف ہے۔ البتہ جو کچھ کشف سے ثابت ہوا ہے ہم اس کو بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد مختلف آرا کی تطبیق کے طور پر خفیہ اشارے سے مطلع کریں گے۔

یہ مسئلہ دو قاعدوں پر مبنی ہے۔ پہلا قاعدہ قرع اور انبیق (لوکی اور بیر) میں ہے جب پانی ہوا ہو جاتا ہے اور پھر ہوا پانی ہو جاتی ہے۔ اور ہم قوی دانائی سے ادراک کرتے ہیں کہ ایک چیز باقی ہے اور جو چیز بر سبیل تبدل متوارد متغیر ہو گئی ہے۔ وہ عناصر اور موالید کا ہیولی باقی ہے۔ اور وہ چیز صورت نوعیہ کا متبدل ہے۔

منصور کا مذہب یہ ہے کہ یہ ہیولی وہی صورت جسمیہ ہے جو بذات خود قائم ہے یا اپنی ذات کی حد میں صورت ہے اور دونوں صورتوں کے اعتبار سے اس پر ہیولی ہے۔

اور یہ صورت جسمیہ خارج میں ہیولی اولی پر معتمد نہیں ہے جیسا کہ مشائین ثابت کرتے ہیں۔ البتہ عقل کہتی ہے کہ اس کی دو جہت ہیں، جہت فعلیت اور جہت قوت۔ دونوں جہتیں خارج میں ایک موجود سے نکلی ہوئی ہیں۔ رئیس مشائین نے جہت کے دو ہونے کو اس طرح بیان کیا ہے کہ خارج میں دو کے وجود کا وہم پیدا ہوتا ہے۔

اور ایسی صورت جسمیہ کے کچھ خواص ہیں ایک یہ کہ اس کا دایاں بائیں سے غیر اور فوق تحت سے غیر ہوتا ہے۔ مجبورا تقسیموں کا بے انتہا احتمال ہوتا ہے کہ مختلف صورتوں کا مقتضا نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ مشار الیہ یہاں اور وہاں ہو جاتا ہے۔ تیسری یہ کہ ہمیشہ متحرک ہوتا ہے یا ساکن۔ ان دونوں حالتوں سے خالی کبھی نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ بہت سی صورتوں کا جوہریہ و عرضیہ مورد ہے۔ اور ہر صورت کا ایک مقتضا ہوتا ہے۔ اگر اس میں وہ ایک صورت اور اس کا مقتضی موجود ہے تو سکون ہے اور اگر دوسری صورت اور اس کا مقتضی ظاہر ہوتا ہے تو حرکت ہے۔ اور یہ حرکت مقولات میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اور اسی میں کیفیت وغیرہ ہوتی ہے۔

چوتھے یہ کہ کبھی صورت نوعیہ سے جدا نہیں ہوتی۔ اس جسم کے تحقق سے پہلے سارا عالم فعل تھا اور سارا ایک حال پر ثابت تھا، اور مکان کے اشارہ سے تمام خالی صورت جسمیہ تھی۔ یہ بدعتیں درمیان میں آ گئیں۔

دوسرا قاعدہ مرجع خلق دو صفت ہیں کہ جس جمع و تفریق کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ وہ بعض اشیا کی تخلیق سے اور بعض اشیا کے فنا سے ہوتا ہے۔ جمع و تفریق وہ اجزا ہیں کہ حیوان یا نباتات کا بدن بھی بکھرتا ہے اور اس کی تالیف کی صورت منتشر ہو جاتی ہے اور خاک خاک ہو جاتی ہے، ہوا ہوا اور پانی پانی۔ اور الفت کا تعلق بھی ٹوٹ جاتا ہے اور پھر دوسری مخلوق میں

دوسری ترکیب سے آتا ہے۔ اور اس ترکیب کے آثار ہوجاتے ہیں۔ اور اسی طرح اور اسی طرح یہاں تک کہ دنیا ختم ہوجائے گی۔

اور یہ جمع وتفریق چھوٹے اجزا میں ہوتی ہے، اس طرح کہ نمو میں حیوانوں اور نباتات کو دیکھتے ہیں کہ ہر روز، ہر ساعت اور ہر آن سارے بدن میں اجزا منتشر ہوتے ہیں اور پھر تحلیل ہوجاتے ہیں۔

اس صورت میں کہ ڈول کی رسی پتھر سے بڑی قوت کے ساتھ ٹکراتی ہے۔ جس سے پتھر ایک انگشت کے برابر گھس جاتا ہے اس انگشت کو ہم بیس سال پر تقسیم کرتے ہیں تو لازما جو چیز گھسی ہے اس کی مقدار کو رب العزت کے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔ متکلم کہتا ہے کہ یہ تجزیہ اس مرتبہ پر منتہی ہوتا ہے جو کہ جزلا یتجزی ہے اور دیمقراطیس کہتا ہے کہ وہ تجزیہ بالفعل چھوٹے چھوٹے سخت اجسام پر منتہی ہوتا ہے کہ ان کو بھی نہیں توڑا جا سکتا۔ فقیر کے نزدیک دونوں اقوال کا ایک دوسرے پر انطباق ہے۔ جزلا یتجزی کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تقسیم نہ کاٹنے سے ممکن ہے نہ توڑنے سے، نہ وہم سے نہ فرض سے۔ اور خود کاٹنے اور توڑنے کی تقسیم کی انتہا میں اختلاف نہیں ہے۔ اب ہم وہمی اور فرضی تقسیم پر آتے ہیں۔ تقسیم وہمی کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ اس جز کی صورت کو ہم اپنے خیال میں نقل کریں اور اس کو دو قسموں میں تحلیل کریں۔ یہ وہمی تقسیم ایک حد پر منتہی ہوجاتی ہے، اس لئے کہ خیال ایک منتہی قوت ہے جو ایک جگہ جاکر منقطع ہوجاتی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ دو ہونے کا ادراک وہم میں اس طرح کیا جائے کہ اس کی ایک جانب فوق ہے اور ایک جانب تحت۔ اور یہ کسی جگہ منقطع نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ صورت جسمیہ کے خواص سے یہ ہے کہ دو ہونا اس کے اجزا میں واقع ہو۔

اور اسی طرح تقسیم فرضی کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ اس کے معیار معین کا ادراک عدد اور کم متصل میں کرتے ہیں۔ مثلا ایک ذراع (ہاتھ) کے ہزار جز ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم مجرد دو ہونے کو پہچانتے ہیں اور منحوت (کھرچے ہوئے) عدد اور کم متصل کے معیار کی تعیین پر قادر نہیں ہیں۔ جیسا کہ ہم نے سخت پتھر کے گھسنے کی صورت میں بیان کیا ہے۔

چنانچہ متکلم نے تقسیم وہمی وفرضی کو معنی اول میں لیا۔ اور کہا کہ جزءلا یتجزی وہمی وفرضی تقسیم کے قابل نہیں ہے۔ اس طرح اس نے صحیح کہا ہے اور فلسفی نے وہمی وفرضی تقسیم کو

دوسرے معنی میں لیا ہے۔ اور کہا ہے کہ جو کچھ یہاں اور وہاں کے اشارہ میں آیا ہے، وہ تقسیم وہمی و فرضی کے قابل ہے۔ سو اس نے بھی صحیح کہا ہے۔

جب یہ دو باتیں بیان کر دی گئیں تو اب ہم اصل بات پر آتے ہیں کہ اس صورت جسمیہ قائمہ اور صورت نوعیہ متبدلہ کی حقیقت کیا ہے۔ متکلم کہتا ہے کہ صورت جسمیہ جو حقیقت میں اجزاء لایتجزی ہے، وہ بھی آئی ہے۔ اس کا طول و عرض اور عمق امر انتزاعیہ ہے۔ کثرت و قلت اجزا بھی اس امر میں، جس سے ہم بحث کر رہے ہیں، متنوع ہو گیا ہے۔ اور اس نے بھی صحیح کہا ہے۔ اس لئے کہ ہر جز یہاں اور وہاں کے اشارہ کے قابل ہے۔ اور ایک سے دوسرے اسی طرح دوسرے سے تیسرے اور تیسرے سے چوتھے کا معاملہ ہے۔ اور یہ اجزا طول و عرض اور عمق میں بھی منتقل ہوتے ہیں جیسا کہ بارش کی اوپر سے آنے والی بوند کا معاملہ ہوتا ہے کہ وہم اس کو خط مستقیم سمجھتا ہے۔

اور صورت نوعیہ کی ترکیب متنوع ہے اور رنگ مختلف شکلیں کہ ہر ایک کو خدائے تعالیٰ نے اپنی سنت میں خواص و حرکات معینہ سے باندھا ہے تو اس کا کہنا بھی درست ہے۔ اس لئے کہ اس کو آدمی کہتے ہیں اور اس دوسرے کو گھوڑا۔ اس کو کھجور کا نام دیتے ہیں اور اس کو کیڑا کہتے ہیں۔ جب اس اطلاق اور تسمیہ کی تفتیش کرتے ہیں تو ہمارے خیال میں خاصہ کے اعراض اور ترتیب خاص کے سوا کچھ نہیں آتا۔ اور اگر فرض کر لیں کہ یہی مستقیم القامہ گھوڑا بشر کی رہنمائی کرنے والا، خطاب کو سمجھنے والا، ناطق اور ضاحک ہو جاتا ہے تو گھوڑے کے نام کا اطلاق اس پر نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کا نام انسان ہو گا۔

ان انواع پر جوہر اور جسم کے نام کا اطلاق صور متبدلہ متواردہ کے اعتبار سے نہیں بلکہ دونوں حالوں میں قائم ایک اصل کے اعتبار سے ہے۔ اور گھوڑا جس کو ہم جوہر کی شکل میں جانتے ہیں اور اجسام کے قبیل سے شمار کرتے ہیں باعتبار صفات اس کا خاصہ ہے جیسا کہ ترکی اور زنگی دونوں کو باعتبار ترکیت و زنگیت بلکہ باعتبار معنی مشترک بھی انسان کہتے ہیں۔

فلسفی کہتا ہے کہ صورت جسمیہ کی حقیقت اولاً عنایت اولی میں بوجہ تحقق عقلی کے شکل اختیار کرتی ہے۔ اس کے بعد چاندی کی انگوٹھی کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے کہ بمنزلہ ہانڈی کے جو حوض کے پانی سے بھری ہوئی ہو، عالم عقل سے برآمد ہوتی ہے۔ عالم اشارہ حسیہ ہو جاتی

ہے۔اور صورت نوعیہ کی حقیقت مقید قوم میں امور عاجز ہوتے ہیں کہ اولاً مرتبۂ عقل میں ظاہر ہوتی ہے اس کے بعد چاندی کی انگوٹھی میں پہنچتی ہے جو کہ آئینہ میں نظر آنے والے مختلف عکسوں کی صورت کے درجہ میں نقش ہونے والی صورت جسمیہ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔امور عاجز عقل کے مرتبہ میں بمنزلہ مہر کے نقش کے ہیں کہ اسم کے حروف کا محصل ہے۔ مثلاً زید ہے عمرو نہیں۔اور صورت نوعیہ موم یا مٹی میں مستقر نقوش کے منزلہ میں ہے کہ شخص حروف ہے کہ یہ نفس خاص جو موم اور مٹی کے وجود اور اطوار سے عبارت ہوتا ہے،اس کو پہنچتا ہے۔وہ مرتبہ اولی وجود عقلی ہے۔اور یہ مرتبہ ثانیہ نفس اور صورت نوعیہ ہے۔صورت نوعیہ ہیولی میں حال ہے۔اس طرح کہ یہ نقش خاصہ موم اور مٹی میں حال ہے۔قوم مقیدہ میں عنایت اولی میں حال نہیں ہے بلکہ اپنے فاعل کے ساتھ قائم ہے،اور اشارۂ حسیہ کے ساتھ تلبس کے بغیر محقق ہے۔

فقیر کہتا ہے کہ حکیم فلسفی نے اس مقالہ میں درست کہا ہے اور تحقیق کا موتی سوراخ کیا ہوا ہے۔لیکن متکلم کے ساتھ ایک نزاع پیدا ہو گیا۔اس لئے کہ یہ نکتہ کہ عالم عقل سے عالم اشارہ حسیہ پڑ گیا ہے۔اس کے خواص میں سے یہ ہے کہ دایاں بائیں کا غیر ہوتا ہے اور یہی اشارۂ حسیہ کا معنی ہے۔

جب ہم نے یہ نکتہ ملاحظہ کر لیا کہ بکھرے ہوئے اجزا آپس میں مل گئے اور یہ مختلف صورتیں جو ہیولی میں منقش ہیں اول خارج میں ان کا ظہور عالم مقدس سے تالیفات اشکال اور الوان میں وہ تالیفات،اشکال اور الوان ان صورتوں میں بغل میں ہاتھ دئے ہوئے برآمد ہوتے ہیں۔راقم الحروف اصل نکتہ کو قریب لے آیا۔حکیم نے باریک ترین نکتہ بیان کیا ہے۔

عبار اتنا شتی وحسنک واحد

وکل الی ذاک الجمال یشیر

"ہماری عبارتیں بکھری ہوئی مختلف ہیں اور تمہارا حسن واحد ہے اور ہر ایک اس جمال کی طرف اشارہ کرتا ہے۔"

۸۰-تفہیم:

ارشاد باری ولقد همت به وهم بها الاية کی تفسیر

اللہ تعالیٰ نے فرمایاولقد همت به وهم بها لولا ان راى برهان ربه "اور وہ عورت حضرت یوسف کی طرف بڑھی اور حضرت یوسف بھی اس کی طرف بڑھتے اگر وہ اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے۔" (یوسف ۲۴) جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ برائی اور فحش کاموں سے اپنے بندوں کی حفاظت دو طریقوں سے کرتا ہے۔ایک یہ کہ اس کی روح تقویٰ کے رنگ میں رنگ جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زجر و توبیخ اور اس کی وعیدوں کو سنتا ہے۔تو وہ قلب پر موقع عظیم میں واقع ہوتی ہے۔اور اس کی وجہ سے اس کی جبلت میں پیدا کی ہوئی پوشیدہ دیانت ظاہر ہوتی ہے۔تب تقویٰ ہر طرف سے روح کا احاطہ کر لیتا ہے۔پھر اس کی جڑ میں داخل ہوتا ہے اور معصیت کے ملکہ کو سرے سے ختم کر دیتا ہے۔اور یہ علیین اور اہل اللہ کی عصمت ہے یعنی جن لوگوں کا قرب اللہ سے قوی ہوتا ہے۔اور اس کا ذریعہ اعمال اور ملکات ہیں۔اور دوسرا یہ ہے کہ اس کی روح کسی بھی رنگ میں نہ تقویٰ کے رنگ میں اور نہ فجور کے رنگ میں رنگی ہے بلکہ وہ خالی اور صافی ہوتی ہے۔اور اس پر تجلیات الٰہیہ کے تنوع احکام کے ظہور سے جو کچھ وارد ہوتا ہے جو تولی، فیضان شرائع اور اللہ کے جوارح و سنت سے منتقلی سے علی عینہ قائم ہے، اس پر وارد ہوتا ہے، اس کے لئے تیار رہتی ہے۔جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الحق ينطق على لسان عمر "حق عمر کی زبان سے بولتا ہے۔" یا جبروت، ملکوت اور ناسوت سے اس کے وجود کی نشأتوں میں سے ہر نشاۃ کے حکم کا ظہور، تجلیات معنویہ اور احوال سنیہ، بہیمہ اور مختلف طریقوں کے اختیار کرنے، اس کے عینا تنزلات میں وجود کے طریقوں کے اختیار کرنے کے مقابلہ کی حالت کے درمیان تعاقب پر ہوتا ہے۔لیکن اس شخص کا اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی وہ اسم احاطہ کر لیتا ہے جو بندہ کو دوست بنانے کا مقتضی ہوتا ہے۔چنانچہ وہ اس کو اس طرح نہیں چھوڑتا کہ وہ ہلاکت میں پڑ جائے۔اگرچہ اس کے حال کے عموم اور طریقوں کے اختیار کرنے میں شیوع عام روش کے لئے اس میں ملکات سوء موجود ہوتے ہیں۔اس لئے کہ باطل ایسی نشاۃ سے خالی نہیں ہوتا جو اس کا موجب ہوتا ہے۔اور اس کا تحقق اس کی طبیعت کے لحاظ سے ہوتا

ہے۔اور وہ اپنی ذات میں خیر محض ہے۔اگر چہ اس کا حکم اس مقام پر فساد قابل کے لئے شر میں بدل جائے۔اس لئے اس وقت عبد نہ کسی رنگ میں رنگا ہوا ہوتا ہے اور نہ ہی اپنے راز کی بنیاد کے لحاظ سے تقوی میں مقید ہوتا ہے۔لیکن تقوی اس کے اوپر سے اللہ کا لباس ہے۔اور یہ اللہ کی طرف سے اصحاب تجلیات کی عصمت ہے۔اور یہ پہلی والی سے زیادہ اشرف، اکمل اور زیادہ خوبصورت ہے۔اور یوسف علیہ السلام بلکہ تمام انبیا اس عصمت سے معصوم تھے۔اور اسی لئے تم ان کو مباحات، بیویوں اور بیٹیوں سے گلے ملنے اور کمانے، زمین جائدادوں، اولاد کے مفقود ہو جانے پر رونے، نرم پڑنے، مرض سے بیقرار ہونے اور اس کے ازالہ کا سوال کرنے میں مختلف حالتوں میں بدلتے دیکھو گے۔ جب کہ صوفیائے مقید جن کی روح ملکوت و جبروت کو دیکھنے میں فنا ہو گئی، اس کا دسواں حصہ بھی نہیں کرتے کہ ان کی ہمتوں نے دنیاوی زندگی کے ماورا تک اس مجامع کو قبول کر لیا ہے۔ چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ وہ دیوار اور عورت اور اخص العیش اور اس کو عطا کرنے والے میں امتیاز نہیں کرتے۔اور اس کے حسب حال میں کہا ہے یاحبذا المکروھان الموت والفقر...... "ناپسندیدہ چیزیں کتنی اچھی ہیں موت اور فقر"۔اور بالجملہ یوسف علیہ السلام نوجوان تھے، معتدل مزاج تھے اور عورت انسانوں میں سب سے زیادہ حسین و جمیل تھی، جو آپ کی محبت میں بے قابو ہو رہی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے آپ کو حضرت یوسف پر پیش کر دیا اور ہر طرح کا جمال اختیار کیا۔اور آپ کو اپنے نفس کی طرف راغب کیا۔دروازے بند کر لئے تو آپ کے مزاج ناسوتی کے لئے واجب ہو گیا کہ اس کا ارادہ کر لیں لیکن آپ کو دوست بنانے والے نے آپ کو پالیا۔اور وہ آپ کے سامنے ایسی برہان کی صورت میں آ گیا جس کو آپ نے دیکھ لیا۔اور اللہ نے آپ کو نجات دیدی۔اللہ تعالیٰ کا معاملہ مخلصین کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔فتدبر۔غور و فکر سے کام لو اور ثابت قدم رہنے والوں میں شامل ہو جاؤ۔

۸۱- **تفہیم:**

تجلی کی اصناف اور اس کے بہت سارے معانی کا بیان

جاننا چاہئے کہ ہماری زبان میں تجلی کا اطلاق بہت سارے معانی پر ہوتا ہے، جو تین قسموں میں جمع ہیں۔پہلی تجلیات وجودیہ ہیں اور ان کی حقیقت مظاہر جبروتیہ و امکانیہ میں ہر

مظہر میں احکام خاص اور آثار متمایزہ کے ساتھ تحقق خارجی کے لحاظ سے وجود کا ظہور ہے۔ اور دوسری تجلیات شہودیہ ہیں اور ان کی حقیقت یہ ہے کہ سالک جب اپنی پوری ہمت کے ساتھ اللہ سبحانہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور اس کے لئے مختلف رنگوں میں اور مختلف وضعوں میں آخری حد تک حقیقت کھل جاتی ہے تو اس پر نکلنے والے ہر رنگ اور وضع کو تجلی کہا جاتا ہے۔ اور یہ اس کے اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی معرفت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اور تیسرے تجلیات کمالیہ ہیں۔ اور ان کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے نفس سے فانی فی اللہ اور جس سے جبروت کی طرف تطلع مقدس کے وقت اس کی طبیعت کے کینہ و کدورت کی جڑیں اکھڑ جائیں۔ اور اس کو اس کیفیت پر دوام حاصل ہو گیا تو اس کا نفس جبروت کے رنگ میں رنگ گیا۔ اور اس پر جبروت کے احکام کے ظہور کے لئے سوار ہو گیا تو وہاں وہ نشاۃ متحقق ہو گئی۔ جو جبروت سے فیضان کرنے والی ہے۔ اس کی نسبت نفس ناطقہ کی طرف اس کے جواہر کی طرف اعراض کی نسبت ہے۔ اور مبادی جبروتیہ کی طرف اس کی نسبت وجود خارجی کی طرف وجود ذہنی کی نسبت ہے۔ اور اس فیضان کرنے والی بلندی اور اس کی صورت اپنے حال میں مستغرق سالک کے نزدیک یہ ہے کہ وہ حقیقۃ الحقائق پر مطلع ہو گیا۔ لیکن جب نفس نے ڈھانپ لیا اور اس رنگ کی طرح ہو گیا جو اس کا احاطہ کرنے والا ہے تو لازم ہے کہ وہ خارج میں موجود شے ہے جس سے نفس متصف ہوا۔

تجلیات شہودیہ کی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک تجلی افعالی ہے اور وہ یہ ہے کہ سالک اپنی ہمت کو اللہ کی طرف جمع کرتا ہے تو اس کی محبت اللہ تعالیٰ کے ماسوا سب سے زایل ہو جاتی ہے۔ اور اس کی محبت اور نشاط، اللہ میں منحصر ہو جاتی ہے اور جب یہ کامل ہو جاتی ہے تو حقیقت واحدہ منکشف ہوتی ہے جس کے ہاتھ میں منع کرنا و عطا کرنا، مارنا اور زندہ کرنا اور فقر و غنا وغیرہ بندوں کے احوال اور ان کے وجود میں تقلبات ہوتے ہیں۔ جب وہ نطفہ تھے اور ان کی ظاہری اور باطنی نعمتوں کی اقسام تربیت وغیرہ میں۔ اور یہ مقام توکل، تفویض اور تسلیم جیسے احوال کے پیچھے رہتا ہے۔

اور ان میں سے ایک تجلی صفاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مظاہر متعدد میں حقیقت واحد کے ظہور کا انکشاف ہو جائے۔ اور کبھی تحقق اور وجود کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کبھی ظہور کے اعتبار سے، کبھی صفت کے اعتبار سے، جیسے ان مظاہر میں سمع، بصر۔ اور حس۔ اور یہ مقام علم الاتحاد

کے پیچھے چلتا ہے، کبھی کثرت میں وحدت کے اندراج سے اور کبھی وحدت میں کثرت کے اندراج سے، اور کبھی مزاحمت کے طور پر دونوں امور کو جمع کر کے اور کبھی بغیر مزاحمت کے سکون قلب کے طور پر۔

اور ان میں سے ایک تجلی ذاتی ہے اور وہ حقیقت الحقائق کا انکشاف ہے جیسا کہ وہ اصل میں ہے، نہ کہ آئینہ میں عکس کے طور پر اور نہ مظہر کے طور پر بلکہ بنفسہ۔ اور یہ مقام حیرت کا تتبع کرتا ہے اور متکلم سطح کا مقتضی نہیں ہوتا اور کبھی اتحاد کے باریک نکات اور ایک شے کا وحدت سے اندراج اور دوسرے موقع پر کثرت سے۔ اور یہ چاروں یعنی محبت کی توحید، افعال کی توحید، صفات کی توحید اور ذات کی توحید سب ایسے مقامات ہیں کہ سالک ان کو عبور کرتا ہے۔ اور ان سے یکے بعد دیگرے اللہ کی طرف صعود کرتا ہے۔ اور تجلیات صوریہ اور ان کی حقیقت یہ ہے کہ اگر کامل ہے تو تجلی کمالی سے ٹپکے یا اس کے اللہ کے علم سے۔ اور اپنی حس مشترک میں اپنی ہمت کو جمع کرے۔ اس مقام پر اس میں جمع صورتوں میں سے کوئی صورت سے مترشح منزہ حکم کے اعتبار سے منعقد ہوتی ہے۔ تب اس کو وہ صورت حکم کرتی ہے اور حسن خطاب سے مخاطب کرتی ہے۔ یا اس کے ساتھ ناز و نخرہ اور رحمت و نرمی کا معاملہ کرتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں ایک نوجوان آدمی کی شکل میں دیکھا تو کفارات، درجات کے بارے میں سوال کیا۔

اور اس تجلی کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ سالک اس کے ظہور کے وقت میں یہ عقیدہ رکھے کہ وہ اللہ ہے یا یہ کہ یہ اس حقیقت کی اس صورت میں بدلی ہوئی شکل ہے۔ یا وہ صورت مبارکہ معظمہ ہے جس کو سالک نے دیکھا ہے۔ اور اس وقت میں یہ عقیدہ نہ رکھے تو یہ اس کی طاعتوں کی قبولیت پر دلالت کرنے والے واقعات ہیں، نہ کہ تجلیات صوریہ۔ اور کبھی عالم مثال سے اس پانی پر صورت کا فیضان ہوتا ہے جو کہ موجودات عنصریہ کی اصل ہے۔ تب اس کا درجہ مثال سے ہوتا ہے اور اس کی حقیقت تجلیات کمالیہ میں سے کوئی تجلی ہے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے درخت پر ہوا، اور جب پہاڑ جلا اور یہ بھی تجلیات معنویہ کی ایک قسم ہے۔

اور اس کی حقیقت اس معنی کا ظہور ہے جس کو وہ اللہ کی صفات کے معنی سے سمجھتا ہے تو نفس دراز ہو جاتا ہے، یا کسی زمانہ میں ایک رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ اور یہ اس نوع کا ہوتا ہے

کہ کبھی حیوان یا نبات یا جماد کی ایک صورت دیکھتا ہے تو اللہ سبحانہ کے فعل کے لئے آئینہ کی طرح ہوجاتا ہے تو اس پر اس صورت کے حسن سے اس کے فعل کا حسن ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس پر یہ علم غالب ہوجاتا ہے۔ اور وہ شراب معرفت سے جام لذیذ نوش کرتا ہے تو سکران اس کی عقل پر مغلوب رہتا ہے، یا وجودیا اس صورت میں تمام صفات کے ظہور کے لئے آئینہ کی طرح ہوجاتا ہے۔ تب اس کو حسن مظہر کی جانب سے حسن ظاہر باقی رہتا ہے اور اس کو سکر ہوجاتا ہے۔ اور اس کا قدس نفوس مقدسہ و ملائکہ اور عالم مثال کے احوال کی طرح ملکوتیہ یا اسماء اور تجلیات کمالیہ کی طرح جبروتیہ کی خاصیت سے لبریز ہوجاتا ہے۔ تو اللہ کے جمال کے لئے وجہ خاص اور حیثیت خاص کے اعتبار سے آئینہ کی طرح ہوجاتا ہے۔ اس سے اس کو سکر عجیب ہوتا ہے۔ اور کبھی اس پر معقولات ثانیہ جیسے تقدم و تاخر وغیرہ کی مانند معنی ظاہر ہوتے ہیں۔ تب اللہ کے حضور ترکیب پاتا ہے اور اس سے حال عجیب اور سکر پیدا ہوتا ہے اور نفس کا رنگنا ہوتا ہے۔ مثلاً وہ شخص اس وحدت کو دیکھتا ہے جو عالم ناسوتی میں ایک اور وحدت کبری کے لئے آئینہ ہوجاتا ہے تو بھرپور خوشی و مسرت حاصل ہوتی ہے۔ یا روح کے احوال جیسے نشاط، حزن، جرأت اور سخت دل ہونا۔ تو اس سے اور حضور سے عجیب حال جیسے انس، ہیبت، نرمی و خوش خلقی، اور اللہ کے بارے میں چھچھورا پن اور عشق وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور ان تجلیات کے لئے مستعد ہر ذی علم اور سریع التاثر حال کے اعتبار سے حق کے ظہور کے لئے سخت رنگ والا۔ اور بہت سے ایسے ہیں کہ ان کے درمیان اہلیت رکھنے والا، صحبت اختیار کرتا ہے اور وہ اللہ کے افعال اور اس کی صفات کو یاد کرتے ہیں۔ تب ان کے قلوب میں تجلیات معنویہ لذیذہ جوش مارتی ہیں۔ بلکہ کبھی وہ گیت اور ترانے، عشاق کی اپنے محبوبوں کے ساتھ بیان کی ہوئی حکایات سنتے ہیں۔ اس سے احوال عجیب پیدا ہوتے ہیں۔ اور کبھی شعر ظریف کی طرف مائل ہوتے ہیں تو ایک امر کا دوسرے امر پر فیضان ہوتا ہے۔ اور یہ تجلیات صوریہ و معنویہ ان مقامات پر نہیں ہیں کہ ان میں بندہ اللہ کی طرف صعود کے طور پر ترقی کرے بلکہ اس کے مقام کا نتیجہ اس کے علوم، حالات اور استعداد سے اس کے مقام کے مشابہ ہوجاتا ہے۔ تب وہ نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللهم ربنا لا مانع لما اعطيت ولا راد لما قضيت المهدی من هديت تبارکت وتعاليت سبحانک لا تخالطک الظنون ولا يصفک الواصفون ولا يغيرک المنون ولا يدلک الظنون تقدست عن الامثال والانداد وتنزهت عن الاشباه والاضداد وتباينت عن الارواح والاجساد وتکبرت عن الاحصاء والاعداد لک الحمد ملاء سموا تک وزنة عرشک وعدد کلماتک ومبلغ علمک توحدت بحولک الوسيع وتفردت بطولک الرفيع وتفوقت بعزک المنيع وتبارکت بمجدک النصيع لبيک وسعديک اخلصت بانقطاعي اليک واقبلت بکلي عليک وانتصبت بجملتي بين يديک ليس بقلبي لمن سواک مثقال ذرة ولابقالبي لمن دونک مقدار حبة ولا بوجهي لمن غيرک موضع شعرة ولا بعيني الالک مکان قطرة اياک اعبد وبک استعين اليک ارغب واليک ارهب وکيف يعبد من يتضرع اليک ويختضع لديک واني يستعان من هو مغلوب في امره مقهور في عمره واين يرغب اليه ومسکنة الحدوث بين عينيه ومتي يرهب من ان شئت امته وان شئت احييته وان شئت اضحکته وان شئت ابکيته فانت دون کل مسئول منه موضع مسألتي وانت دون کل مطلوب اليه ولي حاجتي وانت المخصوص قبل کل مرجو برفدلي وانت المتعين قبل کل مدعو بدعوتي لايشارکک احد في رجائي ولا يوا فقک واحد معک في دعائي ولا ينظمه واياک ندائي ولا يزن سواک جناح بعوضة في شدتي ورخائي اشهد ان لا اله الا انت وحدک لا شريک لک کثرت نعمائک وزادت الائک وعظم فضلک وکبرمنک لم قصر شکری وساء صنيعي فاغفرلي مغفرة من عندک وارحمني رحمة من لدنک انت التواب الوهاب ذوالقوة المتين وان لم تغفرلي وترحمني لا کونن من الخاسرين

واشهد ان محمّد اعبدک ورسولک ختمت به انبیاء ک وصدرته علی اصفیائک جعلته وسیلة المقتربین وشفعته فی المذنبین یوم الدین. اللّٰهم ربنا فصل وبارک وسلم علیه کما امرتنا ان نصلی علیه وصل وبارک وسلم علیه کما تحب وترضی ان تصلی علیه وصل علی اخوانه من الانبیاء وجازهم احسن الجزاء کما هدوا الی الصراط المستقیم وقادوا الی المنهج القویم وعلی اله الطهرة الاصفیاء واصحابه البررة الاتقیاء. امین

اے اللہ! اے ہمارے رب! جسے تو عطا کرے اسے کوئی منع کرنے والا (رکاوٹ) نہیں ہوسکتا اور تو جو فیصلہ کردے اس کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہوسکتا۔ ہدایت یافتہ وہ ہے جس کو تو ہدایت دے۔ تو برکتوں والا ہے، تو بہت بلند ہے۔ تیری ذات پاک ہے۔ تیرے ساتھ گمان وخیالات آمیزش نہیں کرتے۔ صفت بیان کرنے والے تیری صفت بیان نہیں کرسکتے۔ جن پر احسان کیا جائے وہ تجھے بدل نہیں سکتے۔ نہ ہی گمان تجھے بدل سکتے ہیں۔ تو ہم جنسوں اور شریکوں سے پاک ہے اور مشابہت وضدوں سے پاک ہے۔ ارواح اور اجسام سے دور ہے۔ اعداد واحاطہ سے بہت بڑا ہے۔ تیرے لیے تیرے آسمانوں کے برابر، تیرے عرش کے وزن کے برابر، تیرے کلمات کے اعداد کے برابر اور تیرے علم کے برابر تعریفیں ہیں۔ تو اپنے وسیع اردگرد میں تنہا ہے۔ اور اپنے بلند وبالا طول میں منفرد ہے۔ اور اپنے مضبوط غلبہ میں فائق ہے اور اپنی خیر خواہانہ عظمت میں بہت برکت والا ہے۔ میں حاضر ہوں، تیری فرماں برداری کے لیے تیار ہوں۔ میں پورے خلوص کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہوں۔ میں نے اپنا رخ کلی طور پر تیری طرف کرلیا ہے۔ اپنے پورے وجود کے ساتھ تیرے سامنے حاضر ہوں۔ میرے دل میں تیرے سوا کسی کے لیے ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں ہے۔ اور نہ ہی میرے قالب پر تیرے سوا کسی کا دانہ برابر کوئی اثر ہے۔ اور نہ میرے چہرہ پر تیرے سوا کسی کے لیے بال برابر کوئی جگہ ہے۔ اور نہ ہی میری آنکھ میں تیرے سوا کسی کے لیے کوئی بوند برابر اثر ہے۔ میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں، اور تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔ تیری ہی طرف رغبت رکھتا ہوں۔ تجھ ہی سے ڈرتا ہوں۔ جو تیری طرف عاجزی کرتا ہے اور تیرے سامنے انکساری کے ساتھ آتا ہے اس کی عبادت کیسے کی جاسکتی ہے؟ جو اپنے معاملہ میں مغلوب ہے، اپنی زندگی میں مجبور

ہے اس سے کہاں سے مدد چاہی جا سکتی ہے؟ اور کہاں اس کی طرف مائل ہوا جا سکتا ہے حدوث کا وقفہ اور سکتہ اس کے سامنے ہے اور وہ شخص کب ڈرے کہ جس کو تو چاہے تو مار دے اور تو چاہے تو زندہ کر دے۔ تو چاہے تو ہنسا دے تو چاہے تو رلا دے۔ تو ہر سوال کرنے والے کے سوال کی جگہ سے قریب ہے اور ہر مطلوب سے زیادہ قریب ہے۔ میرے لیے میری ضرورت ہے اور تو میرے گروہ میں ہر امید سے پہلے مخصوص ہے اور تو میری دعوت میں ہر مدعو سے پہلے متعین ہے۔ اور تاکہ جو ان سے لطف اندوز ہونے کا مستحق ہے وہ لطف اندوز ہو۔ میں نے ان کا نام التفہیمات الالٰہیۃ رکھا ہے۔ حسبی اللہ ونعم الوکیل۔

میری امیدوں میں تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ میری دعا میں تیرے ساتھ کوئی شامل نہیں ہے، نہ ہی اس کو کوئی پورا کرتا ہے۔ صرف تجھے ہی پکارتا ہوں۔ میری نرمی اور سختی میں تیرے سوا کوئی مچھر کے پر کے برابر وزن نہیں رکھتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اکیلے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ تیری نعمتیں بہت زیادہ ہیں۔ تیرے انعامات بیشمار ہیں۔ تیرا فضل بہت بڑا ہے اور عظیم ہے۔ تیرا احسان بہت بڑا ہے۔ پھر میرا شکر بہت کم ہے اور میرا عمل بہت برا ہے۔ بس تو اپنی مغفرت سے مجھے بخش دے اور اپنے پاس سے مجھ پر رحمت فرما۔ تو توبہ قبول کرنے والا ہے، بہت عطا فرمانے والا ہے۔ صاحب قوت متین ہے اور اگر تو نے میری مغفرت نہ فرمائی اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں بہت خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں۔ تو نے آپ پر اپنے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا اور اپنے مخلصین میں آپ کو صدر مقام عطا فرمایا، تو نے آپ کو بے سہارا لوگوں کے لیے وسیلہ اور قیامت کے دن گناہگاروں کے لیے شفاعت کرنے والا بنایا۔ اے اللہ! اے ہمارے رب آپؐ پر درود وسلام اور برکت فرما جیسا کہ تو نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپؐ پر درود بھیجیں اور آپ پر درود وسلام اور برکت فرما جیسا کہ تجھے پسند ہے اور جس سے تو راضی ہے کہ آپ پر درود بھیجا جائے اور آپ کے بھائی انبیاء پر درود وسلام فرما اور ان کو احسن جزا عطا فرما جیسا کہ انہوں نے صراط مستقیم کی طرف ہدایت فرمائی اور منہج قویم پر قیادت فرمائی اور آپ کی مخلص وپاکیزہ آل پر اور آپ کے نیک ومتقی پرہیزگار اصحاب پر بھی۔ آمین

امابعد! عبدضعیف ولی اللہ کان اللہ له فی الآخرہ و الاولیٰ و اتم علیه نعمته العظمیٰ و رحمته الکبریٰ کہتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جو چاہتا ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ کوئی اس کے حکم کو رد کرنے والا نہیں ہے اور نہ اس کے جود وسخا کی کوئی حد بندی کرنے والا ہے اور اس کا ایک عظیم فضل اور وسیع احسان یہ ہے کہ اس نے مجھے وہ علوم عطا فرمائے ہیں کہ ان کے بارے میں کچھ کہنا اور انہیں بیان کرنا مشکل ہے۔ اور مجھے ایسے اسرار سے نوازا ہے کہ ان کی تعبیر سے نوع انسانی کی طاقت مضمحل ہو جاتی ہے۔ اپنی کثرت کی وجہ سے وہ ہر وقت زبان پر چڑھے رہتے ہیں اور ان کے تہہ بہ تہہ ہونے کی وجہ سے بھائیوں کی مخاطبت میں دروازہ کھل گیا۔ اس لیے میں نے چاہا کہ ان کو ایک رسالہ میں جمع کر دوں تا کہ وہ ضائع اور فوت نہ ہو جائیں۔

۸۲- تفہیم:

بندہ کا اللہ سبحانہ کی ذات کی نسبت ایک ساتھ عاشق ومعشوق ہونا

عشق معشوقاں نہان ست وستیر
عشق عاشق بادوصد طبل ونفیر

''معشوقوں کا عشق پوشیدہ اور چھپا ہوا ہوتا ہے، عاشقوں کا عشق سیکڑوں ڈھول باجے اور آہ وزاری نالہ وفریاد کے ساتھ ہوتا ہے۔''

میرے دل کے دو خانے ہیں۔ ایک معشوقی اور دوسرا عاشقی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب خلاق اپنے آپ پر عاشق ہوا تو خلق وجود میں آئی۔ ہماری معشوقیت وہی معشوقیت ہے۔ پھر اس نے اپنے جمال کو دیکھا اور عاشق ہو گیا۔ ہماری عاشقیت وہی عاشقیت ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس کی صفت ہمارے اندر حلول کر گئی ہے یا ہماری صفت اس کے اندر حلول کر گئی ہے یا اس کی عین ہوتی ہے۔ "تعالیٰ الله عن ذلک علوا کبیرا" اللہ تعالیٰ ایسی باتوں سے بہت دور اعلیٰ و برتر ہے۔ وہ بہت بڑا ہے۔ اب اگر میں تمہارے اس وجود کی گہرائی میں جو عاشقیت کی طرف متوجہ ہوتا ہے غور وفکر کرتا ہوں تو تمہارا معشوق ہو جاتا ہوں۔ چنانچہ اس لیے کہ تمہاری عاشقیت میں التفات کی حالت میں جب علم انا رجعت قہقری میں رجوع

کرتا ہے تو معشوقیت کے مرتبہ میں پڑ جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ ذاتی طور پر اس مرتبہ کے مدمقابل ہے۔ اور اگر تمہارے اس وجود کی گہرائی میں غور وفکر کرتا ہوں جس کا رخ معشوقیت کی طرف ہے تو تمہارا عاشق ہو جاتا ہوں۔ اس لیے کہ تمہاری معشوقیت میں التفات کی حالت میں جب علم انا رجعت قہقری میں رجوع کرتا ہے تو عاشقیت کے مرتبہ میں پڑ جاتا ہے۔ اس لیے کہ ذات کے اعتبار سے وہ اس کے مرتبہ کے مدمقابل ہے۔ اگر میں عاشق ہوں تو ایسا کہ میری جیسی عاشقی نہیں ہے اور اگر معشوق ہوں تو ایسا کہ میری جیسی معشوقی نہیں ہے۔ میری عاشقی ام العاشقیت ہے اور میری معشوقیت ام المعشوقیات ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ مجنوں اور فرہاد کی عاشقی میری عاشقی کا ایک شعبہ ہے اور لیلیٰ و شیریں کی معشوقیت میری معشوقیت کا ایک پرتو ہے تو میرا کہنا درست ہوگا۔ ہرگز نہیں بلکہ حق بات تو یہ ہے کہ حقیقت میں میری عاشقی کے سوا کوئی عاشقی ہی نہیں ہے اور میری معشوقیت کے علاوہ کوئی معشوقیت ہی نہیں ہے۔ اور میری عاشقی اور معشوقی کے سوا دائرۂ امکان میں کچھ نہیں ہے۔ بلکہ وہ صحرا عدم میں ہے۔ اور صحیح بات تو یہ ہے کہ میں نہ عاشق ہوں نہ معشوق۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ جسم بلوری مخروطی سرخ نگینہ میرے مرکز پر ہے۔ اور ناصر علی نے جو کہا ہے

دلی دارم علی یک شہر معشوقاں بقربانش
محبت بلبلے دارد کہ گل ریزد ز آہنگش

''اے علی! میرے پاس وہ دل ہے کہ معشوقوں کا ایک شہر اس پر قربان ہے، محبت وہ بلبل ہے کہ اس کی آواز سے گل لرز کر گر پڑتا ہے۔''

یہ غلط ہے۔ بالکل کھوکھلا دعویٰ ہے کہ اس نے معشوقیت اور عاشقیت کو سمجھا ہی نہیں۔

۸۳۔تفہیم:

انبیاء کے طریقہ پر چلنے والا ہونا

اے میرے بزرگو! میں ایک غریب مضطر انسان ہوں۔ میں نہ کسی کمال کا دعویٰ کرتا ہوں نہ خرق عادت کا اور نہ کسی وسیع و عریض حال کا اور نہ ہی کسی مقام کریم کا۔ اور میں دعویٰ کر بھی کیسے سکتا ہوں جبکہ مجھے اس کا حق ہی نہیں ہے۔ میں صرف ایک بات کہتا ہوں کہ اللہ

عزوجل نے اپنے جود وکرم سے مجھے راہ مستقیم اور سمت عبقری، نفیس اور عمدہ کی ہدایت فرمائی۔

میرے نزدیک علم تام حق کی بنیاد پر امر یہ ہے کہ یہ انبیاء ومرسلین اور سابقین کا طریقہ ہے جو کہ اولین میں سے ایک جماعت کثیر ہیں۔ اور آخرین میں تھوڑے ہی ہیں۔ چنانچہ مجھے مبدأ ومعاد کا علم حاصل ہوا اور میں نے حدیث اور قرآن کے معنیٰ کو بغیر کسی تاویل کے سمجھا۔ اس لیے میں اس دیوان کا پورا پورا سمجھنے والا اور اس بقعۂ مکان کا جاننے والا ہوں۔ اور میں اپنے بھائیوں سے کہتا ہوں کہ میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ دو دو مل کر اور تنہا بھی کھڑے ہو کر سوچو کہ کیا تمہارے صاحب پر کسی جنون کا کوئی اثر ہے۔

فان حاولوا منی الجحود أو الردیٰ

فھذا دمی حل لھم لست اجحد

''اگر وہ میرے لئے کفر وانکار یا ہلاکت کی کوشش کریں تو میرا خون ان کے لیے حلال ہے، میں انہیں نہیں روکوں گا۔''

علی من ی شناسم ایں گہر وزدان حکمت را

فلاطون آہ گرمی دید یونانی کہ من دارم

''اے علی! حکمت کے موتیوں کی چوری کرنے والے ان لوگوں کو میں پہچانتا ہوں جو کچھ میرے پاس ہے اگر افلاطون اس یونان کو دیکھتا تو وہ بھی آہ کرتا۔''

نم جرم محبت خانہ زاداں فیضہا دارد

گلستانی کند دوزخ زدامانی کہ من دارم

''محبت کے جرم کی نمی خانہ زادوں کو فیض پہنچاتی ہے، میرے پاس جو دامن ہے اس کی وجہ سے دوزخ بھی گلستانی کرتی ہے۔''

دلے دارم جواہر خانہ عشق ست تحویلش

کہ دارد زیر گردوں میر سامانی کہ من دارم

''میرا وہ دل جو عشق کا جواہر خانہ ہے، اس کی تحویل میں ہے جو آسمان کے نیچے ہے اور میر سامان ہے جو میں رکھتا ہوں۔''

بدست آوردہ ام دل راز ایمانم چہ می پرسی
ہمہ تصویر معشوق است قرآنی کہ من دارم

"میں نے اپنے ایمان سے دل کو ہاتھ میں لے لیا ہے، تم کیا پوچھتے ہو سب کچھ معشوق کی تصویر ہے جو قرآن میرے پاس ہے۔"

دلی دارم علی یک شہر محبوبان بقربانش
محبت بلبلی دارد کہ گل ریزد زآہنگش

"اے علی! میرے پاس وہ دل ہے کہ محبوبوں کا ایک شہر اس پر قربان ہے۔ محبت ایک ایسی بلبل ہے کہ اس کی آواز سے پھول کھلتے ہیں اور جھڑتے ہیں۔"

۸۴- تفہیم:

ممتاز قوت عطا کی گئی

مجھے ممتاز قوت کی فطرت عطا کی گئی ہے۔ میں نے جس کسی بھی معقول یا معلوم لغت کی طرف توجہ کی، اس کی گردن مروڑ دی گئی اور اس کو پیروں اور ہاتھوں میں ہتھ کڑی اور بیڑیاں ڈال کر میرے سامنے پیش کر دیا گیا۔ اس کے بارے میں جو چاہتا ہوں حکم لگاتا ہوں چاہوں تو اس کو ختم کر دوں، اور چاہوں تو اس میں کاٹ چھانٹ کر دوں، اور اس کو مثلہ بنا دوں۔

بملک نکتہ گیری خسر وشیریں مقالم من
بہ پیشم بستہ می آرند ہرجاہست مضمونی

"میں نکتہ گیری کے ملک کا بادشاہ ہوں، شیریں بیان ہوں، اچھا مضمون جہاں بھی ہوتا ہے، اس کو میرے سامنے دستہ بستہ لے آتے ہیں۔"

اس کے باوجود نور نبوت فطری قوت ہے گویا کہ وہ ایک ایسی شراب ہے جس کا مزاج اپنی حدت اور حرارت کے لحاظ سے زنجبیل ہے۔

ازیں افیوں کہ ساقی دری افگند
حریفاں را نہ سرماند نہ دستار

"جس افیون کو ساقی شراب میں ڈالتا ہے، حریفوں کو اس کی وجہ سے سر و دستار کا ہوش

نہیں رہتا۔"

تن خاکی زمن در وجد وروح آسمانی ہم
عبارت ازصریر خامہ میر قصد معانی ہم

"میرا خاکی بدن وجد میں اور روح میں آسمانی بھی ہے، قلم کی آواز کی عبارت کے بھی معنی رقص کرتے ہیں۔"

۸۵-**تفہیم:**

ان کی فطری قوت کے معادان کے ساتھ ہیں

"اللّٰھم صل علی محمد و آلہٖ واغفرلی ذنبی کلہ جلہ وقلہ" اے اللہ! محمد پر اور آپ کی آل پر درود وسلام فرما اور میرے تمام چھوٹے بڑے گناہوں کو بخش دے۔ سبحان اللہ! یہ فطری قوت جو میرے ساتھ ہے اور میری دشمنی میں کھڑی ہوگئی اور میرے ساتھ ریش وگریبان کی طرح ہے۔ کبھی میں اس کو پچھاڑ دیتا ہوں اور کبھی وہ مجھے پچھاڑ دیتی ہے۔ جب وہ مجھے پچھاڑتی ہے تو میں اس کا بندہ ہو جاتا ہوں اور وہ مجھ پر غالب آجاتی ہے۔ پھر جب وہ مجھ پر غالب آجاتی ہے تو مجھے لبالب بھرے ہوئے پیالے سے سیراب کر دیتی ہے، تب میں مست ومخمور ہو جاتا ہوں۔ اور ہر چیز کی مثال دیتا ہوں پھر وہ مجھے مجروح کر دیتی ہے۔

چو گل زخندۂ عشرت ہمیں نصیبم بود
کہ پارہ پارہ بزخم ندامتم کردند

"پھول کی طرح کھلنا اور عیش وعشرت میرا نصیب تھا، کہ زخم ندامت کی وجہ سے مجھ کو پارہ پارہ کر دیا۔"

اور جب میں اس کو پچھاڑ دیتا ہوں تو کبھی اس کو قتل کر دیتا ہوں اور اس کے ٹکڑے کر دیتا ہوں اور اس کی دوسری شکل بنا دیتا ہوں۔

تو اللہ کی قسم اگر وہ باقی رہ جاتی ہے تو میں اس کو قتل کر دیتا ہوں لیکن اس کا مثلہ نہیں بناتا کہ اس کا استہزا کیا جائے، اور اللہ کی قسم! اگر میں اس پر قوی غالب ہو جاؤں تو اس کو ایسی زمین میں جلاؤں جہاں پانی نہ ہو۔ وہ میرے ساتھ ایسا معاملہ کرتی ہے جو کوئی سگا

اور جڑواں بھائی بھی نہیں کرتا۔ اور ہم اس کی یہ مثال دیتے ہیں کہ کیا ٹھیٹھ عربی فصیح کلام بیان نہیں کرتا؟ پھر جب سوال کیا جاتا ہے کہ تو نے اس کو نصب اور اس کو رفع کیوں دیا تو چکرا جاتا ہے اور کوئی جواب نہیں دے پاتا۔ اور اگر انساب کی طرف لوٹتا ہے یہاں تک کہ جب اس کی عقل درجۂ کمال کو پہنچ جاتی ہے تو اس وقت اس کے نزدیک ہر چیز کی ایک مقدار ہوتی ہے۔ اور نحوی اپنی ممتاز قوت کی فطانت کے باوجود نہ اس کی طرح بیان کرتا ہے، نہ اس کی جیسی فصاحت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ حتیٰ کہ جب اس کا عقدۂ تمیزی حل ہو جاتا ہے اور اس کا گھیرا ٹوٹ جاتا ہے تو اس وقت وہ حیوان ناطق ہو جاتا ہے۔ تو یہی ہمارے اس قول کے معنیٰ ہیں۔ "اللّٰھم صل علی محمدن النبی الامی" اللّٰھم تم نے کہا ہے اور تمہاری بات صحیح ہے۔ امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوکون ہے جو پریشان حال کی دعا سنتا اور اس کا جواب دیتا ہے۔ دعا کو قبول کرتا ہے اور اس سے برائی کو دور کرتا ہے۔" "اللّٰھم" میں ایک ضعیف، نحیف ونزار، غریب، بےبس اور پریشان بندہ ہوں۔ میں تجھ سے دعا مانگتا ہوں کہ مجھ سے برائی کو دور کردے اور میرے دشمن کو ہلاک کردے اور مجھ سے عناد رکھنے والے کو قتل کردے اور مجھ سے لڑنے والے کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔ اے اللہ! وہ چاہتا ہے کہ مجھے قتل کردے اور مجھ سے میرا ملک چھین لے اور مجھے اپنے ہاتھ گردن سے باندھنے پر مجبور کردے۔ اے اللہ! مجھ سے اس کے شر کو دور کردے اور اس کی گرمی وسردی کو دور کردے۔

۸۶–تفہیم:

سیدنا محمدؐ کے نبوت سے قبل و بعد کے مراتب احوال:

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے قبل اوائل حال ہی میں حکمت، عصمت قطبیت باطنیت سب کا اکتساب کرلیا تھا۔ اس کے بعد وحی، رویت ملائکہ اور بعثت الی الحق سے مسند نبوت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اور اسی درجہ میں عصمت کی حفاظت کے مقام پر فائز ہوئے اور حکمت کے ساتھ تلقین کے کام سے وابستہ ہوئے۔ اور حضرت ہدایت سے آپ کے اوپر ایک قسط کا فیضان ہوا تب آپ کی حقیقت دوسری حقیقت نبوی ہوگئی۔ اس وقت آنحضرت

بطریق خفیہ دعوت فرماتے تھے اور اغیار سے ان اسرار کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ پھر آپ سے کہا گیا "فاصدع بما تومر "آپ کو جس امر کا حکم دیا گیا ہے اس کا اظہار کر دو۔" اور کفار کے مقابلہ میں آجانے کا حکم دیا گیا اور اس مقام پر دائرۂ حفظ مکمل ہو گیا۔ چنانچہ دائرۂ عصمت مکمل ہو کر ہلال تلقین شمس الحکمت کے مقابلہ میں بدر کے مقام پر پہنچ گیا اور وہ عرش قطبی باطنی کے مقابلہ میں خاص طائفہ عرب کے لیے جامع قسط ہدایت فلکی ہو گیا۔ پھر حقیقت رسولیت ہو گئی پھر کفار و مشرکین کی طرف سے ظلم و زیادتی کی انتہا ہو جانے کے بعد مدینہ مطہرہ کے لیے ہجرت فرمائی اور عرب و عجم کے جہاد کے لیے مامور ہوئے۔ اور اس مرتبہ میں یہ تینوں مذکورہ بدر مرتبۂ شمس میں پہنچ گئے۔ ہر ایک کمان خود پیدا ہوئی۔ اس وقت اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔ چنانچہ اس کی حقیقت لوگوں کے لیے کافی حقیقت ہو گئی اور یہی مرتبہ ہے جس میں اولین و آخرین کا علم دیا گیا۔ اور اس مرتبہ میں اسود و احمر کی طرف مبعوث کیا گیا۔ اور اس مرتبہ میں ثقلین (جن و انس) کی طرف مبعوث کیا گیا۔ اور اس عرشی نے مختلف افلاک (عظیم شخصیات) کو ایجاد فرمایا۔

پھر آپ سے کہا گیا إنا فتحنالک فتحاً مبيناً ليغفرلک الله ما تقدم من ذنبک وماتاخر ويتم نعمته عليک ويهديک صراطاً مستقيماً وينصرک الله نصراً عزيزاً "ہم نے تمہیں کھلی فتح عطا کر دی تا کہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی ہر کوتاہی سے درگزر فرمائے اور تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کر دے اور تمہیں سیدھا راستہ دکھائے اور تم کو دست نصرت بخشے۔" (الفتح:۱-۳) تب آپ کی حقیقت، حقیقت خاتمیہ ہو گئی اور ہر قوس (کمان) بدر کامل ہو گئی اور آپ کے کمالات نے دار اخری کی طرف تجاوز کیا جیسا کہ اس میں شروع ہوا تھا۔ اور آپ کی طرف ارشاد و ہدایت کے مدمقابل فرشتہ کی مدد ملا دی گئی اور حفظ و تزکیہ اور مغفرت کے مدمقابل جزیاتی توجہات اور تقوے کی مدد شامل حال ہوئی۔ اور یہ مقام ہے کہ اس سے اوپر کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ آنحضرت کے وارثوں کی بھی تین قسمیں ہیں: ایک وہ جنہوں نے حکمت، عصمت اور قطبیت باطنیہ حاصل کی۔ وہ آپ کے خاص اہل بیت ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جنہوں نے حفظ، تلقین اور قطبیت ظاہرہ ارشادیہ اخذ کی اور آپ کے اصحاب کبار جیسے خلفاء اربعہ اور

تمام عشرہ مبشرہ اور تیسرے وہ وارث ہیں جنہوں نے (فضائی توجہات) اور تقویٰ وعلم اخذ کیے۔ یہ آپ کے وہ اصحاب ہیں جو احسان کے ساتھ لاحق ہوئے جیسے متاخرین میں سے انس اور ابو ہریرہ وغیرہ۔ اور یہ تینوں مراتب خاتم الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال سے متفرع ہیں۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاذ ازل گفت بگو میگویم

"آئینہ کے پیچھے مجھے طوطی کی صفت کے ساتھ رکھ دیا ہے، جس بات کو کہنے کے لیے استاذ ازل کہتا ہے میں وہی کہتا ہوں۔"

۸۷- تفہیم:

حکمت وعصمت اور سیادت کا راز

حضرت حق سبحانہ نے جماعت انبیاء کو معاملہ کے شروع میں ایک خاصیت عطا فرمائی اور وہ یہ کہ ان کی روح اور جسم کی صورت مزاجیہ ایسی نہیں ہے جو ان کے اصول سے بہت زیادہ دور ہو کہ ان دونوں کی صورت جو یہ پیدا ہو جائے ان کے اخلاق اور اعمال سے صرف وہ مضبوط حکایت ہوتی ہیں جو اصول پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اور ان مکرمین کے علاوہ کے مضبوط اعمال واخلاق صورت مزاجیہ کی بدعات سے ہوتے ہیں اور اس فضیلت کے جزئیات میں سے ایک وہ ہے کہ ان بزرگوں کے نزدیک تجلی ذاتی اس صورت جو یہ کے علیحدہ ہونے سے عبارت ہے۔ اس لیے کہ وہ فضیلت اضمحلال اور جدائی کے شرف پر ہے۔ چنانچہ جب بھی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کی وہ فضیلت دفتاً فوقتاً مضمحل ہوگئی تو یہ حکمت، عصمت اور سیادت کا راز ہے۔

اور ان کے من جملہ میں سے ایک کمالات کی اصل ولایت ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتی کہ وہ حق سبحانہ کو اس طرح جانتے ہیں کہ اس کے علاوہ سے پوری طرح غافل ہو جاتے ہیں اور اس کا علم ان کو حضوری بسیط ہوتا ہے۔ وہاں صفات کا بھی خیال نہیں آتا بلکہ صرف اسماء پیش نظر ہوتے ہیں خواہ بر سبیل حیرانی و مدہوشی اور اضطراب ہی کے کیوں نہ ہوں۔ تو یہ ان کے اذکار کی اصل ہے جو ان کے کمالات کا افق ہے اور یہ بزرگان کرام صلوات اللہ علیہم کنارے پر ہو گئے اور ان کی بلند ہمتی اس امر سے مانوس ہو گئی کہ ان کا ذکر ہوتا رہا اور ان کے ذکر کی ماہیت

کوکوئی بیان نہیں کرسکتا، سوائے اس کے جو نور نبوت کا وارث ہو کہ وہ علم حالی ذوقی کو جانتا ہے اور اس کی زبان اس کے بیان کے وقت جلدی جلدی چلتی ہے۔ اور اس پر کبھی بھی کسی نے ظاہر نہیں کیا، اور نہ ان میں سے کسی نے اس کی طرف اشارہ کیا، اور نہ ہی کبھی کوئی ظاہر کرے گا، اور نہ ہی کبھی اشارہ کرے گا۔ اور ہم اس کے بیان کے درپے ہوتے ہیں اور نتائج قوت متمیزہ کے سوا کوئی بیان نہیں ہے کہ جب بھی فطرت بنائی گئی ہے اسی پر بنائی گئی ہے۔ اور میں جلد ہی اس کو قتل کردوں گا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ، اللہ کے فضل وکرم اس کی توفیق اور اس کے الہام سے گہرے کنویں میں دفن کردوں گا، تب میں خالص امی ہو جاؤں گا کہ نہ کوئی کلمہ جانوں گا، نہ کوئی حرف۔ تب میرے رب کی وہ نعمت مکمل ہو جائے گی جس کا اس نے میرے لیے اس وقت وعدہ کیا تھا جب یعقوب علیہ السلام نے حقیقت علیا کی حکایت بیان کرتے ہوئے کہا تھا ویتم نعمته علیک وعلی آل یعقوب ”اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت مکمل کردے گا۔“ پھر یوسف علیہ السلام نے حقیقت جمالیہ کی حکایت بیان کرتے ہوئے کہا تھا انت ولی فی الدنیا و الآخرة توفنی مسلماً و الحقنی بالصالحین“ تو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی میرا ولی ہے، تو مجھے بحیثیت مسلم موت دے، اور مجھے صالحوں میں شامل فرما۔“ اور اللہ عزوجل نے فرمایا وهو یتولی الصالحین ”اور وہ نیک وصالح لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔“ اَللّٰھُم اجعلنی صالحاً بفضلک واحسانک وجودک وامتنانک انت الـــذی بدأت النعمة علی فاتممها وانت الذی اهدیت انوار قدسک فاعممها ”اے اللہ! مجھے اپنے فضل واحسان اور جود وسخا۔ سے نیک وصالح بنا۔ تیری ذات وہ ہے کہ جس نے مجھ پر اپنی نعمت ظاہر فرمائی۔ تو اب اس کو مکمل فرمادے اور تیری ذات وہ ہے جس نے اپنی قدوسیت کے انوار کو ظاہر فرمایا تو اب ان کو عام فرمادے۔“

۸۸۔ تفہیم:

عالم نبوت میں ذکر حقیقی کی کیفیت

عالم نبوت میں ذکر حقیقی یہ ہے کہ وہ بدن سے کام لیتے ہیں اور خودی سے اس معنیٰ میں خود برأت کا اظہار کرتے ہیں کہ اولاً حق سبحانہ کو اس کی عظمت اور کبریائی میں دیکھتے ہیں اور اس

سے آشنا ہوتے ہیں (معرفت ذاتی، فطری، جبلی) اس وقت اس کے ظہور اور مظاہر خاصہ وعامہ کو پہچانتے ہیں اور ظلماتی و نورانی پردوں کو جانتے ہیں۔ اس وقت کرم ازلی حضرت اعلیٰ جل وعز وعلا بغیر کسی واسطہ کے اس کی تربیت فرماتا ہے اور مرتبہ علیا سے خالص عبادت روحانیہ کی اس طرح تعلیم فرماتا ہے کہ اس کی شکل کسی سے مشابہ نہیں ہوتی۔ یہ اولیا کے عجائبات ہیں۔ جاننا چاہیے کہ عبادت دماغ صورت جو یہ کو توڑ دیتی ہے۔ اور اصل الاصل کے ساتھ مراجعت کرتی ہے۔ **فتری الجبال تحسبها جامدة وهي تمر مر السحاب** "تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو تو ان کو جامد گمان کرتے ہو حالانکہ وہ بادل کی طرح چلتے ہوں گے" اور جاننا چاہئے کہ عبادات کے معرکوں میں دوام حضور وغیرہ بچہ کی مکتبی پڑھائی سے زیادہ نہیں ہوتے اس سے مغرور ہو جانا مردوں کو زیب نہیں دیتا۔ اشارہ کو سمجھو اور زیادہ عبارت کی بجائے اسی پر اکتفا کرو۔

علی در پردہ میگوئم تماشا کردہ ام چیزے
سخن جان است عریاں چوں توانم ساختن جاں را

"اے علی! میں در پردہ کہتا ہوں، میں نے ایک چیز کا تماشا دکھایا، سخن کھلی ہوئی جان ہے، میں جان کو کب بنا سکتا ہوں۔"

۸۹- تفہیم:

انبیاء علیہم السلام کی عبادت روحانی اور اس کی مراد

میرا یہ کہنا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات والسلام کو عبادت روحانی کا الہام ہوتا ہے۔ اس سے صورت جو یہ کے لیے دماغ متاثر ہوتا ہے۔ اب جو کہتا ہے کہ ان کے لیے ان کے فطری کمال کے ادھر اکتساب کا راستہ ہوتا ہے، وہ ان کی اصلی تیز استعداد کا وارث ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ معرفت ہے یا توجہ کی ایک قسم ہے یا ان کے لیے اختیاری ہے، یہ امر اضطراری ہے۔ وہ اس کی طرف لامحالہ تدافع کرتے ہیں جیسا کہ ایک امر دوسرے امر کی طرف فیضان کرتا ہے یا نظر نتیجہ کی طرف فیضان کرتی ہے تو اس کے درمیان اور جس کا ان سے آخرت میں وعدہ کیا گیا ہے، اس کے درمیان فرق ظاہر ہے۔ اور الخیر الکثیر میں انبیاء کے مزاجوں کی تحدید سے مراد یہ ہے کہ ہر چیز جو عالم محسوس یا عالم مجرد میں پائی جاتی ہے، اس کی فی نفسہ

ایک کیفیت ہوتی ہے جس سے وہ دوسری چیز سے متمیز ہوتی ہے اور جس طرح ان کے مزاج میں جوش پیدا ہوتا ہے تو اس سے بھی زیادہ خاص مراد لیتا ہوں یعنی ایسی خلط جس سے ایسے آثار پیدا ہوتے ہیں کہ ان میں سے نہیں ہوتے جو سوائے مراحل کے اول امر میں ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اطباء کے نزدیک مثلاً نوشدارو کے اخلاط کے خصوصی آثار ہوتے ہیں، پھر جب وہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو اس کی شکل دوسری ہو جاتی ہے جیسے حرارت غالب، بارد سے ٹوٹتی ہے اور اسی طرح برودت غالب، حرارت سے ٹوٹتی ہے۔ پھر جب ایلوا جو کہ ڈھیر میں چھ ماہ تک دبا رہتا ہے تو اس میں اس کے خلطی مزاج کی بجائے دوسرا مزاج پیدا ہو جاتا ہے جو اس سے ممتاز ہوتا ہے۔ کبھی کسی شئے کی اخلاط موافق غذائیں ہوتی ہیں۔ تو جب مخلوط ہو جاتی ہیں تو بدن کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ اور جب مل جاتا ہے تو سم قاتل ہو جاتا ہے کبھی اخلاط سم قاتل ہوتی ہیں۔ چنانچہ وہ جب مخلوط ہو جاتی ہیں تو مضر ہو جاتی ہیں۔ اور جب مل جاتی ہیں تو بہت زیادہ نفع بخش ہو جاتی ہیں۔ جاننا چاہئے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ ارادہ بالذات علم کی طرح متحد ہے۔ یہی معاملہ ملاک سرمایہ کا ہے جس سے میری مراد یہ ہے کہ علم ناشی تعین اول کے بعد ہے خواہ وہ فعلی متحد بالذات اس ذات کے مرتبہ میں کیوں نہ ہو جو ممکن میں ماہیت کے مرتبہ کے مقابلہ میں ہے جیسے وہاں ارادہ نوع واحد اور سبیل واحد سے اس امر پر متحد ہے کہ وہاں بھی تقدم اور تاخر قدس ہیں۔ اور کہنے والے نے کیا اچھی بات کہی ہے

ز تامل قفس بیضہ طاؤس شود   در شبستان عدم نیز چراغانی ہست

غور وفکر سے قفس مور کا انڈا ہو جاتا ہے   عدم کی تاریکی میں بھی ایک چراغاں ہے

چنانچہ مرتبۂ ظہور میں حضرت العلم سے مکمل انتشار اور مرتبۂ ذات میں درجہ میں اس سے مطابقت ہے۔ اس لیے کوئی تنازعہ نہیں ہے۔

۹۰۔ تفہیم:

حکمت اور عصمت کے معنیٰ کا بیان

بارہا گفتہ ام وبار دگر میگویم   کہ من گم شدہ ایں رہ نہ بخود می پویم

"میں بارہا کہہ چکا ہوں اور ایک بار پھر کہتا ہوں، کہ میں اس راہ میں کھویا ہوا اپنے آپ نہیں دوڑ رہا ہوں۔"

من اگر خارم وگر گل چمن آرائے ہست　　ہم بدانسان کہ دہد پر ورشم می رویم

''میں اگر خار ہوں اور اگر گل ہوں یہ سب چمن آرائی ہے، کہ جس طرح میری پرورش ہوئی ہے، اسی طرح میں اگ رہا ہوں۔''

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند　　آنچہ استاد ازل گفت بگو میگویم

''آئینہ کے پیچھے طوطی کی صفت کے ساتھ مجھے رکھتے ہیں، جو کچھ کہنے کے لیے استاد ازل کہتا ہے میں وہی کہتا ہوں۔''

اے بھائی کیا تم جانتے ہو کہ حکمت کیا ہے۔ وہ اللہ کی زمین میں اس کی حجت ہے۔ جس نے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا وہ نجات پا گیا۔ گویا وہ کتاب مبین ہے جس میں رطب ویابس سب کچھ ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ عصمت کیا ہے؟ یہ وہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خواص میں سے ایک خاصہ بتایا۔ حدیث صحیح میں فرمایا کہ یہ نبوت کے پچیس اجزاء میں سے ایک جز ہے اور یہ خاصہ سمت صالح ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ قطبیت کیا ہے؟ وہ اللہ کے نزدیک پانچ سو کا درجہ ہے کہ بنگال کے بادشاہ کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ صوبہ کابل میں کوئی سمندر نہیں ہے۔

چو مژگان ناز بردل میکند ہر خار صحرائش　　زیارت کردہ ام نخچیر گاہ خوش نگاہاں را

''جب اس کے صحرا کا ہر کانٹا دل پر ابرو کی طرح ناز کرتا ہے۔ تو میں خوش نگاہوں کی شکارگاہ کی زیارت کرتا ہوں۔''

سواد چشم خوباں است رنگ پائے طاؤسش　　مپرس از خوبی رعنا گلستانی کہ من دارم

''حسینوں کی آنکھ کی سیاہی اس کے مور کے پاؤں کا رنگ ہے، میرے پاس جو گلستاں ہے اس کی آرائش وزیبائش کی خوبی مت پوچھو۔''

کاش لوگ جانتے کہ اس قوم کے لوگ کون اور کیسے ہیں تا کہ ان کے پاؤں کی مٹی ہو جاتے۔

۹۱- تفہیم:

باری تعالیٰ کے ارشاد ''انا عند ظن عبدی بی'' کی تاویل اور راز کا بیان:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب العالمین عزوجل سے روایت کرتے ہوئے فرمایا

"انا عند ظن عبدی بی ان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاء خیر منه" میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں، اگر وہ میرا ذکر اپنے نفس میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر اپنے نفس میں کرتا ہوں، اور اگر وہ میرا ذکر لوگوں کی جماعت میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر اس جماعت میں کرتا ہوں جو اس سے بہتر ہے۔ اس ارشاد میں ایک راز اور ایک رمز پوشیدہ ہے، جس کو صرف حکماء ربانی ہی سمجھتے ہیں۔ جن کے بارے میں سیدالبشر نے فرمایا کہ علم ایک ہیئت پوشیدہ ہے جس کو صرف اللہ کو جاننے والے علماء ہی جانتے ہیں کہ جب وہ بولتے ہیں، جس کا انکار صرف اللہ سے غافل لوگ ہی کر سکتے ہیں اور میں انشاء اللہ اس کو بیان کروں گا جہاں تک اللہ زبان سے اس کو بیان کرائے گا کہ زبان اسی کے اختیار میں ہے، چاہے تو بیان کرادے اور چاہے تو گونگا بنادے۔ یعنی اللہ کے اسماء اور صفات ہیں جو اس کی طرف ان دونوں میں بینائی کے نفوذ کے اعتبار سے عین ذات ہیں جیسے چار کے لئے جفت۔ وہ اس میں نفوذ کی معنویت اور اس کی طرف فیضان کے اعتبار سے غیر ذات ہے۔ اس بات کو سمجھ لو۔ پھر اس کے عکس ہیں جو ممکنات کے حقائق ہیں۔ چنانچہ ممکنات کو شکل انہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اور ان کو صرف اسماء سے شکل حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ نہ کسی کو معارف میں سے کوئی معرفت ہوتی ہے۔ نہ اعمال میں سے کسی کا کوئی عمل ہوتا ہے۔ اور نہ ہی اخلاق میں سے کوئی خلق ہوتا ہے، سوائے اس کے کہ وہ تمثیل کے طبقات پر اس رسم کی تمثیلوں میں سے ہوتا ہے جیسا کہ ہم کئی بار کہہ چکے ہیں کہ سارا عالم ہر عین کے تحت ڈھکا ہوا ہے۔ ہم اس کی ایک مثال دیتے ہیں۔ کیا سمندر (آگ کا کیڑا) کی آنکھ نہیں ہوتی اس کا ذوق اور سماعت اور گوشت اور ہڈی نہیں ہوتے؟ اور یہ کہ اس کا گوشت اس کی ہڈی سے زیادہ نمناک وتازہ اور گرم اور نرم وملائم ہوتا ہے اور اس کی ہڈی اس کے گوشت سے زیادہ خشک وٹھنڈی اور سخت ہوتی ہے اور اس کے ذوق قوت ذائقہ میں ترابیت، خاکی پن غالب ہوتا ہے اور اس کی سماعت پر ہوائیت غالب ہوتی ہے۔ اسی طرح سمندر کے طبقات ہوتے ہیں اور ہر طبقہ خالص ناریت، آگ کے تحت ڈھکا ہوا ہوتا ہے۔

کز تامل قفس بیضہ طاؤس شود　　　　در شبستان عدم نیز چراغانی ہست

"غور وفکر اور تامل سے قفس مور کا انڈا ہو جاتا ہے، عدم کی تاریکی میں بھی ایک چراغاں ہے۔"

پھر مگرمچھ کے بھی طبقات ہوتے ہیں اور ہر طبقہ خالص مائیت میں ڈھکا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے اجزاء اوصاف کے لحاظ سے بادی النظر میں سمندر کے مماثل ہوتے ہیں۔ جبکہ حکماء کی نظر میں ان میں بہت فرق ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک سمندر کی مائیت، مائیت کے لباس میں ناریت ہوتی ہے اور مگرمچھ کی ناریت، ناریت کے لباس میں مائیت ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے ہم اعلان کرتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے جلال نے جُلال کی صورت میں جمال پیدا کیا۔ اس امر کو اچھی طرح سمجھ لو۔

پھر جان لو کہ اللہ عزوجل کی معیت، معیت خفی ہے۔ وہ تمام معارف کی تمثیلوں کے لیے متعدد و متنوع رنگوں میں علت ہے۔ چنانچہ جس نے اللہ عزوجل کو خلوص دل سے اس طرح پہچان لیا کہ وہ رحمٰن ہے، اس نے یہ جان لیا کہ وہ اسم رحمٰن کی تمثیل سے ہے اور یہ کہ اللہ کے ساتھ اس کی معیت دلیل لمی سے نہ کہ دلیل انی سے بسبیل رحمت ہے۔ نبی علیہ السلام کے اللہ عزوجل سے روایت والے ارشاد "انا عند ظن عبدی بی" کے یہی معنی ہیں۔ اور ہم کہتے ہیں کہ ذکر نفسی اس کے امر کا سہارا و سرمایہ ہے۔ اور اس کے قوام ہونے کی دلیل تجلی ذاتی ہے جو حالی فطری ہونے سے عام ہے جیسا کہ حکماء نے کہا ہے، یا علمی کسبی ہونے سے عام ہے جیسا کہ اولیا کہتے ہیں۔ وہ معیت ذاتی کی تمثیلوں میں سے ہے۔ اور یہ کہ ذکر لسانی اس کے امر کا سرمایہ و سہارا ہے۔ وہ واسطوں کی معیت کی تمثیلوں میں سے موجودات کی ہیکلوں پر پھیلا ہوا زیادہ عام اور اپنے تحت زیادہ شمولیت رکھنے والا امر ہے۔ اس طرح مذاق حکمت ربانیہ کے لحاظ سے حدیث کی دو تاویلیں ہیں۔ ایک یہ کہ جس نے میرا ذکر، ذکر نفسی کے طبقات پر اپنے نفس میں کیا تو اسے جان لینا چاہیے کہ میں نے اس سے پہلے معیت ذاتی میں اس کا ذکر کیا تھا۔ اور جس نے میرا ذکر، ذکر لسانی کے طبقات پر اپنی زبان سے جماعت میں کیا، اسے جاننا چاہیے کہ میں نے اس کا ذکر ملاء اعلیٰ میں واسطوں کی تجلی کے ساتھ کیا۔ اور دوسرے یہ کہ جس نے وصول ذاتی سے وصل کا ارادہ کیا، اس پر اس کے طبقات کے اعتبار سے ذکر نفسی لازم ہے۔ چنانچہ عوام ذکر قلبی یا تزکیہ اور تصفیہ کے ذکر سے وصل کرتے ہیں اور اولیاء تجلی ذاتی سے اور حکمی حظیرۃ القدس میں اپنی حضوری اور وجود اور انسیت کی گہرائیوں میں غوطے لگانے کے لحاظ سے۔ اور یہ امر بہت عمیق ہے بہت زیادہ عمیق ہے۔ اور جس نے واسطوں کے لحاظ سے

وصول کا ارادہ کیا، اس پر ذاکرین کے طبقات پر ذکر لسانی کے لحاظ سے لازم ہے۔ اس سلسلہ میں عوام کا معاملہ تو ظاہر ہے۔ اور اولیاء جس کو سلوک کہتے ہیں، وہ جذب کے علاوہ ہے

علی درپردہ میگویم تماشا کردہ ام چیزے
سخن جان است عریاں چوں توانم ساختن جاں را

''اے علی! میں درپردہ کہتا ہوں، میں نے ایک چیز کا تماشا دکھایا ہے، سخن کھلی ہوئی جان ہے جبکہ میں جان کو کب بنا سکتا ہوں۔''

۹۲- **تفہیم:**

خاص حالت کا ذکر

براں عزم اگر خود میرود سر
کہ سرپوش از طبق بردارم امشب

''اگر میرے اس عزم سے میرا سر خود بخود (کٹ کر) گر جاتا ہے تو آج رات سرپوش کو طبق سے اٹھا دوں گا۔''

ممکن ہے کہ جلد ہی میرا ساقی رحیم مجھے جام لبریز عطا فرمادے تو میں مست و مخمور ہو جاؤں، اور ہر چیز کی مثال بیان کر دوں، اور نغمات گنگناؤں، اور مست و مخمور ہو کر ناز و انداز سے چلوں، اور ان رازوں سے پردہ اٹھا دوں جن کو کبھی کسی نے ظاہر نہیں کیا اور نہ ہی کبھی کوئی ظاہر کر سکے گا کہ یہاں مذہب باطل ہو جاتا ہے اور مشربوں میں تکدر پیدا ہو جاتا ہے اور صوفی، متکلم، فقیہ اور فلسفی سب کے سب بحر ذخار میں غرق ہو جاتے ہیں تو کوئی نہ ایک کلمہ دہراتا ہے نہ ایک حرف۔ یہ وہ قیمت ہے جس کا مجھ سے وعدہ کیا گیا۔ **واللہ لا یخلف المیعاد** ''اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔''

٭

۹۳- **تفہیم:**

انبیاء علیہم السلام کے قرب کا بیان

کیا جہلاء اور اہل کمال کے نزدیک یہ سب سے پہلی ضرورت اور بداہت نہیں ہے کہ

انبیاء علیہم السلام، اللہ کے نزدیک انتہائی مقرب ہستیاں ہیں؟ لیکن ہمارے نزدیک معاملہ ایسا نہیں ہے اور الکتاب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ایک لحاظ سے اللہ کی نظر میں ایک خاص مقام حاصل ہے جو اس کی نظر میں ہمیں حاصل مقام سے ممتاز ہے۔ اس طرح یہ معنیٰ جو حق سے ثابت ہے حق تنقیح ادا کر دیتا ہے۔ چنانچہ محاورہ میں کہا جاتا ہے فلان اقرب إلى السلطان من فلان "فلاں شخص فلاں کے مقابلہ میں سلطان سے زیادہ قریب ہے۔"
اس محاورہ سے صرف یہی مراد ہوتا ہے کہ سلطان اس کو احسان اور تحسین کی نظر سے دیکھتا ہے اور یہ کہ وہ سلطان کے دل سے زیادہ قریب ہے۔ پھر جاننا چاہئے کہ اس قرب کے لوازم میں اس پر انعامات کی کثرت اور اس کی دعا کی قبولیت وغیرہ شامل ہیں۔ یہ اس مرتبہ کے معنی ہیں جو عوام کے لائق ہیں۔ اور جو معنی پوری طرح صادق آتے ہیں، وہ حکماء کے ساتھ مختص ہیں۔

اور اس طرح ہم کہتے ہیں کہ اصحاب علم کے نزدیک یہ امر بدیہی ہے کہ حکم اور نبوت ایک دوسرے کے مغایر ہیں۔ اور یہ کہ حکمت نبوت سے پہلے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے وآتیناہ حکماً وعلماً "ہم نے ان کو حکم وعلم عطا فرمائے"۔ اور فرمایا و آتینا لقمن الحکمۃ "ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی۔" یہ بھی ارشاد ہے: ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا "اور جس کو حکمت دی گئی، اس کو خیر کثیر دے دی گئی۔" (البقرہ ۲۶۹) اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات سے قبل بھی شرک سے کراہیت کرتے تھے۔ حالانکہ وہ مشرکوں میں ہی پیدا ہوئے تھے۔ اور ان کو بتوں کی عبادت سے روکتے تھے۔ اور اس طرح نماز ادا کرتے تھے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات سے تین سال قبل ان کی ایک رائے قائم ہو گئی تھی۔ اور یہ کہ وہ پہلے شخص ہیں جس نے اپنی رائے کی بنیاد پر کہا السلام علیک۔ اور زید بن عمرو بن النفیل پہلے مرحلہ میں یہودیت یا نصرانیت میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا چاہتے تھے۔ پھر ان کو دین حنیف کی طرف ہدایت ملی۔ وہ نوزائدہ بچیوں کو زندہ رکھتے تھے، اور صرف اس چیز کو کھاتے تھے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ اور بتوں کی عبادت کرنے والوں کے معاملہ میں بہت شدت سے پیش آتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کو شہید کر دیا گیا۔ اور آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بشارت دی گئی۔ اور یہ کہ لوگ نبی علیہ السلام کی مدینہ میں آمد سے قبل ہی جمعہ کی نماز پڑھنے لگے

تھے۔اور امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب کی رائے بہت سے مسائل میں وحی کے موافق ہوتی تھیں۔اور جاننا چاہیے کہ رائے بہر حال ایک رائے ہوتی ہے گویا کہ وہ وحی باطنی ہے جو الٰہیات، نبوات اور معادیات وغیرہ پر دلالت کرتی ہے۔اور عوام کے لیے اس سے زیادہ حکمت کا بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔البتہ حکما کا منصب یہ ہے کہ وہ جانیں کہ وہ کون سی چیز ہے اور کس سے ہے اور کس میں ہے؟

اور اس طرح ہم کہتے ہیں کہ اس امر میں کسی کو شک وشبہ نہیں ہے،خواہ وہ عامی ہو یا عالم کہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے بھی صدق،عفت،تقویٰ اور اعمال حسنہ پر فطری طور پر ثابت قدم ہوتے تھے۔اور انبیاء کے سوا بھی کچھ لوگ ان خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ اور اس خصلت کو عصمت کہا جاتا ہے۔اور حکما جانتے ہیں کہ یہ کیا ہے اور اس کی ماہیت کیا ہے اور یہ کس میں پائی جاتی ہے۔تقریر کا حاصل یہ ہے کہ ان خصلتوں کے اصول تین ہیں جن پر تمام لوگ متفق ہیں اور یہ ہر ایک کے ذہن میں مرکوز ہے،خواہ وہ عالم ہو یا جاہل۔البتہ اس سے متصف ہونا اس کی ماہیت کی تحقیق اور اس کی تہہ تک پہنچنا،اس شخص کے ساتھ خاص ہے جس کو خیر کثیر دی گئی۔جیسا کہ ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ بادل،بارش کا سبب ہوتا ہے۔البتہ پانی کے گیس میں بدلنے کی کیفیت کا علم اہل بصیرت کے ساتھ مختص ہوتا ہے۔اس طرح میری بات کا تعلق اس سے نہیں ہے۔اور غیر نبی کے لیے اس کا اثبات ایک امر کی ایجاد بدعت ہے۔اور مسلمانوں کے اجماع کو توڑنا ہے۔اس کا انکار صرف مغرور اور گھمنڈی لوگ ہی کر سکتے ہیں۔

۹۴- **تفہیم:**

اللہ کی اپنے بعض بندوں کی طرف نظر،ان کے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ لطف ولذت والی ہوتی ہے

اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جن کی طرف وہ احسان وتحسین کی نظر سے دیکھتا ہے،جیسا کہ خود حق سبحانہ نے فرمایا ہے: ولتصنع علی عینی "اور تا کہ تمہاری پرورش میری نگرانی میں کی جائے۔" (طٰہٰ:۳۹) چنانچہ اس نظر کی وجہ سے وہ پوری طرح خوش ومسرور ہوتے ہیں،اور اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔البتہ ان کا اس کا شکر ادا کرنا یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کے لیے اپنی

جانوں، اپنے مالوں اور اپنی اعراض کو اور جو کچھ آسمان وزمین میں ہے، سب کو فدا کر دیتے ہیں۔

علی امشب بدید شاہ خوباں رفتہ ام از خود
بقربان سرش گردانده ام دین را و دنیا را

"علی! آج رات شاہ خوباں کو دیکھ کر میں اپنے آپ سے بیگانہ ہو گیا ہوں، اس کے نام پر اپنے دین و دنیا کو قربان کر چکا ہوں۔"

اور وہ نظر ان کے نزدیک زمین اور اس میں پائی جانے والی تمام چیزوں سے زیادہ لطف و لذت والی ہوتی ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ اہل مرتبہ جو بھی ایسا عمل کرتے ہیں جس سے اللہ کا وصل حاصل کرتے ہیں، اس کی وجہ سے اللہ وقتاً فوقتاً ان کی طرف دیکھتا رہتا ہے۔

اور جب وہ نظر مستقل ہو جاتی ہے کہ وہ اس کے حامل ہو جاتے ہیں، اور اس سے لذت اندوز ہونے لگتے ہیں تو ان کے جمال کے دو ہاتھ ہو جاتے ہیں۔ جمال کے دو پاؤں ہو جاتے ہیں، جمال کی دو آنکھیں ہو جاتی ہیں، اس کی ہر شان جمال میں جمال ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لولاک لما خلقت الافلاک "اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو افلاک کو پیدا نہ کرتا۔" یعنی افلاک آپ کی بدولت رقص کرتے ہیں اور یہ کہ عناصر اور پیدا کرنے والیوں کے وجود اور فساد کا حکم آپ کے لیے چلتا ہے کہ میں نے آپ کی طرف لطف و کرم کی نظر سے دیکھا تو وہ سب خوشی و مسرت سے اس کے پاس آئے۔

بذوق ایں نکتہ آمد جہان وجاں بوجود
اس نکتہ کے ذوق سے جہان و جان وجود میں آئے

اگر وہ خاموش ہو جائیں تو ان کا سکوت اس کی وجہ سے ہوگا اور اگر وہ فخر کریں تو ان کا فخر اس کی وجہ سے ہوگا۔ اسی طرح کی یہ مثال ہے۔

دل را بدل رہی ست دریں گنبد سپہر
دل کو دل سے اس آسمان کے گنبد میں راہ ہوتی ہے

وہ ان سے محبت کرتا ہے تو وہ اس سے محبت کرتے ہیں اور وہ ان کی طرف مودت و محبت کی نظر سے دیکھتا ہے چنانچہ وہ نظر ان پر وہ اثر کرتی ہے جو دماغوں پر شراب کیا کرتی ہے۔

۹۵-تفھیم:

حکمت کیا ہے؟ اور وجاہت کی حقیقت

کل رات میں نے لقمان حکیم کو دیکھا تو ان سے پوچھا: حکمت کیا ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا "عین یقین" یعنی اس سے اللہ کا ادراک ہوتا ہے۔ اور اس کا ادراک علم حضوری مقدس سے ہوتا ہے۔ میں نے کہا، کیا حکمت مکمل طور پر یہی ہے جس کی طرف آپ نے ایک شان کے ساتھ اشارہ کیا ہے، اور برہان کے لحاظ سے اس سے بڑا ہے۔ تو انہوں نے کہا "ہاں" اور میں اس کو جانتا ہوں اور عنقریب میں اس کے بارے میں آپ کو بتاؤں گا۔ پھر میں متنبہ ہوا، اور میں نے علی رضی اللہ عنہ کی جانب دیکھا جو کہہ رہے تھے تم ہمارے بھائی ہو اور یہ ہمارے معتقد ہیں۔ یہ ان اوراق کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، جو میں نے لکھے ہیں۔ میرے بھائی! میں آپ کو ہزار وجاہتوں میں سے ایک کے بارے میں بتاتا ہوں۔ جب بندہ وجیہ، صاحب جمال وکمال ہو جاتا ہے تو اس کا جو قدم بھی اٹھتا ہے، نیکی کی طرف اٹھتا ہے۔ اور وہ جو حرکت بھی کرتا ہے، اس سے نیکی کی حرکت کرتا ہے، اور جب لقمہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں دیتا ہے تو وہ بھی نیکی ہوتا ہے۔ اور جب اس کا گھوڑا آگے پیچھے دوڑتا ہے تو اس کے ہر قدم کے بدلہ میں اس کو نیکی ملتی ہے۔ اور جب وہ سوتا ہے تو اس کے دائیں بائیں کروٹیں بدلنے میں نیکیاں ملتی ہیں اور اللہ اس کے شکر پر اتنا خوش ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ کے کئی گنا شکر پر بھی اتنا خوش نہیں ہوتا۔ اور وہ اللہ کا محبوب قرار پاتا ہے اور جو کچھ پیدا کیا جاتا ہے، اس کی وجہ سے پیدا کیا جاتا ہے۔ اور جب عصمت پوری ہو جاتی ہے تو اس کے تمام افعال حق قرار پاتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ حق کے مطابق ہوتے ہیں بلکہ وہ بعینہٖ حق ہوتے ہیں۔ بلکہ حق ایسا امر ہوتا ہے جو ان افعال کا عکس ہوتا ہے جیسا کہ سورج کی روشنی ہوتی ہے۔ اور اس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا جب اللہ تعالیٰ سے حضرت علی کے لیے دعا فرمائی اللّٰھم ادر الحق معه حيث دار " اے اللہ! حق کو ان کے ساتھ گھما دے جیسے جیسے یہ گھومیں۔" یہ نہیں فرمایا کہ ادره حيث دار الحق "انہیں اس طرف گھما دے جیسے حق گھومے"۔

مپرس از خوبی رعنا گلستانے کہ من دارم
سواد چشم خوبان است رنگ پائے طاؤسش

"میرے پاس جو گلستاں ہے اس کی آرائش وزیبائش کی خوبی مت پوچھو، حسینوں کی آنکھ کی سیاہی اس کے مور کے پاؤں کا رنگ ہے۔"

چو مژگان ناز بردل میکند ہر خار صحرایش
تماشا کردہ ام نخچیر گاہی خوش نگاہاں را

"جب ناز ونخرے والی ابرو کے صحرا کا ہر خار دل پر چوٹ مارتا ہے تو میں خوش نگاہوں کی شکار گاہ کا تماشا دیکھتا ہوں۔"

در شہر فنا ہم نمودیم اقامت
ازبسکہ علی تیز جہاں دیم فرس را

"ہم شہر فنا میں قیام نہیں کرتے، جہاں تک ممکن ہے گھوڑے کو تیز دوڑا دیتے ہیں۔"

تاز مضمون الفتی دارم کہ لعل اشک من
تاج خوباں رابفرق خودنشاندن آرزوست

"مضمون سے ایسی الفت رکھتا ہوں کہ میرے آنسو کا لعل حسینوں کے تاج کو اپنے سر پر رکھنے کا آرزومند ہے۔"

صائب امروز بایں تازہ غزل صلح مکن
اول جوش بہار است گلستان ترا

"اے صائب! آج اس تازہ غزل پر اکتفا نہ کرو، تمہارے گلستاں میں بہار کا پہلا جوش ہے۔"

۹۶- تفہیم:

ارشاد نبوی 'كلمة الحكمة ضالة المؤمن' کے معنی

حکیم اپنے بیشتر اوقات میں ایک امر سے دوسرے امر کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ تمام لوگوں کی استعداد سے بڑا ہوتا ہے۔ اور حدیث شریف میں اسی کی طرف اشارہ ہے كلمة الحكمة ضالة الحكيم فحيث وجدها فهوا حق بها 'حکمت کی بات حکیم کی متاع گمشدہ ہے، تو جہاں بھی اس کو پاتا ہے وہ اس کا حقدار ہوتا ہے۔' اگر علم کے

ثبوت سے یہ مراد ہے تو ہمارے نزدیک اس میں اصلاً کوئی حرج نہیں ہے۔ اور قانون سازی میں قبیلہ کی عادتوں اور شہر کی وضع کو مکمل دخل صحیح ہوتا ہے اور یہ اس قول کا راز ہے کہ عامة الشريعة تختلف باختلاف الزمان والمكان "عام شریعت زمان ومکان کے اختلاف سے مختلف ہو جاتی ہے"۔ اور اسی طرح کی ایک مثال ہے کہ بارش آسمان سے صاف اور لطیف الطبع برستی ہے، پھر زمین پر گرنے کے بعد اس میں ہوا اور مٹی کا اثر داخل ہو جاتا ہے، تو اقلیم اول وثانی کے کنویں کا پانی یکساں نہیں ہوتا (یعنی ایک سے دوسرے علاقہ کے پانیوں میں اختلاف ہوتا ہے)

۹۷- تفہیم:

توحید کے انکشاف کے بعد ظاہر ہونے والی حیرت کی حالت اور اس کا نام رکھنا

توحید کے انکشاف کے بعد پیش آنے والی حیرت کی حالت اس فقیر کے نزدیک قوت تمیزیہ کا زوال ہے۔ اور وہ حکیم کے لیے ضروری ہے، سوائے اس کے کہ حکیموں کی مردہ قوم کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں تجلی ذاتی سے متحیر ہوتے ہیں۔ پھر اللہ سبحانہ کے اسماء ابتدائیہ اور عودیہ سے تنقیح کرتے ہیں۔ پھر نشاۃ اولیٰ واخریٰ ثابت کرتے ہیں۔ اور ان نشاتوں میں سے شریعت اور عبادتوں کی نشاۃ ہے۔ پھر ان کے لیے عصمت تامہ، حکمت کاملہ اور وجاہت عامہ ثابت کرتا ہے، تو اس طرح ہو جاتے ہیں، گویا وہ انبیاء ہیں، لیکن ان کی طرف وحی نہیں کی جاتی، سوائے ان کے جنہوں نے ترتیب طبیعی سے سلوک کا نکتہ دکھایا۔ ان کی تمام عادتیں انبیاء کی تحویلات کے مطابق ہوں گی اور ان کے حال کا کوئی اضطراب دامن گیر نہیں ہے، اور قوت تمیزیہ کا زوال ان کے حق میں بغیر حیرت واضطراب کے ایک امر بسیط وجدانی ہوگا۔ اور جن کا سلوک اسباب خارجیہ یا داخلیہ سے ترتیب طبعی پر نہیں ہے بلاشبہ انہیں ذات اور اسماء تک داخلہ کا راستہ معلوم نہیں ہے۔ قوت ممیزہ کا زوال ان کے حق میں عین اضطراب وحیرت ہوگا

ہر سخن وقتی وہر نکتہ مکانی دارد

"ہر بات کا ایک وقت اور ہر نکتہ کے لیے ایک جگہ ہوتی ہے۔"

۹۸-تفہیم:

اللہ تعالیٰ کے بندہ کو اپنے لیے منتخب کرنے کے بعد اس کے مراتب

جب اللہ کسی بندہ کو اپنے لیے منتخب کرتا ہے تو پہلا کام یہ کرتا ہے کہ اس کی طرف یکے بعد دیگرے مرتبے جذب کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ تجلی ذاتی تک پہنچ جاتا ہے۔ اور اس کے لیے فنا اور پھر بقا متحقق ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اس کے لیے جمہور اولیاء نے اصطلاح مقرر کی ہے۔ پھر اس کے لیے وصول آخر ہوتا ہے، اور وہ اس کا جہت سے خالی ہونا ہے جس پر وہ ازل اور ابد کے لحاظ سے رہا ہے، تب اس کے لیے اس کے سوا نہ کوئی علم رہتا ہے اور نہ ہی اس کے سوا کوئی کرامت۔ پھر مرتبہٗ شارحہ میں اس کی تین تمثیل ہوتی ہیں۔ ایک حکمت اور یہ بعینہٖ وہ جہت ہے کہ جب مظاہر علمیہ میں شکل اختیار کرتی ہے دارنحالیکہ وہ قرابت جلیلہ ہے جس کے ذریعہ علم کے فنون حاصل کیے جاتے ہیں۔ اور اشیاء کے حقائق کا ان کی ماہیت کے طور پر ادراک کیا جاتا ہے۔ اور دوسری عصمت ہے۔ یہ بعینہٖ وہ جہت ہے کہ جب نشاۃ اعمالیہ میں شکل اختیار کرتی ہے۔ اور یہ وہ ہے جو لوگوں کو اپنے اردگرد سے اچکتی ہے پھر جب وہ اس میں داخل ہوتے ہیں تو ان کے خون، اعراض اور اموال نفس اور شیطان سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اور اس کی تمثیلوں میں سے ایک حرم بیت اللہ عزوجل ہے۔ اور تیسری قربت ہے اور یہ وہ تعلق ہے جو اللہ سبحانہ سے شروع ہو کر اس بندہ کو عطا کیا گیا ہے۔ اور وہ تحقیق کے مطابق اس جہت کا نفس ہے، اللہ اس کو رویت احسان و تحسین سے دیکھتا ہے اور ایسا وہ اس وقت کرتا ہے جب وہ اللہ سبحانہ کی نظر و نگاہ ہو جاتا ہے۔

جب یہ اصول ثلاثہ اپنے احکام، تاثیر اور لوازم کے ساتھ ظاہر ہو چکے جیسا کہ ہم نے ان کی تفصیل الخیر الکثیر میں بیان کی ہے، اور بندہ کو خیریت تامہ کے ساتھ تحقق میں انبیاء کا خلیفہ بنا دیا گیا اور علوم الٰہیہ اور شرعیہ ذوق و عرفان کے ساتھ اس مقام پر اتر گئے جو عالم میں علت فاعلہ اور علت قابلہ کی خصوصیت سے ان کے آثار میں جاری ہیں، خاص طور سے سخت مصائب اور عظیم احسانات سے اس کے نفس پر جاری ہوتے ہیں، یہ اس کے لیے اس وقت پیش آتے ہیں جب وقت ہر اس شخص کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے جو ظاہر اور باطن ہر حیثیت

سے اور ہر جہت سے پوری طرح ظاہر ہے جس کے لیے جمہور کے مذہب میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اس بندہ کے لیے تربیت دینے والا اور مدد کرنے والا ہے۔

اور کامل خروج پر حرام کر دیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کی تقلید کرے اور یہ بھی ذوق سے تحقیق کی بنیاد پر اور جزئیات تشریع وسلوک کے ہر جزء میں وحی کی تقلید کی بنیاد پر ہو اور یہ کہ آبا سے کسی چیز کا وارث نہ ہو چاہے مال ہو یا جاہ ومرتبہ۔ اور اس مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہؐ نے فرمایا **نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ماترکناہ صدقة** "ہم انبیاء کی جماعت نہ وراثت پاتے ہیں اور نہ ہی کوئی ہم سے وراثت پاتا ہے ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔" اور اس کے لیے حق ہے کہ امتحان اور آزمائش کے میدان میں بار بار اور نئے نئے قالبوں میں گھلایا جائے۔ اور یہ ہر اس امر میں ہوتا ہے جس میں اللہ سبحانہ اس کی طرف چلانے کو اس کی وجاہت، کمال فضل اور جود وسخا کے عموم میں اس کو نفع بخش دیکھتا ہے۔ اس طرح وہ اللہ سبحانہ کا اپنے راز، قربت اور توجہ کے لحاظ سے شکر ادا کرتا ہے اور اس کی آزمائش پر مخلوق میں اپنے معاملات کی انواع اور اپنے جسم کی اخلاط کی تخلیق کی حیثیت سے صبر کرتا ہے اور اللہ سبحانہ نے اس مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: **إن فی ذلک لآیات لکل صبار شکور** "اس میں ہر صبر اور شکر کرنے والے کے لیے نشانیاں ہیں۔" اور فرمایا **وما اصاب من مصیبة الا باذن من اللہ** "تم پر جو بھی مصیبت آتی ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔" اور جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے دل کی رہنمائی کرتا ہے **ومن یؤمن باللہ یھد قلبہ** اور وہ ان سب میں وسیع القلب، شدید الصبر، بہترین امید رکھنے والا، سخت عصمت والا، عظیم الحکمت اور قوی قربت والا ہوتا ہے۔

اس کے مال، جاہ ومرتبہ، اولاد اور سکون قلب میں سخت ترین مصیبتیں آتی ہیں، حتیٰ کہ وہ اپنی صورت جو یہ سے پوری طرح نکل جاتا ہے۔ چنانچہ اس کے لیے نہ اسماء عودیہ کے سوا کوئی جہت باقی رہتی ہے اور نہ ہی ارادہ کے علاوہ کوئی مرجع۔ اور ہم نے ان دونوں کی تفصیل الخیر الکثیر میں بیان کر دی ہے، اس لیے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ **حسبی اللہ ونعم الوکیل ولا حول ولا قوة إلا باللہ العلی العظیم** "میرے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے اور نہ مجھ میں ہمت ہے، نہ طاقت وقوت، سوائے اللہ کے جو علی وعظیم ہے۔"

۹۹-**تفہیم:**

خاتم الاولیاء کا بیان

ہمارے نزدیک خاتم الاولیاء وہ ہے جو صورتِ مزاجی کے عالم میں خاتم الانبیاء کے مقابلہ میں ہو۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ وہ مظہر تامہ ہو اور اس کا تجیر ذات کی گہرائی اور حقیقت کی وضاحت میں ہو۔ اور اولیاء کی دو قسمیں ہیں، ان میں ایک حالی ہے کہ اس پر اس کا حال غالب رہتا ہے، اور دوسرا علمی ہے، اس پر اس کا علم غالب رہتا ہے۔ اور خاتم الاولیاء کے لیے علمی ہونا ضروری ہے۔ اور اس کا ذات کی گہرائی میں تجیر ضروری ہے کہ علمی لباسوں میں ہو۔

۱۰۰-**تفہیم:**

خواب اور اس کی تاویل جلیل

لک الحمد ان انجزتنی ماوعدتنی
فلست اخاف الضیر بعد ولا ھضما

"تیرے ہی لیے حمد ہے کہ تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا وہ پورا کیا، اب مجھے نہ کسی نقصان کا ڈر ہے نہ کسی پستی کا۔"

وھبت مقاماً بعد حکم کانہ
تقضم من کل المقامات لی قضما

"مجھے حکم کے بعد ایسا مقام دیا گیا گویا کہ وہ، میرے لیے سارے مقامات سے مجھ پر کچھ نہ کچھ حصہ رکھتا ہے۔"

چھبیس ذی الحجہ کی رات میں، میں نے دیکھا گویا کہ میں ایسے مقام بلند میں داخل ہوا ہوں جس کے بہت سارے خدام ہیں، اور طلب میں آنے والوں کی بہت بڑی تعداد ہے۔ شاید کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد یا کوئی اور جگہ ہے۔ اور وہاں ایک بلند قبہ ہے اور اس کے گرد لوگ بیٹھے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص کے ہاتھ میں تصویریں ہیں جو وہ لوگوں کو دکھا رہا ہے۔ لوگوں کے چہرے اس کی طرف مائل ہیں، میں اس منظر کو دیکھ کر رک گیا اور قبہ

میں داخل ہوگیا۔ وہ شخص بھی اس میں داخل ہوگیا اور قبہ کے صدر مقام پر بیٹھ گیا، پھر مجھ پر ایک عجیب حال طاری ہوا جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اور وہ یہ کہ میں اللہ سبحانہ کی زبان ہوں، وہ میرے ذریعہ کلام کر رہا ہے اور میرے ذریعہ غیظ و غضب کا اظہار کر رہا ہے۔ چنانچہ میں اس کی طرف کھڑا ہوا اور اس سے کہا تو دنیاوی زندگی کے حسین ترین علماء میں سے ہے اور یہ اللہ سبحانہ کا کلام ہے جو اس نے میری زبان سے کہلایا۔ تب اس کا سر جھک گیا اور اس کو بہت زیادہ خجالت و شرمندگی ہوئی پھر میں قبہ سے نکلا تو اچانک میں عربی ہوگیا۔ میری زبان عربوں کی زبان ہوگئی اور میرا لباس عربوں کا لباس ہوگیا۔ اچانک لوگ ٹوٹ پڑے، وہ مجھے اس بات پر مبارکباد دے رہے تھے کہ اللہ نے میری زبان سے کلام کیا ہے اور اس امر پر تعجب کا اظہار کر رہے تھے، مجھ سے مصافحہ کر کے برکت حاصل کر رہے تھے۔ پھر مجھے الہام کیا گیا کہ یہ وہ کلام ہے جو اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے میرے بھائی ابن عباس کے حق میں ادا کیا ہے۔ حالانکہ وہ اس سے عناد رکھتا تھا اور اس کو ایذا پہنچاتا تھا۔

اس خواب کی تاویل بہت عظیم و جلیل ہے۔ اپنی حقانیت پر ناز کرتا ہوں اور اپنی بطلانیت (ہیرو ہونے) پر نازاں ہوں۔ میرا عربی ہونا میرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ ہونے کی وجہ سے ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر فرائض کے قرب کا فیضان فرمایا۔ اور الہام کا مطلب یہ ہے کہ میں نازاں ہونے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہوں۔ اور دین میں فقاہت کی حیثیت سے میں ابن عباس ہوں اور اپنی جسمانیت کی حیثیت سے ان کا بھائی ہوں۔ میں اس خواب کی وجہ سے بہت خوش ہوا مجھے زبردست مسرت حاصل ہوئی۔ اور میں نے جان لیا کہ اللہ سبحانہ نے محض اپنے فضل سے فرائض کا قرب اور مقام امیت عطا فرمایا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

۱۰۱-تفہیم:

طویل گفتگو سلوک کے شروع ہونے اور مقامات کے علی الترتیب بیان کے بارے میں

میں اپنے سلوک کے شروع ہونے کے بارے میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔ اور

مقامات کو بالترتیب بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ سبحانہ نے مجھ پر سب سے پہلے جس چیز سے پردہ اٹھایا، وہ یہ ہے کہ میں نے خواب دیکھا کہ گویا شیخ حسین بارک اللہ فی عمرہ مجھے حکم دے رہے ہیں کہ میں اپنے شیخ اور والد قدس سرہٗ سے اس امر کے بارے میں سوال کروں جس سے دوام ذکر حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر تم اس کا ارادہ رکھتے ہو تو فلاں شخص سے تلمذ اختیار کرو، اور ان سے سیکھو۔ وہ ایک ایسے شخص کی طرف اشارہ کر رہے تھے جس کے پاس نہ علم ہے اور نہ ہی اس کو سلوک حاصل ہے۔ میں بیدار ہوا تو میں نے اس خواب کی یہ تعبیر لی کہ اس شخص سے تلمذ حاصل کرنے کا مطلب انکسار نفس اور شیخ حسین سے طریق اخذ کرنا ہے کہ ان کے پاس بہت زیادہ علم نہیں ہے۔ میں ان کے پاس گیا تو اللہ نے ان کی صحبت سے مجھ پر دو قسم کی نسبتیں کھول دیں۔ نسبت ہمارے مفہوم میں کسی بھی ایک رنگ کے حضور میں رنگنا ہے جیسے محبت، خشوع، تعظیم وغیرہ۔ اور میرے رب نے مجھے الہام کیا کہ میں اس کا احاطہ کرلوں اور اس کی باریکی تک پہنچ جاؤں۔ چنانچہ میں نے اس کے اثر کا اتباع کیا تو مجھے نسبت کی ایسی قسمیں عطا کی گئیں، جن تک کوئی شخص کم ہی پہنچا ہوگا۔ اور جذب کی ایسی اصناف عطا کی گئیں کہ کسی مجذوب کو ان میں سے کم ہی عطا کی گئی ہوں گی۔ چنانچہ میں ایک زمانہ تک مطمئن رہا۔ پھر مجھے ایک واقعہ پیش آیا اور وہ یہ کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا اللہ سبحانہ نے میرے لیے ایک مقام رفیع کھول دیا ہے۔ اور وہ حضور مجرد ہے جو نہ زمانہ میں ہے نہ مکان میں۔ چنانچہ میں پوری طرح اس کی طرف مائل ہو گیا اور اس کے علاوہ سب کو چھوڑ دیا اور گمان کرلیا کہ میں مطلب اقصیٰ میں کامیاب ہو گیا۔ پھر دوسرا امر ظاہر ہوا وہ اللہ سبحانہ کے اسماء کے افاضیات ہیں۔ اس وقت میں نے گمان کیا کہ اللہ سبحانہ نے اسی امر کا فیضان فرمایا۔ پھر چند روز کے بعد مجھ پر اس سے زیادہ لطیف امر کا کشف ہوا۔ اور یہ وہ شئے ہے جس کو بالفعل افاضہ ہے لیکن بعینہٖ بالفعل افاضہ نہیں ہے۔ پھر چند دن کے بعد مجھ پر واضح ہوا کہ گویا وہ امر سلبی ہے یعنی وہ تنزیہ کے ساتھ متحد ہے اور وہ کائنات انسیہ زمانیہ و مکانیہ کے لیے سلب سے ہے اور چند روز کے بعد گویا وہ استعداد ہے جس سے سلبیات وغیرہ پیدا ہوئی ہیں۔ اور چند دن کے بعد گویا کہ وہ امر بسیط ہے، حق بساطت، نہ اس میں تعدد ہوتا ہے نہ تکثر۔ اور میں ان دنوں یہ گمان کرتا تھا کہ امر ثانی امر اول کے لیے ناسخ ہے۔ اس طرح معاملہ جاری

رہااوراس کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ فناء لطائف ہے۔

پھر میں اپنے شیخ قدس سرہ کی قبر کے پاس اللہ سبحانہ کی طرف توجہ کر کے اس امر بسیط کا پوری طرح ادراک کرتے ہوئے بیٹھا ہوا تھا کہ جس چیز کا بھی اپنے رب سے ادراک کر سکتے ہو، اس کو دیکھو تو میں نے کہنا شروع کر دیا۔ نہ حس ظاہر ہے، نہ باطن اور نہ نفس ناطقہ ہے۔ پھر مجھ سے کہا گیا: پھر تم کس سے ادراک کرتے ہو؟ تو میں نے کہا اپنے تقرر اور وجود سے۔ پھر کہا گیا تو اپنے تقرر کے معنی بتاؤ، وہ کیا ہے؟ اور ضروری ہے کہ وہ بدن مشاعر اور نفس سے بھی پرے ہو کہ تقرر اللہ سبحانہ ہے۔ تو میں نے کہا مدرک۔ اور مدرک واحد ہے۔ پھر مجھ سے کہا گیا اس مسئلۂ علمیہ پر یقین رکھو اور اللہ سبحانہ سے خالص وحدت اور علم حضوری بسیط کے ساتھ ڈرو۔ اس وقت فناء تام حاصل ہوا۔ پھر میں ایسا ہو گیا گویا میں بحر معارف ہوں۔ پھر مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کے مقام اور علم آخرت، علم شرائع، علم تکوین اور علم الٰہیات وغیرہ علوم عجیبہ کا کشف ہوا۔ اور مجھ پر حکمت اور اس کے آداب کھول دیئے گئے۔ تو میرے لیے میرے رب کے فضل سے اس کا وجود محقق ہو گیا۔

۱۰۲- **تفہیم:**

وجود کے مقام کی تمثیلوں سے علم کا مقام

اے بھائی! کیا تم جانتے ہو کہ علم کا مقام وجود کے مقام کی تمثیلوں سے ہے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا: **ثم جعلنا الشمس علیه دلیلا** "پھر ہم نے سورج کو اس پر دلیل بنایا۔" یعنی اس کے وجود کی علت۔ یہاں لفظ دلیل کو علت کے استعارہ کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ دلیل وجود علمی عطا کرنے والی ہے۔ اور علت وجود خارجی عطا کرنے والی ہے۔ اور اول ثانی کی تمثیلوں میں سے ہے۔ تو یہ استعارہ کا تعلق ہے۔ جاننا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حدیث قدسی میں فرمایا: **انا عند ظن عبدی بی** "اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنے بندہ کی استعداد کے وقت وہ میں ہوں، وہ خارج اور واقع کے اعتبار سے ہے۔ اور جو امر افاضیہ کے اعتبار سے مجھ تک پھیلا ہوا ہے، اس سے فرائض کے قرب سے کنایہ کیا ہے۔ اب اگر تم کہو کہ ان دونوں قربتوں کو یہ دونوں نام کیوں دیئے گئے؟ تو میں کہتا

ہوں کہ یہ اس لیے ہے کہ اللہ سبحانہ کی طرف چلانے والے طرق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کو وحی اور انبیاء کے معارف نے ثابت کیا ہے۔ اور وہ فرائض کے قرب سے مناسبت رکھتا ہے اور اس کی طرف لے جاتا ہے، اس لیے اس کو اس سے کنایہ کیا گیا۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس کو الہام اور اولیاء کے معارف نے ثابت کیا ہے اور وہ نوافل کے قرب سے مناسبت رکھتا ہے، اس لیے اس کو اس سے کنایہ کیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰؒ نے طاعات کے قبیل سے آپ کو جن امور کی بھی وحی کی ہے تو وہ یا تو فرض ہیں یا فرض کی جنس سے ہیں۔ جیسے نفل نمازیں اور قرآن کی تلاوت، یہ فرض کی جنس سے ہیں اور جن امور کا اللہ سبحانہ نے اولیاء کو الہام کیا ہے، وہ طرق موصلہ ہیں جیسے حضور اور ذکر قلبی اور تزکیہ، توکل اور توحید افعال وغیرہ یہ سب نفل ہیں۔ یعنی فرض کی جنس سے نہیں ہیں، بلکہ زیادتی ہیں۔

۱۰۳-تفہیم:

قضیہ 'واحد سے واحد ہی صادر ہوتا ہے' کا صدق اور صادق اول سے مراد

اس قضیہ کا کہنے والا کہ 'واحد سے واحد ہی صادر ہوتا ہے' اپنے قول میں سچا ہے۔ اور حقیقت واحیہ سے صادر ہونے والا اللہ سبحانہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ یہ عقل نہیں ہے جیسا کہ فلاسفہ نے گمان کیا ہے۔ اور اسم سے مراد یہ ہے کہ جو کسی کا عنوان ہوتا ہے اور اس پر صادق آتا ہے۔ اور اس سے صرف اس امر میں ممتاز ہوتا ہے کہ وہ شئے اپنی ماہیت کے لحاظ سے وہ اسم نہیں ہوتی بلکہ اس کے اخذ کے اعتبار سے اس کے ساتھ ایک خصوصیت ہوتی ہے، جو شئے کی ماہیت کی شارح ہوتی ہے جیسے جفت چار کے لیے ہوتا ہے۔ یا خصوصیت زائدہ اجنبیہ ہوتی ہے، ماہیت کے اقتضا سے نہیں ہوتی جیسے انسان کے لیے کاتب ہونا۔ یہ علی سبیل العموم اسم کی ماہیت ہے اور یہ جو صادر ہونے والی ہے تو یہ یقیناً اول کے قبیل سے ہے یعنی ماہیت کی لازم ہے اور وہ اس لیے کہ اس کی ماہیت اس کے وجود کا عین ہوتا ہے تو جو وجود کا لازم ہوتی ہے، ماہیت کے اقتضا کے بغیر اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اور عقل ایک دوسرا جوہر ہے، وہ نہ واجب کا عنوان ہے، نہ اس پر صادق آتی ہے۔ اور اس مطلب کے اثبات کے لیے ہمارے پاس کئی وجوہ ہیں۔

اول مقدمہ کی تمہید کے ساتھ مسبوق ہے۔ وہ یہ کہ لازم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کا ماہیت تقاضہ کرتی ہے اور وہ ماہیت کو بنانے کے علاوہ نئے سرے سے کسی عمل کا بنایا ہوا نہیں ہوتا۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس کا ماہیت بنفسہٖ تقاضا نہیں کرتی بلکہ ایسا وجود کی شرط کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس کا وجود ماہیت کے وجود کا غیر ہوتا ہے۔ اور نئے سرے سے بنایا ہوا ہوتا ہے۔ یہ وہ نظر جلی ہوتی ہے جس کی تصریح فلاسفہ نے کی ہے اور نظر دقیق یہ حکم کرتی ہے کہ ماہیت کا تقاضا اس کے لازم کے لیے ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ خالص ہونے کے درجہ میں ماہیت صرف وہی ہوتی ہے اور وہ اس حالت میں مجمل ہوتی ہے۔ اس کی شرح مرتبۂ متاخرہ میں صرف اس کی لازم ہوتی ہے۔ وہ اس کے نفس سے جاری ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی حقیقت اس ماہیت کے سوا خصوصیت شارحہ اور ہیئت تفصیلیہ کے ساتھ کچھ نہیں ہوتی جو ماہیت کے اجمال اور اس کے آگے بڑھنے سے صادر ہوتی ہے جیسے چار کے لیے جفت یا جوڑا۔ اس لیے کہ چار جب اپنے آپ میں چار اکائی ہوگا، وہ چار اکائی ہونے میں اپنے خالص ہونے کی شدت کے لیے اپنے آگے بڑھنے کے اعتبار اور لحاظ کے بغیر اپنے مرتبہ میں شکل اختیار کرے گا۔ اس لیے نہیں کہ وہ امر اجنبی ہے اس پر زائد ہے، اور یہ کہ اپنے لازم کے لیے وجود سے مشروط ماہیت کے تقاضہ میں وہ اپنے بنانے والے کی طرف اس کی سند کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ اور وہ جب محققین کے نزدیک اس طرح متحقق ہوتا ہے کہ ماہیت اور فعلیت کے درمیان فاصلہ یہ ہے کہ جب شئے کی طرف اس کی ماہیت کا لحاظ کیا جاتا ہے تو ماہیت کے لقا کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ اور جب اس کی طرف اس حیثیت سے لحاظ کیا جاتا ہے کہ اس کی نسبت اس کے بنانے والے کی طرف ہے تو فعلیت کے لقا کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ اس وقت تقسیم صحیح ہوتی ہے کہ لازم یا تو ماہیت کے اجمال کے لیے تفصیل ہے اور اس کے لیے شرح ہے اور ان دونوں کا ایک دھاگہ میں پرو دیا جانا ان دونوں کو ایک ایسے امر کے لیے بنانے والا ہے جو ان دونوں کو جمع کر دیتا ہے۔

اور جب مقدمہ کی تمہید بندھ گئی تو ہم کہتے ہیں کہ حقیقت واجبہ سے صادر اول لازم ہے کہ وہ اس حقیقت کی تفصیل اور اس کی شرح ہو۔ اور وہ اس لیے کہ اگر اصلاً لازم نہ ہو تو اس کا صدور محال ہوگا۔ اس لیے کہ جو شئے، شئے سے واجب نہیں ہوتی، اس سے صادر نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی یہ

ممکن ہوتا ہے کہ لازم اجنبی ہو۔ اس کو ایک امر جمع کرتا ہے۔ اس لیے کہ واجب جل مجدہ سے اوپر کوئی امر نہیں ہے اور جو کچھ ہوگا کسی شئے کی شرح اور تفصیل ہوگا۔ وہ اس پر صادق آئے گا اور اس کا عنوان ہوگا۔ اور وہ اس لیے کہ اس پر صادق نہیں آیا تو یقینی طور پر اس میں امر اجنبی اس حقیقت کی ضد ہوگا۔ یہ خلاف واقعہ ہے۔ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

اور دوسری وجہ بھی مقدمہ کی تمہید پر موقوف ہے، وہ یہ کہ ہر بنانے والے کے لیے اپنی بنائی ہوئی چیز سے خصوصی نسبت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کے علاوہ کوئی مستوجب نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی بنایا ہوا پایا جاتا ہے۔ سوائے اس کے کہ اس پر علت واجبہ کا وجوب وسبقت لے جاتا ہے جیسے اس کے وجود کا ہونا واجب ہے اور ہر ممکن کے طبائع میں اس کی اصل فعلیت میں، اس کے بنانے والے کی طرف نسبت ہوتی ہے۔ اور جب تحقق کے بقعہ میں ہونا ممتنع ہو گیا یعنی یہ متحقق ہو گیا کہ امر یہ تھا کہ اس کی جہت واجب جل مجدہ سبحانہ میں موقر روح نہیں ہوتی اور اللہ سبحانہ کی تمجید بزرگی کی صورت یہ ہے کہ کہا جائے کہ وہ فعلیت کے مفہوم کے اقلیم کو محیط ہے خواہ وہ مفروضہ ہو یا عملاً غیر متناہی احاطہ ہو۔ ایسی صورت میں کلی نہیں ہوگا اور نہ ہی جزئی ہوگا۔ جہاں تک یہ سوال ہے کہ وہ کلی نہیں ہے تو یہ اس لیے کہ نہ اس میں نفع ہے اور نہ ہی نقصان ہے۔ وہ خیر محض ہے، اور مکمل طور پر خالص ہے، اور جہاں تک اس کے جزئی نہ ہونے کا سوال ہے تو وہ اس لیے کہ وہ اس سے زیادہ عام نہیں ہے۔ اور نہ ہی ایسا مفہوم ہے کہ اس کے اوپر سے اس کا احاطہ کرے۔ اور زیادہ حق بات جو اس کے سلسلہ میں کہی جاتی ہے، یہ ہے کہ وہ واحد ہے لیکن عوام میں مشہور معنی کے لحاظ سے نہیں۔

اور اسی طرح جب صادر اول کا تغیر، جہت واجبہ جامعہ ہوتی ہے تو اس کے لیے حق ہے کہ اس اطلاق کے ساتھ مطلق ہو جس کی تفسیر ہم نے واجب جل مجدہ کی ہیئت سے کی ہے۔ اس طرح نہیں جیسے گمان کرنے والوں نے گمان کیا ہے کہ واجب کے لیے جزئیات مطلق لازم ہوتی ہیں۔ پھر یہ کہ صادر اول اس کی ماہیت کے قبل سے جزئیات کے سامنے جزئی ہوتا ہے۔ اور اگر ایسا ہوتا جیسے یہ لوگ قیاس کرتے ہیں تو اولاً لازم نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کا بننا بسیط ہوتا۔

اور جب مقدمہ کی تمہید بندھ گئی تو تم کہو گے کہ اللہ سبحانہ کے سوا جو کچھ ہے، اس کا وجود اللہ سبحانہ میں فنا ہے۔ اور یہ اس حکم کے لحاظ سے ہے جس کی بنیاد ہم نے اس طرح رکھی ہے کہ

اللہ ہر ایک کا احاطہ کیے ہوئے ہے تو اس کے اوپر یکے بعد دیگرے لازم خصوصیات کے امتیاز اور تعدد کی حیثیت سے ہے اور کسی چیز میں فنا ہونے والے ہر ایک پر اس کا محمول کرنا اس وقت ممکن ہوتا ہے جب وہ مطلق ہو اور وہ اس لیے کہ صرف خصوصیت کی وجہ سے امتیاز ہے اور یہ کہ وہ نہ اس کے اطلاق میں اور نہ ہی اس کے تحقق میں اس کی ضد ہے۔ چنانچہ صادر اور اس پر محمول ہے اور اس کا عنوان ہے۔

تیسری وجہ بھی ایک مقدمہ کی تمہید کی محتاج ہے۔ وہ یہ کہ ایجاد کی شکل بنا و تخلیق کی شکل نہیں ہے، اور نہ ہی جعل مرکب ہے، جس کا اثر ہیئت خلطیہ ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ اس کے اثر کی بسیط نے شئے بنفسہ بنائی اور وہ نظر جلی ہے، پھر نظر دقیق یہ حکم لگاتی ہے کہ صادر اول کسی بھی صادر کرنے والے کے لیے ایک مثال ہے، اور یہ کہ جاری ہونا صرف مصدر کی جہت کے لیے ان خصوصیات کے ظہور سے ہے جو بے حد و بے شمار ہیں۔ اور صادر اول مختلف صادرات کے لیے مجموعی طور پر جامع ہے۔ اس لیے کہ اگر امر خاص صادر ہو گیا تو اس کا غیر صادر نہیں ہوا۔ اس لیے واحد سے صرف واحد ہی صادر ہوتا ہے۔ اور میری مراد خصوصیت الٰہیہ ہے جو جہت اور اس سے صادر ہونے والے کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔ اور ضرورت فطری اس طرح پوری ہوئی کہ مظاہر کے لیے شئے جامع کی مظہر کے بھی رنگ میں نہیں رنگی جاتی۔ ورنہ وہ جامع نہیں ہوگی۔

اور جب مقدمہ کی تمہید بندھ گئی تو اب تم کہو گے کہ صادر اول واجب جل مجدہ کی جہت کے لیے پوری پوری تمثیل ہے جو کسی بھی چھوٹے بڑے امر کو نہیں چھوڑتی سب کا احاطہ کر لیتی ہے۔ اور اس سے صرف خصوصیت شارحہ سے ممتاز ہوتی ہے۔ بلاشبہ وہ اللہ سبحانہ کے ناموں میں سے اسم اعظم ہے "والحمد لله اولاً وآخراً ظاهراً وباطناً وصلى الله على خير خلقه محمد وآله اجمعين"۔

۱۴۳- تفہیم:

تجلی ذاتی کی حقیقت کا تفصیلی بیان

تم اپنے علم کے موقف میں ثابت قدم رہو اور اس امر کا پورا یقین رکھو کہ تجلی ذاتی کی حقیقت اللہ سبحانہ کا اس طرح عرفان ہے کہ وہ اپنے ماسوا ہر شئے کا مبدأ اور اپنے تقرر و ثبات

میں پختہ ہے۔ خواہ صفات کی بات ہو یا ذوات کی اور اس حیثیت سے کہ اس کی ذات کی احدیت تمام جہات وجودیہ کے لیے جامع ہے۔ اس کی پہلی مثال اللہ سبحانہ کے اسماء ہیں پھر الگ سے اعیان ہیں۔ اور وہ یہ کہ پہلا اجزا اجمال کی تفصیل ہے۔ اور دوسرا سورج سے روشنی ہے۔ پھر اس کی ذات کے سوا تمام سے رجوع ہے، خواہ وہ اسماء ہوں یا ان کے علاوہ۔ یہاں تک کہ اس کی ذات کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہتا اور اُس کی ذات کے جلال میں اس کے سوا سب کچھ فنا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ بنفسہٖ توحید حضوری اجمالی میں پایا جاتا ہے اور یہ وہ امر ہے جس پر جمہور اہل اصول متفق ہیں۔

چنانچہ اولیا میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو اس کو توحید کا نام دیتے ہیں اور ابو عبداللہ راہ سلوک کی منزلوں میں اس طرح چلنے والوں میں سے ہیں کہ انہوں نے اس کو آخر مقامات قرار دیا ہے۔ اور ان میں سے کچھ لوگ اس کو فنا یا جذب کا نام دیتے ہیں جیسے شیخ الطریقت خواجہ نقشبند اور شیخ شہاب الدین۔ اور ان میں سے بعض اس کی تعبیر اس طرح کرتے ہیں کہ سالک کسی مسلمان کے برتن کی طرح ہوتا ہے، جیسے شیخ اعظم محی الدین عبدالقادر۔ اور ان میں سے کچھ لوگ اس کو تجلی ذاتی کا نام دیتے ہیں جیسے شیخ اکبر ابن عربی اور ان کے پیروکار۔ اور اللہ عزوجل کے حکماء بھی جو اس کے رنگ میں رنگے ہوئے اور راہ کو عبور کرنے والے ہیں۔ البتہ یہاں دو مقام ہیں جن میں اختلاف کرتے ہیں۔ اول یہ کہ آیا وہ جائے قرار ہے جس میں وہ قرار اختیار کرتا ہے، یا راستہ کی چڑھائی کا حصہ ہے جس پر چلتے ہیں اور اس میں رکتے نہیں ہیں۔ چنانچہ اولیاء شیوخ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس میں رہتے ہیں۔ لیکن حکماء اس میں رہنے اور اس کے تحقق کی استطاعت نہیں رکھتے، کیونکہ ان کے ساتھ جذب قوی اور سرعت سیر ہوتی ہے۔ ان کا ٹھہرنا صرف توحید کی عبادت کی طرف ہوتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ برقی ہے یا دائم۔ تو اولیاء میں سے باخبر اصحاب کا اس کے برق ہونے پر اجماع ہے اور حکماء کے مذہب سے اس کے اجمال کا دوام ظاہر ہوتا ہے، اس طرح کہ دائرہ تنگ ہو جاتا ہے۔ اور اس کی تفصیل کا اختلاف اس حیثیت سے کہ وسیع ہوتا ہے۔ اور اس میں راز یہ ہے کہ ان کی رائے بغیر تحقق واستغراق کے اس سے رنگی ہوئی ہوتی ہے۔ پھر یہ متحقق ہوتا ہے کہ حکماء کے لیے وصول تام سے اس نوع کے بعد دوسرا وصول ہوتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ مختص ہوتے ہیں۔

وما كل عين بالجمال قريرة
ولا كل من يهوى تجلى له السر

''ہر آنکھ کو جمال سے ٹھنڈک نہیں ملتی، اور نہ ہی ہر عشق والے پر بعد اور راز کھلتے ہیں۔''

بے شک مشق و ریاضت کرنے والوں پر واضح ہے کہ ممکنات کے حقائق اسماء کا عکس ہوتے ہیں۔اس لیے کمالات کے اصول وفروع پر اس عکس سے فیضان ہوتا ہے۔اور ہر کمال کا اس عکس میں اس کے فضل پر اجمال ہے۔وہ یہ کہ ان میں سے وہ ہیں جن پر صورت مزاجیہ جمع ہو جائیں۔اور ان میں سے وہ بھی ہیں جن کی خواہش نہ کی جائے۔اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی دو قسمیں ہیں۔ایک وجودیہ یعنی جس سے فیضان کے لیے وجود حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کی بنیاد ہمارے نزدیک وحدت الوجود کی اصل پر اس معنی میں ہے جو کتاب الخیر الکثیر کے شروع میں ذکر کیا گیا۔اور دوسرے شہودیہ ہے یعنی جس سے بندہ کی تعلیم حاصل ہوتی ہے اور اس کی طرف تعریف ہوتی ہے اور یہ اولی کے لیے عکس ہے۔اور وہ ہمارے نزدیک وجودیہ ظہوریہ کے لیے کمالات علمیہ، ادراکیہ کے عکس سے محقق تحقیق پر مبنی ہے۔جیسا کہ اس کتاب میں اس کی طرف بار بار اشارہ کیا گیا ہے۔

پھر بحث ومباحثہ کے بعد معلوم ہوا کہ حکما کے لیے وصول کی قسط ہے۔اور کمال سے حظ وحصہ ہے۔ادراکیات کا عکس وجودیات کے اصول میں داخل ہوتا ہے جیسا کہ سورج کا عکس موسم گرما میں دوپہر کے وقت داخل ہو جاتا ہے۔چنانچہ حکیم بنفسہٖ طاعت، عرفان، ذوق اور وجدان ہو جاتا ہے۔چنانچہ وہاں اس وصول علمی کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے جو اصحاب تدقیق کے نزدیک نیرنگ اور طلسم ہوتا ہے۔اور بندہ پوری طرح اللہ کے لیے، اور اس کے افعال واقوال کلی طور پر اللہ کے لیے، اور اللہ کے نزدیک اور فی سبیل اللہ ہو جاتے ہیں۔پھر اس کے دور میں شہود کے اصول پر ان کا شہود ہوتا ہے اور اہل جذب پر ان کا جذب اور ان کا سلوک ہوتا ہے۔اور اس مقام سے موسوم ہونے کا زیادہ حقدار اخلاص اور صلاح ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اولي الأيدى والأبصار انا اخلصناهم بخالصة ذكرى الدار ''بڑی قوت عمل رکھنے والے اور دیدہ ور لوگ۔ہم نے ان کو ایک خالص صفت کی بنا پر برگزیدہ کیا تھا اور وہ دار آخرت کی یاد تھی۔'' (ص: ۴۵-۴۶) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے اپنے آپ کو عبد صالح

سے موسوم کیا۔ اور دوسرے الفاظ میں وہ حقائق اپنی مجرد اور متحیز مثالوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ تم ان کو عدم کے حکم میں کرو گے کیونکہ وہ اپنی جبلت میں صورت جو یہ، براقیہ، صیقلیہ سے اس پر پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس کا عرفان اس کا نفس اس کی سماعت اس کا نفس، اور اس کی بصارت اس کا نفس ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ شروع میں اسی طرح تھا۔

اور اس کے مثل پر رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے حفاظت فرمائی۔ جب فرمایا اگر میں اس کے بعد اپنی نماز میں بھول جاؤں تو لوگوں کو چاہئے کہ وہ تسبیح پڑھیں، اور عورتوں کو چاہیے کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ ماریں۔ اور وہاں وہ بذات خود اللہ سبحانہ کی تجلی ہوتا ہے اور یہ وہ مقام ہے جس کو ہم نے اپنی کتاب الخیر الکثیر میں حکماء کے ساتھ خاص معنی میں تجلی ذاتی کا نام دیا ہے۔ اب سمجھو اور جان لو۔ اور دوسرے الفاظ میں اللہ عزوجل کے سامنے مثال ہوتی ہے جیسا کہ نفس الامر میں اس کی صورت معلومہ اس کے سامنے ازل میں بھی اور ابد میں بھی خاص دائرہ میں مثال ہوتی ہے۔ نہ کلمہ کو لوٹاتا ہے نہ حرف کو۔ اور اللہ عزوجل کی صنعت میں اس کا نام رکھا جاتا ہے۔ اس لیے فرمایا و اصطنعتک لنفسی "میں نے تجھے اپنے لیے بنایا۔"

دل را بدل راہیست دریں گنبدِ سپہر

اس آسمانی گنبد میں دل کو دل سے راہ ہے

اور دوسرے الفاظ میں وہ ربط مقدس ہے جس کی طرف اللہ نے احسان فرمایا۔ اس کو یہ بندہ بعینہٖ اسی سے موسوم کرتا ہے، سوائے اس کے کہ یہاں اس سے عبد الی اللہ تعبیر ہوتی ہے۔ اس طرح ربط کی ذات ایک ہے اور جہتیں مختلف ہیں۔ اور یہ ہمارے نزدیک حکماء نے ذکر کیا اور بالجملہ اولیاء میں سب سے زیادہ وسیع علم رکھنے والے شیخ اکبر اسی مقام کے بارے میں کہنے والوں اور اس کی تحقیق کرنے والوں میں سے ہیں جس کو ہم نے ان سے چار عبارتوں سے تعبیر کیا ہے۔ اور شیخ اکبر نے اس کا نام حیرت عظمیٰ رکھا ہے اور وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اعیان کو اجمالی معرفت ہوتی ہے۔ اور یہ ام المعارف ہوتی ہے جیسا کہ اشعۃ اللمعات میں ہے۔ اور وہ اپنے لیے ایک مقام ولایت سے اوپر اور نبوت سے نیچے ثابت کرتے ہیں، جیسا کہ فتوحات میں ہے اور خاتم الانبیاء کے بعد نبوت باطنیہ کے اثبات اور نبوت تشریعیہ کے انقطاع پر بے قرار ہیں۔ جیسا کہ الفصوص میں ہے۔ اور کہتے ہیں کہ غایت الکمال جس کے لیے تجلی کی

جائے، اس کے عین میں اللہ سبحانہ کی تجلی ہے، اور اس سے اوپر کوئی کمال نہیں ہے جیسا کہ شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات میں نقل کیا گیا ہے، اور وہ مباحثہ جس کو شیخ مجدد نے وہاں وارد کیا ہے، غیر وارد ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ یہ مقام کریم تجلی ذاتی پر دو وجہ سے راجح ہے۔ اول یہ کہ وہ عبودیت میں پختگی ہے، دوسرے خالص تألہ یعنی معبود بن جاتا ہے۔

در دیار نیرنگی عالم خدائی ہاست

نیرنگی کے دیار میں خدائی کا عالم ہے

اور عبودیت تألہ سے اولیٰ ہے اور چونکہ وہ خلاف شرع حکما سے صادر نہیں ہوا جو کہ ان کے غیر سے ثانی صادر ہوا ہے کہ وہ حق محقق ہے اور ثانی خالص نیرنگ ہے۔

بخواب اندر مگر موشی شترشد

خواب میں چوہا اونٹ ہوجاتا ہے۔

اور چونکہ وہ ایسے کمزور قضیات کی بنیاد پر حکما کا حکم ہے جس کے لیے کوئی بے قرار نہیں ہوتا۔ تحقیقات نہیں ملتیں۔ اور ان کے مقامات محفوظ اور شرعی ہیں۔ پھر ہم اس مقام میں حکماء کے آداب کے تعلق سے کہتے ہیں کہ اللہ، اولیاء کے مخالف مرید کو رد کر دیتا ہے، جو ان کی مخالفت کو پسند کرتا ہے۔ پھر وہ کوئی بات نہیں کہتے، اور نہ کشف ہوتا ہے نہ کرامت۔ اور نہ ہی کسی کی رہنمائی کرتے ہیں۔ سوائے اپنی مقدس طبیعتوں کی تقلید سے افعال ظاہرہ کے۔

تو از تمکیں من از حیرت نہ ایمائی نہ تقریری

بداں ماند کہ ہم بزم ست تصویری بتصویری

''تو سنجیدگی سے اور میں حیرت سے، نہ کوئی اشارہ ہے نہ تقریر و بیان ہے، ایسی حالت میں ہیں کہ یہ بھی ایک تصویر سے دوسری تصویر کے ساتھ محفل آراء ہے۔''

اور انہوں نے جب بھی کسی امر کا ارادہ کیا اللہ نے ان کی مراد کو اس طرح اُلٹ دیا کہ وہ ان کے لیے ارادہ کرنے والا ہے اور یہ کہ ان کی مراد کی فصل اس حیثیت سے ہے کہ وہ موجب ہے حتیٰ کہ وہ اپنے مقام پر پہنچ جاتا ہے، اور کمال ملکوتی محقق ہوجاتا ہے۔ اور ان میں سے جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ اس مقام میں اس سے کلام کرتا ہے، اس نے جھوٹ بولا۔ جیسا کہ اولیاء میں سے کسی نے دعویٰ کیا کہ اس پر امر مشتبہ ہوگیا۔

۱۰۵-تفہیم:

صورت کے اعتبار سے دوری اور اس کا استفاضہ میں اس طرح مخل ہونا کہ جو افاضہ میں نقصان رساں نہ ہو

بعد صوری صورت کے اعتبار سے دوری افاضہ میں نقصان نہیں کرتی لیکن وہ استفاضہ میں مخل ہوتی ہے۔ اس لیے کہ فضل وزیادتی میں افاضہ وجہ کلی سے صادر ہوتا ہے۔ اللّٰھم-سوائے اس کے کہ اس کی مثالوں کی کئی قسمیں ہوتی ہیں اور اس سے نیچے تھوڑے پہاڑ ہوتے ہیں۔ ابتداء کرنے والوں کے لیے استفاضۂ نافع وہ ہوتا ہے جو بوجہ جزئی ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی باقی رہتا ہے۔ جو چاہتا ہے کہ ایسے خالی وقت میں غور وفکر کرے کہ نہ گرمی ہو نہ سردی، نہ فتنہ وفساد ہو نہ غیظ وغضب۔ اس کو چاہیے کہ وضو کرے اور جتنی اللہ چاہے نماز پڑھے۔ پھر اس جگہ بیٹھ جائے اور ایک ایسے شخص کی صورت کا تصور کرے کہ پوری ہمت سے اور سارے خطرات کو دور کرتے ہوئے اس کی طرف شوق بھڑکے حتیٰ کہ اس کی صورت سامنے حاضر ہو جائے۔ پھر اس کو لازم ہو جائے یہاں تک کہ اس کی تمام معلومات اس کے نفس کے علاوہ اور اس صورت کے علاوہ جاتی رہیں اور یہ عمل اکثر پہلے ہی روز حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے بہت زیادہ مشقت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر پہلے دن حاصل نہ ہو تو دو دن یا تین دن۔

اور میں اس حالت کی وضاحت کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ یہ حواس کا فتور اور بدن کی کسلمندی ہے جیسا کہ سونے کی تیاری کرنے والے کو ہوتا ہے۔ پھر جب وہ حاصل ہو جاتا ہے تو اس کو اس شخص کی روحانیت سے مناسبت حاصل ہو جاتی ہے اور اس کے قلب کی طرح صاف ہو جاتی ہے۔ پھر اس میں پناہ لینے اور اس سے استفاضہ کے بعد صورت کا ملاحظہ ترک کر دیتا ہے۔ اور ذکر کو لازم کرے خواہ اسم ذات کا ذکر ہو یا نفی اور اثبات، ضرب قوی سے اور پوری ہمت جمعی کے ساتھ، اگرچہ وہاں حس نہ ہو۔ اور یہ خیال کرے کہ اللہ اس کا محبوب ہے اور اس کے سوا کوئی محبوب نہیں ہے۔ حتیٰ کہ محبت سارے بدن میں سرایت کر جائے۔

اور میں اس حالت کی وضاحت کرتا ہوں۔ اس لیے کہتا ہوں کہ وہ بدن میں حرارت

اور نفس میں اضطراب ہے جیسا اس شخص کو ہوتا ہے جو معشوق سے عشق کرتا ہے، اور اس کے عشق میں بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے، اور اس سے ملاقات کے لیے آتا ہے، مگر اس کو پاتا نہیں ہے۔ تو کیا اس کو دل کا خفقان اور نفس کا اضطراب پیدا نہیں ہو جاتا؟ اور یہ کیفیت مطلوب ہوتی ہے۔ پھر جب یہ حاصل ہو جائے تو ذکر ترک کر دے اور شوق مذکور کا خیال کرے جو کہ ذکر کا حاصل ہے۔ اور میں وضاحت کرتا ہوں تو کہتا ہوں کہ شدت سے عشق میں مبتلا ہونے والے کے لیے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ عشق، شوق اور اضطراب پیش آئے؟ کیا شدت سے بھوک میں مبتلا شخص کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کو بھوک پیش آئے اور کوئی دوسری چیز پیش نہ آئے؟ یہی وہ وجدانیات ہیں جن پر اس وجدان کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ پھر جب یہ حاصل ہو جائے تو روزانہ ایک ساعت نجومیت یا اس جیسی کسی شئے کی طرف متوجہ ہو۔ خواہ اس صورت کا خیال کرے یا نہ کرے۔ پھر ذکر کرے۔ پھر کیفیت معہودہ کو سامنے لائے اور پورے دن ذکر اور شوق سے غافل نہ ہو۔ زیادہ باتیں کرنا چھوڑ دے اور یہ سب کچھ اس کے لیے آسان ہوتا ہے جس کے لیے اللہ آسان کر دیتا ہے۔

تا در نزنی بانچہ داری آتش
ہرگز نشود حقیقت وقت تو خوش

"جب تک تو اس کو آگ نہ لگائے گا جو بھی تو رکھتا ہے، ہرگز تیرے وقت کی حقیقت خوش نہیں ہوگی۔"

۱۰۶- **تفہیم:**

فناء النفس - اس کی صفات اور ان دونوں کے درمیان تلازم کا بیان

فناء نفس اور صفاء نفس ایک دوسرے کے لیے لازم ملزوم ہیں۔ اس لیے کہ فنا جہت مخلوقیہ کے جہت خالقیت میں مغلوب ہونے سے عبارت ہے اور بغیر صفائی کے کہ علائق حسیہ سے نفس کے مجرد ہونے سے کنایہ ہے۔ یہاں تک کہ وہ مرتبہ ہو جائے کہ علوم کی صورتیں تمام بلند راستوں سے اس میں نقش ہو جائیں ایسا محالات کے قبیل سے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ہر ایک کے برعکس کا معاملہ ہے۔ اس لیے کہ یہ صرف اس بندہ اور اللہ عزوجل اور اس کی صفات

کے درمیان شدید مناسبت سے ہی متحقق ہوتے ہیں۔ لیکن صوفیا اس میں اس جگہ دقیق نظر سے فرق کرتے ہیں۔ اس طرح کہ خمر شراب کو دو آتشہ کریں یا سہ آتشہ، اس سے بھی زیادہ بہر حال اس میں خمر شراب کی صورت باقی رہتی ہے۔ اگرچہ گندگیوں سے پاک ہو جاتی ہے اور ہر درجہ میں ایک لطیف تر تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جب خمر میں نمک ملاتے ہیں تو اولاً صورت خمری صورت خلیہ میں تبدیل ہو جاتی ہے اور اگر نہیں ملائیں تو بھی اس کی کدورتیں صاف ہو جاتی ہیں۔ اسی پر سالک کو قیاس کریں کہ اولاً علائق حسیہ سے پاکی حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کے نفس کی قباحت جو اس کی گندگی میں ہوتی ہے، نہیں بدلتی۔ اس طرح نفس کی صفائی کی علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں حب جاہ باقی ہو اور انا کا لطیفہ اپنی جگہ رہے۔ اس لیے کہ بندہ کی دو کھانوں میں تعیین وتقیید ثابت کر کے اس کا سبب ہوتی ہے کہ الوہیت کا دعویٰ جو کہ حب جاہ کا ثمرہ ہے، اس سے سرزد ہو جاتا ہے اور تمام صفائی فنا کے لیے مستلزم ہے۔ اس لیے کہ ایسی نسبت کی معرفت کا نقش ہونا جو بندہ اور اس کے رب کے درمیان ہوتی ہے، اہم ترین مہم اور سب سے بلند کشف ہو سکتی ہے اور وہ انا کے لطیفہ کے فنا کی تابع ہوتی ہے۔ اس موقع پر ایک راز ہے، وہ یہ کہ جب علم مقدس علم فعلی ہے اور ہر چیز کے انفعال کا عالم قدس سے بندہ پر فیضان ہوتا ہے، صورت علمیہ کی قسم سے اس کی حقیقت تابع ہو جاتی ہے۔ اور اگر سالک کو جوہر نفس میں اس طرح شکست ہو جاتی ہے جیسے تخت کو لوہے کی ضرب سے توڑ دیتے ہیں اور لکڑی کے ٹکڑوں کو خاکستر کر دیتے ہیں، اسی طرح چھ لطیفوں کو ایک توحید سے توڑ دیتے ہیں اور لطیفۂ قلب کو افعال کی توحید سے اس طرح نابود کر دیتے ہیں کہ وہ اپنی اصل سے جو تکوین کی صفت ہے، راجع ہو جاتا ہے۔ اور اس نئے مزاج کو بھی اس طرح توڑ دیتے ہیں جیسے تخت کی صورت مزاجیہ ٹوٹ پھوٹ کے بعد صورت ارضی کی طرف عود کر جاتی ہے۔ اس پر روح وغیرہ کے لطیفہ کو قیاس کر سکتے ہیں کہ یہ سب جو نفس ناطقہ کے اعتبارات اور وجود ہیں، ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ اور اس طرح انا کا لطیفہ کہ گویا نفس ناطقہ کی علت صوریہ اور حضرت ذات باری کی تجلی کا اس رنگ میں ایک شعبہ ہے کہ ایک بلبلا دریا سے اٹھتا ہے اور اس طرح عدم میں مل جاتا ہے کہ بلبلا ہوا میں مل جاتا ہے۔ اور اس لطیفہ کا اس رنگ میں فی نفسہ کوئی مزاج نہیں ہے کہ مٹی کو بغیر مزاج کے حدود کے پانی سے ملا دیتے ہیں۔ اس طرح یہ

لطیفہ حضرت حق کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ یہی فنا ہے۔ اور یہ صفا کا تابع ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جب زمین آسمان کی صفت کی ہو جاتی ہے اور مقدس ہیکل کے دائرہ میں آجاتی ہے تو بلاشبہ صورت علمیہ مقدسہ اس میں متحقق ہو جاتی ہے۔ حاصل یہ کہ فنا اور صفا کے درمیان فرق اس کے مماثل ہے جو مرید اور مراد کے درمیان ہوتا ہے کہ بالآخر ہر ایک دوسرے سے وابستہ ہے۔

۱۰۷۔ تفہیم:

حضرت آدم کی پیدائش اور ان کی ذریت کے اخراج والی حدیث کی تحقیق

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ نے جب حضرت آدم کو پیدا فرمایا تو ان کے دائیں کاندھے پر مارا اور ان کی ذریت کو نکالا جو سفید موتی کی طرح تھی۔ اور ان کے بائیں کاندھے پر مارا اور ان کی ذریت کو نکالا جو کہ سیاہ کوئلہ کی طرح تھی۔ پھر جو ان کے داہنی طرف تھے، ان کے لیے جنت کا حکم فرمایا۔ اور فرمایا مجھے کسی کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اور جو ان کے بائیں کاندھے میں تھے، ان کے لیے جہنم کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا مجھے کسی کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ (مسند احمد) اور اس حدیث کے عمر بن خطاب، ابی الدرداء ابن عباس اور ابی بن کعب وغیرہ سے بہت سارے طریق ہیں۔ مرفوعاً بھی موقوفاً بھی، سنداً بھی مرسلاً بھی۔ بالجملہ اس کی صحت میں کوئی شک نہیں ہے۔

اس حدیث کی تحقیق میں اس عبد ضعیف کے لیے جو نقص ہیں، وہ چند کلمات ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ کیا تم نے آئینہ اور اس میں نظر آنے والی صورت کو نہیں دیکھا کہ اس کے لیے دو اعتبار کس طرح متحقق ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک صورت کا اس طرح اعتبار ہے کہ وہ آئینہ میں جو حاصل ہوتی ہے۔ اس کے صیقل ہونے کی قوت اور اس کی تخن کی نفی کے لیے عرض ہے۔ اور اس اعتبار سے یہ آثار مخصوصہ جیسے آئینہ کا اس مخصوص رنگ سے متصف ہونا، اور اس آئینہ کی قابلیت سے اس کا صادر ہونا، اور اس کی شفافیت سے اس کا ظہور ہے۔ اور دوسرے صورت کا اس طرح اعتبار گویا وہ صاحب صورت کے لیے انکشاف ہے جو اس کی جسمانیت، اس کے رنگ اور اس کی تاثیر سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اس اعتبار سے یہ آثار مخصوصہ کے لیے مصدر ہے۔ صاحب صورت کے حال اس کے کشف، اس کی خلقت اور اس کی مخصوص شان،

مخصوص حیثیت ہونے اور اس سے صادر اور نقش ہونے کی ہیئت کی طرح۔ اور یہ دونوں اعتبار ان دونوں کے لیے ان دونوں کے مجموعہ سے آثار ہیں جو خارج میں پائے جاتے ہیں۔

اور ان میں باپ کے ساتھ بیٹے کی نسبت ہے جو صاحب صورت کے ساتھ صورت کی نسبت سے مشابہ ہے۔ اور وہ اس لیے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بیٹے کی تخلیق باپ کے نطفہ سے ہوتی ہے۔ اور وہ اس کی تکوین میں اصل ہوتا ہے کہ وہ اس کے لیے اس وجود حسی میں علت ہوتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ وہ وجود مقدس میں علت ہے یعنی اعیان ثانیہ ہیں۔ اور وہ اس لیے کہ جو کچھ بھی عالم حسی وغیرہ میں پایا جاتا ہے وہ عالم عین میں مقرر کے لیے عکس ہے۔ اور چونکہ وہ عالم عین میں علت ہے تو عالم ارواح میں بھی بالضرورت علت ہوتا ہے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ وہ متن واقع میں بھی سرفہرست ہے۔ اور اس کا یہ صدور واقعہ کے آئینہ کے عزیز علام کی قدرت سے شفافیت کے بعد ہوتا ہے۔ اس صورت میں ہم نے مشابہت کے سلسلے میں جو کچھ بیان کیا ہے، وہ ظاہر ہو جاتا ہے۔

پھر یہ جان لو کہ جس طرح صورت کے لیے اعتبار اول تحقق ثابت ہے، اعتبار ثانی سے بھی زیادہ حقدار ہے۔ حتیٰ کہ قریب ہے کہ دوسرے کو اول کی جانب میں خالص شعوری وذہنی کے طور پر گمان کر لیا جائے۔ اسی طرح واقع لاشئے محض کی طرف اس کی نسبت کی طرف قیاس کرتے ہوئے ولد کی نسبت والد کی طرف ہوتی ہے۔ اور میرے خالص شعور کی مثال صورت ذہنیہ وخارجیہ کے میرے اعتبار کی طرح ہے۔ اور ان میں سے ایک کا تحقق ہونا، دوسرے سے زیادہ حق ہے۔ حتیٰ کہ اول وجود خارجی ہو جاتا ہے جس پر آثار مترتب ہوتے ہیں۔ اور دوسرا ذہنی ہے لیکن اس مرتبہ میں نہیں۔ اور ہمارا یہ کہنا کہ وہ واقعہ کے آئینہ کی شفافیت کے بعد ہے تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی دونوں جانب فاعل اور قابل میں تاثیر ہوتی ہے۔ اور اس نے جب اس امر کا ارادہ کیا کہ خلقت کو پیدا کرے تو عدم خالص میں فیضان فرمایا اور واقع صادر ہو گیا اور واقع کی تفسیر عدم کا اپنی اصل سے خارج ہونا ہے۔ اس وقت اللہ سبحانہ نے اپنے اسماء اور صفات سے تجلی فرمائی تو واقع کے متن میں علم صادر ہوا۔ اور اللہ نے جس خلقت کو بھی پیدا کیا واقع کا ظرف اس پر بالذات مقدم رہا۔

اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ پورا وجود اس وقت متحقق ہوتا ہے، جب وہ اور اس کے

وجوہ اور اس کے اعتبارات جس کا تقاضہ کرتے ہیں، اس سارے کی پیروی کرنے والا متحقق ہوتا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا دائرہ وسیع کیا اور اپنی صفات کو مکمل کیا اور جب اس کی صفات مکمل ہوگئیں تو ان کے عکس ظاہر ہوئے اور یہ عکس عالموں کے تقررات کی اصل ہیں۔ اور اس طرح جو اس کے اخلاق کے ساتھ متصف ہوکر پیدا ہوتے ہیں، ان کے لیے ان کی طرح وسعت ہے۔ جیسے آنکھ جب بھر جاتی ہے تو جھاگ پھینکتی ہے اور یہ بعینہ ولایت کا راز اور فناء النفس ہے۔ اور کہنے والے کا یہ قضیہ کہ واحد سے صرف واحد ہی صادر ہوتا ہے، حق ہے۔ اس سے الگ نہیں ہے۔ لیکن پہلے قضیہ والا اسم اعظم ہے جس میں تمام اسماء شامل ہیں۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ جب یہ اسم ظاہر نہیں ہوا تھا تو اولاً کیا ظاہر ہوا۔ اور اشراق اور برہان نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ عالم کا صدور اور خلق کا فیضان ذات کی وسعت کے راستہ سے ہوتا ہے۔ اور کیا یہ ممکن ہے کہ اس طرح صادر ہوجائے، سوائے اس کے کہ جس کی شان ذات کی شانوں میں سے اور اعتبار اس کے اعتبارات میں سے ہو۔

اور ان میں سے ایک یہ کہ اللہ سبحانہ نے جب اس تخلیق میں حضرت آدم کو پیدا کیا تو اپنے جود وسخا کے سمندر سے ان پر فیضان کیا تو یہ افاضہ اجمالیہ پوری طرح وسیع تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے ان معارف وعلوم کو جان لیا جن کو ملائکہ کی جماعت نہیں جانتی تھی۔ حتی کہ وہ اس وسعت کی وجہ سے ملائکہ کے مسجود ہوگئے۔ یہاں تک کہ وہ رحمان کی صورت پر پیدا ہوگئے۔ پھر ان کے اندر اللہ کی مکرم روح پھونکی گئی جس کا ان پر فیضان ہوا۔ حتیٰ کہ وہ اللہ سبحانہ کے ہاتھوں سے پیدا ہوگئے۔ اور یہ سب اس افاضہ کے لیے امارات ہیں۔ اور اس سے کفایات ہیں، میں نے نہیں کہا کہ افاضہ اولاً تھا اور اس کا وجود ثانیاً یا اس کے بالعکس لیکن افاضہ اجمالیہ کا وجود اس کے تمام توابع کے ساتھ تھا۔ اور کبھی بھی اس سے منقطع نہیں ہوا اور نہ اس کے لیے مدت تھی نہ وقت۔ اس لیے جاننا چاہیے کہ چونکہ اللہ سُبحانہ تعالیٰ علم فعلی کے طور پر جانتا تھا کہ آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں۔ اس لیے وسعت بشر کی ابوت کی جانب زیادہ اور شدید تھی۔ اور اس میں شک نہیں کہ ان کا وجدان سے یکبارگی ذریت کے خروج کا تابع تھا۔ اعتبار ضعیف کا شدید طور پر فیضان ہوا اور وجہ سید ھے طور پر ہوئی۔ پھر یہ وجہ فقط مستقل ہوگئی اور اس واقع کے ظرف کی محتاج نہیں رہی۔ جن کا اس میں انتشار تھا بلکہ واقع ہوگیا، اس کے مدمقابل ہوگیا، اس کے لیے واقع ہوگیا

،اور اس کا ظرف ہو گیا اور یہ سب کچھ اس جانب افاضۂ شدیدہ کی برکات سے ہے۔

اور ان میں سے ہی یہ ہے کہ ظاہر ہونے والوں اور آدم علیہ السلام کے درمیان اس حیثیت سے کہ وہ ابوالبشر ہیں، ایک نسبت اور مشابہت ہے۔ اس سے عالم حس میں ان خارج ہونے والوں کو آدم علیہ السلام سے اس حیثیت سے کنایہ بنانا صحیح ہوتا ہے۔ اور وہ اس لیے کہ ظہور وظاہر ہونا جس میں نطفہ کے خروج کے لیے مصدر ہے جیسا کہ وہ اس حیثیت سے عالم تجرد میں ذریت کے خروج کے لیے مصدر ہے۔ اور صاحب کشف پر منکشف ہونے والے راز سے یہ ہے کہ افاضہ کی حیثیت سے ذات اور ہاتھ کے درمیان اور اسی طرح ذات کے اس حیثیت سے کہ اس سے اخذ کرنا مقصود ہے اور وجہ کے درمیان ایسا تعلق ہے کہ ان میں سے ایک کا دوسرے کی تفسیر ہونا صحیح ہوتا ہے۔ بلکہ یہ جارحہ اس حیثیت کے لیے حکایت ہے جیسا کہ ہویۃ جارحہ ذات عین ثابتہ کے لیے حکایت ہے۔ اور عالم مثال میں کسی چیز کا ایسی صورت سے جس کی ایسی وجوہ ہوں جن کا ہم نے ذکر کیا، تمثیل ہیں۔ اور علی ہذا القیاس۔ چنانچہ دائیں اور برکت کے درمیان اور بائیں اور نحوست اور بیاض اور حق اور ظلمت اور باطل کے درمیان شدید مناسبتوں کا اعتبار کیا گیا اور یہ مناسبتیں مبدا کے اعتبارات اور اس عالم محسوس کے درمیان امر حق ہیں۔ اور اسی طرح معاد میں اسی عالم اور اس کے جسموں کے اعتبارات کے درمیان۔ کیا تمہارے کانوں میں معراج میں دودھ والی حدیث اور فاسقوں کے حیوانوں کی شکل اختیار کرنے سے متعلق حدیث نہیں پڑی؟

۱۰۸- تفہیم

قوائے الہیہ کی قسمیں اور لطائف ستہ کا بیان

تجرید اور تجزیہ کرنے والوں کے لیے یہ متحقق ہے کہ قوائے الہیہ جو ارواح میں عمل کرتے ہیں، پانچ قسم کے ہیں۔ صنف اول اضافیات ہیں اور وہ تاثیرات اور افعال ہیں، اور یہ اہل عالم سے سب سے زیادہ قریب ہیں۔ صنف ثانی صفات ثبوتیہ غیر اضافیہ ہیں جیسے حیات، سمع اور بصر وغیرہ۔ اور یہ اضافیات سے ارفع وبلند ہیں۔ صنف ثالث علم کے تحت لئے ہوئے امور ہیں اور یہ اول الذکر دونوں صنفوں کے اصول ہیں۔ اس لیے کہ صفات جب

حضرت التحقق کے تحت الٹی ہوئی ہوں گی تو تحقق سے جو پیدا ہوا اس کے لیے اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہوگا۔ لامحالہ یہ ایسے امور ہوں گے جو ان صفات کی اصل ہیں۔ چوتھے صفات سلبیہ ہیں اور وہ امور مذکورہ کے لیے سگے بھائیوں کی طرح ایک ہی اصل کی دو شاخ ہیں۔ اس لیے کہ ان میں ایک مفہوم کی طرف التفات اور اس سے انکار ہے جیسا کہ اول میں ایک مفہوم کی طرف التفات اور اس کے لیے قبولیت ہے۔ بلکہ صفات سلبیہ ایک لحاظ سے ان سے زیادہ قریب ہیں۔ اس لیے کہ انکار اس تکثیر سے ہے جو اس کی قبولیت سے حضرت اجمال میں زیادہ لائق ہے۔ اگرچہ یہ بھی تکثیر کی وجوہ میں سے ایک ہے۔ پانچویں صفت تحقق ہے اور یہ ام الصفات، خلاق العالم اور تمام وجود کے لیے جامع ہے۔ اور اس کے بعد جاننا چاہیے کہ نفس ناطقہ کے لیے ان تمام کلیات کے مقابلہ میں جو اس میں نقش ہوتی ہیں جو اصحاب بصیرت کے لیے مدرک ہیں۔ اس کی تختی پر احکام ہیں اور اس کے خصوص پر آثار اور کشف ہیں۔ جن کا انہوں نے اس حیثیت سے کہ وہ اضافیات کا عکس ہیں، قلب نام رکھا ہے۔ اور اس کی فنا کا طریقہ توحید صفاتی ہے اور شئونات کے عکس کا نام روح رکھا۔ اور اس کی فنا کا طریقہ توحید صفاتی ہے، اور شئونات کے عکس کا نام راز رکھا اور اس کی فنا کا طریقہ توحید شئونی ہے، اور سلبیات کے عکس کا نام خفی رکھا اور اس کی فنا کا طریقہ توحید سلبی ہے۔ اور ام الصفات کا عکس اخفی ہے۔ اور اس کی فنا کا طریقہ توحید ذاتی ہے۔

اور جس امر پر نظر دقیق کا فیضان ہوا وہ یہ ہے کہ یہاں وحدت ہے جو حق اعلیٰ جل مجدہ سے واسطوں پر مستعار ہے۔ یعنی وحدت نفس مستعار ہے عین ثابتہ سے، اور اس کی وحدت مستعار ہے وحدت اسم سے۔ جو اولاً بالذات اس کا عکس ہے اور اس کی وحدت مستعار ہے، وحدت اسم اعظم سے۔ اور اس کی وحدت مستعار ہے وحدت ذات سے، اور وہ وحدت اگرچہ واسطوں سے ہے لیکن ایک لحاظ سے وہ ذات حق سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ اور اس وجہ سے میرے نزدیک یہ واقعہ ہے کہ اس وحدت میں کوئی بہت بڑا اور واضح تغیر نہیں ہوتا، جس سے اس کی قدر و قیمت گھٹ جائے۔ تو اس حقیقت کی مثال اس وحدت کے ساتھ ایسی ہوتی ہے جیسے زید نے اس میں کلیات سے کچھ صنف ملا دیں جیسے جسم نامی، حساس اور ناطق۔ پھر اس کو اس سے وحدت حاصل ہوئی۔ اور یہ وہ امر ہے جو شیخ محی الدین ابن عربی نے اس میں

مراد لیا ہے جس کو ہم دیکھتے ہیں۔ اور اس امر کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے یہ حکم کس حیثیت سے لگایا کہ ذاتی کی تجلی صرف اس صورت پر ہوتی ہے جس پر تجلی ڈالی گئی ہے۔

پھر اس لطیفہ وجدانیہ کا نام نفس رکھا گیا اور اس کے فنا کو توحید ذاتی یعنی تجلی ذاتی کہا گیا اور پھر اللہ نے اس کو اس کے مشارکات سے ممیز کیا اور اس کے ارد گرد والوں میں اس کی قدر و قیمت بلند کی اس کو اس کی وہ انانیت عطا کی جو اس کے لیے مخصوص ہے اور اس کو کبریائی و تسخیر کی خلعت بخشی۔ اور کیوں نہ عطا کرتا اور کیوں نہ خلعت بخشتا جبکہ وہ اپنے علاوہ سب کے مقابلہ میں حضرت ذات سے زیادہ قریب ہے۔ لیکن یہاں ایک باریک نکتہ ہے اور وہ یہ کہ یہ جلیل القدر فضائل ممکن میں صرف فساد قابلیت کی برائی پیدا کرتے ہیں۔ تو یہ اس حیثیت سے بالکل عدم و فنا کے قریب ہے۔ یہ وہ فضائل ہیں جو اس کو حاصل ہیں نہ کہ خیر تمام کے فیضان کی حیثیت سے۔ اس لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ فنا کے بعد رئیس اللطائف ہو جائے۔ اور کہنے والے نے کیا اچھی بات کہی ہے۔

رفتم از خود چو بتاں عشوہ نوازم کردند
وحشتم گشت کہ آئینہ نازم کردند

"میں اس وقت اپنے آپ کو کھو بیٹھا جب بتوں کی طرح مجھ کو ناز و نخرے والا بنا دیا، مجھے وحشت ہوگئی جب مجھے ناز کا آئینہ بنا دیا۔"

اور یہ کہنے والے کا راز کتنا گہرا ہے

بغل چو برق کشادم وداع خود کردم
شرار ہستیم آئینہ خرام کہ بود

"میں نے بجلی کی طرح بغل کھولی یعنی ہاتھ اٹھایا اور خود کو کھو دیا، تو میری ہستی کا شرر کس کے خرام اور رفتار کا آئینہ ہے۔"

اس طرح یہ چھ نکات ہیں۔ والعلم عند اللہ۔

۱۰۹- **تفہیم:**

حدوث عالم اور اس کے دو معنی

ہمارے اس قول کے کہ عالم حادث ہے، دو معنی ہیں۔ ایک عام دوسرے خاص۔ اور وہ دونوں معنی درست ہیں۔ عام کا مطلب یہ ہے کہ جو گزرے ہوئے زمانہ اجسام اور اعراض

میں دیکھا گیا اس سے پہلے زمانہ موجود نہیں تھا۔ اور خاص سے مراد یہ کہ ہر صاحب وضع کا جسم ہو یا عرض یا عرش اور پانی میں سے کوئی، ایسے زمانہ کے بعد آیا جس میں وہ موجود نہیں تھا۔ یا موہوم مدت کی درازی کہ اس میں وہ موجود نہیں ہے۔

۱۱۰- تفہیم:

اللہ تبارک وتعالیٰ کی اپنی مخلوق سے نسبت

حق تام اللہ عزوجل کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور اپنی مخلوق سے اس کی نسبت اس نسبت کی طرح ہے جو جسم بلوری مخروطی کی ہوتی ہے جو اپنے مرکز پر نقش ہوتا ہے۔ سرخی اپنی انتہا میں جدا ہوگئی تو اس پر اس سے رنگ کا عکس پڑا۔ اور صفات کی مثال ماہیات کے لوازم جیسی ہے اور عالم کی مثال وجود کے لوازم جیسی ہے اور اللہ جل مجدہ کے علم والے کے لیے کسی وجدانی کیفیت وہیئت کا جاننا ہے اور جو اپنی کیفیت سے غلبہ کے حال میں حکم کرتا ہے کہ عالم، عین اللہ تعالیٰ ہے جو ہر اس سے بڑا ہیچو اس کی کبریائی کے لائق نہ ہو۔ اور اس سے حکم لگایا جاتا ہے

علم حق در علم صوفی گم شود
این سخن کے باور مردم شود

"حق کا علم صوفی کے علم میں گم ہو جاتا ہے، اس بات پر لوگ کیسے یقین کر سکتے ہیں۔"

۱۱۱- تفہیم:

جوہریت اور عرضیت عالم محسوس کی بدعات میں سے ہیں

جوہریہ اور عرضیہ اس عالم محسوس کی بدعتوں میں سے ہیں۔ جہاں تک عالم اعلیٰ کا تعلق ہے تو وہاں نہ استقلال ہے اور نہ ہی عدم استقلال ہے بلکہ وہاں تمام حقائق برابر ہیں۔ اور تم میرے دعویٰ کی تصدیق کرو گے۔ یہ اس عالم مقدس کی طرف نظر کے عطا کرنے سے ہے۔
اگرچہ میرے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں جسے اہل عقل ودانش سن سکیں

وان فزت من ذاک الجمال بنظرۃ
لا صبح منک العقل یسبی ویسلب

"اگرچہ میں اس جمال سے ایک نظر میں کامیاب ہوگیا، لیکن تم سے عقل دور ہو جائے گی اور سلب کر لی جائے گی۔"

۱۱۲۔ تفہیم:

اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا علم حضوری ہے نہ کہ حصولی

علم حضوری اللہ جل مجدہ اور اس کی صفات تک پہنچانے والا ہوتا ہے۔ اور حصولی کو اس مضبوط دائرہ تک رسائی صرف استدلال سے ہوتی ہے۔ اس لیے کہ حصولی سرد ہے اور صاحب صورت کے لیے صورت مغائر ہے جبکہ وہ اس کی عین ہے۔ بلاشبہ وہ ایک لحاظ سے علم سے سجایا ہوا جھوٹ ہے اور اس میں کسی کو شک نہیں ہے کہ ذہن کے اندر نقش ہونے والی صورت امکان کے رنگ میں رنگی ہوئی ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اس واقع کی حکایت ہے جو اس پر ہوتا ہے، جس پردہ نہیں ہوتا۔ اور علم حضوری میں ان رنگوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اور اللہ جل مجدہ کی طرف اس کے ایصال کی وجہ یہ ہے کہ علم حضوری شخص کے تقرر کے عین سے اس وقت چھلک گیا جب برتن جھاگ سے بھر گیا۔ اور کیا یہ تقرب اس کے لیے اس کے نفس کی جانب سے ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ فی نفسہ باطل ہے۔ متحقق، مقرر اور ذات واجب کے فیضان سے موجود ہے۔ وہ قابل محض ہے نہ لانّ کے ساتھ اور نہ ھٰن کے ساتھ یعنی نہ اس شکل میں اور نہ اُس شکل میں۔ لامحالہ اس کے لیے فیاض حق کی طرف راستہ ہے۔ اس کی مثال اس صاف شفاف اور مخروطی جسم کی سی ہے جو اپنے مرکز پر نقش ہوگیا جس پر انتہائی سرخ رنگ کا نگینہ لگا ہے۔ چنانچہ وہاں بنیاد کا رنگ نہیں ہے صرف بعینہٖ مرکز کا رنگ اور اس کی زینت ہے۔ اب اگر تم نے تقرب میں مبالغہ سے کام لیا تو تمہاری نظر قیوم حق اور اس کی صفات مقدسہ کی طرف جائے گی۔ چنانچہ جس نے اپنے نفس کو علم حضوری کے ذریعہ جانا اس نے اس علم میں عارف اور جاہل کے درمیان واضح فرق سے اپنے رب کو جان لیا۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ وہ اس مخروطی اور گاؤ دُم جسم کے سلسلہ میں دو قسموں کا ماہر ہوگیا کہ اس کی اہم ترین قسم مخروطی جسم ہے اور اس کی نظریں مرکز کے لیے صرف عرض اور تابع رہنے والے ایصال سے ہوتی ہیں۔ اور یہ ایک قسم کا اہم مرکز ہوتا ہے اور اس کی نظریں نہ جسم کی طرف ہوتی ہیں نہ عرض کی طرف اور نہ ہی آلیت کی طرف۔

۱۱۳-تفہیم:

اللہ تعالیٰ علم حضوری بنفسہٖ سے عالم ہے

اللہ تعالیٰ علم حضوری بنفسہٖ سے عالم ہے۔ اس علم میں علم اپنی تمام صفات اور اپنی تمام مخلوقات کے ساتھ شامل ہے، فقط اتحاد کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ غیریت کی حیثیت سے بھی۔ اور وہ اس لیے کہ واجب جل مجدہ کی صفات بمنزلہ لوازم ماہیت کے ہیں اور اس کی مخلوقات بمنزلہ لوازم وجود کے ہیں۔ چنانچہ اس کے تقرر مقدس کی وجہ سے وہ وجہیں اور اس کی ذات اعلیٰ کی شانوں میں سے شان صرف اس امر پر ہوتی ہے کہ عرفان نے برہان کے مقابلے میں شہادت دی کہ صفات عینیہ اور لوازم ماہیہ سے علم اس کے علم حضوری بنفسہٖ میں داخل ہے۔

۱۱۴-تفہیم:

مقامات کا فرق اور اعتبارات کا اختلاف

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ مثلاً زید اور اس پر صادق آنے والے اس کے احکام ان کی بہت سی اقسام ہیں، اور مختلف مثالیں ہیں جو قائم، ناطق اور جزئی ہیں اور انسان، حیوان اور موجود ہیں، اس پر قائم صرف اس وقت صادق آتی ہے جب موضوع اس جسم کو بنایا جائے جو صاحب قامت مستوئی ہو، اس کے ساتھ قیام اور اس کا ترک خلط کے ظرف میں اور تعریہ صحیح ہو یعنی ایسا ظرف جس میں موضوع کو اس طرح نہ لیا جائے کہ وہ محمول سے ملا ہوا ہے۔ اور نہ اس طرح کہ وہ اس سے خالی ہے بلکہ خلط سے خالی ہیئت کے طور پر لیا جائے۔ اور تعریہ ان دونوں سے عام ہوتا ہے اور ان دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ چنانچہ اگر تم نے موضوع کو اس طرح لیا کہ وہ حیوان سے اور صرف نطق سے حاصل ہوا ہے تو یہ جھوٹ ہوگا۔ اور اگر تم نے موضوع کو اس طرح لیا کہ محمول اس سے مخلوط ہے تو یہ لغو بات ہوگی۔ اور اگر موضوع کو اس طرح لیا کہ یہ حیوان ہے جو قیام سے عاری ہے تو تم نے محال کا ارتکاب کیا۔

پھر یہ جاننا چاہیے کہ قیام، زید پر صرف ایک وجہ سے صادق آتا ہے اور اس کو پیچیدگیوں کو حل کرنے میں اسوہ بناتا ہے جو اس کو سمجھنے کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ چنانچہ اللہ سبحانہ ایک

طرف ایک مرتبہ میں اور ایک لحاظ سے صفات سے مجرد ہے اور دوسرے لحاظ سے اور دوسرے مرتبہ میں صفات سے مقرون ہے۔ اور اس پر قیاس کرتے ہوئے یہ اعتبار کیا گیا کہ نفس الامر کے مقامات متفاوت ہیں۔ ان میں سے ایک اسباب کا مقام ہے۔ اور اس میں صرف علت اور معلول ہیں اور سبب اور مسبب ہیں بس۔ اور ہمارے نزدیک امر محقق یہ ہے کہ اس نے اسباب کو کبھی بھی ترک نہیں کیا اور نہ ہی ترک کرے گا۔ اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ معجزات و کرامات امور اسبابیہ ہیں۔ ان پر وسعت غالب آ گئی ہے۔ اس لیے تمام اسبابیات جدا ہو گئے۔ چنانچہ شان، کمال قناعت ہے جبکہ توکل خالص کی، مغلوبین کے سوا کسی کے لیے گنجائش نہیں ہے۔ اور اس جگہ ہم سے سلف کی تقریر کے مطابق جنت کے لیے عمل کی سببیت متحقق ہوتی ہے اور وہاں اس کی نسبت فاعل مختار کی طرف ہوتی ہے۔ اور دعا کا نفع ان امور میں سے ہے جو نازل ہوتا ہے اور نازل نہیں ہوتا۔ اور دعوت و شفاعت کی حقیقت ہے۔

اور اس مقام پر دو دعائیں ہیں۔ ایک دعا وہ ہے جس میں تاثیر محسوس ہوتی ہے اور موثر اور متاثر دو محسوس ہیں، جیسے زید کا قتل۔ اور جو امور اس سے مشابہ ہوں۔ اور ایک وہ دعا ہے جس میں ان دونوں میں سے ایک غیر محسوس ہے۔ یا تاثیر کا معنیٰ غیر محسوس ہے جیسے دعا اور ارادہ و خواہش اور عمل جو جنت یا جہنم کی طرف لے جانے والا ہے۔ اور اس دعا کا فائدہ یہ ہے کہ مثلاً قتل کا ارادہ و قصد اور دعا اس وقت زیادہ سریع الاثر ہوتے ہیں جس کے بارے میں ارادہ یا خواہش کی جا رہی ہے یا جس کے لیے بد دعا کی جا رہی ہے، جب وہ مریض ہوتا ہے۔ اور جب صحیح و تندرست ہوتا ہے تو معاملہ بین بین ہوتا ہے۔ اور دوسری صورت میں جب کہ وہ مثلاً بے کار ہو۔ کیا ان مقامات پر قتل ظاہری نہیں ہوتا؟ اور قتل معنوی قتل ظاہری کی طرح ہے۔ اور ان میں سے ایک ایجاب، دعا کا قبول ہونا ہے۔ اور اس میں صرف یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے واسطہ سے کسی امر کا فیصلہ فرماتے ہیں۔ اور وہاں نہ علت ہوتی ہے نہ معلول، وہاں تمام امور تدبیر سے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں قبول فرما لیتے ہیں۔ اور اس میں اعمال کے بارے میں یہ صادق آتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ اور جو کچھ ہونے والا ہے، اس کے بارے میں فیصلہ ہو چکا، وہ ہو کر رہے گا۔ البتہ اللہ نے مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا۔ اور اس میں بہت بڑی سعادت ہے۔

اوران میں سے ان دونوں مقامات کے درمیان ایک مقام گویا برزخ ہے اور اس میں دو رنگ ہیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ فاعل ہے اور یہ اس کے مظاہر ہیں۔ چنانچہ علت اس میں اللہ تعالیٰ کے علیت سے ظہور کی علت ہے اور معلول معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں معلولیت پیدا فرماتا ہے۔ اور ایک جماعت کے نزدیک اس حالت کا نام فرائض کے قرب سے کشف ہے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قوت، قدرت اور مشیت سے فاعل ہے۔ اور اس کا نام نوافل کا قرب ہے۔ اوران دونوں حالتوں میں سے ایک اوحدین اور عراقی اور ان دونوں کے مشابہ لوگوں کے لیے کھلی ہوئی ہے۔ اور یہ مقام پہلے دونوں مقامات کے ملنے والے مرکزوں میں سے ہے۔

۱۱۵۔ تفہیم:

طلب حاجت کے لیے قبروں کی زیارت کا حکم

جو شخص کوئی حاجت طلب کرنے کے لیے اجمیر شہر یا سالار مسعود کی قبر اور ان جیسے دوسرے مقامات پر جاتا ہے وہ قتل اور زنا سے بھی زیادہ بڑے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ کیا اس کی مثال ایسی نہیں ہے جیسے کوئی مصنوعات کی عبادت کرے یا جیسے کوئی لات وعزیٰ کی عبادت کرے۔ البتہ میں خاص اس معاملہ میں حضرت شارع علیہ السلام سے کوئی نص وارد نہ ہونے کی وجہ سے صریح کفر کا حکم نہیں لگاتا۔ جس نے بھی مردہ کو زندہ تصور کیا اور اس سے کوئی حاجت طلب کی، اس کا دل گنہگار ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں داخل ہے "ذالکم الفسق" جب کسی عارف نے کسی مرید کو حکم دیا کہ شراب وغیرہ خرید لے جس کو شارع نے مباح قرار نہیں دیا جیسا کہ مولانا رومی کے ساتھ شمس الدین تبریزی کے لیے پیش آیا تو مامور کے لیے مناسب یہی ہے کہ اس کام کو نہ کرے۔ اور کھلے طور پر معذرت کر دے۔ البتہ اس کو سب وشتم نہ کرے تو شاید اس کے تحت اکثر صوفیا کے نزدیک زبردست اختلافات ہیں۔

۱۱۶۔ تفہیم:

اللہ تعالیٰ کے بالاختیار یا بالایجاب ہونے میں اختلاف، نزاع لفظی ہے

فلاسفہ اور متکلمین کا یہ نزاع کہ اللہ تعالیٰ بالاختیار خالق ہے یا بالایجاب، نزاع لفظی

ہے۔ یہ کسی بھی طرح کوئی معرکۃ الآراء بحث نہیں ہے۔ اس لیے کہ جب ارادہ فلاسفہ کے نزدیک عین ذات ہے تو ابداع وجوبی ہی ہوگا۔

۱۱۷۔ **تفہیم:**

نبی کی دعا اور ولی کی خواہش کا بیان

نبی کی کبھی کوئی خواہش نہیں ہوتی، وہ صرف دعا ہوتی ہے۔ اور ولی کی دعا نہیں ہوتی، وہ خواہش ہوتی ہے، جس کو خواہش نسمیہ (روحانی) کشف کرتی ہے۔ اور نسمہ کا مفہوم ایسی شئے ہے جو نفس ناطقہ اور روح طبعی سے مخلوط ہو۔ پھر یہاں روحیہ اور روح سے مراد نفس مجرد ہے۔ پھر صفائیہ سب سے زیادہ لطیف ہے۔ پھر دعا اس طرح طلب کرتا ہے کہ اس میں کوئی تاثیر نہ ہو۔ اور وہ دونوں صفات اور اسماء سے استمداد میں شریک ہیں اور تاثیر و تاثر میں جدا ہیں۔ اور دوسرا عبودیت کے لئے مناسب ہے۔

اور نبی کے دو علم ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کے ساتھ علم حضوری اور اس سے کمل فنا متحقق ہوتا ہے اور دوسرے اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے ساتھ علم حصولی، اور اس سے اخبار متحقق ہوتا ہے، اور اس سے دعا حاصل ہوتی ہے۔ نبی کا علم حضوری ولی کے علم سے اس طرح جدا ہوتا ہے کہ اس میں غیریت کا مقدس اندراج حضرت ذات خالص میں صفات کے اندراج کی طرح ہوتا ہے۔ اور نبی کا کشف گویا کہ وہ ایک مزاج ہے جس کی صورت محسوسات جوفی کی کائنات کی طرح ہوتی ہے۔ اور ولی کا کشف موالید ثلاثہ کی طرح صورت ہے۔ اور نبی کے کشف کے لیے حق کی حقیقت کی طرف سوراخ ہوتا ہے۔ اور ولی کے کشف کے لیے ایک سوراخ ہوتا ہے جس سے وہ نکلتا ہے۔ پھر بند ہو جاتا ہے۔ نبی محبوب ہوتا ہے اس پر کشف کا فیضان ہوتا ہے۔ اور ولی کی ذکاوت قوی ہوتی ہے۔ اور اس کی صفائی سخت ہوتی ہے جس پر عکس پڑتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے کہا، نبی فرائض کے قریب ہوتا ہے اور ولی نوافل کے قریب ہوتا ہے۔

۱۱۸۔ **تفہیم:**

طاعات سے مقصود

تمام طاعات سے مقصود نفس ناطقہ کی توجہ اللہ عزوجل کی طرف کرنا، اس کو رذائل سے

خالی کرنا اور شمائل سے آراستہ کرنا ہے۔ حتیٰ کہ یہ ملکہ اس کے لیے ہو جائے اور ہماری شریعت میں اصل یہ نکتہ ہے۔ پھر اس کے پیچھے مصالح چلتے ہیں کہ جوارح خیال کے مطیع و فرماں بردار ہوتے ہیں، اور وہ وہم کا تابعدار ہوتا ہے، اور وہ نفس ناطقہ کا اطاعت گزار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جوارح کے لیے طاعت کا قانون بنایا تا کہ ان سے نور کو نفس کی طرف جاری فرمائے، اور وہ اس کے لیے ملکہ ہو جائے۔ اور طاعات میں لازم ہے کہ ان امور کے درمیان سے جھگڑنے اور گھٹنے کو دور کیا جائے۔ جیسے نفس حق سبحانہ کی طرف متوجہ ہو اور وہم صفات بہیمیہ میں جلدی سے داخل ہوتا ہے تا کہ ان کو ایک دوسروں سے تقویت پہنچائے۔ اور تخلیہ و تجلی مکمل ہو جائے۔ پھر تا کہ تجلی کو مکمل کرے۔ طاعات سے طاعات مفروضہ کا مراد لینا ضروری ہوتا ہے جس میں ذہین اور کند ذہن اور مشہور و غیر معروف سب شریک ہوں تا کہ کوئی اس کو ناپسند نہ کرے اور تا کہ ان سب سے فوائد حاصل ہوں۔ اگر چہ طبیعت اس کے موافق نہ ہو۔ چنانچہ حق تعالیٰ میں مستغرق اگر طاعات کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو اس کی معاش فاسد ہو جاتی ہے اور اس کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور اگر گھٹیا لذتوں میں مستغرق شخص ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو ذات قدسی کی رسّی ٹوٹ جاتی ہے اور امر متوسط ظاہر ہے، اس میں کوئی خفا نہیں ہے۔ اور ان میں سے وہ ہے جو مندوب ہوتا ہے۔ ان کو وہ زیادہ کرتا ہے جو اس کے رتبہ کا فیصلہ کرتا ہے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ اس کو کم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہات اور زجر و توبیخ کا قانون بنایا تا کہ نافرمانوں کو ان کی نافرمانی پر زجر و توبیخ کرے۔ ان میں انسانی بنیادوں کو ڈھانے کی بھی سزائیں ہیں جیسے قصاص اور دیت اور ان میں ان کی ہدایت اور رہنما کی تابعداری کو ناپسند کرنے کی بھی زجر و توبیخ ہے جیسے جہاد اور جزیہ، اور قتل مرتد۔ اور ان کی عقلوں کے فساد پر بھی تنبیہ ہے جیسے اختیاری طور پر شراب پینے کی حد اور اضطراری معاملہ میں بچہ اور بے وقوف کو روکنا۔ اللہ تعالیٰ نے قضایا کے لیے بھی قانون بنایا۔ جب وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں تو قضایا کا حکم دیتا ہے۔ جبکہ انسان کی جبلت یہ بنائی کہ وہ اپنے لیے منافع اختیار کرے۔ اور ان کو شہادتوں اور قسموں پر مبنی قرار دیا تا کہ ظلم و زیادتی کی نفی کرے۔ اللہ تعالیٰ نے معاملات میں کچھ امور کو قانون بنایا تا کہ ان کے ذریعہ لڑائی جھگڑے سے بچیں۔ جیسا کہ بیع کو اس وقت فاسد قرار دیا جب ثمن معلوم نہ ہو یا سلم کی شرائط معلوم نہ ہوں۔

ان کی بہت سی عادتیں ہیں جن میں وہ کبھی افراط سے اور کبھی تفریط سے کام لیتے ہیں، جس کی وجہ سے ظلم وزیادتی ہوتی ہے، یا ذات قدسی کے سلسلہ میں ان دونوں میں اعراض ہوتا ہے۔ جیسے ایک آدمی ملبوسات کے سلسلہ میں تکلف سے کام لیتا ہے اور دوسرا انگار رہتا ہے، ایک گوشت کھاتا ہے اور دوسرا خواہش وارادہ کرتا ہے کہ مصلحت کا تقاضہ ایک ایسی وضع کا ہو جاتا ہے کہ اس سے وہ تجاوز نہیں کر پاتے۔ ان کو کچھ ایسے امور پیش آتے ہیں جو اباحت اور ممانعت کے درمیان گردش کرتے ہیں۔ اس سے کسی کو اس کے دین یا مال میں نقصان ہوتا ہے یا کوئی دوسرا نقصان ہوتا ہے۔ اس لیے حکمت کا تقاضہ ہوا کہ ان کے لیے ایسی عبادات کا قانون بنایا جائے جو ایک لحاظ سے بعینہٖ عقوبت ہیں جیسے قسم، قتل خطاء اور ظہار کا کفارہ۔ ان کے اخلاق قابل مذمت ہوتے ہیں، جو فساد کی جڑ ہیں۔ ان کا دفع کرنا اور اس کے مقابلہ میں ملکات حمیدہ کا حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے روزہ، زکوٰۃ اور حج کو مشروع قرار دیا اور غصہ کا علاج بیٹھنے اور لیٹنے سے کیا گیا اور حج اور جہاد کا حکم دیا گیا۔

اور جاننا چاہیے کہ جس طرح عالم اجسام میں کچھ امور ایسے ہوتے ہیں کہ ادراک کرنے والا ان کو قبیح قرار دیتا ہے جو کہ اس عالم میں اس کی دلیل ہے یعنی حواس۔ اور کچھ امور ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی تحسین کرتا ہے تو دونوں طرح کے امور حق ہیں ان کا انکار صرف سوفسطائی گھمنڈی ہی کر سکتا ہے۔ اس طرح عالم خیال اور عالم وہم کے امور مستحسنہ اور امور قبیحہ ہیں۔ اور دونوں طرح کے امور حق ہیں، اثر کرتے ہیں۔ اور ان امور کا دائرہ محسوس اور مجرد کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ اس اصل کو اختیار کرو اور پھر اس کو جہاں تک چاہو پھیلا دو۔ نماز میں دیکھو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تخلیہ اور تحلیہ و آراستگی کی جانب چلنے کے لیے مشروع کیا۔ عالم شہادت میں ظاہری نجاستوں سے بچنا ہے اور ان کو بدن اور جگہ سے دور کرنا ہے۔ اور ایسے کام کرنا ہے جو تعظیم کے طور پر ہی کیے جاتے ہیں۔ جیسے سیدھا کھڑا ہونا، رکوع کے لیے جھکنا اور تواضع کے ساتھ سجدہ کرنا اور سب کا ساتھ بیٹھنا۔ اور ایسے اقوال کہنا جو اللہ کے لیے محبت اور ایسے لوگوں کے لیے بغض کا باعث ہوں جو وسوسوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ ان کے معانی اجتناب میں موثر ہوتے ہیں۔ اور الفاظ ان امور کو منور کرتے ہیں جن کو معنی اپنے دائرہ میں لیتے ہیں۔

اور عالم وہم میں نجاسات حکمیہ سے طہارت ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس نے پاخانہ یا

پیشاب کیا اور بغیر آواز کے یا آواز سے ریح خارج کی، چاہے اس کو کوئی ایسی چیز نہ لگی ہو جس سے طبیعت کو ناگواری ہوتی ہے۔ لیکن ان اشیاء کے نجاستوں کے منبع سے گزرنے سے وہم میں گندگی میں ملوث ہونے کا اثر ہوتا ہے۔ پھر جب وہ اپنے اطراف، ہاتھ، پاؤں اور چہرہ کو دھو لیتا ہے اور سر پر مسح کر لیتا ہے تو ملوث ہونے کا وہ امر دو طرح سے دور ہو جاتا ہے۔ ایک یہ کہ اوہام میں یہ بات راسخ ہوتی ہے کہ دھونے سے ظاہری نجاستیں زائل ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ متوہمیات میں یہ حکم ناک کے لیے جاری ہوتا ہے اور وہم ناک کو مسخر کرتا ہے۔ اور دوسری یہ کہ دھونا ارادہ اور خواہش کو جمع کرتا ہے۔ خاص طور سے اطراف ہاتھ، پاؤں اور چہرہ کا دھونا۔ چنانچہ حدث سے حادث ہونے والی پراگندگی زائل ہو جاتی ہے۔ اور جو شخص ناپاک ہو گیا اور اس کا وہم لذیذ کی لذت میں داخل ہو گیا پھر اس نے عالم قدس تک ترقی کی تو وہ بہت دور کی دو حرکتوں کے درمیان ہوگا۔ اس لیے غسل واجب ہو گیا۔

اور یہ پورے بدن کو دو لحاظ سے اپنے دائرہ میں لے لیتا ہے۔ ایک کثیر و قلیل تلوث وہمی کے مقابلہ میں طہارت وہمی کے وقوع کے لحاظ سے جو کثیر ہو اور مشکل سے واقع ہو۔ اور دوسرے یہ کہ یہ لذت پورے بدن میں رطوبت برقیہ کہیائیہ کو بھڑکاتی ہے۔ چنانچہ ملنے اور دھونے سے بدن صحیح و درست ہوتا ہے اور جن پیروں پر موزے ہوتے ہیں نجاست وہمیہ ان پیروں کی طرف سرایت نہیں کرتی۔ اس لیے ان پر مسح کو واجب کرنا کافی ہو گیا۔ اور جس کو پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو اس کے لیے دونوں طہارتوں میں تیمم کو کافی قرار دیا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو آلودگی میں ملوث ہو اور پانی نہ پائے تو وہ اپنے عضو کو مٹی سے رگڑ لیتا ہے۔ اور کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے میں ناک کی ریزش کا ازالہ ہے جو ناک کے نتھنوں میں رک جاتی ہے، اور حس مشترک اور وہم کو اذیت دیتی ہے، اور بیت اللہ کی طرف توجہ اخلاص اور تجرید میں مددگار رہتی ہے۔ اور یہ بھی جان لو کہ یہ اضافہ صرف اعتبار کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کے لیے شرعی سبب اور چلانے والا نور ہے۔

۱۱۹- تفہیم:

لغت کے لحاظ سے جذب کے معنی اور عرف میں مجذوب سے مراد

جذب کے لغوی معنی ہیں "اخذ بالشدت" سختی سے پکڑنا۔ اور یہ معنی سالک سے

جدا نہیں ہیں۔ اس لیے کہ اگر اس کو توفیق نہ ملتی تو وہ راہ پر چل ہی نہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یحبھم ویحبونہ "وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔" لیکن ہماری مراد مجذوب سے ایسا شخص ہوتا ہے جو اس امر پر ایمان رکھتا ہو کہ معبود حق ہے۔ وہ مجرد خالص اور وجود خالص ہے۔ خواہ رسول سے یا اس کے نام سے سن کر یا کسی کہنے والے کی تقلید کرتے ہوئے یا ایسی دلیل قطعی کی بنیاد پر جو اس قول میں پناہ لیتی ہے۔ جیسا کہ حضرت خلیل علیہ السلام کے لیے تھا۔ پھر جب ان کا ایمان ثابت ہو گیا، تو اس کی طرف اشتیاق پیدا ہوا، اور ایسی فطرت کی طرف متوجہ ہوئے جس پر ان کی فطرت بنائی گئی تھی۔ یہ ایسے کسب کے لیے جو کسی بھی حالت کا سبب بنتا ہو یا مجذوب کی عنایت کے لیے کہ وہ جیسے چاہے تصرف کرے پھر جب ایسے شخص کے لیے اشتیاق پیدا ہو گیا جس کو حی قیوم سے اعراض ہو اور وہ باآواز بلند کہے 'میں ایسے رب کی عبادت نہیں کرتا جس کو میں نے دیکھا نہیں ہے'۔ تو ایسا شخص مجذوب ہے۔ اور اس نسبت کے دوام کی شرط نہیں لگائی جاتی۔ نہ ہی ایسے مراتب کی تفصیل کی شرط لگائی جاتی ہے جو ایک مجرد سے دوسرے مجرد کی طرف واقع ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے دقیق امور ہیں۔

۱۲۰- تفہیم:

فناء اول کے معنیٰ

فنا اول یہ ہے کہ اس کے دل کا اللہ سبحانہ سے تعلق دائمی ہو، حتیٰ کہ قلب کی عادت آنکھوں میں بصارت جیسی ہو جائے۔ اور یہ کہ ہر ماسوا سے اس کا تعلق منقطع ہو جائے۔ پھر کوئی اس کے دل میں داخل کسی شئے کی خواہش نہ کرے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلم قرار دے دیا جائے۔ قیافہ والی فطرت خوابوں، واقعات اور کشف کے ساتھ خاص ہوتی ہے۔ خاص طور سے تکوینی امور میں اور متوسط فطرت الہام، واقع، خاطر، ہاتف، فراست اور اشراف کے ساتھ خاص ہوتی ہے۔ اور المعی (ذکی و تیز ذہن) فطرت، عقل اور قوت قدسیہ کی تجرید کے ساتھ خاص ہوتی ہے۔ اور یہ کہ خوش ہشاش بشاش، شفیق انبساط والا ہو جائے کہ نہ حسد ہو نہ بغض و کینہ، نہ تنگ دلی و بے قراری، نہ لالچ ہو نہ کوئی امید۔ جب حکم دیا تو کلی۔ اور

کچھ دیکھا تو کلی اور صاحب برکت ہو جائے کہ اس کی وجہ سے لوگوں کو رزق دیا جائے اور بارش برسائی جائے۔ اور ڈھیل دی جائے۔ اور یہ فناء اول ہے۔ جب آدمی اس کو مکمل کر لیتا ہے تو وہ نیک وابرار اور شریف و معزز لوگوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

۱۲۱- تفہیم:

لفظ وجود اور دو معنوں پر اس کا اطلاق

جاننا چاہیے کہ لفظ وجود کا اطلاق دو مفہوموں پر ہوتا ہے۔ ایک وجود فی نفسہ اور اس کا حاصل تحقق اور تقرر ہے اور اس کا کوئی چیز ہونا ہے۔ اور دوسرا وجود بغیرہ۔ اور اس کا حاصل انتزاعی مفہوم کے ساتھ ارتباط ہے۔ اس کا وجود صرف وجود فی نفسہ سے الگ رہتا ہے۔ اس موجود کے ساتھ جو اس انتزاع میں اس سے الگ کیا گیا ہے اور اس پر محمول ہوتا ہے۔ اور وجود پر اس اسم کا اطلاق دوسرے معنیٰ میں بطریق مجاز ہوتا ہے۔ اور نظر جلی اس طرح حکم لگاتی ہے کہ ماہیات جوہریہ اور عرضیہ کا وجود فی نفسہ ہوتا ہے۔ اور غیر کے لیے وجود مفہومات انتزاعیہ کی شان ہوتی ہے۔ اس کے انتزاع کے وقت یا اس کے موضوعات پر حمل کے وقت۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ لیکن نظر خفی اس طرح حکم لگاتی ہے کہ ممکن کے لیے فی نفسہ وجود سے کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اس کا حصہ صرف وجود بغیرہ ہوتا ہے اور وہ اس لیے کہ اس کی ذات کی وجہ سے معدوم ہے اور علت کی وجہ سے پایا جاتا ہے اور جب تک وہ موجود رہے یہ ایجاد منقطع نہیں ہوتی۔ بخلاف اس کے جس کا ناقص لوگوں نے گمان کیا ہے کہ ایسی صورت میں ممکن کے وجود کی حقیقت اس کو واجب قرار دینا اور افاضہ ذاتہ ہے اس کے علاوہ نہیں۔ اور وجود کی افاضہ اور بنانے کے لحاظ سے کئی قسمیں ہیں۔ اس مدعا کا ذکر صوفیا نے اس طرح کیا ہے کہ ممکن مقید اور اعتباری ہے۔ اس کی شان کی حقیقت واجب کے شئون سے ہے۔

پھر ہم کہتے ہیں یہ ربط ایک شئے کے دوسری شئے کے ساتھ ربط کی طرح نہیں ہے۔ خواہ کسی بھی طرح ہو۔ مستقل فی نفسہ ہے اور ممکن باطل ہے۔ اس ربط کے بغیر کوئی شئے نہیں ہے۔ ایسے میں ربط سے مقصود واجب کا اس حالت پر ہونا ہے کہ وہ شان اس وجود امکانی کی تفسیر کرتی ہو۔ اور دوسری شان پر وہ اس وجود امکانی سے تفسیر کرتی ہو۔ ”وعلی ھذا

القیاس" اور مفہومات انتزاعیہ کے حال کا اعتبار کیا گیا ہے۔ چنانچہ حصول اور تکوین کے معنی یہ ہیں کہ وجود کا دجود کی طرف اور اس کے کسی اعتبار کی طرف لحاظ کیا جائے۔ مثلاً صحت اس پر آثار کو مترتب کرتی ہے۔اس اعتبار سے اس کی وہ صفت جدا ہو جاتی ہے جس کو تکوین کہا جاتا ہے اور اس پر محمول کیا جاتا ہے اور یہ کہ اس مفہوم کی طرف لحاظ کیا جاتا ہے جس کو وہ جدا کرتا ہے۔اور اس موجود کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے۔اس طرح مفہوم انتزاعی کے دو مقام ہیں۔ایک مقام انتزاع اور وہ جس سے جدا کیا گیا ہے۔اس میں کمزور ہے۔اس سے ایک شان ہے اور اس کا وجود صرف غیر کے لیے ہے۔اور مقام حمل اس میں وجود خارجی کے مقابلہ میں اس طرح ہوتا ہے کہ تم اس کو از سر نو شے بناؤ اور جس سے اس کو جدا کیا جائے اس پر اس کو محمول کرو۔

اور اس محمول کرنے کا راز کٹا ہوا ہونے کے لحاظ سے اس کا ملاحظہ ہے۔جس میں اس کے صدور کی حقیقت اور اس کے وجود کے قوی ہونے کے سلسلہ میں نرمی کی جائے۔اس طرح کے حال کی مثال واجب اور ممکن میں ہوتی ہے۔ممکن کے لیے دو مقام ہوتے ہیں۔ایک وہ جس میں نظر نفوذ کر جاتی ہے اور اس کا تحقق قوی ہوتا ہے، اور اس میں واجب کے امور سے ایک امر ہوتا ہے۔اپنی وحدت حق میں مضمحل ہوتا ہے۔اور ایک مقام وہ ہوتا ہے جس میں نظر اپنے تحقق کی قوت سے نرم ہوتی ہے اور اس ظاہر کے لیے کافی ہوتی ہے جو آثار کے صدور اور عدم خالص سے امتیاز سے دیکھی جاتی ہے۔جس کے بارے میں بالکل خبر نہیں دی جاتی۔تو وہ اس مقام میں موجود مقرر ہو جاتا ہے۔

پھر یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا علم دو طرح کا ہے۔ایک علم اجمالی۔اور یہ اس کے تقرر اور تحقق کا عین ہے، جب اس سے آثار علمیہ کے صدور کی طرف قیاس کیا جاتا ہے، جیسا کہ وہ عینیت ذات و صفات کی تحقیق میں مذہب ہے۔اور دوسرا علم تفصیلی ہے، اور وہ مختلف قسم کے امور میں مطلق تحقق کے قریب ہوتا ہے۔کیا ایسا نہیں ہے کہ محققین نے جو حکم لگایا ہے کہ واجب کا صادر اول سے ایک ربط ہوتا ہے، وہ اس کی ایجاد، اس کا علم بعینہٖ، اس کی قدرت، اس کا ارادہ اور ان تمام اوصاف کی طرف اس کی عنایت و توجہ ہے جن کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ممکن کا ظہور بعینہٖ اس کی ایجاد ہے۔اور بعینہٖ واجب کے امور میں سے ایک امر میں واجب کا قرب ہے۔اور بعینہٖ اس کا علم، اس پر قدرت اور اس کا ارادہ ہے۔اس طرح وجہ اول علم اجمالی، عین

واجب ہے اور اس کی وحدت میں تمام ممکنات بھی شامل ہیں۔ لیکن مضمون ہونے کی حیثیت سے نہ کہ موجودات کی حیثیت سے ان سے وہ آثار صادر ہوتے ہیں جن کی ان کی طرف نسبت کی جاتی ہے۔ اور علم اجمالی ممکنات کی حیثیت سے عین ممکنات نہیں ہے۔ اور علم تفصیلی عین ممکنات خارجہ وذہنیہ ہے۔ اس لیے کہ وہ ایک ایسی شان کا نام ہے جو واجب کے ان امور سے مقید ہے جو اس کے قریب ہیں۔ اور وہ بعینہ ممکن کی ایجاد اور اس کا ظہور ہے۔ اور ممکن کے لیے بھی علم اجمالی ہے۔ اور وہ اس علم کا ملکہ ہے جو کسی حال میں بھی اس سے جدا نہیں ہوتا۔ خواہ شیئ معین کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ اور علم تفصیلی عین صورت ذہنیہ اور عین معلوم ہے۔

"فتدبرو لا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ العلی العظیم"

۱۲۲- تفہیم:

ایجاد کی حقیقت کے سلسلہ میں صوفیا کا قول اور اس کی تحقیق

صوفیا رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ایجاد کی حقیقت یہ ہے کہ ظاہر وجود اس رنگ میں رنگ جائے۔ وہ اس کا عنوان یہ قرار دیتے ہیں کہ حق سبحانہ کے دو کمال ہیں۔ ایک باعتبار نفس ذاتہ اور وہ اس اعتبار سے محض فعلیت، تحقق، وجود اور وجوب ہے۔ اور دوسرا تمام ان حقائق واعیان کی شمولیت کے اعتبار سے جس کی شان متحقق ہوتا ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اور صاحب حقیقت سے اور اس کے نفس میں اس کے بالفعلیت ووجوب اور تحقق بالفعل یا بالقوۃ سے اس کا امتیاز ہے۔ چنانچہ وجود ایک ایسی بساط ہے جو کل پر پھیلی ہوئی ہے اور کل وجود اور اس کے فروض کی تقادیر اور اس کے تقیدات ہیں۔ پھر جب اللہ نے یہ ارادہ کیا کہ کوئی حقیقت خارج میں پائی جائے۔ اس کی ایجاد یہ ہے کہ فعلیت اس کی کسی مفروضہ مثال میں اور اس کی مقدر کی ہوئی کسی قید میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور فعلیت کا ظہور ایک حقیقت میں ہے جس کی تعبیر وہ اپنے مندرجہ بالا قول 'ظاہر وجود اس رنگ میں رنگ جانے سے کرتے ہیں۔

اور میں کہتا ہوں کہ ایجاد کی حقیقت کے سلسلہ میں یہ تعبیر اس زبان میں ہے جس میں ایک قسم مسامحت، نرم برتاؤ کی ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ فعلیت اور تحقق کی ذات کے لئے جس کو وہ ظاہر الوجود کہتے ہیں، اس کے معلول کا وجود ضروری ہے۔ تحقیق میں اس کا وجود اس

کی علت کے لیے ہے۔ چنانچہ معلوم کا وجود علت کے لیے اس حیثیت سے کمال ظاہری ہے کہ اس کا وجود جب اس کے نفس میں پھیل گیا، معلول بالضرورت ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس طرح معلول اور اس کی علت کے درمیان ذات علت کے لیے لزوم ہے نہ کہ غیر کے لیے۔ اور اس طرح معلوم کو دوسرا معلوم لازم آتا ہے۔ اور اس طرح سلسلہ جاری رہتا ہے۔

چنانچہ جس طرح وجود کا باطن حقائق مقیدہ پر مشتمل ہوتا ہے جو تمام بالقوہ اور عرض ہیں، اسی طرح ظاہر وجود ان کو بالفعل شامل ہوتا ہے۔ اور ظاہر وجود سے حقائق کے صدور کا لزوم اس کے نفس سے ہوتا ہے، اشتمال باطنی کے لیے نہیں۔ اور اس طرح اس کا اقتضا معلول کے لیے ہے، وہ اپنے نفس سے ہے، حقائق مشتملہ سے نہیں۔ اور صوفیا چونکہ وجود کے باطن کے عادی ہیں ان کے سامنے باطن سے ظاہر کے پھیلنے کے سلسلے کی تعبیر جلدی سے آ گئی۔ اس لیے انہوں نے نرمی کا برتاؤ کیا جبکہ حق اس کے برخلاف ہے جو پوشیدہ نہیں ہے۔ اس اختلاف کا ثمرہ ماہیات بنانے کے سلسلہ میں ظاہر ہوا۔ جبکہ صوفیا کے نزدیک حقائق مشمولہ وہ ہیں جن سے ظاہر وجود رنگا جاتا ہے۔ انہوں نے حقائق کی ذات میں تاثیر نہیں دیکھی، اس لیے کہ فعلیت کے لیے تحقق کو واجب قرار دینے والی تقادیر موجود کی تکوین کے وجوب کی طرح موجود ہیں۔ یا قادر وغیرہ کے لیے قادریت کے وجوب کے مثل ہیں، اور وجود میں نہیں ہیں۔ اس لیے کہ وہ فعلیت واجبہ ہے کہ تاثیر رنگنے اور متصف کرنے میں ہے۔ اور ہم نے جو کہا ہے جس نے اس کا ادراک کر لیا، اس نے کہا کہ ماہیات اپنے آپ میں جعل بسیط سے بنائی ہوئی ہیں۔ اس لیے کہ حقائق ظاہرہ کا صدور واجب سے ہے۔ اور ہم جعل یا بنانے سے یہی مراد لیتے ہیں اور یہ کہ اس کے مقدم فروض اور تقادیر ہیں۔ اس لزوم میں ان کے داخل ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ قانون کی طرح ہیں اور ہم اس کے لیے تعمیر کی مثال دیتے ہیں۔ جب کسی عمارت کی تعمیر کا ارادہ کرتے ہیں، تو ارادہ کرنے والے کی قدرت اور اس کا علم مرکب ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ عمارت کی صورت اس کی ذات میں متحقق ہو جاتی ہے۔ پھر اس کی قدرت خارج میں ظاہر ہوتی ہے تو صورت خارج میں متحقق ہو جاتی ہے، اور اس ظہور خارجی کے اور اس کو بنانے والے کی تاثیر کے درمیان وہ عرض متقدم خلل پیدا نہیں کرتی۔ اگرچہ معاملہ ایک دوسرے سے مشابہ ہوتا ہے۔

۱۲۳-تفہیم:

مقام عظیم وجاہ کریم کا ذکر

لک الحمد ربی انت قصدی ووجھتی
وفی بحرک الرحموت غاصت نسمتی

''اے میرے رب! تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں۔تو ہی میرا مقصود اور تو ہی میری جائے پناہ ہے۔اور تیری ہی رحمت کے سمندر میں میری روح نے غوطہ لگایا ہے۔''

إلیک یدی تلقاک عینی ضراعته
وفی نورک المغمور قلبی ومھجتی

''تیری ہی طرف میرے ہاتھ اٹھتے ہیں، تیری ہی طرف میری آنکھیں جھکتی ہیں اور تیرے ہی نور سے میرا دل اور میری روح بھرے ہوئے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے مجھے مقام عظیم اور اعلیٰ مرتبہ عطا فرمایا جس کی وجہ سے شرفا مجھ پر رشک کرتے ہیں۔ بڑے بڑے لوگوں میں ان مقامات و مراتب کا شوق دیکھا جاتا ہے۔اے انسانی گروہو! میں کسی بھی معاملہ میں تمہارا احتاج نہیں ہوں۔ خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔اور میری تعلیم کتاب نہیں ہے۔اور اس کی تحریر کو میری طرف رجوع کی ضرورت ہے۔ میرے رب نے مجھے غنی و بے نیاز کر دیا ہے اور وہ تمہارے لیے ہے۔تا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ میں اس کے لیے آیا ہوں۔ جب میرے پاس وہ آ گیا تو میں نے ذکر سے اعراض کر لیا تو جس نے اس پر دھیان دیا اور توجہ سے سنا، سمجھا، اس کے لیے بہت اچھا ہے۔اور جس نے اعراض کیا اور بہرا بنا تو اس کے لیے میرے سینہ میں کوئی تنگی نہیں ہے۔میرا سینہ اس کے لیے کشادہ اور کھلا ہوا ہے، جس کے لیے اس کو اللہ تعالیٰ نے کھول دیا ہے۔میں تمہارے درمیان غریب اجنبی ہوں، تم مجھے نہیں پہچانتے، میرے سر پر تاج ہے اور میرے ہاتھوں میں تلوار ہے۔اور میرا قلب حلیم بردبار ہے اور میری زبان شیریں ہے۔اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو اور اپنے معاملات کی اصلاح کرو۔ ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، نہ دشمنی و اختلاف رکھو، نہ تعلقات منقطع کرو۔جس نے مجھ سے دشمنی رکھی، اس نے اپنا کھلا نقصان کیا۔

جہانیاں بمن آیند وہمتی طلبند
ازاں سبب کہ منم ایں زماں مطاع جہاں

''اہل دنیا میرے پاس آتے اور دعا کے طالب ہوتے ہیں، اسی وجہ سے کہ میں اس زمانہ میں ساری دنیا کا مخدوم و مستحق اطاعت ہوں۔''

کنوں وصی رسولم خزانہ دار علوم
بدست ماست کنوں خیز انتفاع جہاں

''اس وقت میں اپنے رسول کا وصی ہوں علوم کا خزانہ رکھتا ہوں، اب ہمارے ہاتھ سے دنیا کو نفع پہنچتا ہے۔''

۱۲۴۔ تفہیم:

اللہ کی بعض نعمتوں کا ذکر

للہ الحمد کہ آں نقش کہ خاطر می بست
آمد آخرز پس پردہ تقدیر پدید

''اللہ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں کہ جس نقش سے دل بندھتا ہے، تقدیر کے پردے کے پیچھے سے ظاہر ہو گیا۔''

قید فرنگ میں پیغام ربانی کی مستی سے دل اور قاصد کی جلد بازی سے سرسخت تنگ ہے مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ ''جو پورا نہ پائے وہ سارا چھوڑے بھی نہیں''۔ کے مصداق دوگراں بہا گوہر مجھے دیئے گئے ہیں جن کے حصول کا حوصلہ میرے اندر نہیں تھا۔ ایک دورۂ کمال کا مکمل کرنا تفصیل کے ساتھ اول سے آخر تک، وہ یہ کہ اس کے شوق میں اگر وبا اور جنون کو میں نے فلک تک پہنچا دیا ہوتا کہ اس کا رنگ سخت رنگین ہے، اس کا مزا بہت شیریں میٹھا ہے، اس کی بو بہت خوشبو والی ہے۔ الا یہ کہ حق کا سورج اس کے مغرب سے طلوع ہو جائے

فبشری ثم بشری ثم بشری
لا بنائي واخواني وقومي

''بشارت و خوشخبری ہے پھر خوشخبری ہے پھر خوشخبری ہے، میرے بیٹوں، میرے

بھائیوں اور میری قوم کے لیے۔"

وطوبی ثم طوبی ثم طوبی
لا صحابی ومعتکفی وحومی

"اور خوشخبری ہے پھر خوشخبری ہے پھر خوشخبری ہے، میرے اصحاب ساتھیوں میرے ساتھ مسجد میں بیٹھنے والوں اور میرے اردگرد پھرنے والوں کے لیے۔"

دوسرے وہ وصایا کہ علی مرتضی کرم اللہ وجہہ اس کا جوش مارتے ہیں

افلت شموس الأولین وشمسنا
ابدا علی افق العلی لا تغرب

"اولین کے سورج غروب ہو گئے اور ہمارا سورج، ہمیشہ اعلیٰ افقوں پر رہتا ہے اور غروب نہیں ہوگا۔"

اس کے قدسی باغوں کی ایک خوشبو ہے جس نے مجھے سختی سے اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ سب میرا منہ دیکھتے ہیں۔

لیکن میرا شیوہ اختیار نہیں کرتے اور مستی کی شورش قافیہ کا تغایر کرتی ہے اور نظام کا نظم بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

ایں زماں بگذار تا وقت دگر

اس زمانہ کو دوسرے وقت کے آنے تک گزار دو۔

۱۲۵- تفہیم:

بعض احوال کی طرف اشارہ کرنے والے اشعار اور گویا کہ یہ توحید وجودی یا شہودی ہے

فتونک فی معنی الوصال فتوننا
تکونک طور الم طورا تکوننا

"وصال کے نام پر تمہارا فریفتہ کرنا ہمیں فتنہ میں ڈالنا ہے، ہم تمہارے لیے ایک

طریقہ ہوں گے پھر تم ہمارے لیے ایک طریقہ ہو گے۔"

فكناك احيانا فتم وصالنا
وليس وصالا ان نراك عيوننا

"ہم کبھی تمہارے لیے ہو گئے تو ہمارا وصال مکمل ہو گیا، اور وصال یہ نہیں ہے کہ تمہیں ہماری آنکھیں دیکھیں۔"

ومذ كنت إيانا رأينا تحكمت
على جملة الاكوان منا ظنوننا

"اور جب تم ہمارے تھے ہم نے دیکھا کہ، تمام تکوینوں پر ہم سے ہمارے گمانوں نے حکم چلایا۔"

توليتنا كل الامور جميعها
فليت سوى منكم إلينا شئوننا

"تم نے ہمیں تمام امور کا ذمہ دار بنا دیا، پس کاش تمہارے علاوہ ہمارے امور کسی اور طرف نہ ہوتے۔"

بك امتلئت عيني وقلبي وقالبي
وفيك امتحت إياك صارت فتوننا

"تمہاری شخصیت سے میری آنکھ، میرا دل اور میرا قالب بھر گیا، اور تمہارے اندر، ہمارے فتنے محو ہو گئے۔"

تبدلت الاركان منا بنوركم
تغوص اغصانا جفتنا جفوننا

"ہم سے ارکان تمہارے نور کی وجہ سے بدل گئے، شاخیں غوطہ لگاتی ہیں ہمارے پپوٹے خشک ہو گئے۔"

فتنا وافتنا فكنا بفاتن
ولم يك مفتون فتم فتوننا

"ہم فتنہ میں پڑ گئے اور فریفتہ ہو گئے ہم فتنہ گر ہو گئے، وہ مفتون نہیں تھا اس لیے

ہماری فتنہ گری مکمل ہو گئی۔"

۱۲۶-تفہیم:

ایسے بندہ کیلئے کامل سعادت جس کیلئے اللہ سبحانہ نے تجلی فرمائی

یہ جان لو کہ پوری سعادت یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے بندہ کے لیے تجلی فرمائی، خواہ وہ مقدار عین پر ہو تو اللہ اس بندہ کو ولی قرار دے دیتا ہے۔ اس لیے کہ تجلی کے آثار اس قیاس پر ہوتے ہیں جس کے لیے ہیئت سے یا وزن یا مقدار سے مختص کیا ہو۔ یا تم جو چاہے اس کا نام رکھ لو۔ اور عین کو بندہ کے لیے قانون بنا دیا گیا۔ اس کے آثار، کمالات اور مقالات صرف اس کے میزان و معیار اور مقدار پر ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ تجلی عین کے لیے تحقق اور تقرر کی وارث ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ آثار اللہ کے رنگ میں رنگ گئے اور یہی تو لی ولی مقرر کرنے سے مراد ہے۔ اور نفس ناطقہ کی مقدار پر جو اس عالم سے بندہ ہونے میں راز ہے۔ اور اس کے ماسوا سب اس پر متفرع ہیں۔ اور اس سے مدد طلب کرنے والے ہیں۔ اور اس کے لیے مثال ہیں۔ تب بندہ اللہ کے ذریعہ دیکھتا ہے۔ اللہ کے ذریعہ پکڑتا ہے اور اللہ کے ذریعہ سنتا ہے۔ اس لیے کہ نفس روح کے کمالات کا اجمال ہے۔ چنانچہ جب تجلی اس کے وزان اور موازنے سے مختص ہو گئی تو روح کے کمالات متحقق ہو گئے۔ اس کا قصد روشن ہو گیا اور اس کے اشارات اور جلوے صاف ہو گئے۔ شیخ بہاؤالدین نقشبندی نے کہا: میں چالیس برس سے آئینہ کو دیکھ رہا ہوں، اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ انہوں نے آئینہ سے مراد یہ تجلی ہی لی تھی۔

پھر جس بندہ کو اللہ عزوجل نے ولی قرار دیا ہے۔ اولاً تجلی اس کی روح میں سرایت کرتی ہے۔ چنانچہ روح تمام شرور سے صاف اور اللہ کی مرضیات کے موافق ہو جاتی ہے۔ پھر اس کی روح کو توڑنے میں چلتی ہے اور وہ شرح صدر ہے۔ پھر دنیا و مافیہا سے اعراض کرتا رہتا ہے اور اللہ عزوجل سے محبت کرتا اور خشوع کرتا رہتا ہے۔ پھر اس کے نفس ناطقہ میں سرایت کر جاتا ہے تو اس کی تمام حرکات و سکنات اور اس کے کلمات اللہ کی مرضی سے ہو جاتے ہیں۔ اس کی ذات سے نہیں رہتے۔ اس وقت نسبت اور اوصاف کی فنا متحقق ہو جاتی ہے۔ اب جو اس سے بغض رکھتا ہے، وہ اللہ سے بغض رکھتا ہے۔ اور جو اس سے محبت رکھتا ہے، وہ اللہ سے

محبت رکھتا ہے۔ پھر دوسری بار آنکھ میں سرایت کرتا ہے، تب نعمت اور رحمت مکمل ہو جاتی ہیں۔

۱۲۷- **تفہیم:**

حکم اور نبوت کے معنی

اللہ عزوجل نے بنی اسرائیل کے سلسلہ میں فرمایا: **وآتیناھم الکتب والحکم والنبوۃ** ''اور ہم نے انہیں کتاب اور حکمت اور نبوت دی'' میں کہتا ہوں یہاں حکم سے مراد علم حقیقی اور اس کی مشابہ عالم شہادت میں علم کتاب اور اباحت ہے۔ اور نبوت ریاست حقیقی اور اس کی مشابہ خلافت اور امامت ہیں۔ اور ہر نبی کے لیے لازم ہے کہ وہ حکیم ہو اور ہر خلیفہ کے لیے لازم ہے کہ وہ نیک علامہ ہو۔

۱۲۸- **تفہیم:**

اللہ تعالیٰ کے نور السموات والارض ہونے کے معنی

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ''**اللّٰہ نور السموات والأرض، مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح، المصباح فی زجاجہ، الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتھا یضیٔ ولولم تمسہ نار، نور علی نور، یھدی اللّٰہ لنورہ من یشاء ویضرب اللّٰہ الامثال للناس، واللّٰہ بکل شئی علیم**'' اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ (کائنات میں) اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو۔ چراغ ایک فانوس میں ہو۔ فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا۔ اور وہ چراغ زیتون کے ایک ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی۔ جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑکا پڑتا ہو، چاہے آگ اس کو نہ لگے، اور اس طرح روشنی پر روشنی بڑھنے کے تمام اسباب جمع ہو گئے ہوں۔ اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے رہنمائی فرماتا ہے۔ وہ لوگوں کو مثالوں سے بات سمجھاتا ہے اور وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔'' (النور: ۳۵) میں کہتا ہوں کہ اللہ وہ ہے جس نے مختلف قسم کی تجلیاں فرمائیں، ان میں سے خلق اور تصویر (تدبیر) اور ہدایت بھی ہے اور ہر تربیت، تربیت ہے۔ اور

تدبیر آسمانوں اور زمین میں تدبیر ہے۔اور وہ انوار اور تجلیات ہیں۔وہ سب ایک اعتبار سے عین لذاتہ ہیں۔اور ایک اعتبار سے اس کا غیر ہیں۔اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔اور یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ یہ سب اس کے انوار ہیں۔پھر نور محمدی جس کے ذریعہ اپنی شریعت، ہدایت اور کمالات کا انتظام فرمایا "علیه افضل الصلوٰت وایمن التحیات" اس کی مثال ایسی ہے جیسے چراغ ایک فانوس میں ہو اور وہ طاق میں ہو۔

چراغ اسم متجلی کے مقابلہ میں عین کے وزن میں برابر ہے۔اس لیے انتہائی چمک میں اس سے مغلوب ہے۔سبقت مزاج ہے۔اور ہر چیز کا مادہ ہے۔اس کی جانب سے مدد آتی ہے۔جیسے غذائیں بدن کے عناصر سے پیدا ہوتی ہیں۔اور اس تجلی کا مادہ مرید کے نام کا فیضان ہے، نہ مکان میں ہے، نہ زمانہ میں اور درخت نہ شرقی رخ ہے، نہ غربی رخ۔اور اس تجلی کی وسعت لکڑی کے کمالات سے ہوتی ہے۔اور اگر لکڑی کے کمالات نہ ہوں تو قریب ہے کہ اس سے بھی روشن ہو جائے۔جس سے صفائی اور علو فطرت ہے۔لیکن وہ اس سے مل گیا تو مکمل ہو گیا اور بعد میں روشنی ہو گا۔اور فانوس وہ تجلی ہے جو نفس ناطقہ میں اس اسم کے سرایت کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔اس لیے کہ نفس اگرچہ اس عالم کی ہی ایک شے ہوتا ہے لیکن اس کی ہیئت صاف اور منظر لطیف ہوتا ہے۔اس میں شک نہیں کہ وہ فانوس کی طرح ہے اور نفس میں پایا جانے والا نور، فانوس میں پائے جانے والے نور کے مشابہ ہے۔پھر تجلی جسم میں پائے جانے والے عرض کے مشابہ ہے۔اس لیے وزن میں اس کے برابر ہوتا ہے جو اس کے اوپر ہے اور اس کے لیے ہے۔اب اگر تم کہو کہ رب تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے "کمشکوة فیها مصباح، المصباح فی زجاجة" جیسے ایک طاق ہو، اس میں چراغ ہو، چراغ فانوس میں ہو۔یہ نہیں فرمایا طاق ہو، اس میں فانوس ہو، اس میں چراغ ہو۔میں کہتا ہوں کہ ایسا اس امر کا اعلان کرنے کے لیے کیا کہ فانوس جس طرح چراغ سے اولاً روشنی کو قبول کرتا ہے بغیر کسی کے تابع ہوئے۔اسی طرح طاق بھی اس سے اولاً روشنی کو قبول کرتا ہے، بغیر فانوس کے تابع ہوئے۔اسم الٰہی کا ہر دورہ میں سرایت کرنا یکساں ہے۔اور طاق اس روح سے عبارت ہے جو اسماء کے انوار کے عکس کے لیے طبیعت کی تاریکیوں کو ترک کرنے والی ہے۔اس میں اس علم سے ایک دوسری عبارت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے جو کمال کے دورہ سے پیدا ہوئی ہے۔چنانچہ اس بلندی

پر پہنچ گئی جو اس سے ممکن ہے۔ تو عین پر اعتماد کرنے والا اس کا اسم عام ہو گیا۔ اور نفس پر اعتماد کرنے والی اس کی تجلی مکمل ہو گئی۔ اور آپ کا سینہ کھل گیا۔ اور آپ کی روح ایمان لے آئی۔ تو آپ کے نام سے تولی کے آثار ہیں۔ جیسے جبریل علیہ السلام کو اس نبوت کے ساتھ بھیجنا جو تقسیم کے لیے نظام شمار کیا گیا ہے۔ اور ہجرت، جب مصائب عام ہو گئے، تو لی خالص ہو گئی۔ اہل یثرب میں سے ایک قوم نے آپ کی اتباع کی تو آپ کے دل میں ہجرت کا خیال پیدا فرما دیا۔ اس طرح اللہ نے آپ کے خیال کی تصدیق فرمائی اور بدر کا نام مصلحت میں چلا۔ اللہ کے دشمن مصیبت میں مبتلا ہو گئے اور یوم التقی الجمعان (جس دن دونوں بڑے گروہ ٹکرائے) فرقان کو نازل فرمایا اور حدیبیہ اس طرح مصلح کی طرف بڑھی کہ نہیں جانتے تھے۔ اور وہ فتح کا مبدأ ہو گئی اور خیبر، حنین، طائف اور فتح مکہ وغیرہ اور حق کے ان آثار کے القاب جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل جاء الحق وزهق الباطل ”آپ فرما دیجئے حق آ گیا اور باطل مٹ گیا“۔

اور کیا میں تمہیں بتاؤں کہ تولی کیا ہے۔ وہ بخت کی طرح ہے مگر یہ کہ بخت میں تاریکی ہوتی ہے اور اس میں چمک ہوتی ہے اور بخت سے سعید روحیں سعادت حاصل کرتی ہیں جبکہ بدبخت شقاوت و بدبختی کے شکار ہو جاتے ہیں۔ بخت بدیہی امر ہے اس کا انکار صرف ان لوگوں نے کیا ہے جو اہل تمیز نہیں ہیں۔ اور اس کی تجلی اشرافات ہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ تم نے اپنے گھر میں ایسا اور ایسا کیا اور کل ایسا اور ایسا ہو جائے گا۔ اور معجزات جزئیہ جیسے مریضوں کے لیے دعا اور کھانے پینے کی چیزوں کا زیادہ ہو جانا۔ البتہ شق القمر ہمارے نزدیک معجزہ نہیں ہے، وہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اقتربت الساعة وانشق القمر ”قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند کے ٹکڑے ہو گئے“۔ (القمر: ۱، ۲) لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلسلے میں اس کے وجود میں آنے سے پہلے ہی خبر دے دی تھی۔ اس لیے اس لحاظ سے یہ معجزہ ہے۔

شیخ بہاؤ الدین نقشبندی نے کہا میں نے ۴۰ سال تک آئینہ پر نظر رکھی۔ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ انہوں نے آئینہ سے مراد یہی تجلی لی تھی۔ نفس کی جبلت اشراف اور ارادہ و خواہش والی ہے لیکن وہ دونوں کبھی تکذیب کرتے ہیں اور کبھی تصدیق کرتے ہیں۔ تو جب تجلی متحقق ہو جاتی ہے تو آدمی التباس سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے اپنی کتاب میں نہ ان

معجزات میں سے کسی کا ذکر کیا، نہ ہی ان کی طرف کبھی انوکھے راز کے طور پر اشارہ کیا۔ اور وہ یہ ہے کہ قرآن اسم ہے، اس لیے اس میں ان کا کوئی ذکر نہیں کیا جاتا جو اس کے تحت ہیں۔ اور ان میں سے اکثر مدینہ میں پیش آئے۔ اور آپ کے شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ آپ لوگوں میں اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے، سب سے زیادہ تقویٰ والے، سب سے زیادہ عبادت کرنے والے اور سب سے زیادہ علم والے ہیں۔ اور ہر وقت اللہ کو یاد رکھتے تھے اور اس دھو کے کے گھر، دنیا سے اعراض کرنے والے اور ہمیشگی کے گھر کی طرف متوجہ رہنے والے تھے۔ حضرت انس دس سال تک آپ کی صحبت میں رہے۔ انہوں نے کبھی کوئی کام کیا تو آپ نے یہ نہیں فرمایا تم نے یہ کیوں کیا اور نہ ہی کسی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا تم نے یہ کیوں نہیں کیا؟ اور کبھی کسی سائل کو "نہیں" نہیں کہا۔ آپ کا وعظ ایسا ہوتا تھا کہ اس کو سن کر آنکھوں سے آنسو بہتے تھے اور دلوں میں ڈر پیدا ہوتا تھا۔ خود آپ اللہ کے خوف سے اور اس کی محبت میں اور اس کی طرف شوق کی وجہ سے روتے تھے۔ اور یہ امور آپ کے کمالات ہیں جو اہل سنت کے علماء اور ان کے اکابر کو پہنچے ہیں۔ اس لیے انہوں نے دوسرے امور پر ان کی فضیلت بیان کی۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہمارا ان کی فضیلت بیان کرنا سب سے زیادہ مکمل اور سب سے زیادہ روشن ہے۔

اور آپ کے ایمان میں آپ کی صلہ رحمی، پاک دامنی اور شرع کے مطابق اور مباح طریقہ پر آپ کے معاملات، آپ کی طاعات، سنت اور اپنی بیویوں اور خدام کے ساتھ آپ کی معاشرت، رہن سہن، آپ کا لباس، طرز گفتگو، کھڑا ہونا، بیٹھنا ہے۔ اور بالجملہ وہ سب کچھ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اس کی چار قسمیں ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ تو جو ان پر اس طرح ایمان رکھتا ہے جس طرح ہم ایمان رکھتے ہیں۔ اس نے اس طرح ایمان رکھا جس طرح ایمان رکھنے کا حق ہے۔

۱۲۹- تفہیم:

بعض تجلیات کی تفصیل

آں شدا اے خواجہ کہ درصومعہ بازم بینی
کارما بارخ ساقی ولب جام افتاد

"اے خواجہ ایسے ہو گیا کہ صومعہ اور بت خانہ میں مجھ کو پھر سے دیکھ سکتے ہو، ہمارا واسطہ ساقی کے رخ اور لب و جام سے پڑ گیا ہے۔"

بقا جو کہ ولایت کا خانہ ہے، ایک ایسا امر ہے کہ اس جگہ ہرگز "نہ" نہیں ہوگا اور ابدالآباد تک نہیں ہوگا۔ اس جگہ فوق الفوق ایک ایسا امر ہے کہ اس کی تعبیر نہیں کی جا سکتی۔ اللہ کے فضل سے، اللہ کے قرب سے، اس کی انواع اور اس کے احکام و تفاصیل جس قدر دیئے گئے ہیں، معلوم نہیں کسی اور کو دیئے گئے ہوں، بلکہ اس پر ہمارا یقین ہے، اس پر نہ کوئی فخر و گھمنڈ ہے، نہ تعجب۔ اس جگہ ہر حرکت فوقیہ اور ہر تجلی جس پر تجلی کی جاتی ہے، اس کا احاطہ کرنے والی ہے کہ وہ اس میں غرق ہے، الا یہ کہ مسکین بے دست و پا ہے کہ ہر تجلی جس کو میں گلے سے اتارتا ہوں، اور وہ سب جن کو میں بغیر کسی اضطراب اور بغیر زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کے سینہ سے لگاتا ہوں۔ گویا میں نے اس کا اوپر سے احاطہ کر لیا ہو۔ حتیٰ کہ رحمان کی تجلی اس طرح مجھے اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ اور میں اس کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہوں۔ حتیٰ کہ دونوں باہم متحد اور منعدم ہو جاتے ہیں اور میں نہیں جانتا کہ کسی کا علم اس حد تک پہنچا ہو۔ اس گفتگو میں بہت تفصیل ہے۔ میں اسی پر بس کرتا ہوں۔

۱۳۰۔ تفہیم:

وصایا یہ اور مفردیہ کے ایک ساتھ جمع کرنے کا مرتبہ

یہ ضروری نہیں ہے کہ سلف کو کوئی مقام یا مرتبہ حاصل نہ ہوا ہو، اور انہوں نے صریحاً یا ضمناً اس کی خبر نہ دی ہو۔ البتہ خلف کو یقینی طور پر ایسا کچھ ملا نہیں بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ متاخرین کو کوئی چیز ملی ہو اور ہمارے تمام متقدمین نے اس سے غفلت کا مظاہرہ کیا ہو۔ اس کی دلیل کے لیے حضرت خاتم النبوت علیہ الصلوٰۃ والسلام کافی ہیں۔ اور اس سلسلہ کا ایک اختصاص وصایا اور مفردیہ کے جمع کرنے کا معاملہ ہے۔ اگرچہ جو بھی مر جاتا ہے، خاک ہو جاتا ہے لیکن صحیفہ عامہ کلیہ میں اس کے حال کی حقیقت منقش ہے۔ میں نے اس میں تلاش کیا تو نہیں پایا کہ کسی نے جمع کیا ہو۔ بلکہ میں نے پایا کہ کسی نے نہیں کیا۔ اگر تحقیق سے پوچھتے ہو تو یہ دو امر ہیں کہ ان سب میں ایک کا حصول دوسرے سے وابستہ ہے۔ اگرچہ تجلیات کی

جزئیات امور غیر متناہیہ ہیں۔ البتہ ان کے کلیات کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ اگر چہ ہر ایک کلیات سے خالی، بے سروپا ہے۔ لیکن کوئی ایک حضرت خلاق علیم کی مخلوق میں موجود ہے کہ ان سب کو قدم موہبت سے طے کیا ہو۔ اور میں نے اس کے بعد کسی دوسرے میں کمال وتجلی نہیں پائی۔ نہ اس جہاں میں اور نہ اس جہاں میں۔ سوائے اس شخص کے جو خود روشن بصیرت والا ہو۔ اور اس کے اوپر سے احاطہ کر کے آئے۔ اس حالت میں کہ عین ذات تک پہنچ جائے۔ اس کی نسبت تمام تجلیات ومقامات میں ایک ہو جائے۔ اور اس کا کوئی اثر، کوئی درد اور کوئی توجہ باقی نہ رہے۔ جو چاہے اس لحاظ سے توجہ کرے کہ وہ اس کے حال کے نیچے کی شئے ہے۔ اب یہ امر پوشیدہ نہیں ہے۔ خود اپنی آنکھ سے دیکھ لیا کہ میں ایک بشر ہوں جو کشمکش میں مبتلا ہو گیا ہے۔ طبیعت اچاٹ ہو گئی اور جو آداب اس سفر میں پہنچنے کا باعث ہوئے درست ہوئے۔ نہ کہ اس کا علم اس وقت پر منحصر ہے جب وہ قبر میں اتارا جائے۔ اور ایک دوسرا عالم پیش آئے۔ اور جو آداب اس کو اس سفر میں پیش آئے ہیں، انہیں اختیار کرے اور اس طرح سلسلہ چلتا ہے یہاں تک کہ اس کی تجلی اور سفر منتہی ہو جاتا ہے۔ جو کہ اللہ عزوجل کی ذات ہے۔ وہ اس میں سے کسی چیز میں تجلی غیر محتجب کہلاتی ہے۔

۱۳۱۔ **تفہیم:**

انتہائی کمال حاصل کرنے کا مرتبہ

یہاں کچھ اسرار ہیں جن کو لکھنے سے قلم قاصر ہے۔ وہ انتہائی کمال کا حصول ہے اور یہ انتہائی مقصود ہے۔ لیکن اللہ کے بعد کوئی انتہا نہیں ہے۔ جو چیز بھی موجود ہے یا موجود تھی یا آئندہ ہو گی، آدم سے لے کر قیامت کے دن پائے جانے والے آخری آدمی تک وسیع ہو کر اس کمال کا دائرہ ہے یا جزئیات یا شرائط سے کوئی امر ہے۔ یا اس کمال کا حصہ ہے۔ اے اللہ! تو جو کچھ دینا چاہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور اس بارے میں، میں نے کہا ہے۔

قرون خلت لیس الحساب یعلها

خلیا عن النور المبین المعامر

"وہ صدیاں جو گزر گئیں انہیں حساب گن نہیں سکتا، وہ بیان کرنے والے تعبیر کرنے

والے نور سے خالی ہو گئیں۔"

واعنی بذاک النور نور سماءہ
سمت فوق سبع الطبقات الدوائر

"اور میں اس نور سے اس کے آسمان کا نور مراد لیتا ہوں، کہ سات تہہ در تہہ گھومنے والے آسمانوں کے اوپر ہے۔"

الی بعدھا عبد ضعیفا فصانہ
وکان لہ اذ بین ناہ وآمر

"ان کے بعد ایک کمزور بندہ آیا جس کو اس نے بچایا، حالانکہ وہ اس وقت منع کرنے والے اور حکم دینے والے کے درمیان تھا۔"

علی صورۃ العین الوسیعۃ تارۃ
وطور اعلیٰ وجہ علی الدنس ھامر

"کبھی وسیع و عریض آنکھ کی شکل میں، اور کبھی خستہ حال چہرہ کی صورت میں۔"

جمعنا لہ الشمل الشتیت مسددا
حمیداً اماما فوق اعلیٰ المنابر

"ہم نے اس کے لیے بکھرے ہوئے پرزوں کو جمع کیا، جو کہ اونچے منبروں پر محمود امام بن کر رہا۔"

وکنالہ ردء لضیر وحافظاً
فلیس لہ شئی ھناک بضائر

"اور ہم اس کے لیے کسی بھی نقصان سے رکاوٹ اور اس کے محافظ بن گئے، اب اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔" (غالباً اس سے مراد بشمول شاہ صاحب اولیاء اور اہل حق ہیں)

۱۳۲- تفہیم:

اس تجلی کے احوال جو کہ جہنم اور جنت کا منبع ہے

حضرت حق سبحانہ نے وعدہ فرمایا ہے اور اللہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا، جس شخص کو اس

تجلی خاص سے جو کہ جہنم کا منبع ہے تعلق تام ہو جائے۔ اور وہ اس میں فنا ہو جائے، وہ مغفور ازلی ہے۔ اس کو کبھی بھی عذاب نہیں دیا جائے گا۔

یحرق النار من یمس به

ومن هو النار کیف یحترق

"آگ جس کو بھی چھوتی ہے جلا ڈالتی ہے، اور جو خود ہی آگ ہو اس کو کیسے جلائے گی۔"

اور جس شخص کو اس تجلی خاص سے رابطہ قائم ہو جائے جو جنت کا منبع ہے اور وہ اس میں خود کو فنا کر دے، اس کو نقد جنت دے دیتے ہیں۔ اگر چاہے تو ابھی اس میں چلا جائے اور چاہے تو کچھ وقت کے بعد چلا جائے۔ حور اس کو ابھی بھی رنجیدہ آواز میں کمال شوق سے چاہتی ہیں کہ اس کی مشتاق ہوتی ہیں۔ اس کے اجزاء کی طرف کمال اشتیاق رکھتی ہیں کہ کل کا جمال بعض کے جمال اور اس کے اضعاف کو شامل ہوتا ہے۔ اور حدیث میں جو وارد ہوا ہے کہ جنت تین افراد کی مشتاق ہے۔ عمار بن یاسر، سلمان فارسی، اور بلال (حبشی) یہ ان کے فقر، صبر اور ان کے راہ مستقیم سے وابستگی کی قوت کے لحاظ سے ہے۔ پھر تمہارا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو اس میں فنا ہو جائے جو جنت اور جہنم سب کی اصل ہے۔

۱۳۳۔ تفہیم:

رذیل اخلاق پر مواخذہ کے سلسلہ میں امام غزالی کا قول اور اس بارے میں مصنف کی تحقیق

امام غزالی نے احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت میں رذیل اخلاق سے بہت زیادہ ڈرایا ہے اور یقین کے ساتھ کہا ہے کہ بداطوار لوگوں سے مواخذہ کیا جائے گا اور اس فقیر کے نزدیک جہنم کی تجلی میں گہرائی کے ساتھ دیکھنے کے بعد جو واضح ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ آدمی میں تین قسم کی قوتیں پیدا کی گئی ہیں۔ طبعیہ، ادراکیہ اور قلبیہ۔ اور جو کچھ مواخذہ ہے وہ قوائے قلبیہ سے ہے۔ پھر قوائے قلبیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ہیئتیں جو اصلاً روح میں پیدا ہوتی ہیں۔ اور افعال ذمیمہ۔ ان کی شرح اور بیان یہ ہے کہ جو ہیئتیں بنی نوع کے ازدحام کے سبب طاری

ہوتی ہیں جیسے ریا اور سنا وغیرہ جو انتہائی حد کو پہنچ جائیں اور اس طرح حرص اور لمبی چوڑی امیدیں اور حسد وغیرہ جب ان میں نفس فنا نہ ہو بلکہ اس سے دکھی اور رنجیدہ ہو۔ جو بھی مواخذہ ہے وہ قسم اول سے ہے، نہ کہ ثانی سے۔ ثانی میں تشویش بہت ہوتی ہیں۔ جب آدمی حق کی طرف نظر کرتا ہے اور اس راہ سے نظر گزرتی ہے۔ اس کی علامت وہ امر ہے کہ آدمی کے اندر یہ رذیل اعمال حاکم نہیں ہوتے۔ الا یہ کہ اپنے ہم جنس کے ساتھ کوئی تنازعہ مناقشہ ہو۔ چنانچہ جب وہ تنازعہ دور ہو جاتا ہے تو وہ غائب ہو جاتا ہے۔ جہاں تک نئی قید کی مثال کے ساتھ قسم اول کا سوال ہے، وہ آدمی کے چاروں طرف ہو جاتی ہے۔ اور وہ برائیوں سے رنجیدہ ہوتا ہے اور طویل مدت وزمانہ کے بعد ہی خلاصی پاتا ہے۔ اور اس قسم میں سب سے مشکل شرک جلی ہے۔ بلکہ شرک خفی کی بعض قسمیں بھی اس میں شامل ہیں۔ اعاذنا الله من جميع ذلك "اللہ ہمیں ان سب سے محفوظ رکھے۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: الذين يجتنبون كبائر الإثم والفواحش إلا اللمم "جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور کھلے کھلے قبیح افعال سے پرہیز کرتے ہیں الا یہ کہ ان سے کچھ قصور سرزد ہو جائے۔" (النجم:۳۲) والحمد لله على ما انعم.

۱۳۴۔ تفہیم:

تمام اقسام پر مطلع ہونا اور ان کا دوائر سبعہ نام رکھنا

اس مسکین کا یہ کمال ہے کہ حق سبحانہ نے اپنے فضل سے اس مسکین پر لم نجعل له من قبل سميا "ہم نے اس نام کا کوئی آدمی اس سے پہلے پیدا نہیں کیا۔" (مریم:۷) کے مطابق کرم فرمایا اور وہ کمال کی تمام قسموں سے باخبر کرنا ہے۔ اور اس فقیر نے ان کی سات قسمیں کی ہیں۔ اور ان کا نام دوائر سبعہ رکھا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے۔ ظاہر والا اس کمال کا اوپر سے احاطہ کرتا ہے اور صاحب باطن اس کے اندر مستغرق ہو جاتا ہے۔ اور صاحب ظاہر کا علم اور اس کی تعبیرات اپنے حال سے دوسری وضع پر ہیں۔ اور صاحب باطن کا علم اور اس کی تعبیرات اپنے حال سے دوسرے نہج پر ہیں۔ اس کی مثال آنکھ جیسی ہے۔ صاحب باطن علوم باصرہ سے گفتگو کرتا ہے کہ یہ زرد ہے اور وہ سرخ، اور یہ مثلث ہے اور وہ مربع وغیرہ۔ اور اگر ہم دور کی چیزوں کو دیکھنا چاہتے ہیں تو یہ نہیں ہو پاتا۔ اور اگر

قریب کی چیزوں کو دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ اور صاحب ظاہر کہتا ہے کہ باصرہ روح صافی میں ودیعت کی ہوئی قوت ہے۔ جو دماغ سے نیچے آتی ہے۔ اور اس کے اوپر سات حجاب ہوتے ہیں۔ اور ہر حجاب میں دوسرا فائدہ ہے۔ اور اگر روح نیچے کی طرف گری ہوئی پتلی رقیق ہے تو ظاہر ہو جاتی ہے۔ حرارت کے اوقات ضعیف البصر ہوں گے اور دور سے نہیں دیکھ سکیں گے۔ اور اگر روح غلیظ ہے تو معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔ اور دونوں صاحب مقام باصرہ ہیں۔ اس فقیر کا عقیدہ یہ ہے کہ دوائر سبعہ کا عالم ظاہری طور پر اور باطنی طور پر اور ادب کے لحاظ سے اور آثار کے لحاظ سے ذوق اور وجدان کے طریقہ سے ان کا پانے والا ہے۔ اور ان کا محقق ہے اور جو ایسا ہو فقد فاز فوزاً عظیماً "اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کرلی" یا اس کے آگے نہیں ہے۔ ان ساتوں کلیات اور امہات کا کمال ہے اور جزئیات جو فاعلات اور قائلات کے امتزاج سے صورت اختیار کرتی ہیں، وہ محصور نہیں ہیں، اور ان کا علم اصول کے احاطہ کے بعد سب سے سہل امر ہے۔ اور اگر اس سے گزر جائے تو اس بات کا امکان نہیں رہتا کہ وہ مزید ترقی کرے گا، نہ اس دنیا میں اور نہ ہی اس دنیا میں۔ البتہ ہر مرتبہ میں ایک الگ ذوق رکھتا ہے اور دوسرے مرتبہ میں دوسری لذت کا حامل ہوتا ہے۔ جو اس جگہ کاملوں کو قرون کے بعد حاصل ہوگا اور اس کا حوالہ اس جگہ نقد موجود ہے۔ بلکہ اس سے بہتر ہے۔ اس کا جنت میں جانا۔ اس کی تکمیل کے لیے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ طریقہ کی نشات کا حکم ہو۔

۱۳۵- **تفہیم:**

دورات سبع کی شرح

اللہ تبارک وتعالیٰ جو چاہتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے، نہ اس کے حکم کے لیے کوئی رکاوٹ ہے اور نہ ہی اس کی جود وسخا کی کوئی حد ہے۔ اور اس کا ایک عظیم فضل اور وسیع احسان یہ ہے کہ اس نے مجھے طریق کمال عطا فرمایا۔ اور میرے لیے اس کے قوانین متعین فرمائے۔ اور اس کے ہنر اور انواع بیان فرمائے۔ اور یہ سب کچھ مجھے اللہ تعالیٰ سے تقرب رکھنے والوں کے مقامات اور ان کے احوال تفصیلی اور اجمالی طور پر سکھانے کے بعد ہوا۔ اور ان میں سے رسولوں صلوات اللہ علیہم کے مقامات اور احوال کی مثالیں ہیں۔ اور ان میں وہ

کمال بھی ہیں جن کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہتے ہوئے اشارہ فرمایا: کمل من الرجال کثیر "مردوں میں سے بہت سارے لوگ صاحب کمال ہوئے ہیں۔" اور جان لو کہ ہمارا طریقہ بھی ہے۔ اس کی تشریح دورات سبعہ میں منتہی ہوتی ہے۔ ان میں سے جب بھی ایک دورہ منتہی ہوتا ہے دوسرا بڑھ جاتا ہے۔

ان میں سے پہلا ایمان حقیقی ہے۔ کیا ہم نے تمہیں اپنے بعض رسائل میں انسان کے وجود کے راز کے بارے میں نہیں بتایا؟ اور یہ کہ اس کے ابدان کا سب سے نچلا حصہ نسمہ (روح) ہے۔ جس سے تم نے سمجھ لیا کہ اس کی فطرت گندگی کی برائیوں سے پاک بنائی گئی ہے۔ جیسا کہ سید المرسلین صلوات اللہ علیہ وسلامہ نے فرمایا کل مولود یولد علی الفطرۃ "ہر پیدا ہونے والا فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے"۔ لیکن وہ عاملہ یا عاقلہ کی جگہ سے کسی ایک قسم کی طغیانی سے لاحق ہوتی ہے۔ پھر جب فطرت پاک ہو جاتی ہے اور شرور سے خلاصی پا لیتی ہے تو وہ ایمان ہے۔ اور یہ وہ ادنی شئے ہے جس کی طرف دعوت کے لیے رسول اللہ کو مبعوث کیا گیا۔ اور قرآن کو اس کے مناقضات کے اثبات اور نفی کے لیے نازل کیا گیا۔ اور ایمان دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جس پر امن اور جان و مال کے تحفظ کے تعلق سے دنیاوی حکم لاگو ہوتا ہے۔

اور اس کے مقابلہ میں کفر آتا ہے۔ اور اس کے ستون اللہ سبحانہ اور اس کے رسول اور یوم آخر کے لیے اپنی زبان و اقرار مطیع و تابع ہوتا ہے۔ اور اس پر نجات، درجات کی بلندی اور بندہ کا اللہ سبحانہ اور اس کے گروہ اور لشکر سے قریب ہونے کے سلسلہ میں آخرت کا حکم لاگو ہوتا ہے۔

اور اس کے مقابلہ میں نفاق اور دل کا مرض آتا ہے۔ اور اس کے ستون عبادت اور استعانت میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے اور عبادات میں نشاط و حسن رغبت اور وسعت نفس کے ذریعہ احتساب و سکینت کے لحاظ سے اور ہر اس امر کے ذریعہ جس کی طرف اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے ساتھ مختلف قسم کے معاملات میں حسن اخلاق اور خیر خواہی کے ذریعہ بڑھتے ہوئے روح میں سخت برائیوں کے ملکہ سے باز رہنا ہے۔ اور ہم ایمان سے مراد اس بعد والے کو لیتے ہیں اور وہ کم بھی ہوتا ہے اور زیادہ بھی۔ اور یہ وہ ہے کہ جب اس کی بشاشت قلب میں داخل ہو جاتی ہے تو پھر نہیں نکلتی۔ اور یہی وہ ہے جس کے ستر (۷۰) سے زیادہ شعبے ہیں۔

اور ہم نے اس کے چار ذاتیات استنباط کیے ہیں۔ جن کو آگے بیان کریں گے۔

پھر اللہ سبحانہ کے ساتھ عبادت میں شرک کا مطلب غیر اللہ کی ایسی تعظیم ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی قربت یا آخرت میں نجات طلب کی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارے زمانہ میں اعظم الامراض سب سے بڑا مرض اپنے زندہ یا قبروں میں مردہ شیوخ کی عبادت کرنا ہے۔ اور ہندوستان میں جہلا، کفار اپنے بتوں کی عبادت اور ان کے اعمال میں اقتدا کرتے ہیں۔ اور اللہ کے ساتھ استعانت میں شرک کا مطلب یہ ہے کہ کسی سے اپنی حاجت روائی یہ جانتے ہوئے طلب کرے کہ اس میں محض اپنے ارادہ کے نفاذ سے اس کی تکمیل کی قدرت ہے۔ جیسے مرض میں شفاء اور زندہ کرنا اور ماردینا اور رزق اور بچہ پیدا کرنا وغیرہ۔ جو اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ضمن میں آتے ہیں۔ اور اللہ کے ساتھ دعا میں شرک یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے سوا کسی کو یہ جانتے ہوئے یاد کرے کہ اس کا یہ فعل اس کے مفاد میں یا اللہ کی طرف اس کے قرب میں نفع بخش ہے۔ جیسا کہ صبح کے وقت اپنے شیوخ کو یاد کرتے ہیں اور ذبح میں اللہ کے ساتھ شرک یہ ہے کہ جانور کو کسی کے لیے ذبح کرے یا اس کے لیے چھوڑ دے کہ اگر اس جانور کو ذبح نہیں کرے گا تو وہ حاجت پوری نہیں ہوگی جو اس کے دل میں ہے۔ اور نذر و قسم میں اللہ کے ساتھ شرک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے نام کے شرف اور اس کی ذات کو خدا بنانے کو ضروری سمجھے۔

اور سب سے برا ملکہ وہ بخل اور حرص ولالچ ہے جس کی پیروی کی جائے۔ اور ہر صاحب رائے کا اپنی رائے پر گھمنڈ کرنا ہے۔ اور یہ کہ جب لڑے تو حد سے تجاوز کرے، فسق وفجور سے کام لے اور جب عہد کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ اور ہمارے نزدیک گناہ کبیرہ وہ افعال ہیں جن پر اللہ نے جہنم کی آگ کی وعید فرمائی ہے۔ یا اس کا ارتکاب کرنے والے کو کافر کہا، یا اس پر حد کو مشروع کیا، یا ان کو فحش قرار دیا۔ چنانچہ سیئات عیب لگانے والے امور ہیں، خواہ تہذیب نفس میں یا تدبیر منزل میں، یا اساس مدنیہ میں۔ یا اس کا سبب کوئی شر یا گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔

اور بدعات وہ امور ہیں جو انبیاء کے بعد لوگوں نے تحریفات کی ہیں جن کو انہوں نے عبادت سمجھا، یا ان کو ایسی عادت بنالیا جن پر عمل کیا جائے۔ اور سب سے بڑی بدعت وہ ہے جو انہوں نے قبروں کے معاملہ میں گھڑلی ہے۔ اور ان کو عید تیوہار بنالیا اور مقررہ اوقات کی عبادتوں میں جو مشائخ کے اوراد و وظائف اختیار کر لیے۔ اور فرائض وہ افعال ہیں جن کے

ترک کرنے والے کو اللہ سبحانہ نے کافر قرار دیا ہے یا اس پر جہنم کی وعید فرمائی۔ اور حسنات وہ افعال ہیں جن کے کرنے والے کے لیے غیر قطعی طور پر جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ جس نے تمام سیئات وبدعات سے اجتناب کیا اور حسنات پر عمل کیا وہ مومن کامل ہے اور جس نے بعض سے اجتناب کیا تو وہ ان کے لحاظ سے ہوگا۔

دوسرے شرح صدر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: افمن شرح اللہ صدرہ للإسلام ''جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا'' اور الم نشرح لک صدرک ''کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟'' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی علامات کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ''دار الغرور والانابۃ سے دار خلود کی طرف قرار پانا اور اس کی حقیقت جذب پر قابو پا کر روح کا اپنے جوہر میں انکسار ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہر موجود کے لیے اللہ کے ساتھ ایک ربط ہوتا ہے۔ اور وہ شرح ہے، تاکہ عین اس کی عبادت کرے اور حقیقتاً ازلاً و ابداً اس کو سجدہ کرے۔

موجودات میں سے کچھ قوی الجذب ہیں، اور کچھ ضعیف الجذب، جو تیز ہوا کے مانند ہیں۔ اس کے لیے تیز ہوا ضروری ہے، جو اس کی شدت کو ختم کرے، اور اس کی قوت سے ٹکرائے۔ اور نور نبوت کا طریقہ عموم جذب پر رکھا گیا ہے جو یکے بعد دیگرے تمام طبقات پر مشتمل ہے۔ اور اس کا انکسار اس شخص کے لیے شرح صدر کی صورت اختیار کر لیتا ہے جو ایمان کو درست کر لیتا ہے۔ دنیا کے نظام سے چشم پوشی کرتے ہوئے اعراض کرتا رہتا ہے۔ اللہ کی رضا کا طالب ہو کر دار آخرت پر نظریں گاڑے رکھتا ہے اور جو حق درشتگی کے ساتھ اس کو درست نہیں رکھتا، اس کے نزدیک جلد ہی توحید المحبت میں تصور پیدا ہو جاتا ہے۔ تب وہ اللہ سبحانہ کے ماسوا سب سے اپنے نفس کا تعلق ختم کر لیتا ہے۔ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے نزدیک دوام الحضور میں تصور پیدا ہو جاتا ہے۔ بالجملہ اہل ولایت کے نزدیک اس کو فناء اول کہا جاتا ہے اور جس پر یہ دورہ منتہی ہو جاتا ہے اور وہ ذہین و فطین ہو تو اس کے لیے چھ فناء لطائف الگ الگ قسموں پر منکشف ہوتے ہیں۔

ان میں سے ایک وہ ہے جس کو اللہ سبحانہ نے میرے لیے مخصوص کیا۔ اور وہ مرکز ہے، اور واسطۂ عقد یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے مجھ پر میرے عمل میں فعالیت کے ساتھ پھر تعمیر، پھر

جامعیت، پھر قدوسیت اور پھر قیومیت کے ساتھ تجلی کی۔ پھر میں ذات خالص میں مضمحل ہو گیا اور فناء تام متحقق ہو گیا۔ اور ان میں سے ایک وہ ہے جو توحید افعالی وصفاتی جیسے شخص یا وجود کے مشابہ ہوتا ہے اس کو دوامر اجمال اور تنکر احاطہ کرتے ہیں۔

تیسرے قرب نوافل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقل کرتے ہوئے بیان فرمایا: بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قرب حاصل کرتا رہتا ہے، حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ پھر جب میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں تو اس کی وہ قوت سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ وہ قوت بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، وہ پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اور اس کی حقیقت جوہر نفس کا توڑنا ہے اور اس کی سب سے واضح صورت وہ ہے جو ہم نے بیان کی کہ وہ تقرر مضمحل ہو گیا۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات میں معدوم سے موجود کا امتیاز ہوتا ہے۔ چنانچہ ظاہر ہوا کہ تقرر اس کی شرحوں اور تمثیلوں سے ہے۔ اور یہ خوشی ومسرت اور تفاخر کے اوقات ہوتے ہیں۔ اور گمان یہ ہے کہ حسین بن منصور کے نفس سے یہ کیفیت ظاہر ہوئی تھی۔ اور حدیث میں ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ وہ اپنے نفس میں کچھ ایسی کیفیت پاتے ہیں جس کا بیان کرنا بہت بڑی بات معلوم ہوتی ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کھلا واضح ایمان ہے۔

اور قرب نوافل کی بہت سی قسمیں ہیں جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں کہ اہل وظائف میں سے بہت سے لوگوں کے نزدیک یہ اشتراک لفظی سے مشترک ہے۔ چنانچہ اس کی انواع میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ سبحانہ اس کے نفس کی ہیئت میں ایسی تجلی فرماتے ہیں جو خارج میں متحقق ہوتی ہے اور وہ بہت بلند مقام اور مرکز دائرہ ہے۔ اور حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے، جس میں فرمایا "کنت سمعه" میں اس کی قوت سماعت ہو جاتا ہوں۔ اور اس کے مشابہ وہ ہے کہ اس امت کے صرف ایک یا دو افراد کو عطا کیا گیا جیسا کہ ہم نے ان کی قربت کا پتہ لگانے میں غور وفکر کیا اور وہ خضر اور شیخ عبدالقادر ہیں۔

اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ نفس کی تختی جذب کی تیزی سے ٹکراتی ہے۔ چنانچہ جذب اس میں کوشش کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ سوکھی گھاس کے کانٹا جیسا ہو جاتا ہے۔ اس

کی حقیقت جاتی رہتی ہے، اور اس کی صورت باقی رہ جاتی ہے۔ اور شیخ بہاؤ الدین خواجہ نقش بندی اس قسم کی بلندی پر قائم تھے اور ان کا جذب عمر بھر اسی طرح رہا۔

اور ان میں سے ایک وہ ہے جس میں انکسار سے ہم ہیں۔ اس میں ہمارا طریقہ صرف عمومی ضرورت اور اطلاق سے شامل ہوتا ہے اور اس قرب کی صورتیں حلول اور اتحاد کا مشاہدہ ہیں۔ اور جو ان دونوں کے مناسب ہیں اور ہمارے نزدیک اعتدال کی راہ میں یہ ہیں کہ اللہ سبحانہ نے جس بندہ کو بھی قرب عطا فرمایا، اس کے حق میں فرائض کی ادائیگی کے بعد عبادت تامہ خالصہ پسندیدہ (مرضیہ) ہے۔ اور سنتوں پر دوام یہ ہے کہ اس قرب میں پوری طرح مستغرق ہو جائے اور جماعت میں مضمحل ہو جائے جس سے یہ جان جائے کہ اس مقرب کی عبادت اس کی ذات سے اس کی ذات کے لیے اس کی ذات کا حضور ہے۔ اور اس کو تجلی ذاتی کہا جاتا ہے۔

چوتھے حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا "جس کو حکمت دے دی گئی اس کو خیر کثیر دے دی گئی۔" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابدال کی صفت میں فرمایا: ان کو فضیلت نہ کثرت نماز سے حاصل ہوتی ہے نہ کثرت روزہ سے، ان کو فضیلت نفس کی سخاوت و فیاضی سے حاصل ہوتی ہے۔ اور ہمارے نزدیک وہ قرب وجود ہے اور اس کی حقیقت بندہ کا اس حالت پر ہمیشہ باقی رہنا ہے جس پر وہ ہے۔ اس طرح کہ اس کی آنکھ اللہ سبحانہ کو سجدہ کرنے اس کی عبادت کرنے پر جمی رہے، اس کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہے، برائی اور فحش کاموں سے پاک وصاف رہے اور یہ علوم سابقہ، کامل عصمت کے گمان کی جگہ اور وجاہت سابقہ کے مقام کے اوقات ہیں۔

اور جب ہم اس مقام پر فائز ہو گئے تو ہمارے اوپر علم اسماء، علم تکوین، علم قرب باللہ، علم شرح، علم معاد اور علم عجائب الانسان کا کشف ہوا اور ہمیں اس لذت سے بھرا ہوا پیالہ عطا کیا گیا جس پر ہمیں ہمیشگی حاصل ہے۔ اور ہم نے ایک ایسی چیز کے لیے قانون بنایا جو تشریع کے منافی ہے اور ہم ایسے میدان میں چکر لگاتے ہیں جہاں ہماری طبیعتیں لے جاتی ہیں لیکن اتباع شریعت کے میدان سے تجاوز نہیں کرتے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: اللّٰھم ادر الحق معه حیث دار "اے اللہ! حق کو ان

کے ساتھ گھما دے جیسے بھی یہ گھومیں۔'' اور جب ہمارے ساتھ یہ دور پورا ہوگیا تو ہمیں اس کی زبان سے حکم فرمایا کہ ہم مخلوق کو اللہ سبحانہ کی طرف دعوت دیں اور ان کو نصیحت کریں اور اس طرح جب کوئی بھی دورہ پورا ہوتا ہے تو بندہ کو اس کی زبان سے حکم دیا جاتا ہے کہ منصب ارشاد پر فائز ہو جائے۔

اور لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کی جبلت، ذکاوت وفطانت پر بنائی گئی ہے۔ اور دوسری قسم وہ ہے جن کے کانوں کو روک دیا گیا۔ اور اس دورہ میں بندہ کے لیے خواہ وہ قطب ہو یا کوئی اور۔ کم سے کم جس چیز کی تحقیق ضروری ہے وہ تقدیر کے رازوں میں سے سکون قلب ہے۔ جیسا کہ نوافل کے قرب میں کم از کم جو چیز واجب ہے وہ احکام شرع کے ساتھ توحید کے مخالف سکون قلب ہے۔ اور اولیاء ہمیشہ ایمان پر ثابت قدم رہے۔ ان کے لیے نفس ناطقہ کی فنا کی طرف ایک راستہ ہوتا ہے۔ چنانچہ فنا ایک شعار اور ایک راز ہے۔ ان کا حال مستقل نہیں رہتا کہ اصلاً اس میں گھر کر رہ جائیں۔ ایمان ایک چادر اور عرض ہے۔ اسی پر ان کے اشارے منطبق ہوتے ہیں اور اس کی طرف ان کی عبارتیں منسوب ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ اس طرح کے کچھ صوفیا پائے گئے ہیں۔

ان میں سے ایک داؤد طائی ہیں پھر معروف کرخی اور سری سقطی ہیں۔ چنانچہ وہ شرح صدر میں راسخ قدم رہے اور ان کے معانی نے فنا کی طرف اشارہ کیا۔ پھر جب اس مرحلہ میں ان کے قدم فنا میں راسخ ہو گئے اور ظاہر ہو گیا کہ اس کا احاطہ اور اس کی حقیقت کو پہچاننے کا عمل مکمل ہو گیا، یہ نہیں کہ قرب نوافل، قرب فرائض سے اس کے احکام اور آثار کے ساتھ جدا ہو گیا تو اس میں اس کے بعد آنے والوں نے اس کی اتباع کی حتیٰ کہ ابو سعید اور احمد جامی کا طبقہ پیدا ہوا۔ ان کے لیے راستہ مختصر ہو گیا اور صلب نفس سے کمال ظاہر ہوا۔ اور اللہ سبحانہ نے شیخ عبدالقادر کے لیے تجلی فرمائی اور شیخ بہاء الدین کے ذریعہ جذب کی ہوا چلائی۔

پھر اللہ سبحانہ نے کمال کی نشاۃ اخری کی۔ چنانچہ شیخ محی الدین بن عربی کے لیے فنا کی حکمت سے آمیزش کر دی۔ اس سے علوم ظاہر ہوئے اور جب ظاہر ہو گیا کہ اس کا احاطہ مکمل ہو گیا تو اہل ذکاوت اس میں برابر حصہ لیتے رہے۔ پھر شیخ احمد سرہندی پائے گئے۔ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کے لیے ایک بنیاد ہیں۔ پھر ان پر اجمالی طور پر نور نبوت ظاہر ہوا۔ پھر میرے

اوپر انوار غیب کا فیضان کیا گیا تو میں مقام حکمت پر قائم ہو گیا۔ اور اس وقت میں یوسف علیہ السلام کا نائب تھا۔ اس لیے انبیاء کے درمیان انہی کے لیے حکمت خالص کی گئی۔ اور میرے لیے زمانہ کا ایک حصہ ٹھکانا اور ماوی بنا دیا گیا۔ اور مجھ سے اس کی زمین کی گہرائیوں میں نالیاں چلائی گئیں پھر میں نور نبوت کے لیے بے چین ہوا تو جو ہوا وہ ہوا۔ والحمد للہ رب العالمین.

پانچویں قرب فرائض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سبحانہ سے روایت فرمایا: میرا بندہ کسی ایسی چیز سے میرے قریب نہیں ہوا جو مجھے اس چیز سے زیادہ محبوب ہو جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔ اب کیا میں تمہیں یہ بتاؤں کہ قرب فرائض کا یہ نام کیوں رکھا گیا اور اس کا نام قرب نوافل کیوں نہیں رکھا گیا؟ اس لیے کہ قرب ثانی جیسا کہ اس کا حق ہے ان طاعات سے حاصل ہوتا ہے جو جنس فرائض سے نہیں ہیں اور جس سے اول عطا کیا جاتا ہے اور جو اس کے لیے لازم ہیں۔ وہ اس کی جنس کی طاعات ہیں، اس لیے ان کو بطور کنایہ اجمالی استعمال کیا گیا جیسا کہ شارع کا طریقہ ہے۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے اس کی نظر میں تجلی وجوبی فرمائی جو خارجی طور پر متحقق ہے تو ہمیں سب سے پہلے یہی نام سوجھا۔ اس کو ممکنات مقیدہ سے متمیز نہیں کیا جا سکتا، پھر میرے رب جل جلالہ نے تجلیات جمالیہ وجلالیہ سے میری تربیت کی۔

قریب تھا کہ جلال میرے نفس کو لے جائے اور روح کو توڑ دے اور ٹکڑے کر دے اور اس پر زمین جتنی کشادہ ہوئی تھی، اتنی ہی تنگ ہو گئی۔ اور جمال کی خوشبو اس میں سے اس طرح پھوٹی جس طرح مشک میں سے پھوٹتی ہے، جو سب سے زیادہ وسیع اور کشادہ تھی۔ اور سب سے زیادہ چشم پوشی کرنے والی اور سب سے زیادہ دیکھنے والی ہو گی۔ اس طرح ان دونوں سے نعمت تام ہو گی اور نسمۂ روح غائب ہو گئی۔ اور اسم عام ہو گیا اور اس طرح مطلق ہو گیا کہ نہ اس کی ضد رہی نہ مثل۔

اور مجھے میرے رب جل جلالہ نے سمجھایا کہ جو نام مطلق ہو گیا۔ اس کی علامات میں سے یہ ہے کہ بندہ اس کے مقتضا میں نفوس العالمین کی اتباع کرے اور کسی بھی ضرورت کے لیے اس مشاہدہ کی طرف دفع کرے جو عموم میں قوی اور اطلاق میں شدید ہے اور جب ہم سے یہ دورہ ختم ہو گیا تو ہم سے چند امور پر عہد لیا۔

ایک یہ کہ میں اپنے قلب وقالب کو ہمیشہ اس کی طاعت کے لیے فارغ رکھوں اور دوسرے جو شخص بھی میری طرف مائل ہو یا جس نے دل اپنا میری تائید میں متوجہ کیا یا تو صرف ایمان کی طرف یا دوسری قربتوں کی طرف اور اس کو غیر اللہ کی عبادت یا اس سے استعانت کرنے اور ختم قرآن کی مجلس اور توحش اور جوان دونوں کے مناسب ہوں، ان سے روک دوں۔ اور تیسرے میرے اور کسی اور کے درمیان محبت کا صرف ایسا ربط ہو جو اللہ کے رنگ میں رنگا ہوا ہو۔ چوتھے انبیاء کے راستہ پر چلوں اور ان کی سنت کی اتباع کروں۔ پانچویں جب تک زندہ رہوں دنیوی زندگی کی ظاہری رونق کی طرف میلان رکھنے والے علماء میں سے نہ ہوں، تا کہ دنیا اور اس کے طلب گاروں کی طرف علم یا معاملہ کے لحاظ سے مائل ہو جاؤں۔ چھٹے قرب ملکوتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت کرتے ہیں تو جبرئیل کو بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں، میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں، اس لیے تم بھی اس سے محبت کرو۔ آپ نے فرمایا: جبرئیل اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر آسمان میں منادی کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتے ہیں۔ اس لیے سب اس سے محبت کرو تو اہل آسمان اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس کے لیے زمین میں مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے: إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات سيجعل لهم الرحمن ودا "یقیناً جو لوگ ایمان لے آتے ہیں اور عمل صالح کررہے ہیں، عنقریب رحمٰن ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا کردے گا۔" (مریم:۹۶) اور اس کی حقیقت اسم طالع کو اپنے دل سے دوست رکھنا ہے۔ اسماء مقرب فرشتوں اور انبیاء مرسلین کے سینوں سے طلوع ہوتے ہیں۔ اسماء میں سے جو بھی اسم ہوتا ہے، اس کا کمال متحقق ہوتا ہے، اور اس اسم میں اس کے نور کا عکس پایا جاتا ہے۔

حکایت

سکندر کے پاس چین اور روم کے مصور جمع ہوئے، ان میں سے ہر فریق یہ دعویٰ کررہا تھا کہ وہ دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ اچھی تصویر بناتا ہے۔ اور اس کے نقش زیادہ لطیف ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کے درمیان ایک دیوار تقسیم کردی اور حکم دے دیا کہ اس پردہ جو چاہتے ہیں بنائیں۔ چنانچہ اہل چین نے بڑی محنت سے نقش ونگار بنائے اور اہل روم نے اتنا

کچھ کیا کہ اس سے زیادہ صفائی نہیں کر سکتے تھے حتیٰ کہ اس کو آئینہ کی طرح بنا دیا۔ چنانچہ جب ان کے درمیان سے پردہ ہٹایا گیا تو صورت کا عکس لطافت اور چمک سے نظر آنے لگا جس کی وجہ سے اہل چین مغلوب ہو گئے۔

اور جب دورہ درمیان میں آ گیا تو سارے عالم کو ہماری ہتھیلی میں رکھ دیا گیا۔ تدبیر کے لحاظ سے بھی اور تسخیر کے لحاظ سے بھی۔ اور ہمیں شریعت کے منبع اور اس کے لیے انبیاء کی شرحوں کی تفصیل اور تفسیر کے ساتھ اطلاع دی گئی اور جب ہر کمال کی انتہاء میں عکس منتہی ہو گیا، آدم سے لے کر اس آخری شخص تک جو قیامت کے قریب پایا جائے گا، ہو گیا اور ہو جائے گا۔ تو وہ ہر کمال کے لحاظ سے اس کی وحدت پر بہت خوش ہوا اور ان کے علوم احوال اور ان کے مقامات سب کا اکیلا متحمل ہو گیا۔ اور محبوبیت کے ساتھ اس کی تخصیص اس کی جمیل خوشنمائی کی مانند ہو گئی اور زیورات سے آراستہ ہو گئی پھر جس نے اس کو دیکھا سو دیکھا پھر وہ اپنی جان سے گیا اور کل کی شام آج نہیں دیکھ پایا۔ اور وہ سید المرسلین وسند المقربین صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے اور مجھ سے کہا گیا، میں تمام امور میں اور ان کی جزئیات میں ظاہراً اور باطناً تمہارا ولی ہوں۔ اور میں تمہارے لیے قریب ترین عزیز سے بھی زیادہ رحم کرنے والا ہوں۔ تم اس بات سے بچو کہ میرے سوا کسی کو قبول کرو۔ اور کون سا نقصان پہنچانے والا اس سے زیادہ نقصان پہنچا سکتا ہے جس پر میرا غضب میری محبت اور میری برگزیدگی سے زیادہ اثر انداز ہو۔

ساتواں دورۂ کمال ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں میں سے بہت سے لوگ کامل ہوئے ہیں لیکن خواتین میں سے خدیجہ بنت خویلد، مریم بنت عمران، آسیہ زوجہ فرعون اور فاطمہ بنت محمد کے سوا کوئی کامل نہیں ہوئی۔ اور اس کی حقیقت بندہ کو اس کے مختلف قسم کے کمالات کے ساتھ منفرد کرتا ہے کہ وہ اللہ سبحانہ کی طرف متوجہ ہو۔ اپنی زبان کی استعداد کے مطابق اس سے سوال کرنے والا ہو۔ چنانچہ کمال کی دوسری قسم عطا کی۔ وہ پورے کا پورا ان چھ عناصر کے امتزاج سے حاصل ہوا۔ ان پر صورت مقدسہ کا فیضان ہوا اور وہ اس دورہ میں حبیب اللہ (یعنی شاہ صاحب) ہیں جو کہ یوسف علیہ السلام کے مشابہ ہیں، پھر یکے بعد دیگرے نمو ہوتا رہا حتیٰ کہ خاتم النبین ہو گئے۔ (یعنی صورت مقدسہ کے فیضان کے حوالہ سے)

اور اس دورہ میں جو واقعہ ہوا اس نے حقانیت کا لباس پہنا۔ اس سے میری مراد یہ ہے

کہ اس کے تمام ملکاؤں کا نظام اس طرح اثر انداز ہوتا ہے جیسے قرب نوافل کے نزدیک صلب نفس پر اثر انداز ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی شجاعت، سخاوت، فصاحت اور ذکاوت وہ نہیں ہیں جن پر جمہور لوگوں کا توارد ہوتا ہے بلکہ حق اس کی تمام صفات میں ہلکے سایہ کی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ پھر اس کی ہر نسبت اس کی طرف اثر انداز ہوتی ہے، تو ایسا ہو جاتا ہے کہ جو اس سے محبت کرتا ہے وہ اللہ سے محبت کرتا ہے، اور جو اس سے بغض رکھتا ہے، وہ اللہ سے بغض رکھتا ہے۔
اور اللہ سبحانہ نے اپنے حبیب کے کمال کے بارے میں خبر دی۔ جیسا کہ فرمایا: وما رمیت اذ رمیت ولکن اللّٰہ رمی "جب تم نے کنکریاں پھینکیں تو تم نے نہیں بلکہ وہ اللہ نے پھینکیں۔" ومن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ "جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔" قل إن کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ" آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو تب اللہ تم سے محبت کرے گا۔" یہ سوال اور استعاذہ (پناہ طلب کرنے) کا مقام ہے جیسا کہ حدیث قرب میں ان دونوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔
اور یہ جان لو کہ یہ متشابہ ہے۔ اس لیے کہ اس میں ترتیب کی رعایت کے بغیر اقترابات اور ان کے لوازم جمع ہو گئے۔ اس کی تفسیر سے اس کے ورثاء میں سے صرف افراد ہی روکتے ہیں۔

اور جب ہم سے یہ دورہ شروع ہوا۔ دراں حالیکہ میں عصر کے بعد بیٹھا ہوا تھا۔ گویا کہ میرے سارے کپڑے اتار لیے اور میں بالکل ننگا ہو گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجلیوں میں سے ایک تجلی حاضر ہوئی اور وہ میرے بائیں جانب کھڑی ہو گئی۔ اور میں نے حقانیت کا لباس پہن لیا تو روح چیخ اٹھی۔ اور کہنے لگی حق حق حق۔ پھر مجھے اطمینان حاصل ہو گیا تو یہ مجمل طور پر حقانیت کا فیضان تھا۔ پھر میرے اوپر سے دائیں سے اور بائیں سے دائمی بارش کا فیضان ہوا۔ جو کہ اس کی لغت کی زبانوں سے تھا اور اس کے وصف سے سینے تنگ ہو گئے۔ فالحمد للہ رب العالمین۔ اور یہ آخری امر ہے جس کے اس طریقت میں سے میں نے مجمل طور پر اشارہ اور امر میں بیان کرنے کا ارادہ کیا جو مجھے عطا کیا گیا۔

۱۳۶- **تفہیم:**

ان ساتوں ادوار میں ہر نبی کا مخصوص مقام ہے

جب میرے نام نے ملائکۂ مقربین کے ناموں کے ساتھ دوستی کی تو اس میں ان تمام کمالات کا عکس پیدا ہو گیا۔ جو آدم سے لے کر قیامت کے قریب آنے والے آخری آدمی میں پائے گئے اور پائے جائیں گے۔ پھر ان سے ایک جملہ متحقق ہوا۔ جڑ پکڑنے والے کمال کو میں نے سمجھ لیا اور جس کمال کی اتباع کی جائے وہ ضمناً باقی ہیں۔ اور ہر نبی کے اپنے مقامات ہیں۔ ان میں کچھ وہ ہیں جو اس کو ہاتھ میں دیدیئے جاتے ہیں۔ اور کچھ وہ ہیں جو اس کو درجہ اور قربت عطا کرتے ہیں۔ اور ہر نبی کے لیے ان ساتوں ادوار میں سے مقام مخصوص ہے۔ اس کا حکم اس کی طرف عزت پاتا ہے اور وہ اس میں امام ہوتا ہے۔ اگرچہ اجمالی طور پر ان کے کمال کی طبیعتوں میں ادوار کا مکمل عبور ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے سلطان ایک شہر میں مستقل طور پر رہتا ہے پھر اپنے لشکروں کو آفاق میں دور دور تک بھیج دیتا ہے۔ جو ان ملکوں کو مسخر کر لیتے ہیں۔ چنانچہ تمام شہر ملک اور سلطنت کے لحاظ سے برابر ہوتے ہیں اور جس شہر میں بادشاہ رہتا ہے۔ وہ اس کے لیے کچھ خصوصیات رکھتا ہے۔

آدم علیہ السلام اپنی روح کے کمال میں شدت کے ساتھ علاج کرتے رہے حتیٰ کہ صبح ظاہر ہو گئی۔ اور حق واضح ہو گیا اور اس لیے ان کے مجاہدات شیطان کے ساتھ تھے۔ اور ان کے مقامات اور علوم روح کے کمال میں پیدائش اور تکمیل کے لحاظ سے تھے۔ اور ان کے علوم میں سے ایک علم یہ ہے کہ الفاظ کے معانی کے مقابلہ میں رکھ دیا گیا۔ اور ادریس علیہ السلام روح کی فنا میں شدت کے ساتھ علاج کرتے رہے، وہ روزہ رکھتے تھے اور افطار نہیں کرتے تھے۔ راتوں کو قیام کرتے تھے، اور سوتے نہ تھے حتیٰ کہ صبح ظاہر ہو گئی۔ پھر ان کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ اور ان کے علوم میں سے علوم ہیولی وصورت اور علم نجوم ہیں۔ اور ان کی تقلید ان کے مقام اور علوم میں فلاسفہ نے کی، پھر انہوں نے تحریف کرنی شروع کر دی حتیٰ کہ ان کے پاس سے نکل گئے۔

اور نوح علیہ السلام صاحب قرب نوافل ہیں۔ اور اللہ سبحانہ نے ان کی نظر میں ان کے نفس ناطقہ کی ہیئت سے پوری پوری تجلی فرمائی۔ چنانچہ ان کے نفس نے قوت ملکوتیہ کا کسب کیا

اس لیے اپنی قوم کی ہلاکت کا شدید اور مؤثر فیصلہ کیا۔ اور وہ زمین پر پہلے رسول ہیں جو شریعت لے کر آئے۔ اور اپنی قوم کے ساتھ بحث و مباحثہ کیا اور وہ اس لیے کہ یہ ان قربتوں میں سے پہلا قرب ہے جس میں اللہ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ اور ان کے علوم میں سے علم تدبیر و تسخیر ہے۔ اور ان کے بعد ہود و صالح علیہما السلام آئے اور انہوں نے اپنا کام کیا اور ابراہیم علیہ السلام صاحب قرب الوجود ہیں لیکن جب وہ صاحب قرب شدید ہوئے تو قرب الوجود ان پر قرب فرائض سے مشتبہ ہو گیا۔ اور ان کے علوم میں سے علم حکمت ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ انہوں نے واجب الوجود کے اثبات میں استدلال کیا اور لوط و اسماعیل اور اسحاق و یعقوب علیہم السلام ان کے مقابل ہوئے ہیں۔ اور اپنے نفسوں کی تربیت قرب کے لیے کرتے ہیں۔ ان کی حکمت نقل کی گئی، پھر جب یوسف علیہ السلام پائے گئے۔ انہوں نے اپنا نفس اور اس کی طرف جو لے جاتا ہے، سب کچھ ترک کر دیا۔ اس طرح حکمت ان کے لیے خالص کر دی گئی۔

اور شعیب علیہ السلام گویا کہ موسیٰ علیہ السلام کی بنیادوں میں سے تھے۔ آپ صاحب قرب فرائض تھے، اور موسیٰ علیہ السلام قرب فرائض میں راسخ القدم تھے۔ چنانچہ آپ سے نظام پر اثر انداز ہونے والے آثار صادر ہوئے۔ آپ کے لیے پہاڑ کو اوپر اٹھایا گیا اور پتھر سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلے اور سمندر پھٹ گیا۔ اور بہت وسیع ہو گیا۔ آپ سے ملک و وعظ وغیرہ کے شعبے نکلے۔ پھر ان کے بعد انبیاء آئے جو ان کے شعبوں میں سے کسی شعبہ میں مضمحل رہے۔ اور قرب فرائض سے ان کو اختیار کرنے کے بعد ان کو مکمل کرتے ہیں۔ چنانچہ یوشع علیہ السلام صاحب ملک تھے۔ اور شعیب علیہ السلام کو ان کی ساری امت نے اذیت پہنچائی تو اللہ نے اس امت کے عذاب کو ایک کلمہ پر موقوف رکھا۔ چنانچہ جب ان لوگوں کے شر اپنی حد کو پہنچ گئے تو آپ نے وہ کلمہ کہہ دیا۔ چنانچہ آپ کی زبان مبارک سے وہ کلمہ اضطراری طور پر نکلا، پھر زکریا علیہ السلام پائے گئے۔ آپ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بنیاد تھے۔ انہوں نے قرب ملکوت کسب کیا، پھر عیسیٰ علیہ السلام خالص ملکوتی ہو گئے۔

اور جان لو کہ فرشتے اگرچہ احیاء اور تربیت میں قوی ہیں۔ ان کی تاثیر شجر کے اگنے کی جگہ میں پانی کے حلول کی مانند ہے۔ جو ہر شاخ اور پتہ تک صرف درخت کی طبیعت کی پراگندگی کے مطابق پہنچتا ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام چونکہ عالم کے لیے ہیں، اس سے اوپر نہیں ہیں،

ان کی تاثیر خرق عوائد کا جزئیہ ہے۔ چنانچہ آپ نے مردوں کو زندہ کیا اور مادر زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو ٹھیک کیا۔

اور رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دورۂ کمال میں نشاۃ اول کے طور پر پیدا ہوئے۔ آپ کے لیے تمام اقترابات بیک وقت جمع ہوئے۔ آپ صاحب کتاب متعین ہیں۔ اور آپ کے علاوہ جو صاحب حکمت متعینہ ہیں آپ ان سب میں زیادہ ہیں۔ آپ کا شرح صدر ہوا اور معراج ہوئی۔ یہ دونوں امر اس دورہ جامعہ سے ہیں۔ اور آپ پر نبیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ یعنی آپ کے بعد کوئی ایسا نہیں پایا جائے گا جس کو اللہ سبحانہ تشریع علی الناس کا حکم فرمائیں۔

اور ابوبکر رضی اللہ عنہ دورۂ کمال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرنے والے ہیں۔ آپ کا کمال بہت جمیل و حسین ہوا۔ اور اس کے ذریعہ آپ نے اللہ سبحانہ کی طرف توجہ فرمائی۔ اور عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وراثت میں قرب فرائض پایا۔ اور عثمان رضی اللہ عنہ قرب وجود میں مقام قسط پر ہیں۔ پھر دورۂ ایمان اور شرح صدر میں اترے۔ اور علی رضی اللہ عنہ حکمت کاملہ ہیں۔ پھر قرب ملکوتی کی طرف گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح کے لیے شرح میں اترے، پھر اس میں قیام پذیر ہوئے۔ اس لیے آپ کا نام وصی رکھا گیا اور یہی وصایہ ہے۔

۱۳۷- تفہیم:

صاحب ظاہر، صاحب باطن اور صاحب فردیت کا ذکر

صاحب ظاہر کے ارشاد و تلقین میں سرعت ہوتی ہے، گویا وہ حیران ہوتا ہے اور صاحب باطن کی صحبت میں انتہائی سست رفتار ہے، اور صاحب فردیت اصول کمالات کا جامع ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اولیاء کا جب انتقال ہو جاتا ہے۔ اس کے کرم، اشراف اور کرامت سب معدوم ہو جاتے ہیں اور ان کے نفس پر تجلی سابع کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ اور یہ اصل ہے اور دیگر فروع ہیں۔ اور اس کے فروع نور اور اس کے مفرور اس کے انوار کے بغیر ہاتھ میں تجلی آتی ہے۔ اور اس کے فروع کہ دیر ماندگی اور اس میں خوشی کے ساتھ ہاتھ میں مقام نہیں آتا ہے۔ اور اسی طرح حکمت اور اس کے اصول کی مفہمیت کو جمع کرتا ہے۔ اور اس جہان میں معلوم ہوگا کہ کام اصول سے ہوتا ہے نہ کہ فروع سے۔

۱۳۸- تفہیم:

بصیر کے معنی اور مفردین کا ذکر

تمہارا یہ کہنا کہ بصیر کے معنی بصر کی صورت میں تجلی ہے۔ تمہارے اس مقام سے قریب ہے جس میں تم قائم ہو۔ اس لیے کہ تمہارا وہ تقرر جس کے ساتھ تم نشاۃ نفوس میں ہو، حق کے تقرر میں اضمحلال آ گیا اور جو حق کے تقرر میں مضمحل ہو گیا وہ ہر تقرر کو اپنی نشاۃ میں مضمحل دیکھے گا۔ اس لیے تم نے بصر کے لیے حق میں اضمحلال دیکھا۔ اور اس سے پہلے کہ تم اپنے مقام میں ہو تمہارے اندر جو جمع کیا گیا وہ یہ ہے کہ بصیر سے مراد ایسی ذات ہے جس کی خصوصیت اس کی بصیرت میں ظاہر ہو۔ اس طرح تمہارا مقام تمہارے علم کے مشابہ ہو گیا اور یہ علم دوہرا ہو گیا اور اس طرح اہل مقام و حال میں سے ہر شخص کا مقام اس کے علم کے مشابہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کو علوم حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اس کے مقام اور اس سے نیچے کی طرف نسبت سے حق ہے اور جو مفرد لوگ ہر چیز کا احاطہ اوپر سے کرتے ہیں ان کے نزدیک کل کا انکشاف اس سے ہوا، جو اس کے نفس میں ہے اور جس کے ساتھ وہ ہر قوم کے نزدیک ہے۔

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز
ورنہ در محفل رنداں خبرے نیست کہ نیست

"یہ بات مصلحت کے مطابق نہیں ہے کہ راز فاش ہو جائے، ورنہ رندوں کی محفل میں کوئی خبر ایسی نہیں ہے جس کا علم نہ ہو۔"

ہمارا یہ کہنا کہ مفردین ان کے نفوس کا احاطہ تجلیات سے کرتے ہیں، نہ کہ کرنوں اور ان کی روشنیوں سے، تو اس کے معنی گہرے ہیں۔ اپنے جوامع قلب سے دھیان سے سنو کہ حق کی ہر تجلی اس کی عبادت، اس کی عبادت کے حق کے طور پر کرتی ہے۔ جو اس کے نیچے ہو وہ گمان کرتا ہے کہ حق اس میں اس کے مقام کے لحاظ سے محصور ہے۔ اگرچہ علم اس کی فکر اور نظر کے لحاظ سے ہو کہ حق کے لیے اس کے ماسوا میں بھی اس شخص کی طرح ظہور ہے جس پر حق نے اولیاء کی جہت سے مثالی تجلی فرمائی، تو وہ اس کی عبادت اس طرح کرتا ہے کہ اس کی عبادت عین عبادت ہوتی ہے، اور اس کی معصیت عین اللہ کی معصیت ہوتی ہے۔

اور جس نے عالم مثال میں عموماً اور اس تجلی میں خصوصاً اس کے فاعلات، قابلات، اس کے نکات اور اس کے اسرار کی جانب سے علم کا احاطہ کر لیا تو اس کے نزدیک وہ اس کے دور کرنے سے نہیں ہے، بلکہ اس کی اتباع کرتا ہے۔ اس لیے کہ حق کی صورتوں میں سے اس نشاۃ میں وہ ایک صورت ہے، اس کی عبادت میں اور پہلی عبادت میں واضح فرق ہے۔ اور اس طرح جو انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کی امت سے ہو۔ وہ اللہ کی معصیت اس عمل کے ارتکاب میں دیکھتا ہے جس کو اس نبی نے اس کے حال کی طرف سے حرام قرار دیا ہے۔ اور جس نے اس کے فکر کو قبول کیا، اس کا علم یہ ہے کہ وہ حلال ہو سکتا ہے، نبی کے نزدیک نہیں تو اس وقت وہ معصیت نہیں ہوگی۔ چنانچہ اللہ سبحانہ اس نبی کے ظہور کے دو چند اضافات میں تجلی فرمانے والا ہے۔ اس پر اس کے عرفان کے لحاظ سے معاملہ کرتا ہے۔

اور جس نے انبیاء کے علوم کا ان کے ظاہر سے اور باطن سے بھی احاطہ کر لیا۔ تو اس سے یہ حجاب سر پر چلا گیا، یعنی اٹھ گیا۔ اگرچہ اس نے بعینہٖ نبی کی اتباع کی تو اول کا وہ عقیدہ ہوگا جو دوسرے کا نہیں ہوگا۔ اور اس طرح تجلیوں میں سے ہر تجلی کا معاملہ ہے۔ چنانچہ فانی کسی بھی تجلی میں ہو، اس کے لیے عموم ہوگا اور تجلی کی طرف نسبت سے شمس و قمر کی طرف نسبت سے کرنوں اور روشنیوں کی طرح اس کے مثالی احوال ہوں گے۔ اور یہ کرنیں ان کے دوروں پر ہیں یعنی اس طرح کہ وہ قابل اور فاعل کے ملاحظہ کے بغیر خالص ہیئت پر ہوں گے جو مفردین کے نزدیک باقی نہیں رہتا۔ اور مفردین کے نزدیک یہ ہے کہ یہ کرنیں نشاۃ اور ان عالموں اور دنیاؤں سے ملحق ہیں جو اللہ سبحانہ سے قابلات اور فاعلات سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ہم نے جو کہا ہے کہ اولیاء مر جاتے ہیں، پھر ان کے اشراقات و کرامات معدوم ہو جاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اولیاء جب مر جاتے ہیں تو وہ ان کمالات کی طرف چڑھ جاتے ہیں جو ان کے دنیاوی کمالات سے زیادہ عام ہیں۔ اس وقت ان سے کرامات ساقط ہو جاتی ہیں اور وہ متفاوت ہوتے ہیں۔ ان میں زیادہ پاکیزہ بھی ہیں اور زیادہ لطیف بھی، زیادہ سریع بھی اور زیادہ غبی بھی، زیادہ سخت بھی اور زیادہ مؤخر بھی۔ یہاں تک کہ وہ جمع ہو گئے اور بالکلیہ ساقط ہو گئے اور کوئی چیز باقی نہ رہی۔ اور یہ وہی ہیں جن میں لوگ پناہ لیتے ہیں، چڑھ گئے۔ اور ان کے کمال کی صورت کے علاوہ ان سے کچھ بھی باقی نہ رہا۔ اور جن میں سے وہ ہیں اگر ان میں سے تیز رفتار سے چلنے

والے ہیں تو صورت بھی باقی نہیں رہی۔ اور مبتدیوں کے استفاضوں میں سے کچھ بھی حادث نہیں ہوگا۔ بیشک ہر پتھر یوسف ہے یعنی یوسفؑ نے کنویں میں اللہ کی رحمت کو قریب پایا، جیسا کہ کہا گیا ہے۔ اگر وہ پتھر پر ہمت جمع کرلیں تو وہ اللہ کی رحمت کو قریب ہی پالیں۔ اس طرح کہ وہ اپنے کمال کی صورت میں ہوں گے اور اس کے اثر کے بقایا ہوں گے۔

اور جان لو کہ جس نے تجلی الٰہی کا حکم لگایا یعنی تجلی کسی بھی نشاۃ میں ہو تو اس شخص کے حق میں جو حق کو اس میں محصور سمجھتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے کہا کہ اس کے اوپر اس کا فیضان ہوگا جو اس نے اپنے قول اور حال سے طلب کیا۔ اور وہ اس کے پاس ہوگا جب اس کو پکڑے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا: ''آب زمزم جب اس کو پیا اور قرآن جب اس کو پڑھا''۔ بعینہ اس راز کے لیے ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ کسی چیز کی طلب کے موافق نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے جو اس تجلی کے یا کسی دوسری تجلی کے نزدیک ہو۔ اس تجلی کی طرف اس کی نسبت کپڑے سے بنے ہوئے شیر کی طرف ہوا کی نسبت کی مانند ہے۔ یا اس کی تجلی کے نزدیک وہ ربط ہے جو تجلی سے ہے۔ اور تفصیل کے مطابق نہیں ہوتا۔ اور افاعیل کے مبادی کا بعض کا بعض سے امتیاز ہے۔ بخلاف مفرد کے کہ اس کے نزدیک ہر تجلی کی ایک مقدار ہے۔ اور اس کی استطاعت نہیں رکھتا کہ اس سے طلب کرے یا اس سے امید رکھے سوائے اس کے جو اس کی نظر میں اس کی مقدرت میں، تفصیلی تمیزی ہو۔ اور یہ حکمت اللہ تعالیٰ کے قول انا عند ظن عبدی بی کے بطن سے ہے۔

اور تمہارے اوپر واجب ہے کہ ان مثالوں میں مشغول نہ ہو جو میں نے عارف سے بصیر میں بیان کی ہے۔ بلکہ جب وہ سامنے آئے تو اس بارے میں غور کرنا بند کردو اور اپنے نفس کو روک لو یہاں تک کہ کتاب اپنی اجل کو پہنچ جائے۔ اس وقت تمہارے اوپر بے شک معارف کی بارش ہوگی اور تمہارے سامنے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے تمہارے اوپر تیزی سے گریں گے۔ اور تمہارے حق میں مجھے سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ دس دن کا اعتکاف کرو۔ پھر جب تم اپنے معتکف میں داخل ہو تو دو رکعت نماز پڑھو۔ اور اللہ سبحانہ سے تشویشوں کا رفع ہونا اور تجلیات کا بہاؤ طلب کرو۔ پھر ذکر کثیر اور حضور قلب اور دائمی سوال پر قائم ہو جاؤ۔ گویا کہ تم بعینہ سوال ہو اور تم عجائب دیکھو تو مجھے ان کے بارے میں خبر دو۔ اور ان سے

میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاؤ۔ ماشاء الله لا حول ولا قوة إلا بالله توكلت عليه وفوضت امری إلى الله سبحانه وبحمده "اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، میرے اندر تو نہ ہمت ہے نہ قوت مگر سب کچھ صرف اللہ کے فضل و کرم سے ہے۔ میں اسی پر توکل کرتا ہوں اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ اس کی ذات پاک ہے اور حمد اسی کے لیے ہے۔"

۱۳۹۔ تفہیم:

اسم رحمٰن کی طرف پہنچنا جو کہ اصل تجلیات ہے اور ان کے لیے تمام تجلیات منکشف ہوئیں

جان لو کہ زبانیں گنگ ہو گئیں، لغتیں فوت ہو گئیں، اشارے ختم ہو گئے۔ آج میں نے بیان کو کمال تک پہنچا دیا اور اس سلسلہ میں ایک کے بعد ایک تجلی، ایک کے بعد ایک راز اور ایک کے بعد ایک میدان عبور کرتا گیا، حتیٰ کہ اسم رحمٰن تک پہنچ گیا جو تجلیات کی اصل ہے۔ اور ان کے معاملہ کا سرمایہ ہے تو اس کے ذریعہ میں جہاں تک پہنچ سکتا تھا پہنچ گیا۔ پھر وہ میرے معدن میں اتر گیا تو میں نے ہر وہ مقام، علم اور کمال دیکھا جو نوع انسانی کے اول افراد کو حاصل ہوا۔

میں یہ نہیں کہتا کہ یہ آدم ہے، بلکہ آدموں میں پہلے آدم سے اس آخری شخص تک جو زمانہ کے ختم ہونے اور افلاک کے ہموار ہو جانے کے وقت پایا جائے۔ خواہ اس کو اس دنیا میں حاصل ہو یا قبر میں یا حساب میں یا جنت میں، میں نے ان سب کا احاطہ اس طرح کر لیا کہ کوئی امر باقی نہیں رہا۔

اور شائد کہ کہنے والا کہے کہ یہ کیسے ممکن ہے اور اس کی صورت کیا ہے؟ تو میں کہتا ہوں کیا اللہ سبحانہ نے ہر فعلیت کا اس طرح احاطہ نہیں کیا کہ نہ کسی چھوٹی چیز کو چھوڑا نہ بڑی کو مگر اپنی خالص وحدت میں سب کا احاطہ کر لیا۔ چنانچہ تمام کمالات اور فعلیات کا سرمایہ اس کے لیے ایک ہو گئے۔ اس طرح یہ تجلی ہے۔ اس نے ہر تجلی، ہر مقام اور ہر علم کا احاطہ کر لیا۔

یہ تجلی علم کی طرح عین تجلیات ہے۔ تجلیات کی تفصیلات کے ساتھ علم حضوری کی حیثیت سے جو ہمارے نزدیک علم ہے اور علم حصولی جہل ہے جو اس کا نام علم رکھتا ہے وہ جہل کو علم سمجھتا ہے اور میں نے اس تجلی کو اس طرح گلے سے لگا لیا کہ اس کا ہر جزء میرے ہر جزء میں داخل ہو گیا یا یوں کہوں کہ میں نے اس کو نگل لیا حتیٰ کہ وہ اس طرح چلا جیسے پانی نالیوں میں

چلتا ہے۔ یا یہ کہوں کہ میں وہ ہو گیا اور وہ میں ہو گیا۔ بلکہ میں ایسا کوئی لفظ نہیں پاتا جس سے اس کا اظہار کروں جو میں ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں ان تمام کے لیے جامع ہوں جو اس تجلی نے جمع کیے۔ والحمد للہ

چنانچہ میں پہچانتا ہوں کہ قبر میں کون سی تجلی ظاہر ہوتی ہے اور حساب میں کون سی تجلی ظاہر ہوتی ہے اور جنت میں کونسی تجلی ظاہر ہوتی ہے۔ یہ سب تجلیات میرے پاس موجود ہیں بلکہ میرے سینہ میں ہیں۔ میں نے ان کا احاطہ اس طرح کرلیا ہے جیسے کلی جزئی کا احاطہ کر لیتی ہے۔ اور میں نے افلاک، معادن، اشجار، بہائم، ملائکہ، جن، لوح، قلم اور اسرافیل اور ہر اس چیز کے کمال کا مکمل اور شامل احاطہ کر لیا جو وجود کے تحت داخل ہے۔

پھر جب میں اس تجلی تک پہنچ گیا تو اللہ سبحانہ اپنی عزت وشان کے ساتھ ظاہر ہوا اور ہزار، ہزار تجلیوں کے ساتھ رحمان کی طرح احاطہ کرلیا بلکہ متناہی کو غیر متناہی سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ چنانچہ ہر معاملہ سے طیب معاملہ اور ہر رحمت سے زیادہ لذت دار رحمت، ہر علم سے زیادہ شامل علم حاصل ہو گئے۔ تو میں نے اس میں اپنے کمال کے لحاظ سے عرفان حاصل کرلیا۔ جس کا بعد میں ذکر کروں گا۔ چنانچہ جس نے میرے بارے میں تحقیق کی، اس نے میرے لیے کوئی کمال نہیں پایا بلکہ میں کمال ہوں اور کمال میں ہوں اور میرے ہاتھ، میرے پیر، میرا چہرہ اور میرا سینہ کمال ہے۔ میں قبر میں اپنے کمال کے لحاظ سے داخل ہوا اور میں انتظار کرتا ہوں کہ ہر کمال اس طرح داخل ہو جائے کہ گویا وہ میرے اندر داخل ہے۔ اس لیے شاید میرا وجود قیامت کے دن کمال کے لیے قائم ہو جائے۔ اور ہمارے کچھ اسرار ہیں، میں ان کو بیان نہیں کر سکتا، اس لیے میں نے کہا ہے

وعندی علوم لا یکاد یحیطها
سماء ولا برو بحر وساحل

''میرے پاس علوم ہیں جن کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا، نہ آسمان نہ بحر نہ بر اور نہ ساحل۔''

ولکن ابناء الزمان وجدتهم
تساوی لدیهم عاقل ثم غافل

''لیکن میں نے اہل زمانہ کو ایسا پایا کہ ان کے نزدیک عاقل وغافل سب برابر ہیں۔''

۱۴۰- **تفہیم:**

اللہ تعالیٰ کے بندہ کو برگزیدہ بنانے کے مراتب

جان لو، اللہ تم پر رحم وکرم فرمائے کہ جب اللہ بندہ کو اس ذکر کے گرد برگزیدہ بنالیتا ہے جس کو یادداشت کہتے ہیں جو آواز، حروف اور اشارہ قلبیہ وغیرہ سے خالی ہوتا ہے جن کو عام لوگ اپنے حق میں تجلی الٰہی پاتے ہیں۔ اس سے ارشاد وکرامات وغیرہ کا امر لقم پاتا ہے۔ پھر جب کبھی اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ پسندیدہ قرار دیتا ہے تو اس کو وہ قوت عطا فرماتا ہے، جس سے نفس ناطقہ کے تعین سے قبل تعین پر مطلع ہوتا ہے۔ تب یہ تجلی الٰہی مضمون ہو جاتی ہے گویا کہ یہ موجود ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کا اضمحلال شیخ ابن عربی کے نزدیک ہے۔ پھر اس کو دوبارہ برگزیدہ بناتا ہے تو اس پر اس تعین کی تجلی فرماتا ہے، جس کو ہم نے پہلے عین کہا ہے، تب اس کو کمال کی دوسری قسم حاصل ہوتی ہے۔ پھر کبھی دوبارہ اس کو منتخب کرتا ہے تو یہ تجلی مضمحل ہو جاتی ہے اور وہ بعینہٖ اسم رحمٰن ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اس تجلی والا یہ سمجھتا ہے کہ وہ اور اسم رحمان بحر اخضر کی مانند ہیں۔ باطن کا ظاہر موجیں مارتا ہے اور اس کا رنگ قمر کے رنگ کے مشابہ ہو جاتا ہے اور عربوں کے نزدیک وہ زہرہ ہے

هو البحر لا قفر ولا ساحل له

احطت به خبراً وما نال نائل

”وہ سمندر ہے چٹیل میدان نہیں اور اس کا ساحل نہیں، میں نے اس کا خبر سے احاطہ کیا اور جو کسی پانے والے نے پایا۔“

پھر دوبارہ کبھی اس کو منتخب کرتا ہے تو یہ اسم اللہ سبحانہ کی ذات میں مضمحل ہو جاتا ہے۔

۱۴۱- **تفہیم:**

اس امر کا بیان کہ وجود کے بہت سارے مراتب ہیں اور اس بارے میں تحقیق انیق

کیا ایسا نہیں ہے کہ موجودات خارجیہ وذہنیہ میں سے ہر شئے کی ایک حقیقت ہوتی

ہے۔ جو دوسری حقیقت سے متغایر ہوتی ہے، پھر یہ کہ وجود کے اسم میں وہ سب شامل ہوتی ہیں۔اس لیے یہ حکم لگانا ضروری ہے کہ ہر موجود شئے مقید ہے اور یہ کہ اطلاق محض وجود ہوتا ہے۔اس حد تک کوئی بھی عارف دوسرے عارف سے کوئی بحث نہیں کرتا۔ پھر یہ کہ میرے نزدیک وجود کا صرف ایک ہی مرتبہ نہیں ہے، بلکہ تعداد کے لحاظ سے اس کے بہت سارے مرتبے ہیں۔اوران میں سے ہر ایک، تحقیق کے پورے میدان کو گھیر لیتا ہے۔اوران میں سے ہر ایک کی اپنی ساتھی کے ساتھ نسبت ہوتی ہے جو اشیاء مقیدہ کے درمیان پائی جانے والی نسبت کے علاوہ ہوتی ہے۔میں اس کی دو مثالیں پیش کرتا ہوں۔

ایک یہ کہ جب ایک ہی گھر میں بہت سارے چراغ روشن ہو جاتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک کی روشنی دوسری میں داخل ہو جاتی ہے۔اور امر معنوی میں ممتاز ہوتی ہے۔اور وہ چراغوں کی تعداد ہے۔البتہ یہ مثال ایک وجہ سے ہمارے اس مسئلہ پر منطبق نہیں ہوتی۔اور وہ یہ ہے کہ افتراق اور تصادق ان مراتب میں ایک کلمہ سے ہوتے ہیں اور چراغوں میں دو کلمات سے۔اور وہ یہ کہ مراتب بلند ہیں، وہ ایک ہی فیض سے ممتاز ہوتے، پائے جاتے اور متحقق ہوتے ہیں۔اس طرح ان کی حقیقت وہ فیض ہوتا ہے جیسا کہ مِنْ (بمعنی 'سے') ایک لحاظ سے حرف ہے اور وہ ہمارے قول مثلاً ذھبت من البصرۃ میں بصرہ سے چلا گیا۔ میں بصرہ سے جانے کے سلسلے میں ربط کا ایک ذریعہ ہے۔اور یہاں اگر تم 'مِنْ' کی طرف دیکھو گے اور اس کا تصور کرو گے یا اس پر کوئی حکم لگاؤ گے تو اس کو حرفیت سے خارج کر دو گے اور اس کو ایسا اسم بنا دو گے جس کا مستقل ملاحظہ کیا جائے گا۔

اس طرح اعلیٰ مراتب کا وجود ایک جہت اور ایک اعتبار سے ہے کہ وہ اس جہت اور اس اعتبار سے پایا جاتا ہے۔ چنانچہ افتراق ایک جہت اور ایک اعتبار سے تصادق سے ہم آغوش ہو جاتا ہے۔

اوران میں سے دوسرا مفہوم کلی اور لفظ مفہوم کا مفہوم ہے۔اس لیے کہ مفہوم کلی کلیات سے ہے اور کلی بہت سارے مفہوموں میں سے ایک مفہوم ہے۔ یہ سب ہر ایک مفہوم اور ہر کلی پر منطبق ہوتے ہیں۔اوران دونوں کے درمیان ایسا افتراق ہے جو تصادق سے ہم آغوش ہوتا ہے۔اور دونوں مثالوں میں یہ مثال زیادہ قریب ہے۔اس لیے اس کو کل کہنا انہی مراتب سے

ہے۔ اگر چہ انتہائی تنگی میں ہو۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ ان میں پہلا تعین عام ہے جو تعین سے اصلاً مزاحم نہیں ہوتا، شئ مطلق کی طرف نسبت سے مطلق شئے کے ملاحظہ کے مانند۔

شاید شئے مطلق اور مطلق شئے کے درمیان فرق تم پر واضح ہے۔ تو جس طرح یہ ملاحظہ، ملاحظہ پر منطبق ہوتا ہے۔ البتہ اس میں ایک تاخر ہے، اسی طرح تعین اول وحدت قصوی پر منطبق ہوتا ہے، سوائے اس کے کہ اس میں ایک تاخر ہے۔ اور اس تاخر سے ہم نے اس کو اسم آخر کا نام دیا ہے۔

اور یہ کہ تم جب شیشہ میں سے دیکھتے ہو تو تمہاری نظر کتاب پر پہنچتی ہے تو اس میں پہلا مقصد کتاب کو دیکھنا ہوتا ہے، اور شیشہ کو دیکھنا بطور واسطہ کے ہوتا ہے۔ اور یہ نظر، کتاب کی طرف نظر محبت سے ممتاز ہوتی ہے۔ چنانچہ اس قسم کا فرق وحدت قصوی اور تعین اول کے درمیان محقق ہوتا ہے۔ پھر اس تعین کی تفسیر دو دوسرے تعینوں سے کی جاتی ہے۔ ان میں سے ایک قصد اول اس تعین کی طرف اور بالتبع وحدت قصوی کی طرف ہے۔ اور دوسرے قصد اول وحدت قصوی کی طرف اور بالتبع اس تعین کی طرف ہے اور یہ عین تعین اول نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ وحدت قصوی کی طرف قصد کی جہت سے پایا جاتا ہے کسی اور جہت سے نہیں۔ پھر اس قصد نے اس قصد کی طرف قصد کیا اگر چہ بالتبع ہی سہی وہ عین قصد اول نہیں ہوا۔

اور یہ دونوں تعین دو فوارے ہیں۔ ان دونوں سے تحقق اور وجود اور موجودات تالیہ میں ہر حدوث کا پانی بہتا ہے۔ چنانچہ دوسرے اور ہر تخلیق اور کسی شئے کی قابلیت سے وہ اول ہوتا ہے جس کی تفسیر اول سے ظہور، تحقق اور فعلیت کے معنی میں کی گئی ہے۔ اور اس کی مناسبت اول سے علم القصد بالقصد کی مناسبت کی مانند ہوتی ہے۔ اور اوّل کی تفسیر ثانی سے اس طرح کی گئی ہے کہ اس کے مانند کوئی شئے نہیں ہے۔ اس طرح دونوں جمع ہو گئے اور تقید کا مفہوم حاصل ہو گیا۔ وہ صرف یہ ہے کہ یہ شئے اس کی غیر نہیں ہے۔ چنانچہ یہی اسماء بلند سے بلند ترین ازدواج (جڑنے) کا نتیجہ اولیٰ ہے۔

اور اس نتیجہ کے مفہوم کا حاصل استعداد بعید ہے۔ چنانچہ ہمارا یہ کہنا ہے کہ وہ وہی ہے، اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ اس کے بعد ہمارے اس قول کے لیے بالفعل افاضہ ہے اور اس افاضہ کے لیے موجود کل پایا گیا۔ اور موجود کل سے میری مراد وہ ہے جس میں تمام محسوسات،

معقولات اور متخیلات شامل ہیں۔ اور ہر وہ شئے جس میں تقید ہے اس موجود کے تحت داخل ہے۔ اور جب موجود الکل پایا گیا تو اس میں قوی کی تین اصناف پائی گئیں۔ اور تین اشیاء ان قوی کی جنین کی مانند یا شکم مادر میں اس کے جو بھی اعضاء تکوین پاتے ہیں ان کی مانند قوی کی تین قسموں کی حامل ہوتی ہیں۔ جیسا کہ علم طب میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک ادراک دوسرے طبیعت اور تیسرے قضا ہے۔ چنانچہ ادراک معنوی پیائش (مساحت) کا حامل ہے اور یہاں ادراک کے تین مراتب ہیں۔ ایک تعقل محض، دوسرے توہم اور تیسرے تخیل۔ اور طبیعت ظاہر پیائش کی حامل ہوتی ہے۔ چنانچہ افلاک اور عناصر اپنی تفصیلات کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ اور قضا اس مقام کے ہر درجہ میں تجلیات الٰہیہ کا حامل ہوتا ہے۔

پھر عناصر مل گئے اور ادراکات اس حیات کی صورت میں بھر گئے جو موجود مکمل کی حیات سے مستفاد ہوتی ہے۔ اور قضاء ایجادی خلاق معدن کی طرف متوجہ ہوئی تو معاون اپنی تمام قسموں اور طبیعتوں کے ساتھ پائے گئے۔ پھر معاون مل گئے اور ادراکات معدن کی صورت میں بھر گئے۔ اور قضاء ایجادی خلاق نبات کی طرف متوجہ ہوئی پھر اسی طرح سلسلہ چلا حتیٰ کہ حیوان اور انسان پائے گئے۔

اور جو شئے بھی پائی گئی۔ اولاً اس کی صورت کلیہ تعقل میں پائی گئی۔ پھر اس کی وضاحت کی گئی یہاں ایک شئے سے دوسری شئے کے لیے کوئی تعین نہیں ہے۔ چنانچہ خلاق، صورت انسانیہ کلیہ سے بعید ہو گیا۔ ایک شئے دوسری شئے سے بہت زیادہ ممتاز اور پھر واضح طور پر ممتاز ہو گئی۔ پھر اس طرح سلسلہ چلتا رہا حتیٰ کہ اس عالم میں اس کے وجود کا فیصلہ کیا گیا۔ اب اگر ایک حقیقت دوسری حقیقت سے اس صورت کلیہ کے بغیر ممتاز نہیں ہوتی تو ان کے اس قول کا کیا مطلب ہوگا کہ بعض حقائق انسانیہ تمام اشیاء سے پہلے منعقد ہو گئے۔ اور یہ کیسے ہو گیا جب کہ ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق **قد اتی علی الانسان حین من الدهر لم یکن شیئاً مذکوراً** "انسان پر ایک وقت ایسا بھی آیا جب وہ کچھ بھی نہیں تھا۔" (الدہر:۱) اس کی اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں کہ انہوں نے اس میں اس حالت میں دیکھا کہ وہ ان کے ممنون احسان تھے چنانچہ وہ ان میں بالضرورت عام اور شامل ہو گئیں۔

۱۴۲-تفہیم

وجود کی اصل اور اس کے کمالات کا منبع ہے

جو کلمہ اس فقیر کی اصل ہے اور کمال وغیرہ کے تمام کاروبار اس سے متعلق ہیں، اس کا تصور اس امر کے مانند کرنا چاہئے جو نازل من السماء یعرج إلیه في یوم کان مقداره الف سنة "اس آسمان سے اترنے والا ہے جس کی طرف اس دن میں چڑھتا ہے جس کی مقدار ایک ہزار سال کے برابر ہے۔" وہ کبھی اس عالم کے کمالات میں داخل ہوتا ہے اور اس کا اثر اس جگہ لوگوں کے دلوں کو مسخر کرنا، تولید اور سعادات دنیویہ و اخلاق مرضیہ کا فیضان ہے۔ اور کبھی عالم قبر میں چلا جاتا ہے اور وہاں اس کا اثر کمالات نفسانیہ کا تمثل حضور تجلیات و احوال قدسانیہ اور اپنے مفصل کمالات پر نظر ہوتا ہے۔ اور کبھی عالم حشر و معاد میں جاتا ہے۔ چونکہ فقیر صورت مزاجیہ والی فطرت کے مبدأ میں نہیں ہے، اس جگہ اس کا اثر دائرہ کی وسعت پیدا نہیں کرتا اور کبھی امام اعیان و اشخاص میں غوطہ کھاتا ہے۔ اور سطح میں نقطہ کی طرح مضمحل ہو جاتا ہے اور اس جگہ ایک اثر خاص ہوتا ہے جو اس کے خواص کی ایک تشریح ہے اور کبھی اسم رحمٰن میں غائب ہو جاتا ہے، کیا کہوں کہ اس جگہ اس کا اثر کیا ہوتا ہے۔ بالجملہ میرا کلمہ ہمیشہ اس کے گرد نقطۂ جوالہ کی طرح ہوتا ہے جہاں بھی جاتا ہے اور جس مقام سے بھی گزرتا ہے اس جگہ ایک بلندی ایک رفعت، قدرت اور ریاست جو اس مقام کے ساتھ خاص ہوتی ہے، پیدا کر دیتا ہے۔ اور سرعت حرکت کے سبب میں یہ نہیں کر سکتا کہ مقام کے آثار کو جداگانہ طور پر بروئے کار لے آؤں۔ ہاں اگر حضرت حق چاہتا ہے کہ اس کا کوئی اثر بروئے کار لائے تو کسی شخص کو کھڑا کر دے گا، اور اس کے دل میں داعیہ پیدا کر دے گا کہ اس راز کا افشا کرے اور اس نور کو مکمل کر دے۔ جاننا چاہیے کہ مفتاح الغیب میں کہتا ہے کہ کلمۂ تامہ کاملہ کسی چیز پر وجود کے لحاظ سے نہیں گزرتا الا یہ کہ اس چیز کے اقتضائے کمالات اس وقت میں شکل اختیار کر لے اس طرح کہ نباتیہ کے وقت میں افضل نباتات ہو جائے اور حیوانیہ کے وقت میں افضل و اکمل حیوانات۔ اور اس پر قیاس کرو۔ فقیر کہتا ہے کہ اس طرح کلمۂ تامہ کاملہ کے لیے عالموں پر حسب حال ایک رہ گزر ہے، کہ وہ موت اہل فردیہ کے ساتھ مختص ہے۔ اور اپنی حرکت دوریہ میں کسی بھی عالم پر نہیں گزرتا، الا یہ کہ اس عالم کے افضل

واکمل حالات اس کلمہ کے لیے شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اور مفتاح الغیب میں یہ بھی کہتا ہے کہ کلمۂ تامہ کاملہ کسی عالم پر نہیں گزرتا ہے، بلا یہ کہ اپنا علم حضوری اس عالم کے مطابق اس کو حاصل ہو جائے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کنت نبیاً و آدم بین الماء والطین "میں اس وقت نبی تھا جب آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔" فقیر کہتا ہے اس طرح کلمہ تامہ کاملہ کسی بھی عالم کے اوپر نہیں گزرتا، بلا یہ کہ کوئی شخص اس سے تجلیہ الٰہیہ اور احوال سیۂ دعالیہ کا استفاضہ کرے۔ اس کا فیضان اس کلمہ سے حاصل ہوتا ہے۔ میں نے ثقہ لوگوں سے سنا ہے کہ میں جس دن پیدا ہوا میرے دادا نے میرے والدین کو میری طرف متوجہ کیا۔ اور اسی جگہ سے میں اپنے حال کی ترقی کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔

۱۴۳- تفہیم:

میرا اندرونی حال عجیب ہے

میرا اندرونی حال اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے عجیب ہے اور وہ یہ کہ میں تمہارے اس عالم سے مر گیا۔ چنانچہ بغیر بدن کے باقی رہ گیا۔ اس وقت میں نے تجلیات الٰہیہ کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جس کا میں نے اکتساب کیا ہو۔ اور کھانا، پینا اور جسم سے متعلق معاملات میں سے ہر شئے مجھ سے جدا کر دی گئی۔ اس لیے کہ وہ جسم سے متعلق ہے۔ میں گیا جہاں تک گیا اور اس وقت میں نے پہچانا کہ لوگ میری طرح نہیں ہیں۔ بعض لوگ تو ایسی گہری نیند سوئے ہوئے ہیں کہ اس کے بعد بیداری نہیں ہے اور بعض افسوس کرتے ہوئے بیدار ہیں اور بعض اس عالم کی طرف متوجہ ہیں جس سے وہ کوچ کر چکے ہیں۔

پھر میں دوبارہ مر گیا۔ نسمہ اور روح سے، تم جو چاہے اس کو نام دو۔ اس لیے کہ نام رکھنے میں کوئی کوشش نہیں کرنی پڑتی۔ چنانچہ میری انانیت عالم دراکہ میں باقی رہ گئی اور ہر آدمی عرش کی قوت دراکہ میں باقی نہیں رہتا بلکہ بعض حس مشترک میں رہتے ہیں۔ بعض تخیلہ میں اور بعض وہم میں۔ پھر میں تیسری بار نفس ناطقہ اور انانیت سے مر گیا تو میں وہی تھا جو ازل سے تھا اور جو کچھ عرش کے تحت ہے، وہ ازل سے غنی ہے۔ اس پر غور کرو اس وقت میں، نہ میں تھا نہ وہ، بلکہ ایسا انسان تھا جس میں، میں اور وہ اجمالاً جمع ہوتا ہے اور مفصلاً نہ میں ہوتا ہے نہ وہ۔

پھر چوتھی بار مراجب اللہ کی طرف جانے والوں میں چلا گیا۔

قضت عیون مهاة الرمل فی جسدی
ان لیس یبقی له عین ولا اثر

''نیل گائے کی آنکھیں میرے جسم میں داخل ہو گئیں، اس طرح کہ نہ کوئی نیل گائے باقی رہی نہ کوئی نقش قدم رہا۔''

پھر اللہ سبحانہ نے مجھے دوبارہ زندہ کیا یعنی مجھے دوبارہ ایجاد کیا۔ چنانچہ میں ناسوتی الہامی آدمی ہو گیا۔ دونوں وصفوں کو جمع کر دیا کہ اگر میں ناسوتیت میں مشغول ہو جاؤں تو بھی مجھے کچھ ضرر نہ پہنچے اور اگر الٰہیت میں مشغول ہو جاں تو بھی مجھے کوئی ضرر نہ ہو۔ اور یہ ایک رمز ہے جو میں نے اپنے حال سے تمہارے سامنے پیش کی ہے۔ اس میں گہری نظر سے غور و فکر کرو۔

پھر معاملہ احتمالات کے درمیان گردش کرتا ہے یا تو یہ کہ اللہ سبحانہ نے زمین کے قطعہ مبارک و پاکیزہ مطہرہ سے شر کو اس کے ذریعہ دور کرنے کا ارادہ کیا۔ یا یہ کہ اللہ سبحانہ نے یہ ارادہ کیا کہ وجود اقصیٰ کی طرف رجوع کرے یا یہ کہ شر کو دور کرنے کا ارادہ کیا۔ پھر شر کے رجوع کا اور اس کے لیے سب برابر ہیں، نہ کوئی راجح ہے، نہ مرجوح اور میری مراد اس کلام سے یہ نہیں ہے کہ میں نے اس کو واقعتاً دیکھا یا خواب میں۔ میری مراد حقیقی موت ہے، البتہ موت کی دو قسمیں ہیں۔

ایک وہ جو تمام انسانوں سے متعلق ہے اور روح کا جسم سے اس طرح جدا ہونا ہے کہ اس سے بدن کا نظم منتشر ہو جاتا ہے۔ اور ایک مفردین کے ساتھ خاص ہے، وہ روح کا بدن سے اس طرح جدا ہونا ہے کہ بدن کا نظام منتشر نہیں ہوتا۔

وراء ذاک فلا اقول لانه
سر لسان النطق عنه اخرس

''اس سے آگے میں نہیں کہتا اس لیے کہ، زبان نطق کا راز بیان سے باہر ہے (اس سے گونگی ہے)۔''

معنیً به لطف الکثیف فاصبحت
شم الجبال هی الغصون المیس

"اس کا معنی کثیف کا لطف ہے، پہاڑ خوشبودار ہو گئے گویا وہ کوئی درخت کی لچکدار شاخ ہے۔"

امر له وبه ومنه تعينت

اعياننا ووجودنا المتلبس

"امر اس کے لیے ہے اس میں ہے اسی سے ہے، ہماری آنکھیں اور ہمارا ان سے جُڑا ہوا وجود اس سے متعین ہے۔

پھر ہم کہتے ہیں میرا اندرونی دوسرا حال اس سے بھی زیادہ عجیب ہے جو تم نے سنا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ میرے اوپر کچھ لحات ایسے گزرے ہیں کہ ان میں میرا علم ہر انسان کبیر سے اس طرح متعلق ہو گیا جیسے آدمی کا علم اپنے نفس اور بدن سے متعلق ہوتا ہے۔ علم حضوری اس کے سارے جسم میں چلتا ہے۔ نجوم سے میری معرفت کے لیے اور ان لحات سے سیاست کے لیے۔

اور شاید تمہاری قوت سامعہ ان چیزوں سے بھر گئی ہو گی جن سے صوفیا نے فتنہ وفساد برپا کیا کہ ذات بحتہ ومحض سے علم متعلق نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اس کے قدم فنا میں گردش کرتے ہیں۔ اور نہ ہی اس کے اور کسی کے درمیان دائر ہونے والی نسبت سے کوئی شئے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو مجھے لازم اول کے طریق سے اس وحدت قصوی سے مناسبت تامہ ہے اور اس لیے ان ناموں میں سے اس مناسبت کو فنا یا علم وغیرہ کا نام دیا جاتا ہے کہ اگر ہم تمہاری زبان میں بات کریں تو کہیں گے حیرت در حیرت۔ اور اگر ہم اپنی زبان میں بات کریں تو کہیں گے علم فی علم (علم در علم)

۱۴۴- تفہیم:

بندہ کی حیرت اس وقت جب وہ حقیقت الحقائق کی طرف ترقی کرتا ہے

جب بندہ حقیقت الحقائق اور وحدت قصوی کی طرف ترقی کرتا ہے اور اس پر تمام حالات، تمام تجلیات اور تمام نشأت مستوی ہوتے ہیں تو اس کو ایک حیرت حاصل ہوتی ہے۔ اس سے میری مراد حیرت مذمومہ نہیں ہے جو یقین سے ٹکراتی ہے۔ نعوذ باللہ منہا. بلکہ اس معنی

میں کہ وہ کسی ایک حالت، ایک تجلی اور ایک نشاۃ کے نزدیک نہیں ٹھہرتا۔ اس کے لیے سارے مراتب جمع ہو جاتے ہیں اور ایک شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ان میں سے اس بندہ کے نزدیک ایک یہ ہے کہ اس کے لیے حکم تجلی ہوتا ہے جو ذاتی، برقی اور آنی ہوتا ہے۔ پھر ایک مدت کے بعد یہ حیرت مضمحل ہو جاتی ہے اور اس کا قلب ہر نشاۃ کے نزدیک جس میں وہ مبتلا ہو ٹھہر جاتا ہے۔ اور ان دونوں حالتوں کے درمیان پایا جانے والا فرق شئے مطلق اور مطلق شئے کے درمیان پائے جانے والے فرق کے مشابہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے نزدیک امور آزمائش پر موقوف ہوتے ہیں کہ اگر تبتل، تجرد اور تفرد میں مبتلا ہو گیا تو متفرد ہوگا، اور اگر اس نظام کی مداخلت میں مبتلا ہو گیا جس پر عالم ہدایت سے مبنی ہے تو ہدایت پا گیا اور یہاں ایک شخص ہے جس کے حق میں مشیت ازلی یہ منعقد ہوئی کہ زمین میں ایک زمانہ میں ہدایت پائے اور زمین میں ایک زمانہ میں متفرد ہو۔ واللہ غالب علی امرہ۔

۱۴۵- تفہیم:

توحید کے طریق مستقیم پر ثابت قدم رہنے کی وصیت

تمہارے قدم اس راہ مستقیم سے نہ ڈگمگائیں جو تمہیں توحید سے حاصل ہوا ہے۔ تمہیں یہ معلوم ہو گیا کہ وہاں ایک راز ہے جس تک تم بعد میں نہیں پہنچے اور ممکن ہے کہ تمہارے لیے بحر جذب و محبت ایک کے بعد ایک موج جاری کر دے تو اس کی اتباع کرو حتیٰ کہ تم ایسے ہو جاؤ گویا کہ تم کبھی تھے ہی نہیں۔ اور کہنے والے نے جو کہا ہے اس کو یاد رکھنا:

ولا تقل لمدير الكاس عن ملل
مهلا فديتك فالتسويف في المهل

”گلاس چلانے والے سے ملول ہو کر مت کہہ، کہ آہستہ کر، میں تیرے قربان آہستگی میں ٹال مٹول ہے۔“

واصمت إلى ان تراها فيك ناطقة
فان وجدت لساناً قائلاً فقل

”اور خاموش رہ یہاں تک کہ تو شراب کو اپنے اندر بولتا ہوا پائے، اور جب تو اسے

بولتی ہوئی زبان پائے اس وقت کہہ۔"

میرے بھائی! تم فلاں سے واقف ہو تم نے اس کو افسوس کے سوا ہر عذاب سے محفوظ پایا ہے۔ اور وہ بھی شدید نہیں ہے۔ اس لیے آج کے بعد اپنے دل کو اس سے متعلق نہ رکھنا۔

۱۴۶۔ تفہیم:

جس پر توحید کا انکشاف ہو جائے اس پر تین واجبات ہیں

جس کے لیے توحید یعنی فنا کا انکشاف ہو جائے اس پر تین امور واجب ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے نفس کو مال، جاہ اور لوگوں سے ہر تعلق سے مجرد کر لے اور یہ مقام نفی اور اثبات پر مداومت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح کہ اس کے ساتھ تمام تعلقات سے تجرید نفس کو ملاحظہ کرے۔ اور مناسب یہ ہے کہ اپنے نفس سے ہر اس چیز کے بارے میں بحث کرے جس کی طرف وہ مائل ہوتا ہو اور جس چیز سے بھی وہ تعلق رکھتا ہو، قصد اول کے ساتھ اس کی نفی کرے۔

دوسرے یہ کہ اپنے نفس کی نگرانی کرے کہ اس کو اس طرح نہ چھوڑے کہ وہ اللہ کے ذکر سے لحہ بھر کے لیے بھی غافل ہو جائے۔ بلکہ ذُکر (ذال کے پیش کے ساتھ) یعنی یادداشت سے۔ اور وہ اس لیے کہ آدمی جس طرح مرتا ہے اسی طرح مبعوث کیا جاتا ہے۔ اور فنا موت ہے اور بقا بعثت ہے پھر جب وہ ذکر کے ساتھ فنا ہو جاتا ہے تو اللہ اس کو حضور دائم کے ساتھ بقا عطا فرماتا ہے۔

تیسرے یہ کہ اپنی زبان کی حفاظت کرے کہ کسی ایسے مسئلہ کا انکار نہ کرے جو شارع نے بیان کیا ہو اور وہ توحید کے بعد تکثیر کے معنیٰ پر مبنی ہوتا ہے۔ چنانچہ تم جانتے ہو کہ یہاں ایک بھید ہے۔ کیا تم پر اس کا انکشاف نہیں ہوا اور میں تمہیں ان مسائل کا فقہ اور ان کا راز سکھاتا ہوں۔ تجرید قلب و فقہ میں یہ ہے کہ توحید کا حال اللہ سبحانہ اس لیے عطا فرماتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ نفس کی سختی اور اس کے قوام کی اصل ٹوٹ جائے اور اس کا انکسار اگرچہ مقدور بشر نہیں ہے لیکن اس کے لیے اعراض ہے۔ اس کے ادنی لوگوں سے چمٹتا ہے۔ چنانچہ مناسب ہے کہ اس کو اس کی ضدوں سے بدل دے تاکہ آدمی بقا کی صورت کے لیے مستعد ہو جائے۔

اور اس کی مثال اس شخص کی ہے جس نے پانی کو ہوا سے بدلنے کا ارادہ کیا۔ تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ اس کے ٹھنڈے ہونے کو دھیرے دھیرے گرمی سے بدل دے حتی کہ مکمل

نصاب تک پہنچ جائے۔ تو پانی اللہ سبحانہ کے اذن سے ہوا میں بدل جائے گا۔ اسی طرح جو شخص فنا چاہتا ہے اس کے لئے تدبیر یہ ہے کہ اعراض کو نفس کے ادنی امور سے متعلق کردے اور وہ محبت کی قسموں سے خفیہ تعلقات ہیں اور یہ ایسا علم ہے جس کی تفصیل بیان کرنا مشکل ہے۔ اور یہ اس شخص کے لیے آسان ہے، جس کو اللہ تعالیٰ چلاتا ہے اور جس کو اللہ نے توحید کا حال عطا فرما دیا۔ پھر اس سے اپنے دائیں بائیں سے جذب کے بارے میں سوال کرے تو جو امر اس کے لیے سخت تھا اس کو آسان کر دیتا ہے۔

اور ذکر دائم کا فقرہ یہ ہے کہ ذکر وہ ہے جس کو فنا کے بعد تجلی الٰہی میں بدل دے تو جب ذکر، نسمہ اور نفس دونوں کو گھیر لے تو تجلی اس طرح آتی ہے کہ ان دونوں کو کاملاً وتاماً گھیر لیتی ہے۔ پھر آثار حقانیہ دنیا، قبر اور یوم الحساب میں نفس اور نسمہ پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور انکار سے زبان کی حفاظت میں فقرہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء پر انکار سے مبارزت کمال کے اصول کو مٹانے والے خذلان ورسوائی کا سبب بن جاتا ہے۔ تو اس سے بچو، بچو۔

۱۴۷- تفہیم:

بندہ کی دو عقلیں

جب تم نے لوگوں سے قطع تعلق کر لیا تو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر یقین کامل رکھو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اصحاب کہف نے کس طرح ہمت کا مظاہرہ کیا؟ تو رب باری نے ان کے ساتھ ان کے ارادہ کے مطابق معاملہ کیا۔ تو اس آیت کو پڑھو **واذ اعتزلتموهم وما يعبدون إلا الله فاووا إلى الكهف ينشر لكم ربكم من رحمته** "اب جبکہ تم ان سے اور ان کے معبودان غیر اللہ سے بے تعلق ہو چکے ہو تو چلو اب فلاں غار میں چل کر پناہ لو۔ تمہارا رب تمہارے اوپر اپنی رحمت کا دامن وسیع کرے گا۔" (الکہف:۱۶)

اور جان لو کہ بندہ کی ایک عقل وہ ہے جس سے وہ اپنے معاش میں تصرف کرتا ہے۔ اور ایک عقل وہ ہے جس سے خوف، توکل، تسلیم اور اعمال خیر پر رغبت کے اپنے مفاد میں تصرف کرتا ہے۔ اور ایک عقل وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے تصور میں تصرف کرتا ہے، کسی اور میں نہیں۔ پھر جان لو کہ یہ تمام درجات ایک دوسرے سے ممتاز ہیں، تو یہ معرفت

مفتاح الجمعیۃ ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ. اب جب تم نے عقل معاشی کو ترک کر دیا تو عقل معادی باقی رہ گئی۔ اب یہاں تمہیں اہل وعیال اور مال وجاہ کی الفت ڈگمگا نہ دے، لیکن تمہارے اندر آل کی محبت اور کمال میں احادیث النفس رہے۔ پھر جب تم نے عقل معادی سے بھی قطع تعلق کر لیا تو عقل الٰہی باقی رہ گئی۔ یہاں تمہیں کوئی خطرہ، وسوسہ اور کوئی حدیث نفس نہ ڈگمگا دے۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ تم اللیس الصرف (نفی خالص) کی طرف بغیر کسی رکاوٹ کے ترقی کر لو گے۔ انشاء اللہ۔ اور عقل معاشی ومعادی کا ترک ان دونوں کے عرفان، تصور اور امتیاز کے بعد تجل اور عزلت میں دشوار نہیں ہے۔ اور ان کے ترک پر کلمہ طیبہ سے جہراً وخفیۃ استعانت اس طرح کرو جس کا وقت اور حال تقاضہ کریں۔ ان میں ان دونوں میں سے ہر ایک نفی کا ملاحظہ کرتا ہے۔ اور کوشش کرو کہ عقل معاشی کو جان لو کہ وہ کیا ہے؟ اور کس چیز کا تقاضہ کرتی ہے۔ اور کون سی چیز میں تصرف کرتی ہے؟ اور ان کے مدرکات کا کیا وزن ہے؟ پھر یہ کہ عقل معادی کو جان لو کہ وہ کیا ہے؟ اور کس چیز میں تصرف کرتی ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ رائے برہانی رائے شعری سے الگ ہوتی ہے۔ پھر جب رائے برہانی کمزور ہو جاتی ہے تو رائے شعری غالب آجاتی ہے۔ اسی طرح اس کا برعکس ہوتا ہے۔ اور ذہین آدمی رائے برہانی کو پہچانتا ہے جو کہ افکار برہانیہ کا مبدا ہے۔ تو وہ اس پر عمل کرتا ہے۔ اس پر علوم برہانیہ نازل ہوتے ہیں۔ اور اگر تم فکر میں امعان وتدبر سے کام لو تو شاید اس کو پہچان لو۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۱۴۸- تفہیم:

سالک کی تشویش اور اس کے اسباب

جان لو کہ کبھی سالک کو تشویش لاحق ہو جاتی ہے جس سے اس کا نفس بے قرار ہو جاتا ہے اور یہ تحقیق میں ہوتا ہے یا تو انقباض کی وجہ سے کہ اس کی طبیعت کو بعض امور طبعیہ لاحق ہوتے ہیں جیسے امور کا ازدحام اس کی فکر طبعی میں تردد پیدا کر دیتا ہے اور طبعی نرمی کا فقدان جس کے نزدیک طبیعت کو نشاط رہتا ہے۔ اور اس کی مثال سونے والے کے خواب ہیں۔ اگر اس کا مزاج صفراوی ہوتا ہے تو زرد خیالات دیکھتا ہے اور اگر دموی ہوتا ہے تو سرخ دیکھتا ہے۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ اور وہ افکار جن کی وحی شیطان اس کے قلب کی طرف کرتا ہے، جیسے وہ

افکار جو منزل پر پہنچنے سے مایوسی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ یا جس کو اللہ اپنے ہاتھ سے فیض عطا فرماتا ہے، اس میں عیب تلاش کرنا وغیرہ۔ اور اس کی مثال سوتے میں شیطان کا ڈرانا ہے۔ ایسی صورت میں اس کمال کی طرف جمیعت خاطر واجب ہے جو کہ کمال ہے۔ اور ان خیالات کو مسترد کر دینا اور ان کی برائی، شناعت، وقبح کا یقین ہے۔

اور جان لو کہ احساس کے ساتھ الفت رکھنے والا خالص ادراکی علوم پر یقین نہیں رکھتا۔ چنانچہ ممکن ہے کہ ان کا نام علم یقین رکھ دے، پھر اس حالت سے ترقی کرے، پھر اس پر یقین کرے، اور یہ مستحب ہے کہ ان کی پابندی کرے اور اس کے لیے اس میں دقیق امور اور اسرار ظاہر ہوں۔ اور وہ ان کو دوسروں پر ترجیح دے۔ پھر ممکن ہے کہ اس بات کا یقین کرے کہ احساس کوئی چیز نہیں ہے۔ اور یہ کہ کمال یہی تعقل ہے۔ اس سے سالکین کے حال کا اعتبار کیا گیا کہ ان کے لیے ظاہر ہو گیا تو وہ محسوس یا متوہم یا متخیل یا ادراک سے گھیرے ہوئے کے ساتھ تعلق کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور یہ ظہور ایسا امر ہے جس میں بندہ اس طرح مستغرق ہوتا ہے کہ وہ اس کے سوا کچھ نہیں جانتا کہ وہ اس کو ہر طرف سے اوپر سے بھی نیچے سے بھی اپنے ادراک اور اپنے علوم سے گھیرے ہوئے ہے۔ یہ سقوط باطل ہے۔ ایسے شخص کے لیے کبھی بھی آسان نہیں ہوتا جس کے لیے اللہ تعالیٰ اس سے خیر چاہتا ہے۔

ہاں یہ بات کہ اول امر میں حق کا ظہور اور وہ علم جس کا کہ وہ عقیدہ رکھتا ہے اور جس کے تدارک پر اعتماد کرتا ہے، دونوں شکل اختیار کرتے ہیں۔ تو سالک ایسی امارت کا محتاج ہوتا ہے جس کے ذریعہ حق کو باطل سے پہچان سکے۔ اور یہ علامت ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اپنے نفس کو ان علوم سے مجرد کر لے۔ بلکہ یکے بعد دیگرے اللہ سبحانہ کی محبت کے علاوہ ہر علم سے مجرد کر لے۔ اور ان کو بھول جائے۔ اس طرح باطل مٹ جاتا ہے اور حق ثابت ہو جاتا ہے۔ اور یہ عوام کے لیے تجرد تام اور غلبۂ محبت کے ساتھ مسلسل بڑھتا رہتا ہے۔ ہاں خواص اور اہل دانش کے سلسلہ میں ہیئت وجود اقصیٰ اور اس میں استغراق میں اس کے ادراک کے احاطہ کے بغیر اس کی اضمحلالیت کے لیے ہے بلکہ حیرت زدہ شخص کی حیرت ان کے نزدیک دن کے اجالے میں زیادہ ظاہر ہوتی ہے اور حق، قلب کی رطوبت داخل ہونے کے بعد اس کے اہل پر خوف پیدا کرنے والا نہیں ہوتا۔

۱۴۹- تفہیم:

سالک کا علوم توحیدیہ کے دقائق شعریہ وحکمیہ کے ساتھ ملانے کی طرف میلان اور اس کی مضرت

اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ سالک کا میلان علوم توحیدیہ کہ دقائق شعریہ یا حکمیہ کے ساتھ ملانے کا ہوتا ہے۔ اور یہ اشیاء میں سب سے زیادہ ضرر پہنچانے والا ہے۔ اور اس کو جذبات توحیدیہ کے مخرج سے آواز یا صورت کے لطائف سے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ اول سے بھی زیادہ ضرررساں ہے۔ ان سب کا سبب یہ ہے کہ اس شخص کا میلان طبعی، شعر میں یا دقائق حکمیہ یا آواز یا صورت میں فانی ہوجاتا ہے، جس طرح جوہر نفس پر انکسار واقع ہوتا ہے۔ یہ انکسار ان اشیاء کی صورت میں باہر آتا ہے اور صاحب حال کے کام میں فساد پیدا کردیتا ہے، ایسا فساد کہ اس کے ازالہ کی امید نہیں کی جاتی۔ جیسا کہ اوحد کرمانی کو ہوا۔ چنانچہ شیخ الشیوخ نے اس کو فاسق قرار دیا اور مولانا رومی نے فرمایا کاش! اس نے یہ کام کیا ہوتا اور گزرجاتا۔ اور جیسا کہ عراقی کے لیے لطائف شعریہ وجمالیہ کو ملانے میں ہوا کہ امر فاسد ہوگیا

غیر معشوق ار تماشائی بود
عشق نبود ہرزہ سودائی بود

”اگر غیر معشوق کوئی تماشائی ہو، تو عشق نہیں ہوگا بلکہ ایک بیہودہ جنون ہوگا۔“

اور شاید اگر تمہارا نفس کوشش کرتا ہے تو تمہارے لیے اشتیاق اور بے قراری ہوں گے اور شاید کہ جب تمہارے نزدیک مضمون بدیع واقع ہو تو تم اپنے قلب میں اس سے مسرت محسوس کرو۔ اور گویا کہ تم اس سے لذت پاؤ۔

اور تمہارا قلب اس سے مطمئن ہوجائے۔ چنانچہ یہی امر ہے کہ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔ ان دنوں میں مخلوق کے ساتھ کم صحبت رکھنے اور کثرت کلام سے باز رہنے اور شعر پڑھنے اور حکمت پڑھنے کو ضروری سمجھتے ہیں اور صحبت یار با استغفار کے معنی باریک ہیں کہ سانپ اور بچھو سے بھی زیادہ مضر ہیں۔ اس سلسلہ میں تدبیر کو واجب سمجھتے ہیں۔ واللہ یصحبک السلام و العافیة.

۱۵۰-تفہیم:

قلت طعام اور دوام صیام کی وصیت اور شعر کی مراد

قلت طعام اور دوام صیام تند مزاج کو موافق مزاج کرتے ہیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ طبیعت کا نشاط جاتا رہے بلکہ کاروبار اس سے وابستہ ہے۔ اور شعری جائے پناہ سے اس فقیر کی مراد شعر نہیں بلکہ تشبیہ تخییلیہ ہے۔ اگرچہ نثر ہو۔ اور حقائق الہیہ کے ادراک میں عادی امور کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس کے تحت اس سے مغلوبیت متاثر ہوتی ہے۔ اور انجذاب اس کی جانب مانع کاروبار ہے۔ اس قضیہ کو بھلائی کے ساتھ غور کر کے سمجھو۔ اگر موجودات کے اضمحلال کے معنی ایک امر بسیط وحدانی کے تحت اور دائیں بائیں اور اوپر نیچے سے اس طرح لاتے ہیں کہ محبت تامہ وجمع ہمت اور تمام راستوں کو بند کرنے کے باوجود ہو۔ اس سے جدائی کی گنجائش نہ رہے، اور اگر اس کے نزدیک اس قدر جوش ہو بلکہ اس کے بغیر اس کے معنی کا تصور وتعقل زیادہ لذیذ اور زیادہ پاکیزہ ہو۔ عقل کے نزدیک تمام تصورات سے بہتر وہ ہے کہ تعلقات اور محبتوں کی نفی اور تمام قوتوں سے دوام توجہ کہ اپنے حوصلہ میں اس پر زیادہ نہ پایا جائے مشغول ہوں۔ اس وقت تک کہ اس معنی کی دلیل ظاہر ہو جائے، اور اتنا جلوہ دکھائے کہ اپنے اوپر ایسی سختی نہ کریں کہ حواس پراگندہ ہو جائیں۔ اور نشاط جس کو ہندی میں امنگ کہتے ہیں، مسلوب ہو جائے کہ ہاتھ سے کام کرنا مزاج کی صحت، حواس کی سلامتی اور نشاط کے وجود کا منتظر ہوتا ہے۔ اور جمع خاطر، خلوص نیت نشاط کے وقت میں حکیم سینائی کے شعر پڑھیں اور خلوت میں توجہ کریں۔

زیں سپس دست ما و دامن دوست
زیں سپس گوش ما و حلقہ یار

"اس سے پیچھے ہمارا ہاتھ اور دوست کا دامن ہے، اس سے بہت پیچھے ہمارا کان اور یار کا کنڈا۔"

فقیر نے نشاط کے بعض اوقات میں جو دو شعر کہے ہیں ان کی تاثیر دیکھی ہے۔ رباعی

اے دوست توئی دیدہ بینائی من
ہم قوت شنوائی ودانائی من

''اے دوست تو ہی میری آنکھ اور بینائی ہے، میری قوت سماعت اور دانائی بھی ہے۔''

عشقم تو دہم تو دل غم دیدۂ من
و ندر دل غم دیدہ شکیبائی من

''میں نے اپنا عشق تجھے دے دیا تو میرا دل غم دیدہ ہے، اور دل غم دیدہ کے اندر تو ہی میرا صبر ہے۔''

۱۵۱- **تفہیم:**

ہمت اور اس کی فنا کی کیفیت

یقین رکھیں کہ آدمی فی الحقیقۃ اپنی صورت شخصیہ سے عبارت ہے، جسے نفس ناطقہ کہتے ہیں۔ اور اپنی یہ صورت اپنی باریکی اور لطافت کی وجہ سے ہر کسی کو معلوم نہیں ہوتی۔ جو اثر ہم اس کے اوپر ڈالتے ہیں، اس کی تدبیر یہ ہے کہ اس کی کیفیات لازمہ پر ڈالتے ہیں۔ تا کہ اس کی تبدیلی سے جو ہر نفس کی تبدیلی میسر آئے اور نفس کا سب سے خاص لازمہ وہ ہے جسے ہمت کہتے ہیں، کسی کی ہمت وسیع ہوتی ہے جبکہ کسی کی تنگ۔ علم وادراک اور تمام صفات نفسانیہ سب ہمت کی تفصیل ہیں۔

ہمت ترا بلنگرۂ کبریا برد
ایں سقف خانہ را بہ ازیں نردباں مخواہ

''ہمت تجھ کو کبریائی کی بلندی پر پہنچا دے گی، گھر کی اس چھت کے لئے اس سے بہتر کوئی سیڑھی نہ طلب نہ کر۔''

میں ہمت کی تبدیلی پر یقین نہیں کرتا، جب تک کہ علم ضروری سے نہ بھر جائے۔ اور حق جلی وعلی کی یاد سے اور شجاعت وغضب اور مختلف قسم کی لذتوں اور کسی سفلی مراد کی طرف انجذاب خاطر سے یہ سب ٹوٹ جاتا، نابود ہو جاتا ہے۔ جب ہم اس کو جان لیتے ہیں تو یقین کر لیتے ہیں کہ تبدل ہمت متحقق ہو جاتا ہے۔ اگر یہ معنی صبح کو متحقق ہوتا ہے تو تجلی الٰہی شام کو آتی ہے اور اگر شام کو متحقق ہوتا ہے تو وہ صبح کو آتا ہے۔ البتہ فناء ہمت کی کثرت کے بغیر جب تک وہ نہیں ہوتا کہ آدمی مایوس ہو جاتا ہے اور اس سے زیادہ اجتہاد محال جانتے ہیں۔ اس تفصیل سے

ہماری غرض یہ ہے کہ اپنی نشاط اور ہمت کو خدا میں گم کر دیتے ہیں اور اچھا تامل کرتے ہیں تا کہ تمہارے ذہن سے حاصل ہوتا ہے کہ ہمت کیا ہے اور اس کی فنا کس طرح ہوتی ہے۔

اے برادر تو ہمیں اندیشۂ
ماقی تو استخواں وریشۂ

''اے بھائی تو سوچ کا نام ہے، ورنہ تجھ میں ہڈی اور گوشت کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں ہے۔''

گر گل است اندیشۂ تو گلشنی
ور بود خارے ہمہ تو گلخنی

''اگر گل ہے تیرا فکر گلشن ہے، اور اس میں کانٹا ہے تو سب گلخن آگ کی بھٹی ہے۔''

ایک ہیئت ایسے عاشق کی طرح پیدا کرنی چاہیے جو عشق میں افراط کی وجہ سے مجنوں ہو گیا ہو کہ اس کی زبان خشک ہو گئی اور اس کا جسم بھی خشک ہو گیا۔ اگر کوئی کھانا اس کے سامنے لائیں تو اس کو کوئی لذت حاصل نہ ہو اور اگر کوئی مشروب دیں تو حواس کی سلامتی اور نشاط کی کثرت کے باوجود اس کی شیرینی اور نمکینی میں امتیاز نہ کر سکے۔ لیکن اس کا انحصار ایک میں ہے۔ اور بالجملہ اگر ہر مرد نیک اپنے آپ میں غور و فکر اور تدبیر کرے تو لازمی طور پر جاننا چاہیے کہ اس کے دل کا ہر طرف میلان ہے۔ اور میلان متعدد ہیں اور اس کی ہمت و عزم ہے کہ جب ایک ہمت ہو جائے اور ایک جہت میں راجح ہو تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی لذیذ طعام، لذیذ مشروب کھاتا پیتا اور خوش و اچھے مناظر کو دیکھتا ہے لیکن اپنے اندر ان کی لذت نہیں پاتا ہے۔ اس لیے کہ جب ہمت ایک جانب چلی جاتی ہے تو اس کے ساتھ رہنے سے ادراکات حواس بھی چلے جاتے ہیں۔ اگر آدمی اپنے آپ میں خود غور و فکر کرتا ہے یا کلام کرتا ہے یا اپنے آگے کی طرف نظر ڈالتا ہے اور پاجامہ پہنتا ہے اور اپنے اندر اس کا استحسان اور شوق نہیں پاتا ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ بے ہوش و بے حس ہے بلکہ قوت مستحسنہ کے اشتغال اور ایک امر مقدس کے اشتیاق کے واسطہ سے مہلکات دینی حسد و غضب وغیرہ سے بچتے ہوئے اور اسی طرح شوق و ارادہ و خواہش اور ہر وہ چیز جو ہمت کے جزئیات سے ہے کم ہو جاتی ہے۔ اور ایک رو اور ایک جہت ہو جاتا ہے۔ تمہاری رو سے یہ ہے کہ جلدی فانی ہو جاتا ہے اور ہماری آرزو یہ ہے کہ دیر

تک فانی رہے کہ غیر متعین لوگ الگ الگ تمہاری جہت پر بکھر جائیں۔ اور اس وقت اپنے آپ میں نہیں رہتا اور ایک زمانہ تک محفوظ رہتا ہے۔ اس وقت شوق دوسری بار اٹھتا ہے اور اجتماعیت کو منتشر کر دیتا ہے۔ امر جسیم سے کامیاب ہوتا ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ کسی نے کہا تھا کہ بیدل اپنے غلاموں کو مضمون اور معنی سے نام رکھتا تھا اور یہ شعر میں اس کی قوت مستحسنہ پر دلالت کرتا ہے۔ جب آدمی اپنے آپ سے کلی طور پر باہر ہو جاتا ہے، اس وقت خدا کامل شفا تجلی کے ساتھ متجلی ہوتا ہے۔ اور اگر جہات سے ایک جہت باقی ہے تو تجلی شفاہی محال ہے

کسی در صحن کاخی قلبہ جوید

اضاع العمر فی طلب المحال

"جو شخص بلند عمارت کے صحن میں زمین جوتنے کا ہل تلاش کرتا ہے، وہ امر محال کی تلاش میں عمر ضائع کرتا ہے۔"

غوث اعظم شیخ عبدالقادر فنا کی اس حالت سے ارادہ تعبیر فرماتے ہیں۔ اور امیر سید کلال اس کے آبخورہ کی مثال دیتے ہیں کہ جب تک اس میں ذراسی بھی نمی باقی ہے، اس لائق نہیں ہے کہ اس کو خمران تصرف میں رکھیں۔ اور خواجہ نقشبند اس کو مختلف وجوہ فنا کہتے ہیں۔

عبارا تنا شتی وحسنک واحد

وکل إلی ذاک الجمال یشیر

"ہماری عبارتیں مختلف ہیں اور تمہارا حسن ایک ہی ہے، اور ہر کوئی اس جمال کی طرف اشارہ کرتا ہے۔"

یادداشت کے تمام اوقات صبح وشام، دن اور رات، کھڑے اور بیٹھے بوصف محبت نامہ اور تجرید کامل اس حیثیت سے کہ غیر کی غفلت ومحبت کو کسی ایک وجہ سے بھی دخل نہیں رہتا اور سب نیست ہو جاتے ہیں، مشغول ہونا چاہیے۔

یا بخود آتش تواں زد یا دلی باید گداخت

گر دماغ عشق داری ایں چنیں ہا کردنی است

"یا تو خود میں آگ لگا دے یا دل کو پگھلا دینا چاہیے، اگر عشق کا دماغ رکھتے ہو اس طرح کرنا ہے۔"

۱۵۲- تفہیم:

فناء شفاہی کے موانع

ہم نے تامل کیا تو ہونٹوں سے فنا کی موانع چند چیزیں پائیں۔ ایک یہ کہ آدمی کو ایک مراد سفلیہ باقی رہ گئی ہو۔ بلاشبہ اس کی مقدار میں نفس ناطقہ مجرد نہیں ہوتا اور جذب اس حال میں پہنچ کر فنا حجابی ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ آدمی کی محبت مزاج اور مادہ جنون کے اختلاط سے مل گیا ہو۔ وہ تمام مالوفات سے ہر طرح سے جدا ہو جاتا ہے۔ اس کی تجرید اختلاط مزاج کی مدد سے ہوتی ہے۔ اس کی فنا شفاہی نہیں ہوتی۔ اس لیے ہم نے اپنے کلام کو سلامت مزاج وفور نشاط سے مشروط کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ باریک طبع عادی جبلت والا نہیں ہوتا۔ خیالی و تشبیہی، جائے پناہ اور نکتہ فہمی و لطیفہ گوئی اس کے نزدیک تمام لذتوں سے زیادہ طیب اور زیادہ لذت دار اور بالجملہ سبک روح اور دقیقہ فہم ہوتی ہے۔ اور اس کی تجلی اس کے دقائق کے مطابق ہوتی ہے۔ شفاہی نہیں ہوتی۔ صفا ایک امر محمود ہے۔ البتہ باریک طبعی اس سے الگ ہے اور لوگوں کی عادتوں کے علاوہ کہیں محمود نہیں ہے۔ دوسرے دائمی یادداشت اس کا حاصل نہیں ہوتی یا یادداشت ضعیف ہوتی ہے۔ اور یہ تجلی وہی یادداشت ہے۔ دوسرے میں جب حال ضعیف ہو گیا تو تجلی ضعیف ہو گئی۔ دوسرے یہ کہ اس سے پہلے کہ خود سے نہ پھرے فانی ہوتی ہے اور یہ مسئلہ سخت باریک ہے۔ مقصد یہ ہے کہ آدمی اولاً حال میں مستغرق ہوتا ہے اور اس کی آنکھ حال کا احاطہ نہیں کر پاتی، حتیٰ کہ اس میں مہارت پیدا کرے۔ اس وقت خود سے نہیں پھرتی اور حال کو اپنے پہلو میں تلاش کرنا چاہیے۔ اور اس کو اوپر سے پکڑے، اس وقت اس کے ساتھ دوسری بو ہوتی ہے۔ اور اس کو اس کی جگہ سے اکھاڑ دیتی ہے اور تجلی کا معاملہ مکمل ہو جاتا ہے۔ اور ان پانچوں مواقع سے مقصود یہ ہے کہ تبصرہ کرنے والا اس سے احتراز کرے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ سالک کو اس میں کوشش کرنی چاہیے تاکہ منزل مقصود کو پہنچ جائے۔ بحمد اللہ اس مسکین کو علم کے اتنے راستے دکھا دیئے گئے ہیں کہ معلوم نہیں کسی دوسرے کو دکھائے گئے ہوں۔

۱۵۳- **تفہیم:**

مانگنے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ وزاری اور تضرع

حضرت حق طلب کے واسطہ سب کا سر چشمہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک جگہ سے خون نہ ٹپکے اور ہمتیں خاک آلودنہ ہوجائیں۔اور ہر سامان وآہنگ جو اپنے اندر پاتا ہے معدوم نہ ہوجائے۔اور اس سعادت کے آس پاس بھی نہیں پہنچ سکتا اگر یہ خرق عادت مستقل طور پر کسی ایک فرد کے بارے میں واقع ہوجائے۔وہ خود مستثنیٰ ہے۔اور بیرونی حساب سے وظیفہ وہ ہے کہ اس پر اپنی ساری رضاؤں کو قربان کردیا جائے۔اور ادب کے ساتھ آئندہ کے مقامات کی طلب اور سوال کیے جائیں۔إنه جواد رحيم كريم.

۱۵۴- **تفہیم:**

خواب پریشان کے درجہ میں سالک کی تشویش

ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ میں کوئی چیز لکھوں اور لکھنے سے پہلے میں نے ہر لحاظ سے اس کا احاطہ نہ کرلیا ہو۔سوائے ان تشویشات کے کہ غالباً یہ بدعات طبعیہ،بشریہ وتدنسیہ ہیں کہ ہمیں ان کا جواب حاصل نہیں ہوا۔اور خود بھی اوقات عزیز تشویش میں جو کہ امر تدنسی انتہائی باریک ہے صرف نہیں کیے۔ان کی مثال خواب پریشاں کی سی ہے کہ ان سے نا کردہ اخبار بہتر ہیں اور یہ شیطان کے ڈراوے ہیں۔فاستعذ بالله من الشيطن الرجيم ”شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔“ اپنی نظریں اس میں گاڑ دو،سوائے تجرید توحید کے۔اور ذات قصوی پر توجہ راہ اضمحلال سے قائم کردو۔اور اگر احادیث نفس اور اس پر دلالت کرنے والے خیالات الفاظ (میری غرض طبیعت شعریہ سے اس کے قریب رہتی ہے) اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں تو دل کی گہرائی کے ساتھ توبہ کریں۔اور اللہ سے پناہ طلب کریں اور توحید فی اللہ کی نشاط مضبوطی سے پکڑیں۔یہ مسکین بھی دل وجان سے اس معنی کا خواہاں ہے۔

توحید،تجرید توحید الی اللہ اور نشاط فی اللہ میں اضمحلال سے تم اپنی ہیکوں پر قائم ہوجاؤ

تو تمہارے لیے سب کچھ ظاہر ہو جائے گا۔ اللہ سبحانہ کے حضور کی طرف تمہارے لیے راستہ اس طرح سہل ہو جائے گا کہ حاضر امر قدوسی ہو جائے گا۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ تم جان جاؤ گے کہ تمہیں جس امر کا اشتیاق ہے، اس کے بعد کہ تم اس کو غیریت کے علم سے جانتے تھے اور اس حیثیت سے کہ حاضر بعینہٖ قدوسی ہوتا ہے جس کے ذریعہ ہر ممکن کامیاب ہو جاتا ہے۔ وہ تمہیں بالفعل حاصل ہو گیا ہے۔ اور اس کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے نزدیک ایک ایسی شئے حاضر ہوتی ہے جو حس کو ڈھانپ لیتی ہے اور قوت مدرکہ کو ابھارتی ہے، وہ علم حضوری ہے جس کی طرف تم اضمحلال تقرر سے پہلے آئے تھے، اور علم حصولی جس نے تم کو ڈھانپا وحشی مدرکہ ہے۔ پھر اللہ سبحانہ عرش کے اوپر سے تجلی جلیل الشان کا فیصلہ فرماتا ہے جس کی برہان پوری طرح ظاہر ہوتی ہے۔ تمہارے اوپر سے تمہارا احاطہ کرتی ہے، پھر جو ہوتا ہے ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ میرے رب جل جلالہ نے مجھے سکھایا اور مجھے اس دنیا میں اور دار آخرت میں بوجہ اجمالی تمہیں حاصل ہونے والے کمالات کے بارے میں تمہیں خبر دینے کی اجازت نہیں دی۔

۱۵۵- تفہیم:

مجرد مقدس کی طرف توجہ کا طریقہ

تمام تر جدوجہد کوشش کر کے سب کچھ سینہ سے باہر نکالیں اور بغیر حرف و آواز کے مجرد مقدس منزہ کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ دلجمعی کے مکمل غلبہ کی حالت میں نفی و اثبات کی خاطر یکسو ہوں بلکہ صرف اثبات میں مشغول ہوں جب یہ معنی نصب العین ہو جائے سانس کو زیر ناف محبوس رکھیں اور اس معنی کی جو کہ نصب العین ہو گیا ہے، محافظت کرنی چاہیے، اس وقت تک کہ طبیعت کفایت کرے، ساتھ دے۔ جب پریشانی ہونے لگے تو سانس کو چھوڑ دیں اور اثبات مجرد کی طرف توجہ کریں، جب دوسری مرتبہ نصب العین، مرکز نگاہ حاصل ہو جائے، پھر سانس کو زیر ناف روک کر رکھیں اور اس کی حفاظت کریں۔

۱۵۶-تفہیم:

خواب اور ان کی تعبیر

سونے والا جس طرح خواب میں دیکھتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ روحانی شخصیتوں کا اجتماع تھا۔ ان کا سربراہ دو صحیفوں کو پڑھ رہا تھا اور وہ سب لوگ ان کو سن رہے تھے۔ ایک صحیفہ میں اللہ سبحانہ کے اسماء تھے، ان میں سے میں نے تین یاد کر لیے۔ السید الرحمٰن اور الرحیم۔ اور دوسرے میں سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء تھے۔ اس میں سے میں نے دو یاد رکھے۔ السید اور ابو فاطمہ۔ پھر میں نے سمجھا کہ اس نے دونوں صحیفوں کو میرے بھائی محمد عاشق کی وجہ سے اور ان کے ذکر پر ان کی طرف اشارہ اور ان کے سامنے پیش کرنے کے طور پر پڑھا۔ مجھے اس خواب سے بہت مسرت حاصل ہوئی۔ اور میں جان گیا کہ اس کے لیے حظ وافر اور نصیب تامہ ہے۔ پھر میں نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جو چھاچھ اور دہی کی اصلاح کر رہا تھا حتیٰ کہ وہ بہترین ہیئت پر ہو گیا اور میں سمجھ گیا کہ اس نے اس کی اصلاح ہمارے گھر والوں میں سے ایک خاتون کی طرف اشارہ پر کی ہے۔ چنانچہ میں جان گیا کہ اس خاتون کے لیے تلخی و ترشی اور کدورت پر نجات و سعادت سے ایک حصہ ہے۔ اس طرح اللہ عزوجل نے مجھے جو کچھ سمجھایا، اس پر میں نے اس کی حمد کی۔ اور امید ہے کہ میرا رب اس کو درست قرار دے گا۔

۱۵۷-تفہیم:

قیامت کے دن سوال نہ ہونا اور آپ کا جنت میں داخل ہونا

مجھ سے کہا گیا کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جن سے قیامت کے دن سوال نہیں کیا جائے گا۔ اور تم بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اور جب تمہیں قبر میں داخل کیا جائے گا تو ہر علم اور ہر تجلی کو چھوڑ دیا جائے گا۔ سوائے اس تجلی ذاتی کے جو اسم رحمٰن سے اوپر ہے۔ تو اس میں پوری طرح اضمحلال ہو جائے گا۔ اور وہ نعمت کبریٰ ہے۔ تم اس سے اوپر نہیں سوچ سکتے۔ اور جب تم جنت میں داخل ہو گے تو وہاں لوگوں کی دو قسمیں ہوں گی۔ اہل علم و تجلی اور اہل علم و احوال۔ اور انشاء اللہ تم اہل تجلیات میں سے ہو گے۔ اور تجلی اور حال میں فرق یہ ہے کہ تجلی امر الٰہی ہے، اور حال اُمر ناسوتی۔ والحمد للہ علی ما أنعم وعلی مالم نعلم۔

۱۵۸- تفہیم:

حضور مجرد کا حصول اور اس کی حقیقت کا بیان

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ صاحب زعم کے مطابق حضور مجرد حاصل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ نفس الامر میں وہ مجرد نہیں ہوتا۔ اس مقصد کے لیے ہم نے ایک پیمانہ مقرر کیا ہے کہ ارض کثیف ہے اور پانی لطیف۔ اور اس کے لطیف ہونے کے معنی رنگا رنگ نہ ہونا اور چار یا چھ خانوں میں بانٹنے کے اثر کا باقی نہ رہنا ہے۔ اور ہوا اس سے بھی زیادہ لطیف ہے۔ اور الطف زیادہ لطیف ہونے کے معنی ان دونوں صفتوں میں انتہائی مقام کو پہنچنا ہے۔ اور بھوک و پیاس اور غضب اور تمام صفات نفسی ہوا سے زیادہ لطیف ہیں اور ان کے زیادہ لطیف ہونے کے معنی چھ اور چار وغیرہ خانوں میں بانٹنے کی تاثیر وانفعال کا نہ ہونا ہے۔ اور کسی شئے میں مظروفیت (Contained) کا نہ ہونا ہے اور صورت انسانیہ کلیہ ان اوضاع واشکال سے قطع نظر جو انسان کے ساتھ مخصوص ہیں۔ بلکہ امر مجرد بسیط جوہری ان سے بھی زیادہ لطیف ہے۔ اور ان کے لطیف ہونے کا معنی کسی خاص شئے کے ساتھ اس کا عدم تخصص اور اس کی نسبت کا تمام افراد کا مع الواحدہ استوا اور اس کا اشیاء خارجیہ میں سے ایک شئے ہونا ہے۔ اور ذات مجردہ حضرت حق ان سے بھی زیادہ لطیف ہے۔ اور اس کی الطفیت کے معنی اس کی نسبت کے تمام ممکنات کے ساتھ حسب وجود کہ وہ شئے واحد ہے، استوا کے باوجود کسی چیز میں اس کا عدم حلول ہے۔ اور اسی طرح بتدریج ان امور کو ملاحظہ کرتے ہیں اور اپنے امر وجدانی کو قیاس کرتے ہیں۔ اور جب تک ان میں سے ہر ایک کے لیے نہ ہو گا وہ غیر مجرد ہو گا۔ اگر غور وفکر سے کام لو تو یہ زیادہ واضح ہے۔

۱۵۹- تفہیم:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ علم حضوری اور علم حصولی کے معنی

اب تمہارے اندر وہ قابلیت پیدا ہو گئی ہے جو امر منزہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اس کا ادراک میں نے ذوق صادق سے کیا ہے۔ مجھے یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ تم نے خود کو ترک وتجرد میں ڈال دیا ہے۔ غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ تمہارا علم بحق سبحانہ حضوری ہے۔ تم

چاہتے ہو کہ علم حصولی کا احاطہ کرلو اور اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اتنا جانتے ہیں کہ علم حضور شعور محض سے عبارت ہے، امر منزہ سے برآمد نہیں ہوتا کہ علم العلم اس سے محیط ہو جائے۔ کہ جب ہم علم العلم پر آتے ہیں، اس سے اعراض کر لیتے ہیں تا کہ محمول اور موضوع کر کے اس کے ساتھ ایک حکم جوڑ دیں کہ جب ہم ایسا کرتے ہیں، اس سے روگردانی کرتے ہیں۔ تمہارا حیلہ یہ ہے کہ علم حضوری حق کو جدا کر دیں اور دل کو نقوش کونیہ سے جس سے کہ علم حصولی اٹھتا ہے، اس طرح خالص کر دیں کہ انا کو سمجھ کر کہ کیا ہے، اس جگہ پہچان لیں کہ یہ انا ایک جگہ پہنچا دیتی ہے۔ اور اس کی اصل کیا ہے۔ اس امر کے احکام کے بعد علم حصولی کو بھی حضرت حق کی جناب میں مصروف کرتے ہیں۔ ہمیں شک نہیں ہے کہ ایسے وقت میں علم حصولی منزہ بحال ہو جائے گا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ تم اس کے قابل ہو گئے کہ زمان و مکان سے مجرد امر کی طرف توجہ کرو۔ اس میں شبہ نہیں ہے لیکن تمہارے نزدیک ایک اشتباہ اور ایک اختلاط ہے، یہ شبہ ہو یا اس جیسا کچھ۔ لیکن اتنی قوت نہیں ہے کہ علم العلم کے نزدیک توجہ مجرد کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ علم العلم کو گزرنے دیں اور علم حرف کو اختیار کریں۔ یقین جانیں کہ حق سبحانہ کے تجرد کے درجات ہیں۔ اس کا درجہ ادنیٰ زمان و مکان سے تجرد ہے اور محض اس تجرد سے وہ اللہ ہے۔ آدمی کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ تمہارا وہ ادراک نفس ناطقہ کے حاسہ سے ہے کہ اس کی شان ادراک مجردات ہے، بر سبیل احساس، تخیل اور توہم نہیں۔ بلکہ ان امور سے شان اعظم ضمناً یادگیری میسر ہے۔ اس بارے میں ہمیں کوئی شک نہیں ہے۔ حاصل یہ کہ تلفظ، احساس، تخیل اور توہم کے قیود سے تخلیص مدرکہ کی بھرپور کوشش کرتے ہیں تب اگر اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو صورت اختیار کر لیتا ہے، اور اپنے احوال سے خبر کر دیتا ہے اور خود کو خفا نہیں کرتے ہیں اور مایوسی کو اپنے اندر کوئی موقع نہیں دیتے ہیں۔

(**فائدہ**) لفظ علم حصولی کا اطلاق علوم توہمیہ و تخیلیہ کے مقابلہ میں کیا جاتا ہے، اور علم حضوری کا اطلاق علوم مجردہ منزہہ کے مقابلہ میں، جو کہ نفس ناطقہ کی صلب سے اٹھتا ہے۔ اس تعلق کے ساتھ جب تک علم حضوری جو کہ انا ہے خدا سبحانہ سے نہ بدل جائے، یہ علم حاصل نہیں ہوتا، دھیان رکھو، سمجھ لو۔

۱۶۰-تفہیم:

بنی آدم کے رحمٰن کی انگلیوں کے درمیان ہونے کے احوال

جاننا چاہیئے کہ احوال بنی آدم رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ان میں ایک انگلی جلال کی ہے اور دوسری جمال کی۔لازم ہے کہ ان دونوں کا مقتضا جلوہ گر ہو۔ان وحشتوں کو تیار شدہ میں شمار کرنا چاہیے اور ہر وحشت اپنے پہلو میں ایک انس رکھتی ہے۔اگر تمہیں یقین نہیں تو تجربہ کرلو

گو یند سنگ لعل شود درمقام صبر
آرے شود و لیک بخون جگر شود

”کہتے ہیں کہ صبر کے مقام میں پتھر لعل و گوہر ہو جاتا ہے، ہاں ہو جاتا ہے لیکن خون جگر سے ہوتا ہے۔“

اگر تامل سے کام لو تو پاؤ گے کہ وحشت دوسری طبیعت کا تعلق ہے اور جو وحشت اسماء جلالیہ کے عکس سے ہے، وہ دوسری ہے۔ یہ وحشت انسی ہے۔ وحشت رنگِ وحشت مزاج بخلاف اولیٰ یہی ہے کہ طمع کو قطع کر دیتے ہیں، اور خود کو مردہ تصور کر لیتے ہیں۔ وحشت اولیٰ اپنے عدم میں چلی جاتی ہے۔اس وقت اگر کوئی وحشت چاہیں تو دوسرے کے قبیل سے چاہیں گے کہ ابھی تمہیں خروج اور انسانی آہستہ روی اور دھوکہ کا لالچ پکڑے ہوئے ہے۔لازم ہے کہ تم اپنے آپ کو ان سے بچاؤ۔

لنگ ولوک وخفتہ شکل وبے ادب
سوء او می خیز او رامی طلب

”کمزور و عاجز اور سوئی ہوئی پژمردہ شکل اور بے ادب، اس کی طرف اٹھ اور اس کو طلب کر۔“

يحدثني نفسي بانك واصل
الى نقطة قصواء وسط المراكز

”میرا نفس مجھ سے کہتا ہے کہ تم مراکز کے درمیان انتہائی نقطہ تک پہنچنے والے ہو۔“

وانک فی بیت البلاد تفخم
بکفک یوما کل شیخ وماھر

"اور تم شہروں کے اندر پھولے ہوئے ہوگے، ایک دن ہر بوڑھا اور ماہر تمہارے قبضہ میں ہوگا۔"

۱۶۱—**تفہیم:**

خارجی اسباب سے دل تنگ نہ ہونا اور حدیث نفس کے ترک کی کوشش کرنا

اگر تمہارے اندر ہوس مداخلت کرتی ہیں، وہ غالباً طبیعت کے اندر سے نہیں خارج سے ہوتی ہیں کہ ہم تمہاری حقیقت سے باخبر ہوئے ہیں۔ خارجی وسوسوں کے محاربہ سے تمہاری طبیعت فارغ ہوگئی اور محاربۂ نفس فطرت میں داخل ہے۔ خارج سے میری مراد شیطان اور بعض لوگوں کی صحبت کا اثر یا مزاج کی سستی ہے جو ان اوہام وغیرہ سے چھٹکارا حاصل کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اور میں تمہارے لیے رجوع قہقری سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اگر وقت انس وجمعیت کا موقع دے، ہر طرح سے چھٹکارا حاصل کرو۔ حدیث نفس کو ترک کرنے کی کوشش کرو۔ ہاں انشاء اللہ اس سے چھٹکارا اور خالص توحید اور مدرک کے اتحاد کا حسن درجۂ اتم وصریح صورت میں حاصل ہو جائے۔ شاید معلوم ہوگا کہ جو بھی ترقی حاصل ہوتی ہے، انس کے اوقات میں ہوتی ہے اور وحشت کے اوقات میں حاصل ہونے والی کیفیت پر محافظت غنیمت شمار کی جا سکتی ہے۔

۱۶۲—**تفہیم:**

انکسار خاطر کے معنی

تمہارا کہنا ہے کہ گالی وغیرہ سننے سے طبیعت ٹوٹ جاتی ہے تو یہ کیسے کہا جاتا ہے کہ نفس کے جوہر اور اس کے قوام میں انکسار پیدا ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ منکسر اور گالی سننے یا اہل وعیال میں کسی خیر کے مشاہدہ کے وقت تم سے جو ملولی ظاہر ہوا وہ جزء نسمی ہے اور نسمہ اپنی طبیعت کے مطابق اس سے پوری طرح زائل نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ اس باب میں ہے کہ

وہ فنا کی ابتداء میں، نفس کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ چنانچہ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی طبیعتوں میں زائل ہو جاتی ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

۱۶۳- تفہیم:

اپنے بعض اصحاب کو بعض اشعار کے پڑھنے اور قرآن کی تلاوت وغیرہ کی وصیت

کبھی کبھی یہ شعر پڑھا کریں

یا بخود آتش تواں زد یا دلی باید گداخت
گر دماغ عشق داری ایں قدر ہا کردنی است

"یا تو خود کو آگ لگا سکتے ہو یا دل کو گھلا دینا چاہیے، اگر عشق کا خیال رکھتے ہو تو اتنا تو کرنا ہی ہے۔"

اور یہ شعر بھی پڑھا کریں

غیر معشوق ار تماشائی بود
عشق نبود ہر زہ سودائی بود

"اگر کوئی غیر معشوق تماشائی ہو، تو عشق نہیں ہوا بلکہ ایک جنونی بکواس ہوئی۔"

تمہاری افتاد طبع عاشق مزاج واقع ہوئی ہے۔ تمہاری طبیعت اس طرح کے اشعار اور اس طرح کے خیالات سے جو کہ محبوب کی عظمت اور اس کی طلب کے مشتاق کی تحقیر، اس کے وصل کے پہلو اور خیال فنا میں اشیاء کے تابع سایوں اور شکلوں کی رویت وغیرہ میں تمہارے اندر احداث میں عجیب تاثیر چاہے گی اور کبھی کبھی قرآن مجید کی تلاوت اور بعض اوقات نادرہ میں ایسے اشعار پڑھنا جو محبت کے اظہار کے وقت مشتاق طلب کے استحقار کے بیان میں ہوں اور جو توحید کے بیان میں ہوں علی سبیل الندرت نفع سے خالی نہیں ہیں اور بدن سے کلی طور پر انس کے اوقات میں ایسی حیثیت دینے میں کوئی اتم حالت درآمد ہو زیادہ قربت پیدا کرنے والی نہ ہوگی اور وحشت کے اوقات میں کہ ڈوبنے والا ہر گھاس کو پکڑتا ہے اختیار کریں۔

۱۶۴- تفہیم:

سالک کے قلب کا اضطراب اور اس کا علاج

غالباً تمہیں واضح ہو گیا ہو گا کہ مدرک حق سبحانہ ایسے ادراک سے کہ اگر تمام تقررات کا اضمحلال اللہ تعالیٰ کے وجود میں بجائے اس کی شرح کے رکھ دیں تو موافق و درست ثابت ہو اور اگر حضور امر کو بہ طریق حصول صورت بجائے اس کی شرح کے رکھ دیں تو وہ بھی موافق اور درست ہو۔ ان کا مدرک نہ حس ظاہر ہے نہ حس باطن اور نہ قلب جو کہ منبع اخلاق ہے۔ بلکہ خوف ورجا اور محبت وصلابت فی امر اللہ جیسے احوال والا امر دیگر ہے جو ان سے اعلیٰ واتم ہے۔ چنانچہ یہ بہت بڑی بات ہے کہ اس راز کا عارف جو حس باطن ہے یا اس کا قلب، تشویش میں مبتلا ہو اس طبیعت کے لحاظ سے کہ حق عزوجل نے آدمی کو اس طرح پیدا کیا ہے۔ اس کا قلب رحمان کی دو انگلیوں کے درمیان رہتا ہے۔ کہتا ہے کہ میں تشویش میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ یہ حالت اس قدر ہے کہ جب قلب مجموع ہوتا ہے، اسے چاہیے کہ بادشاہوں والے کام کرے، اس کا شکر، اس کی اتباع کرے اور ملک کا کام سرانجام دے اور جب قلب تشویش میں مبتلا ہو تو اس طرح رہتا ہے کہ کوئی نہ کوئی کام کرتا رہتا ہے اور حکم کرتا ہے اور اس کی بات کو کوئی قبولیت کے تصور کے ساتھ نہیں سنتا ہے۔ لیکن بادشاہ کا حال کسی حال میں متغیر نہیں ہوتا اگر شکایت کرتا ہے تو قلب سے کرتا ہے نہ کہ نفس ناطقہ سے۔ ان علامتوں سے غرض یہ ہے کہ بسا اوقات اس کی تشویش خواب پریشاں کا درجہ رکھتی ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اپنے دل کو مضبوط رکھیں اور لکھیں کہ یہ نکتہ اچھا معلوم ہوتا ہے یا نہیں۔

۱۶۵- تفہیم:

سالک کی ترقیوں پر تنبیہ

عنقریب حقیقت امر سے پردہ اٹھ جائے گا اور دائمی آسودگی میسر آئے گی اور بالجملہ جو کچھ حال علم غیرت سے اس کا ادراک کرتا ہے، جلوہ گر ہوتا ہے یعنی خالص تنزیہہ کہ ایک بار بھی رجوع خواہ وہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو، اس سے پہلے علم حضوری سے معلوم ہو جائے گا۔ اور علم

حصولی سے بھی اعمال مدرکہ سے حاصل ہوتا ہے۔ جس کا ادراک بہت عمیق ہے۔ اس وقت نفس ناطقہ تمہارے اندر تشویش یا گدگدی پیدا کرتا ہے گویا اس سے بھی ہوتا ہے اور امر منزہ جس کی صفت ہم بیان کر چکے ہیں اپنی جگہ نہیں بیٹھتا ہے۔ اس وقت بر سبیل استبداد و استقلال تصرف کرتا ہے۔ چنانچہ

آنچہ ندید است دو چشم زماں
وآنچہ نہ بشنید دو گوش زمیں

"جس کو زمانہ کی دو آنکھوں نے نہیں دیکھا، اور جس کو زمین کے دو کانوں نے نہیں سنا۔"

درگل مارنگ گرفتہ است آں
خیز بیا در یوم گل ما آں بیں

"ہمارے خمیر میں اس نے رنگ پالیا ہے، اٹھو، آؤ، ہمارے اس خمیر کو دیکھو۔"

اس کے بعد دورہ ولایت میں آخر تک پہنچو اور اگر دورہ معرفت وحکمت کریں تو یہ کام ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین کا ہے۔ اس فقیر کی وصیت یہ ہے کہ ہرگز ایک لحہ کے لیے فتور کو ذرا بھی موقع نہ دیں کہ یہ معنی بودنی ہے۔ لیکن اس کی کیفیتوں کا فرق مکمل طور پر بھی اور ناقص طور پر بھی جمع ہمت کو سونپا ہوا اور فناء نشاط اور دوام توجہ ہے

گوئی توفیق وسعادت درمیان افگندہ اند
کس بمید ان در نمی آید سواراں راچہ شد

"توفیق اور سعادت کی گیند کو درمیان میں ڈال دیا ہے، کوئی میدان میں نہیں آتا سواروں کو کیا ہو گیا ہے۔"

یا بخود آتش تواں زدیا دلی باید گداخت
گر دماغ عشق داری ایں قدر ہا کردنی است

"یا تو خود میں آگ لگالو یا دل کو گھلا دو، اگر عشق کا داغ رکھتے ہو تو اس قدر کرنا ہی ہے۔"

۱۶۶- تفہیم:

بندوں کا مختلف طبقات میں پیدا ہونا

جان لو! رحمک اللہ۔ "اللہ تم پر رحم فرمائے" کہ اللہ سبحانہ نے بندوں کو مختلف طبقات میں پیدا فرمایا ہے۔ چنانچہ ان میں سے بعض سختی میں پہاڑ ہیں اور بعض پوری طرح اس میں شامل ہیں۔ اور یہ انسانیت کے اعتبار سے اوسط نوع انسانی ہے۔ اور بعض بڑے بڑے پہاڑ ہیں اور بعض امیت پر ہیں، بعض پوست اتارنے یا کھال کھینچنے پر۔ بالجملہ یہ علم عمیق اور گہرا ہوا راز ہے۔ اس کا احاطہ صرف فرد یلمعی، غیر معمولی شخص ہی کر پاتا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کے لیے علیحدہ ایک تجلی ہوتی ہے جو اللہ سبحانہ فرماتا ہے۔ اور ہمارے زمانہ میں اس سے حاصل صرف یہ بتاتا ہے کہ اے راز پوشیدہ اور محفوظ موتی تمہاری جبلت مکمل کر دی گئی ہے، اور تمہاری تجلی انشاء اللہ تعالیٰ مکمل ہوگی۔ مکمل تجلی کے ساتھ مختلف رنگوں میں ہوگی، نہ اس کی کوئی حد ہوگی اور نہ کوئی فریب و دغا۔ لیکن تم نے ایسے فرد سے حاصل کیا ہے جو اس کے لیے موزوں رنگ جیسے شیریں وصاف پانی اور صاف آئینہ میں رنگا ہوا نہیں ہے۔ چنانچہ اس سے زیادہ تیز رفتار اور زیادہ سیر کرنے والا ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کی تمام تجلیوں کو خالص ذات کی طرف تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ تم بھی ایسے ہی ہو اور اگر تمہارے اوپر پوری تجلی ڈال دی تو شرف اضمحلال پر ہوگی۔ اگر نازل ہوگئی تو تجلی نے احاطہ کر لیا اور اگر دوسری تجلی میں گھر گیا یا اس کی طرف مائل ہوگیا تو ضروری ہے کہ لازمی طور پر تمہارے نزول کے وقت دو میں سے کوئی ایک امر ہو۔ اور بالجملہ واجب ہے کہ تم یہ جان لو کہ اس تجلی کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ تم ایک ایسا امر پاؤ جس پر تمہارا قلب مطمئن نہ ہو اور تم یقین کرو کہ تم جس کو طلب کر رہے ہو اور جس کی طرف تمہارا شوق مائل ہے، صرف وہی ہے جو تمہارے نزدیک حاصل ہو چکا اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ تم تجلی کو کوئی ایسی چیز پاؤ جو تمہارے اوپر سے تمہارا احاطہ کر لے۔ یہ نہیں کہ تمہارے ذہن کے ظرف میں ہو۔ اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تمہارا عین علم حضوری باللہ ہے جو تمہارے تقرر سے پہلے سے ہے۔ اور تمہارا عین علم حصولی ہے۔ تمہارے قلب اور تمہاری محبت کے اطراف سے اس کی طرف تمہاری توجہ سے پہلے۔

۱۶۷- تفہیم:

وحدت قصویٰ تک پہنچانے والا سفر اور اس سلسلہ میں حق امور ضروریہ کا قطع کرنا واجب ہے

اے میرے خلیل اور میرے حبیب! اگر حواس باطنہ توجہ تامہ کے وقت قوت شان اوپر کی جانب محسوس ہو تو کوئی خلل نہیں ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ تمہاری معرفت کا تعلق زمان ومکان سے مجرد ہے۔ اور اس کے بعد منبع حواس باطنہ ان کی جبلت سے اور اس معرفت کا علم العلم سے ملانا کہ غالباً تشویش سے خالی نہیں ہوتا، کیا ہوگا۔ اب وہ وقت ہے کہ پوری ہمت سے کام لیتے ہیں اور سینہ سے دوسرا زور لگا کر سانس نکالتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آجاتا ہے جب مدرک (ادراک کرنے والا) اور مدرک (جس کا ادراک کیا جاتا ہے) دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔ متوجہ ہونے والا اور جس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ان کے تقابل کی زحمت اٹھ جاتی ہے۔ انتہائی حیرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اضمحلال کلی سامنے آجاتا ہے۔ اس وقت جلوۂ الٰہیہ اس مشت خاک پر پڑتا ہے۔

حیف گر یک دانہ باشد حاصل دہقان ما

''بڑے افسوس کی بات ہے اگر ہمارے کسان کو ایک ہی دانہ حاصل ہو۔''

تمہارا قصہ ایک مجاہد امیر کی طرح ہے۔ اس نے تمام اسباب حرب سامان جنگ مہیا کر لیا اور اس کے مددگار ومعاون اس کی مدد ونصرت کے لیے تیار ہو گئے حتی کہ دونوں فریقوں کے درمیان مقابلہ آرائی اور قتل وقتال کا بازار گرم ہو گیا۔ اس دوران اس کے سینہ سے ایک تازہ زوردار جوش پیدا ہوا اور وہ اپنی جان پر کھیل گیا۔ ورنہ یہ تمام قتل اور لوگوں کا جمع کرنا فضول ولغو قرار پاتا۔ معاذ اللہ من ذلک. میرے دل کے اندر سے منزل مقصود کے حصول کی بشارت حاصل ہوتی ہے۔ واللہ علی ما نقول وکیل. اس عمل کی تدبیر یہ ہے کہ موجوں کے جوش کے دوران جمیعت وفنا گزر جاتی ہے توجہ کی باگ ڈور پوری طرح مدرک (ادراک کرنے والے) ادراک اور مدرک (جس کا ادراک کیا جائے) کے اتحاد کی طرف مصروف کریں اور

طرح طرح کے مردانہ خیال برآمد ہوتے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ تمام موجودات اس وجود مطابق میں شریک ہوتے ہیں جو مفہوم انتزاعی ہے۔ اور وہ اجل بدیہیات نہیں ہے کہ یہ حقیقت ہی وحدت قصوی ہے جو اصلاً نہ متعدد ہوتی ہے اور نہ ہی کثیر ہوتی ہے۔ سوائے اس کے جو وہم، خیال اور اعتبار کے مشابہ ہوتا ہے۔ آخر ہم کب تک وہم سے وابستہ رہیں گے اور حقیقت الحقائق سے محروم بیٹھے رہیں گے۔ واحسرتا وواویلا. اگر ہم نادانی کی اس چادر کو نہیں پھاڑیں گے اور اس وحدت میں کہ اس جگہ مدرِک اور مدرَک کے تقابل اور مسابقۃ میں غوطہ نہ لگائیں گے۔ تو نہ عین باقی رہے گا اور نہ ہی اس کا اثر باقی رہے گا۔ اس طرح کہ دس سروں والے انسان کے اوہام جہالت وغیرہ جو اس کے نزدیک محض لاشئے ہیں، اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ صریح اور واضح ہیں۔ یہ دور خاپن اور من وتو کہ محض جہالت سے اٹھا ہے، حقیقت قصوی اور وحدت کبریٰ کے پہلو میں لاشئے محض ہے اور صرف وعدم بحث نہیں ہے۔ سبحان اللہ. ایک خیال ہماری راہ میں آتا ہے اور ہماری متاع سامان واسباب کو لوٹ لیتا ہے۔ اگر ہم ایک ہی حملہ میں اس خیال کے سر کو تن سے جدا نہ کر دیں اور اصل کی طرف رجوع کریں تو گویا ہم مرد نہیں ہیں۔ اور آخر ہمیں رجوع حال سے روکتا کیا ہے۔ حالانکہ اس کا نور اس کے ظاہری حسن کو نظروں سے دور کر دیتا ہے۔ اور جہالت کی ظلمت بدحال اور ذلیل پر اور وحدت قصوی کی تلوار اس پر حملہ کرتی ہے اور اس کے سر کو جسم سے جدا کرتی اور اس کی کمزوری کو ظاہر کرتی ہے۔ اس سے دور بھاگتی ہے اور غریق کے حکم سے ہر گھاس پھونس سے وابستہ ہو کر ہماری احادیث نفس سے مل جاتی ہے۔ اور دیکھنا چاہیے کہ احادیث نفس جو میں اور تو تراشتی ہیں، ان کی حقیقت کیا ہے اور کس حد تک ان میں زور وقوت ہوتے ہیں۔ اللہ اس فریادرس اور فریادی کو خیر سے دور کرے اور اگر ہم اس نالائق وبد اصل کے ساتھ جو کہ بغیر استحقاق معاونت وسروری سے کھڑا ہو گیا، اٹھنا بیٹھنا کریں تو اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ بزدل اور سب سے زیادہ ضعیف ہو جائیں گے۔ سبحان اللہ۔ احادیث نفس ہمیشہ ہمارا گریبان پکڑے رہتی ہیں اور ہمیں خواہشات سے باز رکھتی ہیں اور آج چاہتی ہیں کہ ہمیں اس سے دور کر دیں۔ شاہ وحدت رسوا کرتا ہے کہ اس کی تیاری میں ہم نے معاونت کی ہے۔ اور اپنے پردوں سے باہر نہیں آتا کہ ہمیں اس کی فنا میں بھیج دے۔ ہمیں اپنے مرنے کی اس رسوائی کے غم سے آسانی

فراہم کرتا ہے۔ ہم ایک خنجر مار لیتے ہیں اور اپنے حلقوم کو کاٹ لیتے ہیں یہ گنوار پن غیر معلوم النسب قبیح الحسب کیسی بلا ہوتی ہے کہ ہمیں اس بلا میں مبتلا کیا جا سکتا ہے کہ ہم اٹھیں اور وہی کریں جو فرہاد نے کیا تھا کہ خنجر اپنے گلے پر رکھیں اور ایک خنجر اس ملحد کے سینہ میں پیوست کر دیں کہ ہم دوبارہ اس خجالت کا بار نہ اٹھائیں۔ اور نہ یہ مردود وکافر کیش رہے۔ اور شاہ وحدت بھی کہ جیسا اس کو جلال وکمال زیب دیتا ہے، تخت پر بیٹھے اور بادشاہی کرے

من و تو گر فدا شدیم چہ باک

غرض اندر میاں سلامت اوست

"اگر میں اور تم فنا ہو جائیں تو کیا حرج ہے، غرض تو اس کی سلامتی ہے۔"

جو شخص اپنے آپ سے ہاتھ دھو لیتا ہے اور عدم کی راہ اختیار کر لیتا ہے، اس کی آرزو ہوتی ہے کہ خدایا میرا نہ رہنا رہنے سے بہتر ہے۔ کاش کہ اس طرح ہو جائے کہ نہ علم کی تدبیر ہم تک پہنچتی ہے اور نہ ہی خیر کی گولی ہم تک پہنچتی ہے۔ اس شئے کی تیاری کی امید کرتا ہوں، جو نہ اس کے ساتھ ہے نہ اس سے قبل اور نہ اس کے بعد ہے۔ اس کو یہ احادیث نفس کیا پھسلائیں گی اور کون سی محبت اس کے دل میں جگہ بنائے گی جس رکاوٹ کے مقابلہ میں مضمحل ہونے کی وجہ سے طبیعت میں جوش پیدا ہوتا ہے، وہ بھی حدیث نفس ہے۔ جب ہم اپنے آپ سے ہاتھ دھو لیتے ہیں اور عدم کی راہ اختیار کر لیتے ہیں، اور کوئی چیز ہمارے نزدیک اپنے نفس سے زیادہ بغض وعداوت والی نہیں رہتی کہ شاہ وحدت کا شوق ہم پر غالب آ جاتا ہے اور ہمیں اپنے آپ سے لے جاتا ہے اور ہمارا گریبان پکڑ لیتا ہے، کبھی زمین پر اور کبھی آسمان پر طاقت ور بناتا ہے، یہ حدیث نفس کیا ہوتی ہے۔ عقل تصدیق نہیں کرتی کہ وہ ہمارے عزم کی صحت کے نزدیک منع کر سکتی ہے یا اس میں رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں

ہمیں ترسم کہ حافظ محو گردد

کہ شور سخت در سردارم امشب

"میں اس سے ڈرتا ہوں کہ حافظ گم ہو جائے، کہ آج رات میرے سر میں سخت شور ہے۔"

شاہ راہ بیخودی راہم رہی درکار نیست

می بیاید از وجود خود نظر پوشید ورفت

"شاہ راہ بے خودی کو کسی ہم راہی کی ضرورت نہیں ہے، چاہیے کہ اپنے وجود سے نظر کو چھپالے اور چلا جائے۔"

قلم حد سے گزر گیا اور جو کچھ رطب ویابس تھا اس نے کہہ دیا۔ سارے کلام کا حاصل یہ ہے کہ یہ سفر دوسرے سفروں کی طرح نہیں ہے بلکہ اس کی شان سب سے بڑی ہے۔ اور خواہشات کو ختم کرنے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، جس میں کوئی شوق رکھنے والا امتیاز نہیں کرتا۔

۱۶۸- تفہیم:

ایک ساتھی کو اہم وصیت

اگر کوئی شخص بیعت کی نیت سے آئے تو تاخیر نہ کریں اور اگر کسی شغل کا متلاشی ہو تو تاخیر تجویز کریں۔ کہا گیا ہے لکل شئی آفة وللعلم آفات "ہر شئے کے لیے ایک آفت ہے اور علم کے لیے بہت سی آفتیں ہیں"۔ رات اور دن میں قریب چار گھڑی وقت ایسا چاہیے کہ اس میں اپنے نفس میں مشغول ہوں اور اس کو ازدہام خلق اور بکثرت بولنے سے بھی دور رکھنا چاہیے۔ اور اس وقت میں پوری قوت سے متوجہ ہو کر اپنے کام کی سعی کریں۔ اور ایک وقت تعلیم علم کے لیے ہونا چاہیے۔ اور ایک وقت اہل شوق کے قلوب ہیئت وجدانیہ کے القا کے لیے ہونا چاہیے۔ اور ایک وقت ایسا چاہیے کہ اس میں آمد ورفت کرنے والوں سے بات چیت کی جائے۔ اور ان کی خاطر تواضع کی کوشش کریں۔ اور جو شخص خلق اللہ کی دعوت کے مقام پر بیٹھے اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں تو اس کو وہی کرنا چاہیے جو انبیاء علیہم السلام نے کیا۔ اس لیے کہ وہ اس مقام پر ان کا مقلد ہے اور ان کے پیچھے چلنے والا ہے۔ اس کو لازمی طور پر پانچ خصلتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں اور اگر ان میں سے ایک خصلت کو بھی ترک کرتا ہے تو یہ حرارت کی صورت ہے۔ ایک علوم دینیہ کی تعلیم۔ دوسرے امر معروف ونہی منکر، نرمی اور سہولت سے، سختی وتندی سے نہیں۔ تیسرے سب پر شفقت کرنا، دینی امور سے نابلد افراد سے خاص طور پر، ہر ایک کی قدر کو پہچانتے ہوئے ان کی استعداد کے مطابق۔ اور یہ ممکن ہے کہ ناسمجھ آدمی نرم گفتاری جیسی باتوں سے خوش ہوتا ہے۔ دینی مزاج رکھنے والوں کی زیادہ تعظیم کریں۔ چوتھے لوگوں سے کوئی لالچ نہ رکھنا اور ان کے معاملات میں بالکل مداخلت نہ کرنا۔

پانچویں اگر استطاعت رکھتا ہو، اس کے ذریعہ بر آنے والے مسافر اور علم سلوک کے طلب گاروں کی تواضع اور ان کی مدد کرے اور احباب ہم خیال ہوں تو ان کو ان کے حق میں تواضع کی ترغیب دینا۔ "الدال علی الخیر کفاعله" "خیر کی طرف رہنمائی کرنے والا اس کے کرنے والے کی مانند ہے۔" اللہ آپ کو صراط مستقیم پر قائم رکھے۔

۱۶۹- **تفہیم:**

جہاد کی عظیم انواع

جان لو کہ جہاد کی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں سب سے اعظم لوگوں کی ظاہراً اور باطناً رہنمائی کرنا ہے اور خود کو اس پر فخر و مباہات کرنے سے باز رکھنا ہے۔ یہ وہ عمل ہے جس کے لیے تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث کیا گیا۔ اور ہر جہاد میں شدت کے ساتھ صبر کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد نصرت حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے: إنا لننصر رسلنا "ہم اپنے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔"

گویند سنگ لعل شود در مقام صبر
آرے شود ولیک بخون جگر شود

"کہتے ہیں کہ صبر کے مقام میں پتھر لعل گوہر ہو جاتا ہے، ہاں ہو جاتا ہے لیکن خون جگر سے ہوتا ہے۔"

اور لوگوں کے ساتھ دو شرطوں پر صحبت اختیار کرے۔ اول یہ کہ ان سے اور جو کچھ ان کے پاس ہے، اس سے کوئی لالچ نہ رکھے۔ انشاء اللہ تمہیں ان سے وہ کچھ حاصل ہو جائے گا جس سے تمہاری ضرورتیں پوری ہو جائیں گی۔ اور تمہاری طرف سے کسی عزم کے بغیر اس کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ اور دوسرے یہ کہ ہر ایک کے لیے خواہ کوئی متمول اور فقیر اور صاحب جاہ و منزلت یا میدان عرفان کا خاص ہو، خیر خواہی، نصیحت، انبساط اور حسن خلق سے کام لے۔ ان میں سے ہر ایک کا ایک مرتبہ ہے۔ اور جو اس کے بعد تم سے دشمنی رکھے وہ خبیث النفس ظالم ہے۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون "جن لوگوں نے ظلم کیا ہے، وہ جلدی ہی جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ لیٹتے ہیں اور ان کا کیا انجام ہوگا۔"

۱۷۰- تفہیم:

لوگوں کی رہنمائی کے لیے طریق خاص کی تلقین

جب تم رات کو اٹھو تو وضو کرو اور دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھو، پھر قبلہ کی طرف رخ کر کے بیٹھ جاؤ اور اس نواح کے لوگوں کی ضرورتوں اور غفلتوں کو اپنی نظروں کے سامنے لاؤ، پھر اللہ کی طرف متوجہ ہو اور ستر (۷۰) مرتبہ "یا ہادی" کہو یا جتنی بار کہنے کے لیے تمہارا نفس اس طرف راغب رہے۔ پھر اللہ سے ان کی ہدایت میں سکینہ کا سوال کرو۔ تمہیں ہر رات ایسا کرتے ہوئے ایک مہینہ نہیں گزرے گا کہ تم پر اور ان پر سکینہ نازل ہو جائے گی اور یہ عارفین کے اسرار میں سے ہے۔ ان کو مت چھوڑنا۔ میں نے تمہیں اللہ کے اذن اور اس کی توفیق سے ایک بار اعطاء روحانی کے طور پر وہ سب کچھ اجمالاً عطا کر دیا ہے جس کی تمہیں ہدایت وارشاد میں ضرورت ہے۔ البتہ تفصیل وقتاً فوقتاً انشاء اللہ ظاہر ہوتی رہے گی۔

اور جان لو کہ امر کے خارج میں پائے جانے سے قبل تعارف کی طرف توجہ کے تین مراتب ہیں۔ اول یہ کہ تم اپنے نفس کو ہر علم سے خالی کر لو اور اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہوئے اس کے سامنے اس انتظار میں بیٹھو جس کو اللہ اس واقعہ میں کھولے۔ پھر جب تم پر کوئی غیبی امر ظاہر ہو، خواہ بیداری کے عالم میں ہی ہو تو یہ دیکھو کہ تم اپنے دل میں کیا پاتے ہو، تو جب بھی یقین بدیہی پاؤ تو حکم لگاؤ کہ یہ الہام ہے۔ دوسرے یہ کہ سورۃ الشمس، اللیل اور والتین ہر ایک کو سات (۷) مرتبہ پڑھو۔ پھر اللہ کی طرف متوجہ ہو اور پاک حالت میں خالی قلب کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے سو جاؤ، پھر جو بھی خواب میں دیکھو اس پر حکم لگاؤ۔ تیسرے یہ کہ پاکی اختیار کرو، پھر اس واقعہ میں اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ قرآن کریم کھولو اور دونوں صفحات میں اسم الذات شمار کرو کہ کتنے ہیں۔ اسی گنتی کے مطابق ورق پلٹو۔ مزید تین ورق پلٹو، پھر ان صفحات کے برابر سطور کی گنتی کرو۔ اب کون سی آیت نکلی، اس کا تعلق اپنے واقعہ سے جوڑو اور اس پر حکم لگاؤ۔ اگر علم یقینی حاصل نہ ہو اور ظن وگمان باقی رہ جائے تو اس کے ساتھ خواب اور فال ملاؤ۔ اب جس امر کے بارے میں ٹھانو، اس پر حکم لگاؤ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب قدر کے باب میں فرمایا: مجھے تمہارے خواب دکھائے گئے۔ عشرۂ آخر پر طے ہو گیا اور اذان میں فرمایا یہ رویائے حق ہیں۔

اور یہ جان لو کہ جمع ہمت کے دو مرتبے ہیں۔ اول یہ کہ ان مراتب مذکورہ میں سے ایک کو پہچانے کہ معاملہ ہونے والا ہے یا نہیں۔ جب تم پہچان لو کہ ہونے والا ہے، اگرچہ مشکل ہی سے سہی تو اکیلے خالی ذہن وقلب ہو کر بیٹھ جاؤ اور اللہ سبحانہ سے سوال کرو کہ جو تم چاہتے ہو، وہ کر دے۔ سوال کے بعد سوال کرتے رہو حتیٰ کہ تمہارے اوپر طلب غالب آ جائے تو ایسے ہو جاؤ جیسے پانی کی طلب میں پیاسا ہوا کرتا ہے۔ گویا کہ اس کے سوا تم نے کچھ اور طلب نہیں کیا اور تمہارے دل میں اس کے عدم وقوع کا احتمال بھی پیدا نہ ہو۔ اگر تم نے چند بار ایسا کر لیا تو امر ایسا ہی ہو جائے گا جیسا تم نے چاہا ہے، انشاء اللہ۔ اور جس کے بارے میں تم نے سمجھ لیا کہ یہ ہونے والا نہیں ہے تو اس میں تحکومت۔ کام بڑی مشقت سے ہی ہو سکتا ہے۔

دوسرے اسماء اللہ تعالیٰ الحسنیٰ سے وہ طلب کرو جو تمہاری مراد کے موافق ہو جیسے رزق طلب کرنا ہو تو کہو "یا رزاق" اور لڑکا طلب کرنا ہو تو "یا باریٔ یا مصور" کہو۔ اتنی بار پڑھو کہ تمہارے اوپر اس اسم کی معرفت کا انکشاف ہو جائے جیسے تمام مرزوقات میں اور جس کو اس نے روشن کیا ہو، سریان الدم کی طرح۔ پھر جب انکشاف ہو جائے تو گویا کہ معاملہ تمہاری مراد کے مطابق ہی ہونے والا ہے۔

۱۷۱- تفہیم:

حجاب کو وہم سے ڈھانپنا اور اس کا علاج

لکھتے ہیں کہ بعض احباب بھرپور طریقہ سے اشغال انجام دیتے ہیں لیکن انہیں ان کی لذت حاصل نہیں ہوتی۔ روزمرہ کے وظیفہ داروں کو جاننا چاہیے کہ لوگ جبلت میں یکساں نہیں ہوتے۔ ان میں سے بعض فطرت کے لحاظ سے وہم کے پردوں میں پوشیدہ رہتے ہیں۔ اس طبقہ کا علاج یہ ہے کہ ان کے حق میں توجہ الی اللہ کو وہم سے مخلوط کیا جانا چاہیے۔ مثلاً اپنے دل کو خالص چاندی کا ایک حصہ فرض کریں اور اس کے اوپر سفید گل صنوبر رکھیں اور اس پر کلمہ اللہ خط جلی سے سونے سے لکھیں۔ اور اس نقشہ کو قطروں کے سامنے لانے کی کوشش کریں۔ کوئی بعید نہیں ہے کہ اس شغل کے القا کے وقت میں ان کا نسمہ توجہ کرے۔ اس کا پوری طاقت کے ساتھ مقابلہ کریں یا لفظ لا کو زیر ناف سے نکالیں کہ وہ خالص چاندی کی صورت میں ایک نور

ہے، اور اس کو ام الدماغ تک کھینچیں، اور پھر قلب پر اس کی ضرب ماریں، اور پھر ناف پر پہنچائیں، یعنی الا اللہ کے اشباع کو۔ اور چاندی کے اس دائرہ کو جانو کہ جو تمہارا احاطہ کرنے والا ہے، اور تمہارا دل وسینہ اس کے اندر ہے۔ اور اس دائرہ سے شعاعیں تمہارے قلب وسینہ پر پڑ رہی ہیں۔ اور شغل کا کمال یہ ہے کہ مرکز اور احاطہ کرنے والا دائرہ سورج یا چاند کی شکل میں ایک ہو جائے۔ یا جب تم میرے مقابل میں بیٹھتے ہو میری آنکھوں سے ایک سفید نور نکلتا ہے اور زمین میں منتشر ہوتا ہے، اسے اور کوئی نہیں جانتا، تم اس نور کی طرف متوجہ ہو" **وعلی هذا القياس والعاقل تكفيه الاشاره**"

۱۷۲- تفہیم:

فرائض کے قرب کے کمال کا بیان

فرائض کے قرب کا کمال یہ ہے کہ نفس ناطقہ اور نسمہ سے تجلی قائم کی شعاعیں عین خارجیہ پر ضرب لگاتی ہیں۔ ان سے میری مراد وہ پہلی شئے ہے جو خارج میں نکلتی ہے۔ پھر ان دونوں سے آثار حقانیہ ظاہر ہوتے ہیں جیسا کہ عین میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور جب حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر قرب مکمل ہو گیا۔ اور اس کے آثار ان کی نسمہ میں ظاہر ہو گئے، تو اس کے لیے کمالات قدسیہ ہوئے۔ جن کا اکتساب کیا گیا۔ اور جب وہ نصاب کمال کو پہنچ گئے، انہوں نے حس مثالی کی شکل اختیار کر لی۔ اس کی یہ روح الٰہی ہے، اور چونکہ آپ کی نسمہ ناریۃ المزاج تھی تو اس کے لیے آگ کی صورت اختیار کرنا ہی مناسب تھا۔

۱۷۳- تفہیم:

عالم مثال کے دو مرتبے

عالم مثال کے دو مرتبے ہیں۔ ایک جو عالم ارواح سے قریب ہے۔ اور اس میں معاملہ متخیلات ومتوہمات کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور دوسرے جو عالم اجسام سے قریب ہے، عرف عام میں اسے جسد کہا جاتا ہے۔ اور اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آگ کا ظہور ہوا۔ اور مرتبۂ اولیٰ کی حقیقت یہ ہے کہ عرش کا تخیل اس کے لیے مکان خاص میں اس کے ساتھ مخصوص نہیں

ہے۔اور مرتبہ ثانیہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ پانی کو قوت مقدسہ کے ساتھ عرش کے تخیل کے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔اور پانی میں اعلیٰ موجودات کی اصل ہے۔عناصر کی یہ نوع نہیں۔فتدبر۔

۱۷۴-تفہیم:

حال عین اور اس کے کمال کی وضاحت

ہم تمہارے لیے ایک مثال بیان کرتے ہیں۔اس سے حال عین اور اس کے کمال کی وضاحت ہو جائے گی۔عین فوارہ کے مشابہ ہے تو جس طرح اس سے پانی نکلتا ہے اور اس وقت اس کی کوئی شکل متعین نہیں کی جا سکتی۔اسی طرح وجود،عین سے نکلتا ہے اور اس میں کسی امر کا امتیاز نہیں کیا جا سکتا۔اور جب فوارہ پر مسدس یا مربع آلہ رکھ دیا جاتا ہے تو پانی کی چھ یا چار شکلیں ہو جاتی ہیں۔اور اس طرح جب حق سے نفس کا تعین ہو جاتا ہے تو وہ اس کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔اور نفس دو شکلوں والی جبلت ہے۔اس کی دو صورتوں میں سے ایک شعور اور بیداری اور دوسری قوام۔اور اس کا اس متنفس عالم کے امور سے کوئی امر ہوتا ہے۔پھر جب نفس کی طرف متوجہ فیض نازل ہوتا ہے تو اس کی دو جہت ہوتی ہیں۔ایک جہت علم اور دوسری جہت حال۔چنانچہ جب اللہ سبحانہ اپنے کسی بندہ کی عین میں تجلی فرماتے ہیں تو حقانیت اس کے علم اور اس کے حال میں چلتی ہے۔تب اس کا قول شفا اور عمل دوا ہو جاتا ہے۔

۱۷۵-تفہیم:

قول اور خبر وغیرہ کی تحقیق

قول،خبر،خطب،امر،بنا اور صدق بہتان یہ سب لغت میں الفاظ کے نام ہیں۔لیکن عرف ان کو افعال کے مقابلہ میں رکھتا ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کے قول"بما کنتم تافکون، بما کنتم تعملون" کے معنی قولی و عملی قبائح ہیں۔

۱۷۶-تفہیم:

وعظ کے صیغوں کا بیان

وعظ کے کچھ صیغے ہیں۔ان میں کچھ تشنیع (برا کہنا اور لعنت وملامت کرنا) اور کچھ تنویہ

(تعریف وتعظیم) ہیں۔اوران میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی آیات کاان کی مصلحت، بشارت وانذار کا بیان ہے۔ان میں اللہ سبحانہ کے ذکر سے دعویٰ کی تاکیداوراس کے حوالہ کرنا ہے،اوران میں نافع اورشہید، گواہ یاثبوت میں پیش کیے جانے والے قصے ہیں۔اگر چہ لغت میں وہ ہوتے ہیں جو دعویٰ کی تصدیق کرتے ہیں تو عرف اس کو حکم کے لیے بھی بنا تا ہے۔اسی قبیل سے یہ ہے "قل الله شهيد بيني وبينكم" اورارشادباری شهداؤكم یعنی خبرہ اورتجربہ والے ہیں۔

۱۷۷- تفہیم:

مسئلہ کی صورت اوراس کا حکم

مسئلہ کی ایک صورت وضع کی جاتی ہےاوراس پرکوئی حکم لگایا جاتا ہےتا کہ تعلیم آسان اور ذہن نشین ہوجائے۔اسی قبیل سے آیت 'ووصينا الإنسان' ہےتو جس سے مسئلہ کی صورت اوراس پرحکم قائم ہوااس کے علاوہ نہیں۔اوراللہ تعالیٰ کے قول "ولما ضرب ابن مريم مثلاً" کا معنی ہمارے نزدیک واللہ اعلم یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم پر جمہور عوام متفق ہوگئے اورمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کوالوہیت کے درجہ سے معزول کردیا تو جب اس طرح کے معاملات میں جرأت ودلیری سے کام لیا تو ہمارے معبود(یعنی کفاریا یہود کے معبود) ان کے سب وشتم کے لیے جرأت کے سلسلہ میں زیادہ مستحق ہیں۔یہاں ان کے کلام کا حاصل تشنیع ہے۔

۱۷۸- تفہیم:

دعااوروہ کہاں نفع دیتی ہے

دعاءکون وفساد کے اسباب میں سے ہے۔لیکن یہاں ایک امردقیق پایا جاتا ہےاور وہ یہ ہے کہ وہ ان امور میں نفع دیتی ہے جوتقدیر مبرم سے متعلق نہیں ہوتے۔اور جوامور مبرم ہوتے ہیں ان میں نفع نہیں دیتی۔اورابراہیم علیہ السلام کی دعاان کے والد کے سلسلہ میں اور نوح علیہ السلام کی دعاءان کے بیٹے کے سلسلہ میں قبول نہیں ہوئی،اس لیے کہ ان دونوں کا کفر امرمبرم تھا۔اورصالح علیہ السلام کی بددعاان کی قوم کے سلسلہ میں اس وقت تک قبول نہیں ہوئی جب تک کہ ان کی خطائیں آسمان کی بلندیوں پر نہیں پہنچ گئیں۔

۱۷۹- **تفہیم:**

وجاہت کا مسمیٰ کیا ہے؟

جس شئے کا نام وجاہت رکھا جاتا ہے، وہ حکمت کا زمانہ ہے۔ بعینہٖ اسی محدثیت کے زمانہ سے اسم حادث ہے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ تجلی الٰہی اپنی وسعت سے پہلے صاحب تجلی کے نزدیک جذب، قبول اور الفت کی صورت میں متصور ہوتی ہے۔

۱۸۰- **تفہیم:**

حقیقت مطلقہ سے خطاب فقط مخاطب تک اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس کا رجوع غیر کے لیے بھی ممکن ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول والضحیٰ میں ہوا

جان لو کہ اللہ تعالیٰ جب اس حقیقت مطلقہ کو خطاب فرماتا ہے جو پوری طرح عاری اور وسیع الکمال ہو، تو یہ خطاب فقط اس تک محدود نہیں رہتا۔ بلکہ اس کی طرف اور اس کے بطن میں تیار جنین کی قسم سے جو کچھ ہوتا ہے، اس کی طرف بھی متوجہ ہوتا ہے جیسا کہ جب اونٹنی فروخت یا ہبہ کی جاتی ہے، تو اس کے پیٹ میں جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی اس میں داخل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حقیقت جامعہ محمدیہ علیہا الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: والضحیٰ واللیل إذا سجی، ما ودعک ربک وما قلی "قسم ہے روز روشن کی اور رات کی جب کہ وہ سکون کے ساتھ طاری ہو جائے۔ (اے نبی!) تمہارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا"۔ تو یہ خطاب آپ کی امت میں سے ایک محدث کی طرف راجع ہوا۔ چنانچہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میرا نفس ہے، آپ کے رب نے آپ کو کبھی بھی نہیں چھوڑا اور نہ ہی وہ آپ سے ناراض ہوا۔ اور اس نے آپ کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو اس کی مشابہت کے لحاظ سے آپ کے ماں وباپ کے لیے زیادہ موزوں اور بہتر تھا۔ اور وہ دونوں اس کے بہترین بندے تھے۔ آپ کے وجود اور آپ کے کمال کے لحاظ سے ان خوابوں میں جو آپ کو دکھائے گئے۔ پھر آپ

کی بہترین تربیت کی جو کہ اس نے اپنے کسی بندہ کی کی تھی۔ یہاں تک کہ آپ مقام استحکام پر پہنچ گئے۔ تب آپ کو حکمت و وجاہت عطا فرمائیں، پھر آپ کو اس مقام تک ترقی عطا فرمائی جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی کسی کان نے سنا۔ اور فرمایا وللآخرة خیر لک من الاولیٰ "اور یقیناً تمہارے لیے ہر بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہے۔" چنانچہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ بعد کی جو بھی حالت آئی وہ پہلی والی سے ارفع تھی۔ پھر آپ سے وعدہ فرمایا کہ آپ کو مقام رفیع پر فائز فرما دے گا کہ زبانیں آپ کی نعت سے عاجز آ جائیں گی۔ اس کے لیے فرمایا: ولسوف یعطیک ربک فترضی "اور عنقریب تمہارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے"۔ اور پھر فرمایا: الم یجدک یتیما فاوی "کیا اس نے تمہیں یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانہ فراہم کیا؟" کیوں نہیں! اے میرے رب! تو نے آپ کو یتیم پایا، حتیٰ کہ آپ کے والد وفات پا گئے اور آپ نہ ہی ظاہر کے لحاظ سے اور نہ ہی باطن کے لحاظ سے لوگوں کے مقام کو پہنچے تھے تو تو نے اپنے فضل سے آپ کو پالا۔ آپ کی تربیت فرمائی اور تو نے آپ کو ہر اس شئے اور عمل سے محفوظ رکھا جو حال اور علم کے لحاظ سے آپ کے لائق نہیں تھا۔ "فلک الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ" اور فرمایا ووجدک ضالاً فھدی "اور تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی"۔ ہاں! اے میرے رب! آپ اپنے رب سے ناواقف تھے پھر تو نے محض اپنے فضل سے آپ کو عصمت و حکمت اور وجاہت عطا فرمائی۔ پھر تو نے دوبارہ آپ کو تحدیث اور صلاح عطا فرمائی۔ اور آپ کی تائید روح القدس کے ذریعہ فرمائی تو کس زبان سے آپ تیری تعریف کر سکتے ہیں۔

ولو ان لی فی کل منبت شعرة
لسانا لما استوفیت واجب حمدکم

"اگر میرے ہر بال کے اگنے کی جگہ زبان ہو تب بھی میں تمہاری حمد کا حق ادا نہیں کر سکتا۔"

اور فرمایا ووجدک عائلاً فاغنی "اور تمہیں نادار پایا پھر مالدار کر دیا"۔ یہ وعدہ ہے جو آپ کے رب نے آپ سے کیا۔ واللہ لا یخلف المیعاد "وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا"۔ فاما الیتیم فلا تقھر "یتیم پر سختی نہ کرنا"۔ اور اللہ کی قسم! آپ نے تیری عصمت کی وجہ سے کبھی کسی یتیم پر سختی نہ کی۔ اور انشاء اللہ تیری تائید کی مہربانی سے آئندہ بھی کبھی سختی نہ فرمائیں گے۔ واما

السائل فلا تنھر "اور سائل کو نہ جھڑکنا۔" اور اللہ کی قسم! آپ نے کبھی بھی کسی سائل کو نہیں جھڑکا۔ اور انشاء اللہ آئندہ بھی ہرگز نہیں جھڑکیں گے۔ واما بنعمة ربک فحدث "اور اپنے رب کی نعمت کا اظہار کرو۔" کیا جو کچھ آپ نے فرمایا وہ تیری نعمت کا بیان نہیں ہے؟

شکر لطف تو چمن چوں کند اے ابر بہار
کہ اگر خار وگر گل ہمہ پروردۂ تست

"اے ابر بہار تیرے لطف وکرم کا شکر، چمن کس طرح ادا کر سکتا ہے کہ خار ہو یا گل سب تو تیرے ہی پروردہ ہیں۔"

۱۸۱-تفہیم

قول باری تعالیٰ الم نشرح لک صدرک الخ اورخطاب ماضی کے صیغے سے ہے

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الم نشرح لک صدرک "کیا ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لیے کھول نہیں دیا!" کیوں نہیں؟ اے میرے رب! تو نے آپ کا سینہ اولا حکمت سے اور دوبارہ محدثیت سے کھول دیا۔ تیری ثنا کوئی اس طرح نہیں کر سکتا جیسا کہ تو نے خود کی ہے۔ ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک "اور ہم نے تم پر سے وہ بھاری بوجھ اتار دیا جو تمہاری کمر توڑے ڈال رہا تھا۔" ہاں! اے میرے رب! آپ کی عصمت یہ ہے کہ اپنی ساری عمر بہت زیادہ میل جول اور استقلال سے کام لیا اور جس سختی وتنگی نے بھی آپ کو گھیرا، تو نے اس میں کشادگی پیدا فرمادی، اور اس سے نکلنے کا راستہ پیدا فرمایا: لک الحمد حمداً یوافی نعمک ویکافی کرمک "تیرے ہی لیے حمد ہے جو تیری نعمتوں کے مطابق ہو اور تیرے کرم کے برابر ہو۔ ورفعنا لک ذکرک "اور تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا۔" تو نے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔ جب تو نے آپ کو اپنے برگزیدہ بندوں کے خطاب میں شامل فرمادیا: فان مع العسر یسراً ان مع العسر یسراً "بیشک تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔ بیشک تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔" آپ سے آپ کے رب عزوجل

نے وعدہ فرمایا کہ آپ کو انانیت کی تنگی سے اپنے انوار محمدیہ وعیسویہ کی طرف نکال دے گا۔ چنانچہ ایک تنگی دو فراخیوں کے ساتھ قبول کی گئی۔ فإذا فرغت فانصب "لہٰذا جب تم فارغ ہو تو عبادت کی مشقت میں لگ جاؤ۔" ہاں جب آپ فراخی کے لیے تنگی کا مقابلہ کرنے سے فارغ اور فراخی میں ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی مضمحل ہو گئے تو عنقریب آپ کا رخ تیری ہی طرف ہوگا۔ اور آپ کا قلب تیرے ہی پاس ہوگا۔ اس وقت آپ کا قلب اور قالب تیرے ہی لیے قائم ہوں گے اور آپ پورے کے پورے تیرے ہی لیے ہوں گے۔ والی ربک فارغب "اور اپنے رب ہی کی طرف راغب ہو۔" عنقریب تیری ہی طرف رغبت ہوگی، اور تجھ سے ہی ڈر و خوف ہوگا، تجھ سے، تیرے ہی لیے سب کچھ ہوگا۔ اس وقت تیری نعمت آپ پر تام ہو جائے گی۔

۱۸۲- تفہیم:

محدث اور مقرب کا ذکر

محدث وتخلوق جب نصاب کمال کو پہنچ جاتا ہے اور اس اسم کے مقتضی میں مضمحل ہو جاتا ہے جو کہ اس کے قلب میں چمکتا ہے اور اس میں دو جامع اسموں کے نور کا عکس ظاہر ہوتا ہے، تو وہ افق کمال کے لیے سادہ اور اقلیم قرب کو ڈھانپنے والا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد مقرب نہیں پایا جاتا اور محدث کی اس کی ظاہری و باطنی تربیت میں اور اس کے اوپر زمانہ کے معنیٰ میں دخل ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو جائیں۔

۱۸۳- تفہیم:

قول باری تعالیٰ "وجعلنا فی الأرض رواسی...الخ" کے معنی

اللہ تعالیٰ کے قول وجعلنا فی الأرض رواسی ان تمید بھم "اور ہم نے زمین میں مضبوط پہاڑ بنائے کہ وہ تمہارے ساتھ نہ ہلے" اور اس کا قول ہے والجبال اوتاداً "اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا۔" ان کے معنی ہمارے نزدیک یہ ہیں کہ تنہا زمین ان کے مصالح کے لیے موزوں نہیں ہو سکتی۔ ایسی صورت میں اس میں قلعے محلات مضبوط مکانات اور

مستحکم قصروں کا بنانا، پہاڑوں کے اجزاء کے استعمال کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا۔ اور جب ان کو سیلاب گھیر لیتا ہے، یا دشمن سے خوف لاحق ہوتا ہے، تو ان کے لیے پہاڑوں کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں ہوتی۔ اس طرح اللہ نے اس کے لیے دو مثالیں دیں۔ چنانچہ فرمایا کہ زمین ان کے ساتھ حرکت کرتی ہے یعنی حرکت کرتی ہے اور ان کے مصالح کا ساتھ نہیں دیتی۔ اور فرمایا والجبال اوتادا "تو جس طرح خیموں کو میخوں کے بغیر نہیں گاڑا جا سکتا اسی طرح زمین پہاڑوں کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے۔ تو وہ مستقبل کے لحاظ سے ہے۔

۱۸۴- تفہیم:

امر مجرد اور اس کے متعلقات میل جول اور استقرار کا بیان

حکما، ذوق سے جو کچھ جانتے ہیں وہ حق ہے۔ اس میں باطل کی آمیزش نہیں ہوتی۔ البتہ یہاں ایک دقیق امر ہے اور وہ یہ کہ امر بسیط حکماء پر ان کے ایمان کی طرف سے ظاہر ہوتا ہے اور مناسب میل جول سے مجرد اور صورتوں سے عاری ہوتا ہے۔ پھر اس کا تصور کیا جاتا ہے اور ان کے مدارک وہوا میں علوم کی ایک صورت بنتی ہے، جو ان کے نزدیک شکل اختیار کرتی ہے۔ اور مثالیں ہوتی ہیں۔ جو ان کے لیے ان کا علم تیار کرتا ہے۔ امر مجرد بہر حال حق ہے اور وہ متناسب و متعلق زمانوں، عادات اور مدارک کے اختلاف سے مختلف ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض دوسروں سے زیادہ حق، زیادہ لطیف اور زیادہ فصیح ہوتے ہیں۔ ہم اللہ کی حکمت والے لوگ امور مجردہ میں اختلاف نہیں کرتے۔ اختلاف صرف متعلقات میں ہوتا ہے۔

ہم امر مجرد اور اس کے متعلقات کے لیے ایک مثال بیان کرتے ہیں جس سے اس کے بھید کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔ کیا ہمارا قول اجتماع نقیضین ممتنع ہے یا شریک باری ممتنع صادق ہے۔ اس کے صادق ہونے پر دانائی دلالت کرتی ہے۔ پھر اس بارے میں ان کے اوپر تشکیک وارد ہوئی کہ ممتنع وہ ہے جس کا کوئی وجود نہ ذہنا ہو، نہ خارجا۔ اور قضیہ موجبہ اس کے موضوع کے وجود کا تقاضہ کرتا ہے۔ اور اس قضیہ میں حکم حقیقی مطلق لگایا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ محمول کے لیے نفس امر نہیں موضوع کے لیے خطاب ہے۔ اور نفس امر میں اس

قضیہ کا صادق ہونا عدم اختلاط کا تقاضہ کرتا ہے۔ اس لیے کہ ممتنع جس سے وہ ممتنع ہوتا ہے، اس سے خلط ملط نہیں ہوتا۔ اور اس سے خلط ملط ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے وجدان سے رجوع کیا۔ اور اپنی عقل اول سے حکم لگایا تو اس کی متعدد صورتوں کا تصور کیا جاتا ہے چنانچہ ان میں سے بعض کے نزدیک یہ واقع ہوا کہ علم دو قسم کے ہیں۔ ایک علم نبی اور دوسرے علم غیر نبی۔ اور دوسرا علم امتناع کے تقاضہ سے متصادم نہیں ہوتا۔

اور ان میں سے بعض کے نزدیک یہ واقع ہوا کہ یہ موضوع موجود کے جزئیات کا ایک امر ہے، لیکن ذہن اس کو ممتنع کے مقابلہ میں کر دیتا ہے تا کہ اس کے ذریعہ اس کے حکم کو پہچانے اور اسی طرح محمول کا حال ہے جو دو موجودوں میں مخلوط ہے۔ اور ان دونوں سے دونوں ممتنع کا حکم پہچانا جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "مِنْ" ایک حرف ہے اور ان میں سے بعض کے نزدیک یہ واقع ہوا کہ یہ حکم سلبی ہے، ایجابی نہیں ہے۔ اور بالجملہ امر واحد بسیط ہے۔ جو ہر ذہن میں مرکوز ہے، جس کا تصور متعدد صورتوں میں کیا جاتا ہے۔

دم بدم گر شود لباس بدل
شخص صاحب لباس راچہ خلل

"اگر ہر دم لباس بدلا جاتا رہے، تو صاحب لباس پر اس سے کیا اثر پڑتا ہے۔"

پھر جب حق پھیل گیا اور امر ثابت ہو گیا اور روح القدس سے تائید ہو گئی تو متعلقات کو بھی وہی حق حاصل ہو گیا جیسا کہ پہننے والے کو حاصل ہوا۔ ایسی صورت میں اصلاً کوئی خلط نہیں ہوا۔ اور یہ محدثیت اور اطلاق کے مواقع ہیں۔ اس پر غور کرو اور پہچانو۔

۱۸۵۔ تفہیم:

ایمان اور حکمت، عفت، تفرس اور سکینہ کے درمیان فرق اور ان کے معانی

جان لو کہ کمال جس کی طرف دعوت کے لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا لازمی طور پر وہ ایمان ہے۔ اور ایمان اور حکمت کے درمیان فرق ہے کہ حکمت وہ کمال ہے جو عین خارجی میں راسخ ہے، اور ایمان نسمہ میں کمال ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

انسان کے لیے ایک ہیئت بنائی ہے، جو اس کے ساتھ اس کے بدن میں مختص ہے، جیسے اس کا بادی البشرہ، مستوی القامت، چوڑے ناخن اور گول کاسئہ سر والا ہونا ہے۔

اور اسی طرح اس کی ایک ہیئت اس کے نسمہ سے مختص بنائی ہے۔ اس ہیئت سے عفت ہے جو حکیم میں عصمت کے مد مقابل ہے۔ اس سے میری مراد خلقاً و عملاً شرور میں مبتلا نہ ہونا ہے۔ اور شارع اس کا نام کبھی تقویٰ و صلاح رکھتا ہے اور کبھی ایمان۔ چنانچہ جب کسی قوم کے لیے کہا: "یتقون" تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے لیے یہ خصلت قائم ہوتی ہے اور انہی میں سے تفرس یا فراست، توسم، علم اور عقل ہیں اور یہ حکمت کے مقابلہ میں ہیں۔ ان سے میری مراد ذہن کا آیات سے تیزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے علم کی طرف منتقل ہونا اور ذہن کا واجب الوجود کے اثبات اور انبیاء کی بعثت کی طرف مائل ہونا ہے، اور بعثت جیسا کہ وہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "إن في ذلك لآيات للمتوسمين" اس میں اہل فراست کے لیے نشانیاں ہیں یا "لقوم يعقلون" عقل رکھنے والی قوم کے لیے۔ اس سے یہی خصلت مراد لی ہے۔

اور ان میں سے ایک سکینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وأنزل سكينته على رسوله وعلى المؤمنين "اور اس نے اپنے رسول اور مؤمنوں کے اوپر سکینہ نازل فرمایا۔" اور یہ وجاہت کے مقابلہ میں ہے۔ اس سے میری مراد ہیئت راسخہ ہے جو آدمی کو احکام شرع کی اطاعت پر مجبور کرتی ہے۔ اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من صام رمضان ايماناً واحتساباً "جس نے رمضان کے روزے ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے۔" یہاں آپ نے اپنے اس قول سے اس امر کا اظہار فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے سکینہ کی قوت کے ساتھ اور اس کے اس حال کے غلبہ سے اور اس پر مالکیت سے رکھے۔ اور شریعت ساری انہی تینوں امور کی تفصیل ہے۔ اور لوگ اعمال قبیحہ اور اخلاق رذیلہ میں ملوث ہونے کی وجہ سے ان سے ذہول لاپرواہی وغفلت کر جاتے ہیں۔ اس لیے اللہ سبحانہ نے اپنی کتاب میں آیات، نشانیوں، طرح طرح کے اسلوبوں اور وعظ کے مختلف صیغوں سے ان کو یاد دہانی کرائی ہے۔ تاکہ اس سے ان کی طبیعتیں اس طرف مائل ہو جائیں۔ اور وہ نور چمکنے لگے، جو ان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ اور ہمارے نزدیک ایمان کی اصل احساس کی

رکاوٹوں میں فنا ہونا ہے۔ اور شارع نے اس کے شعبے، اس کی جزئیات اور اس میں رکاوٹ بننے والے امور اور ان کا مقابلہ کرنے سے متعلق تدابیر کو بیان فرمایا۔

۱۸۶- **تفہیم:**

نماز کے اوقات اور ان کے مقرر و مخصوص کرنے کا راز

نبوت نے اولاً انسان کے مزاج کو دیکھا تو پایا کہ وہ دن کے اجالے میں اپنی معاش کے لیے چلے جاتے ہیں۔ اس لیے اسفار، ضحیٰ، چاشت اور ظہر اور عصر اور مغرب کے وقت میں نماز کو مشروع فرمایا۔ اور چونکہ اس کے محل کا وجوب ہو گیا اور اوقات کا تعین محض اندازہ اور تخمینہ پر رکھا گیا۔ اور شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات نے گاؤں اور شہر والوں کی عادات کو مدنظر رکھا تو یہ طے کیا کہ لوگ صبح کی ابتداء سے شفق کے بعد تک بیدار رہیں گے۔ ان کی معاشیات باقی رہیں گی، اس لیے ضحیٰ (چاشت) کو عشاء سے بدل دیا اور وجوب اپنے محل پر پہنچ گیا اور وقت کی تحدید ہو گئی۔

بالجملہ توارث کے لیے اوقات کے تعین میں مکمل دخل ہے اور رمضان کا نام گویا کہ بھوک اور پیاس کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔ اور نہیں جانتا کہ نبوت اولیٰ کے لیے کس نے تیار کیا کہ وہ اس کا سبب بنے۔ اور زکوٰۃ کی تحدیدات شریعت مصطفویہ کے اظہار سے ہوئیں کہ اس سے پہلے اہل دولت و ثروت پر مساکین و یتامیٰ کے لیے غیر محدود حقوق تھے۔ چنانچہ اولاً ذبح کرنے، اونٹوں کے دودھ اور مسافروں کی ضیافت کے بارے میں احکام نازل فرمائے۔ پھر اللہ نے اپنی آیات کو محکم کیا۔

اور ابراہیم علیہ السلام وہ فرد ہیں جس نے مناسک حج میں اس کی بنیاد رکھی تو جو کچھ ان کے مطابق رہا اس کو سنت قرار دیا اور شریعت نے ان کو جاری و ساری رکھا۔ اور ایک کے بعد ایک شارح ان کی تشریح کرتا رہا اور ایک کے بعد ایک ان کی تنقیح کرتا رہا۔ حتیٰ کہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے بہت وضاحت کے ساتھ تشریح فرمائی اور شریعت کو صاف ستھرا بنا کر پیش کیا۔ اس لیے اب کسی کے لیے یہ گنجائش نہیں ہے کہ شرح یا تنقیح کی شکل میں اس پر کوئی اضافہ کرے۔

۱۸۷- تفہیم:

تنقیح کی دو قسمیں ہیں

تنقیح کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مذہب اختیار کرنے والے کی تنقیح۔ اور یہ مجدد کا منصب ہے۔ اور اس کا متعین طور پر سو سال بعد ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ تقریباً کی بات ہے۔ اور ہمارے نزدیک سب سے زیادہ قریبی احتمال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے اعتبار کیا جائے۔ اور یہ جو گمان کیا جاتا ہے کہ اس کا حساب ہجرت کے وقت سے لگایا جاتا ہے جیسا کہ بعض اہل ارشاد کا خیال ہے تو ایسا کچھ نہیں ہے۔ اور ہمارے نزدیک اس کا تعلق کسی بھی دوسرے واقعہ سے نہیں ہے۔ صرف وفات سے تخمینہ کے طور پر ہے۔ اور محدثین کے اوصاف میں سے یہ ہے کہ وہ شریعت کی موضوع اور ضعیف احادیث اور قیاس سے تنقیح کریں۔ اور مندوب اور وجوب، کراہت اور تحریم کو ان کی جگہ پر رکھیں۔

اور دوسری تنقیح ان عادات سے تنقیح ہے جن میں تشریع اور غلبات منعقد ہوتے ہیں۔ اور متشابہات اور ایمان کے مقتضی اور شریعت مصطفویہ سے ایسی تنقیح ہے جس پر اس تنقیح کے لحاظ سے کوئی زیادتی نہیں ہے۔

۱۸۸- تفہیم:

قرب فرائض کے مقامات کی دو قسمیں ہیں

قرب فرائض کے تمام مقامات اتفاقیات سے مشابہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کے اندر ایسا نظام پایا جائے جو اس سے تجاوز نہ کرے اور اس سلسلہ میں قول کلی یہ ہے کہ ان مقامات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اسم حادث کے انتشار کے وقت ظاہر ہوتی ہے حتیٰ کہ اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ اور دوسری اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب روح اور نسمہ اس کی وسعت کے بعد اسم کی شعاعوں پر ضرب لگاتی ہیں۔ ان میں اول جسمانیت کی جدائی اور تذلل کی طرف اس میں نظر ہے۔ اور دوسری خود ان کے نفس کی طرف نظر ہے نہ کہ ان عنایات کی طرف جو ان کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

۱۸۹- **تفہیم:**

الحی القیوم کی تمثیلوں سے نماز

جان لو کہ نماز الحی القیوم کی تمثیلوں میں سے ہے۔ پہلی شکل قیام، رکوع، سجود اور دعا ہے۔ میری مراد ایسا امر کلی ہے جو قیام حقیقی اور اپنی جگہ بیٹھنے اور لیٹنے پر صادق آتی ہے۔ اور اس طرح رکوع اور سجود وہ امر ہے جو حقیقی اور مجازی پر صادق آتا ہے۔ اور دعا وہ ہے جو وقت اور صیغہ کے لحاظ سے عام ہو۔

اور بالجملہ نماز نشاۃ قدیمہ سے واجب ہے۔ یہ امر کلی ہے جو چار امور کلیہ سے مرکب ہے اور ترکیب اول تمثلات سے ہے اور شاید اس سے قبل تمثل بسیط وحدانی ہے۔ اس کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ چنانچہ شارح اس کی تجلی کے مقتضی کے مطابق اس کی تشریح کرتا رہا حتیٰ کہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پائے گئے۔ پھر ان چاروں کلیات کے لیے جزئی صورتیں ظاہر ہوئیں۔ اور ہر جزئی کا وقت پر عین ہے۔ جیسے صحت وتندرستی کی حالت میں سیدھا کھڑا ہونا، اور بیماری کی حالت میں یا سوار ہونے یا نفل نماز میں بیٹھنا، اور شدید مرض یا نفل میں پہلو پر لیٹنا، اور استطاعت کی حالت میں سورۂ فاتحہ دعا ہے، اور امی کے لیے سبحان اللہ والحمد للہ الخ... ہے۔ اور ان چاروں امور سے حق اس کے اصل معنی میں اس کا موکد ہوتا ہے، جیسے رکوع اور سجود میں اطمینان اور شروع کرتے وقت تکبیر اور جیسے قومہ، جلسہ، قعدہ، تشہد اور سلام۔ چنانچہ اولیٰ درجہ اولیٰ میں امور واجبہ ہیں اور دوسرے ثانیا امور واجبہ اور بالعرض ہیں۔ یہ ہمارے قول کی تفسیر ہے۔ شارح نے اس کی شرح کی ہے۔ اور اس طرح روزہ کے اول تمثلات جس نفس ہیں تو پہلے لوگوں نے اس کی شرح کلام اور تمام لذتوں سے رک جانے سے کی اور بعد والے جس کی طرف لوٹے، لوٹے۔ اور زکوٰہ کا ہم نے ذکر کر دیا۔

۱۹۰- **تفہیم:**

صحابہؓ کی قسمیں

صحابہ رضی اللہ عنہم کی قسموں کے سلسلہ میں قول کلی یہ ہے کہ ان میں سے کچھ وہ ہیں جن

کا عین مائل ہوا۔ تو ان کا حظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی عین میں ہے۔ اور یہ وہ ہے جس کا نام ہم نے حکیم رکھا ہے۔ اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کی نسمتہ مائل ہوئی تو وہ وسیع ہوئی۔ چنانچہ آپ کا حظ آپ کی نسمتہ میں ہے۔ اور وہ مومن ہے اور ان میں آپ کے نفس کے پہلو سے نہیں پایا جا سکتا۔ اور وہ اس لیے کہ آپ کی طبیعتوں سے ماخوذ حظ تین قسموں میں تقسیم کرتا ہے اور نفس اس کی وسعت نہیں رکھتا جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔

۱۹۱۔ تفہیم:

ظہور کے مراتب

جان لو کہ ظہور کے کچھ مراتب ہیں اور ہر مرتبہ میں اس کے لحاظ سے حکمتیں ہیں۔ اگر شئے کا اعتبار اس کے مرتبہ سے پہلے کیا جائے تو اس شئے کی جو حقیقت وہ ہے اس سے پوری طرح سلب کر لی جائے گی۔ اور اگر شئے کا اعتبار اس کی مشیئت میقات کے حل سے پہلے اس کے اوصاف کے ساتھ کیا جائے گا تو وہ باطل ہوگا۔ اور اللہ سبحانہ نے جب انسان کو ظاہر کیا تو اس کا وجود درجات میں سے ایک درجہ میں تھا۔ اب اگر تم اس کا اعتبار اس درجہ سے پہلے کرتے ہو تو یہ کوئی شئے ہی نہیں ہوگی کہ انسان کی حقیقت کیا ہے۔ لیکن اس کی حقیقت اس کا عکس ہوگی۔ اور اگر تم اس کا اعتبار اس کے اوصاف کے ساتھ کرتے ہو تو انسان کی ماہیت اس کے اوصاف سے لاحق نہیں ہوتی۔

۱۹۲۔ تفہیم:

اشیاء کی نسبت اللہ اور بندہ کی طرف کرنے کا ضابطہ

اور جان لو کہ اشیاء کی نسبت اللہ یا بندہ کی طرف کرنے کا ضابطہ یہ ہے کہ فیض نشاۃ میں پیدا ہوتا ہے۔ جب اس کا اندازہ اس نمونہ پر کیا جاتا ہے جو اس کے تابع ہوتا ہے تو اس کی ماہیت کی نسبت اسی طرح اللہ کی طرف نہیں کی جاتی۔ اور جب اس کا اندازہ اس نمونہ پر کیا جاتا ہے جو اس کے اوپر ہے تو اس کی ماہیت کی نسبت اللہ کی طرف اس طرح کی جاتی ہے۔ اور قضایا جس طرح خارجی حقیقی اور ذہنی ہوتے ہیں، اسی طرح نشاۃ کے لحاظ سے تقسیم ہوتے

ہیں۔تو جب تصویر کا قیاس انسان اور اس کے درجہ کی طرف کیا جاتا ہے تو اللہ سبحانہ کی صورت پر کہنا ممکن ہوتا ہے اور جب ملائکہ اور ان کے درجہ کی طرف قیاس کیا جاتا ہے تو اللہ سبحانہ کی صورت کہنا ممکن نہیں ہوتا۔

۱۹۳-**تفہیم:**

انسان کو اولا اور اس کے بعد کیا حاصل ہوتا ہے، اس کا بیان

انسان کو اولاً صورت علمیہ حاصل ہوتی ہے۔اس صورت کے بعد علی سبیل الا یجاب صورت شوقیہ آتی ہے اور وہ اس وقت آتی ہے، جب ارادہ اس کے کمال کو پہنچ جاتا ہے اور وہ حرکت قولی وفعلی کے لیے بالفعل افاضہ ہے۔اب ہم نے تمہیں جو کچھ سکھایا ہے اس سے حکم لگاؤ کہ ضابطہ کی نسبت بندہ کی طرف کی جاتی ہے اور ہم نے تمہیں جو وحدت الوجود کے سلسلہ میں بتایا ہے، وہ افاضہ کیا ہوا ہے،تو یہاں وہ متحقق ہوگیا جو شیخ ابوالحسن اشعری نے کہا ہے کہ افعال مخلوق ہیں،اور بندہ مختار ہے،اور اس کا اختیار مخلوق ہے۔

۱۹۴-**تفہیم:**

مصائب کی غرض

مصائب سے غرض یہ ہے کہ نسمہ اسم کے حکم کے تحت پوری طرح مطیع ہو جائے اور مکمل طور پر مطابقت اختیار کر لے۔اور اس کے نزدیک سنت یہ ہے کہ نسمہ کو ایک دوسرے میں ضم کر دیا جائے اور بالا ختیار اس کے موافق کر دیا جائے جیسا کہ وہ اس پر ضرور تاو بداہۃً ہے تو جب اطاعت مکمل ہو جائے اور حق کا آفتاب پوری قوت کے ساتھ طلوع ہو جائے تو نہ ان کے لیے کوئی خوف ہے اور نہ ہی انہیں کوئی حزن وملال ہوگا۔

۱۹۵-**تفہیم:**

اسم حادث کے اطلاق کی علامت

اسم حادث کے اطلاق کیلئے ایک علامت ہے اور وہ یہ کہ جب تفہیم یا وحی کے اعتبار

سے متوجہ ہوتا ہے۔نفوس اس کی اتباع اس میں محسوس کرتے ہیں۔اور جب شرع اور حق کے مقام پر قائم ہوتا ہے تو نفوس اس کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔اور یہ ارشاد و ہدایت کا راز ہے۔

۱۹۶-**تفہیم:**

انبیاء پر وحی اور ملائکہ مقربین پر قضا کس طرح نازل ہوتے ہیں؟

اور ہم تمہیں بتائیں گے کہ انبیاء پر وحی کس طرح نازل ہوتی ہے اور مقرب فرشتوں پر قضا کس طرح نازل ہوتے ہیں؟ جان لو کہ نشاۃ قدیمہ میں ایک مرتبہ ہے جس کو منبع الشریعت کہا جاتا ہے اور ایک مرتبہ کو منبع القضا کا نام دیا جاتا ہے۔اول سے میری مراد وہ جہت ہے جو رب سے کمال کے اعتبار سے صادر ہوتی ہے۔وہاں انسان نشاۃ کمالیہ کے اعتبار سے شکل اختیار کرتا ہے جس کا فیضان رب سے تمثل کلی مطلق کے لحاظ سے ہوتا ہے اور یہ تمثل منبع شریعت ہے اور اس کے مانند یہ ہے کہ نشاۃ کمال نشاۃ عالم فی نفسہ کی طرف نسبت سے نشاۃ جزئیہ ہے۔اور جب اللہ سبحانہ نے اعیان رسل میں تجلی فرمائی اور یہ تجلی دو وجھوں کے لیے جامع ہوئی تو قدیم، حادث اور مجرد متعلق ہوئی۔اور اس میں اس انسان کا عکس ایک بار نہیں بلکہ اس کے لیے منور کرنے والے اسم کے لیے وسیع تعداد کے اعتبار سے ہوا۔اور اس میں اس کا عکس اس لیے ہوا کہ وہ دونوں انسان ہیں تو اس علم اور حال کا امر منظم ہو گیا۔چنانچہ اس کو یہ اسم جو فائدہ دیتا ہے وہ وحی اور ارشاد کا طلوع ہے جو کہ اس کے اطلاق اور اس کے عموم کے لیے ہے۔یہ تمثل امر یقینی اور نہی واجب بنایا گیا۔

اور ملائکہ میں سے کچھ وہ ہیں کہ ان کی عین سارا عالم ہوتا ہے تو ان کے اسم میں اس مرتبہ کلیہ کا عکس ہوتا ہے جو تیاری کے لحاظ سے پورے عالم کی صورت ہے اور وہ قضا ہے۔

۱۹۷-**تفہیم:**

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''العلم ثلاثۃ'' کی تشریح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم تین ہیں،اس کے سوا جو کچھ ہے وہ فضل ہے۔ایک آیت محکم، دوسرے سنت قائم اور تیسرے فریضۂ عادلہ۔ آیت سے مراد علم قرآن ہے۔اور سنت

عبادات اور آداب کا علم ہے۔ اور فریضۂ عادلہ علم قضا ہے جس میں عمل بالرائے جائز ہے۔ اور جب کسی شخص نے کسی امر کی ذمہ داری سنبھال لی اور وہ تمہارے خیال کے مطابق ہے تو اس سے تجاوز نہ کرو اور وہ دلیل ظنی کے لحاظ سے اجماع ہے اور اس کے سوا میں نہ کوئی قیاس ہے نہ اجماع۔

۱۹۸۔ تفہیم:

شرع کے دو اصول

اصول شرع دو ہیں۔ آیت محکم اور سنت قائم۔ ان دونوں سے زیادہ کچھ نہیں۔ اور یہاں ایک اور علم ہے جو علوم دنیا کے مشابہ ہے اور وہ علم قضا ہے۔ چنانچہ جب کسی کے سامنے کوئی معاملہ پیش کیا جائے تو اس کو چاہیے کہ اپنی رائے سے اس میں جدوجہد کرے اور راہ صواب کو تلاش کرے۔ چنانچہ اگر اس بارے میں پہلے کوئی جماعت کوئی فیصلہ کر چکی ہو تو اس سے تجاوز نہ کرے۔ اور وہ قیاس اور اجماع ہے۔ اور علوم شرع میں ان دونوں کے جزئیات میں کھلی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ اور اس سلسلہ میں فقہاء کی دلیلیں محدود ہیں۔ جیسا کہ ہم نے کہا ہے مثلاً معاذ اور علی رضی اللہ عنہما کی حدیثیں اور یہ حدیث: المجتهد يخطی ويصيب "مجتہد سے کبھی غلطی بھی ہوتی ہے اور کبھی اس کا فیصلہ صحیح ہوتا ہے۔" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ایک طبقہ ہمیشہ امر حق پر قائم رہے گا۔ آپ کی مراد اس سے اجماع نہیں ہے۔ اور بالجملہ دین میں رائے تحریف ہے اور قضا میں وہ نیکی ہے۔

۱۹۹۔ تفہیم:

آدم علیہ السلام کے اولاً جنت میں داخل ہونے اور بعد میں زمین پر استقرار کا راز

جب حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں یہ پایا گیا کہ بغیر سبب کے جھگڑا کیا گیا تو اہل جنت کا معاملہ کیا گیا کہ اگرچہ ان کو مٹی سے بنایا گیا تھا لیکن اپنے کمال اور فراخی و وسعت سے اخروی بدن حاصل کر لیا۔ چنانچہ جنت میں قیام پذیر رہے۔ اس وقت جسد مثالی کے

مشابہ ہوگئے اور کسی بھی جسم مثالی کو زمین میں استقرار نہیں ہوتا۔ یہاں استقرار صرف صاحب تخلیط کو ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ علم حق ہے اور جب حضرت آدم نے اس کی یعنی علم بالذوق کی تمنا کی تو شیطان نے آپ کو اس میں داخل کر دیا۔ چنانچہ ان کے نزدیک تخلیط نے معصیت کی صورت اختیار کی تو ان کے سینہ سے یہ جاری ہوا کہ اگر معصیت نہ ہوگی تو استقرار حاصل نہ ہوگا۔ "فعصیٰ آدم ربہ" آدم نے اپنے رب کی معصیت، نافرمانی کی۔ آیۃ.

۲۰۰-تفہیم:

یونس علیہ السلام کی آزمائش کے راز کا ذکر

یونس علیہ السلام آغاز امر میں نبی محدث تھے، نبی مکلم نہیں تھے۔ چنانچہ شعیب علیہ السلام نے آپ کو اہل نینوا کی طرف بھیجا اور اس وقت آپ مستقل بنفسہٖ نہیں تھے۔ تب اللہ سبحانہ نے آپ کو خلعت حقانی بخشنے کا ارادہ کیا تاکہ صالح رسولوں میں سے ہو جائیں۔ چنانچہ آپ کو آپ کی امت کے معارضہ کے دوران آپ کے سینہ سے یہ ذوق جاری فرمایا کہ اللہ سبحانہ سے ان کی ہلاکت کے لیے دعا کریں اور جب ہلاکت کی گھڑی ظاہر ہوگئی اور وہ صحیفوں میں وجیہ قوی الاثر تھی تو آپ کی دعا سنی گئی تب ہلاکت کا انتظار کرتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے۔ جبکہ ان کی توبہ قبول کر لی گئی تو شدید پچھتاوا پیدا ہوا۔ اور یہ محدث کے طبائع ہوتے ہیں کہ جب یہ ظاہر ہو گیا کہ آپ کی تفہیم یقینی طور پر حق نہیں ہے تو مختلف قسم کی آزمائشوں میں مبتلا کیے گئے حتی کہ اسم کے تحت آپ کی مغلوبیت مکمل ہوگئی اور عموم اسم مکمل ہو گیا۔ اس وقت لباس حقانیت پہنایا گیا اور ان کو اپنی قوم کی طرف بنفسہٖ مبعوث کیا گیا۔ تب آپ پر نعمت تمام ہوگئی۔

۲۰۱-تفہیم:

تربیت باطنہ اور تربیت ظاہرہ کا بیان

اللہ سبحانہ نے مجھے سمجھایا کہ میں نے تمہیں سلوک کا ایک طریقہ عطا کیا ہے جو سب سے زیادہ قریبی اور معتبر راستہ ہے تاکہ تمہاری زبان کے ذریعہ جس کو چاہوں ہدایت دوں۔

اور وہ دو تربیتوں سے مرکب ہے۔ایک باطن میں دوسری ظاہر میں ۔تربیت باطنیہ یہ ہے کہ جب کوئی تمہاری طرف راغب ہو یا اس کا قلب تمہاری طرف متوجہ ہو تو اس کو نفی اور اثبات کی تعلیم دو اور اس میں جانب نفی میں ماسوی اللہ تعالیٰ ہر ایک سے صرف برأت ہونے اور جانب اثبات میں اللہ عزوجل جلالہ کی طرف پوری رغبت کی شرط لگائی جاتی ہے۔حتیٰ کہ جب اس کے اندر محبت راسخ ہو جائے اور وسوسے زائل ہو جائیں، اس وقت اس پر حرف وآواز سے مجرد ہو کر اللہ سبحانہ کے حضور کا فیضان جاری کرو۔اور اس کا حضور دائمی ہو جائے اور اس کی طبیعتیں صالح ہو جائیں تو اس کو توحید کی تعلیم دو۔یہاں تک کہ جب اس کے نفس کی تیزی ٹوٹ جائے تو وہ اس وقت فنا والا ہے۔پس جب وہ اپنے فنا کے اثر سے نکل جائے تو اس پر حضور مجرد کا دوبارہ فیضان کرو۔اور اس پر وہ مسلسل عمل کرے تو اپنے نفس میں افاضہ کی قوت کو محسوس کرے گا۔اور کرامات اسماء کی تلاوت اور اس میں فنا سے حاصل ہوتی ہیں پھر اس پر واجب ہے کہ عبادات بہت زیادہ کرے۔ یہاں تک کہ وہ اس کی طبیعت میں راسخ ہو جائیں۔اور ظاہری تربیت یہ ہے کہ جب کوئی آپ کی طرف متوجہ ہو یا اپنے دل کو موڑے تو اس کو حکم دیں کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کرے، اسی سے مانگے۔اس کے لیے قربانی کرے اور اس کے سوا کسی کو یاد نہ کرے۔اور آپ اپنے دوستوں اور مخلص لوگوں کو ختم پڑھوانے اور توشہ وغیرہ دینے سے منع کر دیں اور انہیں نیکی کا حکم دیں اور گناہوں، نافرمانیوں اور بدعتوں سے جہاں تک ممکن ہو روک دیں اور جو آپ کی طرف اہل دنیا کے دروازوں سے متوجہ ہوں ان کو منع کر دیں۔

۲۰۲–تفہیم:

تفہیم اور محدثیت وغیرہ کے معنی

تفہیم، محدثیت اور تمنی یہ سب الفاظ مترادف ہیں۔ان سے وہ امر مراد لیا جاتا ہے جو اللہ سبحانہ کے اسم سے نسمہ پر حال اور عزم کی ہیئت کی طرح نازل ہوتا ہے۔اور اس کے نزول کو صرف افاقہ کے بعد سمجھا جاتا ہے۔میرے رب نے مجھے سمجھایا کہ جو لوگ تمہاری طرف راغب ہوتے ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم ان کی ہے جن کی جبلت سابقین اولین کی

استعداد پر بنائی گئی ہے، اس لیے ان کو فنا اور بقا پر دلالت کرو۔ اور ایک قسم وہ ہے کہ ان کی جبلت اہل یمین کی استعداد پر بنائی گئی ہے۔ اس لیے ان کو سنت اور ایمان حقیقی پر دلالت کرو۔

۲۰۳- تفہیم:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص نعمتوں پر بشارت دیا جانا

میرے رب جل جلالہ نے مجھے سمجھایا کہ اگر تمہارے اندر دو جامع اسموں کے نور اسم مصطفوی اور اسم عیسوی علیہما الصلوات والتسلیمات کے انوار کا عکس پایا جائے تو ممکن ہے کہ تم افق کمال کو گھیرنے والے اور اقلیم قرب کو ڈھانکنے والے ہو جاؤ۔ تو تمہارے بعد جو بھی مقرب پایا جائے گا اس کی ظاہری اور باطنی تربیت میں تمہارا دخل ہوگا۔ حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو جائیں۔ اور قریب ہے کہ تمہارے اوپر نظام عالم کی طرح حق نازل ہو جائے۔ جس طرح بجلی نازل ہوتی ہے تو کھولو گے اور بند کرو گے جس چیز کو چھو دو گے، اور تمہارے سامنے اور تمہارے پیچھے اور تمہارے دائیں سے اور تمہارے بائیں سے آیات ظاہر ہوں گی۔ اور حق کا سورج چمکتا دمکتا طلوع ہوگا۔ اور ایک دوسرے کو ملانے والے عالم کے شرور سے ہر تاریکی کو دور کرو گے۔ اور قریب ہے کہ وہ تمہارے لیے مکمل ہو جائے کہ زمین نورانی ہو جائے۔ اور اس سے جور و جفا ختم ہو جائے حتیٰ کہ مہدی کی ضرورت جاتی رہے اور ان کا وجود ایک مدت طویل تک کے لیے متاخر ہو جائے۔ اور اس نعمت کبریٰ سے اوپر کا ارادہ نہیں کیا جا سکتا۔ تو اس تفہیم نے مجھے عاجز کر دیا تو میں حجاز کی طرف گیا جب میں ساحل پر پہنچا تو ایسے امور پیش آئے کہ ان کا شمار ایک بڑا کام ہوگا۔ شدید حالات پیش آئے تو میرے رب جل جلالہ نے مجھے سمجھایا کہ یہ منصب انتہائی جلال والا ہے۔ تم اس تک صرف اسی صورت میں پہنچ سکتے ہو کہ ان کلمات کو پورا کرو جن کا ہم تمہیں حکم دیں۔ اور اس سلسلہ میں اجمالی قول یہ ہے کہ تم ظاہرا اور باطنا انبیاء علیہم السلام کی راہ پر چلو اور لوگوں کی ایک جماعت کی رہنمائی کرو اور تمہارے اور کسی دوسرے کے درمیان محبت کا صرف وہ تعلق ہو جو اللہ سبحانہ کے رنگ میں رنگا ہوا ہو۔ اگر تم نے ان کو پورا کر دیا تو قریب ہے کہ تمہیں وہ عطا کر دے جس کی تم اس سے امید کرتے ہو۔ اور ہر امر کے لیے وقت مقرر ہے۔ وہ اس سے تجاوز نہیں کرتا۔

۲۰۴- تفہیم:

ذوق اور تفہیم اور وحی کے معنی کا بیان

یہاں تین امور ہیں: (۱) ذوق اور یہ اکیلے حکیم کا منصب ہے یعنی وہ علم کہ اس پر نازل ہوتا ہے جو اس کے وجود کے راز سے نازل ہوتا ہے۔ (۲) تفہیم اور وہ محدث کا منصب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **ففهمناها سليمان** "ہم نے وہ سلیمان کو سمجھائے۔" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے کچھ لوگ محدث تھے، وہ نبی نہیں تھے۔ تو اگر میری امت میں سے ایسا کوئی ہے تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اکیلے ان کا حال اور عزم اس مقام پر ہے جو اسم جامع اور نسمۃ کے مطابق ہے۔ (۳) وحی، اور وہ انبیاء صلوات اللہ علیہم کا منصب ہے۔ اکیلے ان کا علم دو امروں کے اتحاد سے نازل ہوتا ہے۔ قرب فرائض اور نسمہ حقہ پر قرب ملکوتی جس کا تحقق مکمل اور قطعی ہے۔ اور حکیم جب تفہیم کی طرف ترقی کرتا ہے تو اس سے ذوق ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ تفہیم کا منصب اس کے چہرہ سے ہوتا ہے۔ اور ذوق اس کے چہرہ کے پیچھے ہوتا ہے۔ ایسے میں اگر چاہتا ہے کہ ذوق کے مطابق امر کی حقیقت کو پہنچ جائے، تو ایسا نہیں کر سکتا۔

۲۰۵- تفہیم:

ضحیٰ و تہجد کی نماز اور ہر مہینہ کے تین دن کے روزے جو انبیاء علیہم السلام کی وراثت ہیں

میرے رب جل جلالہ نے مجھے سمجھایا کہ ضحیٰ اور تہجد جو انبیاء کی وراثت ہیں محدث کے لیے ان سے غفلت کرنا مناسب نہیں ہے۔ اور ان دونوں کے لیے ان کے نزدیک وقت مقرر نہیں ہے۔ الا یہ کہ تخمین و اندازہ ہے۔ اور نہ سوائے استحباب کے ان کی کوئی تعداد ہے۔ اور ان دونوں کے سوا کوئی نماز سوائے فرائض کے ان کی وراثت نہیں ہے۔ آدمی کے لئے مناسب یہ ہے کہ فرائض کے ساتھ ان دونوں کی پابندی کرے۔ اور انبیاء وراثت میں روزے پاتے رہے ہیں۔ اور آدمی کے لئے مناسب یہ ہے کہ رمضان کے علاوہ ہر مہینہ کے تین دنوں کے روزوں کی پابندی کرے۔

۲۰۶۔ تفہیم:

چاروں ادوار کے احکام

چاروں ادوار یعنی ایمان حقیقی، قرب نوافل، قرب وجود اور قرب فرائض میں سے ہر دورہ کا ایک وزن ہوتا ہے اور ہر بشارت کے شروع میں مقصود کے وصول سے اجمالاً متشابہ ہوتا ہے اور بے سروپا شوق اور عجیب حیرت ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس قرب اور اس کی بلندیوں کے مقدمات میں غور وخوض واقع ہوتا ہے اور اس وقت میں رجعت قہقری کی نظر دورہ مسابقہ کا احاطہ کرتی ہے اور اس کی ابتداء واختتام اور آثار واحکام پائے جاتے ہیں۔ اس وقت استغراق اور اضمحلال حاصل ہوتا ہے اور ظاہراً وباطناً اور حالاً ومقالاً ہر لحاظ سے یہ دور ہوتا ہے اور بس۔ اور اس کے علوم ومعارف پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ہم اس دورہ کی زبان سے اللہ کی مخلوق کو نصیحت وارشاد کرنے اور نظام طبیعی میں قطعی طور پر مداخلت کے لیے ہوتے ہیں۔

پھر اس سے دوسرے دورہ کی بشارت دیتے ہیں اور اس کا شوق پیدا کرتے ہیں۔

عشق شورے در نہاد ما نہاد
جان مارا درکف غوغا نہاد

"عشق نے ایک شور ہماری بنیاد میں رکھ دیا، ہماری جان کو شور وغوغا کے ہاتھ میں رکھ دیا۔"

۲۰۷۔ تفہیم:

علم تفسیر کی تعلیم آسان زبان میں

مجھے میرے رب جل جلالہ نے علم تفسیر آسان الفاظ میں سکھایا۔ اور وہ یہ ہے کہ ایمان حقیقی فطرت کے مطابق ہر نسمہ میں ودیعت کیا گیا ہے۔ لیکن لوگوں کے اوپر عالم تخلیط کا سرور غالب آگیا۔ چنانچہ اللہ نے قرآن نازل کیا تاکہ ان کی طبیعتوں کو اس کے ذریعہ مغلوب کردے۔ چنانچہ ان میں سے ایک جمہور کے نزدیک مشہور اور عام باتوں کی تنقید یا تعظیم کرتا ہے اور ان میں سے ایک ترغیب اور ترہیب ہے۔ اور انہی میں سے آیات عظمیٰ اور نعمائے کبریٰ کا بیان ہے۔ اور ان میں اللہ سبحانہ کے ذکر سے اس میں دعویٰ کی تاکید اور اس کے حوالہ

کرنا ہے۔ اوران میں قصص نافع اور فقر وزہد کے حالات کا بیان ہے اوران میں سے فاسد عادتوں اوران کی برائی کا بیان ہے۔ اوران میں سے تحریفات کا رد ہے۔ اوران میں سے تمثیل ہے۔ اوران میں سے اللہ تعالیٰ کی وہ صفات ہیں جو ناسوت کی ضد ہیں۔ اس طرح یہ آیات کے مضامین کے لیے نظام طبیعی ہے۔

پھر سورتوں کا اسلوب ایک لحاظ سے رسالہ وپیغام کے اسلوب کے مشابہ، اور ایک لحاظ سے قصیدہ کے اسلوب کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور آیات کا اسلوب اشعار کے اسلوب کے مانند اوران کے قوافی قدیم اعراب کے مذہب کے مطابق اشعار کے قوافی کے مانند ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک شعر میں میم اور نون کو جائز قرار دیتے ہیں اور یہ بھی کہ ایک شعر میں واؤ اور یٓ ہوں۔ اس طرح یہ نظام نظم کا بیان ہے۔ اس سلسلہ میں ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ جس سے تمہیں قرب ملکوت کا درجہ واضح ہو جاتا ہے۔

کیا تم نے ایسے شخص کو دیکھا ہے جو کسی سے عشق کرتا ہے؟ اس کے عشق کے انتشار کے لیے کیسا ہوتا ہے؟ یہاں تک کہ وزن محدود نصاب کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اس سے جو اول مقرب ہوتا ہے، وہ اس کے خیال میں معشوق کا استحسان ہے۔ اس کے بعد قلب کا میلان اور تعلق اور ملاقات کا شوق ہوتا ہے۔ پھر اس پر پپوٹوں کا خشک ہونا، چہرہ کا سیاہ پڑنا، قلق اور ملال ظاہر ہوتا ہے۔ اوراس طرح سلطان الحکمت، خفی الحکم، ضعیف الاثر اور مقتضائے تفہیم ضروری ایجابی ہوتا ہے۔ اور قرب ملکوت کے وقت حق ظاہر ہوتا اور نور پھیلتا ہے۔

۲۰۸-تفہیم:

قرب کمال کے خصائص کا بیان

قرب کمال کے خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ سبحانہ بندہ کے لیے ظاہری اور باطنی طور پر ذمہ داری لے لیتا ہے۔ چنانچہ اس کی تدبیر حکمت الٰہیہ کے مقتضی پر جاری ہوتی ہے۔ چاہے وہ جانے یا نہ جانے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وھو یتولی الصالحین ''اور وہ نیک وصالح لوگوں کی ذمہ داری لیتا ہے۔'' اوراس قرب کے خصائص میں سے یہ ہے کہ ملائکہ اس کو اس طرح پکارتے ہیں جیسے مریم کو پکارا۔ اوران کی پکار آواز سے نہیں ہوتی بلکہ اشارات سے

ہوتی ہے۔اور یہ قرب وہ کمال ہے جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا :کمل من الرجال کثیر "مردوں میں سے بہت سے لوگ باکمال ہوئے ہیں۔" (الحدیث) اور یہ وہ صلاح ہے جو اللہ نے یونس علیہ السلام کو پیش کی تھی۔ جب انہیں مچھلی نے پھینک دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فاجتباہ ربہ فجعلہ من الصالحین "ان کے رب نے انہیں چن لیا پھر انہیں نیک وصالح لوگوں میں سے بنا دیا" اور وحی اس سے اوپر ہے۔

۲۰۹- تفہیم:

کمالات اور شرور کے اکیلا ہونے کے معنی اور دجال کے خروج اور قیامت کے اسرار

ہمارے قول "کمالات ایک کمال کی صورت میں تنہا ہو گئے۔ یا شرور ایک شر کی صورت میں تنہا ہو گئے" کے معنی بہت عمیق ہیں۔ یہ ایک مثال کے بیان کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ عناصر اربعہ اپنی ممتاز صورتوں کے ساتھ جمع ہو گئے اور مل گئے۔ اور ان کے اجزاء بہت چھوٹے ہو گئے۔ حتیٰ کہ ان کے لیے ہیئت وحدانیہ ہو گئی۔ اور ہر ایک کی وحدت اللہ سبحانہ کی طرف سے آئی ہے۔ چنانچہ اس کے لیے قرب کی ایک قسم ہے۔ پھر جب قرب ہو گیا تو اس نے اپنے دونوں ہاتھ اللہ سبحانہ سے سوال کرتے ہوئے اس کی طرف بڑھائے۔ تو ایک دوسری لطیف صورت عطا کی۔ جو کہ معدنیہ ہے۔ اور اس طرح صورت معدنیہ اپنی جنسیت اور خصوصیت کے ساتھ شئے واحد تھی۔ تو میں نے اللہ سبحانہ سے دوسرے فیض کا سوال کیا تو صورت نباتیہ عطا فرمائی۔ اس طرح صورت نباتیہ کا سوال کیا تو صورت حیوانیہ پھر انسانیہ عطا فرمائی۔

اس طرح یہ متحقق ہو گیا کہ ممکن کی طبیعت بھوکی، فقیر ہے۔ اور اس کو سوال سے کثرت کے سوا کچھ نہیں روکتا۔ کوئی متوحد ایسا نہیں ہے جس نے دوسرے فیض خاص کا سوال کیا ہو اور اللہ سبحانہ کسی سائل کا سوال رد نہیں فرماتے۔ اسی پر نشاۃ کمال کو قیاس کرو کہ کمالات متکثرہ کو عین واحدۃ، نفس اور نسمہ کی استعداد نظام واحد اور ہیئت وحدانیہ میں جمع کر دیتی ہے۔ چنانچہ رب

العالمین سے استعداد کی زبان میں سوال کیا گیا اور اس کے اوپر دوسری صورت کا فیضان کیا گیا جو پہلی والی سے زیادہ لطیف ہے۔ اور اسی طرح ابد الآباد تک اور صورت کا فیضان ایک دوسری قسم سے خفیہ تعلق سے کیا جاتا ہے جس سے وہ جسموں کے اندر نقش ہو جاتی ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ پانی کی برودت، حرارت میں کس طرح بدل جاتی ہے کہ اس کے ہیولی کے اوپر صورت ہوائیہ کا فیضان ہوتا ہے، پھر ناریہ کا۔ کیا اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا کہ آدمی کے اوپر جب صفرا کا غلبہ ہو جاتا ہے تو وہ کیسا پیلا پڑ جاتا ہے۔ بات جلدی کرتا ہے اور روشنی کو ناپسند کرتا ہے۔ چنانچہ تحقق ہو گیا کہ اجسام اور اعراض کے درمیان ایک خفیہ تعلق ہوتا ہے۔ جس سے ایک امر دوسرے کی طرف منقلب ہوتا ہے۔ اور اس طرح جب بنی آدم کے شرور بکثرت ہو جاتے ہیں اور صحیفۂ عامہ میں مستقر ہو جاتے ہیں، تو عالم انتہائی شر میں آدمی کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ پھر وہ دجال ہو جاتا ہے اور وہ قیامت کا راز ہے۔

اور ہمارے ذوق سے یہ ہے کہ قوم اپنے شرور کی وجہ سے بعد میں ہلاک کر دی جائے گی جو کہ اس سے لاحق ہوتے ہیں، جیسا کہ عاد اور ثمود کو ہلاک کیا گیا۔ اور صحف خاصہ اور صحیفۂ عامہ کا اثبات لازم ہے۔ اور ان صحیفوں کی ماہیت ایک مشکل مسئلہ ہے۔ اور سب سے زیادہ قریب کی رائے یہ ہے کہ یہ امور مجردہ ہیں، اس لیے اس حکمت میں گھرے ہوئے ہیں۔ اور یہ کون وفساد کی اصل ہے۔

۲۱۰- تفہیم:

اعمال کی صورتوں کا صحیفوں میں قائم ہونا اور جنت و جہنم کا راز

جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے، اس کے عمل کی صورت ایک صحیفہ میں نقش ہو جاتی ہے۔ پھر وہ ظاہر ہوتی ہے تو اس کے اوپر یا اس کے مال اور اہل وعیال پر فیضان ہوتا ہے۔ بری صورت اس عمل کے مطابق ہوتی ہے۔ مثلاً اگر اس کا بدن کثیر الاخلاط ہوتا ہے تو یہ بری عفونت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور بخار ہو جاتا ہے۔ اور اگر پھسلن پر چلتا ہے تو اس کا پاؤں اس سے نکل جاتا ہے۔ اس طرح متعدد امور واقع ہوتے ہیں۔ تب بدی دوسری صورتیں اختیار کرتی ہیں۔ اور کبھی اس کا احاطہ اسباب میسرہ کر لیتے ہیں جیسے دعائیں اور صدقات۔ چنانچہ بخار بہت تھوڑے وقت میں زائل ہو جاتا ہے۔ یا بخار اس کے خواب میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور سلب

مال نسیان کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور اس سے جنت اور جہنم کے راز ہیں۔

۲۱۱- **تفہیم:**

سلوک کا قریب ترین راستہ اور اس طریق کا امام ہونا

اللہ سبحانہ نے مجھ پر اور میرے اہل زمانہ پر اس طرح احسان فرمایا کہ مجھے سلوک کا ایک ایسا طریق عطا فرمایا جو سب سے زیادہ قریب ہے۔ اور وہ پانچ اقترابات سے مرکب ہے۔ میری مراد ایمان حقیقی، قرب نوافل، قرب وجود، قرب فرائض اور قرب ملکوت ہے۔ اور اس طریقہ کو غرض وغایت بنا دیا جو اس کا ارادہ کرتا ہے، اللہ اس کو دے دیتا ہے۔ اور اللہ جل جلالہ نے مجھے سمجھایا کہ ہم نے تمہیں اس طریقہ کا امام بنا دیا ہے۔ اور تمہیں اس کی بلندیوں پر پہنچا دیا ہے، اور ایک طریقہ کے علاوہ آج حقیقت قرب تک پہنچنے والے تمام طریقوں کو بند کر دیا۔ اور وہ تمہاری محبت اور تمہاری اتباع ہے۔ تو جو آسمان تمہارا دشمن ہے، اس کے اوپر آسمان نہیں ہے اور نہ ہی زمین کے اوپر زمین ہے۔ اہل مشرق اور اہل مغرب سب کے سب تمہاری رعیت ہیں۔ اور تم ان کے سلطان ہو خواہ وہ جانیں یا نہ جانیں۔ اگر جان لیں تو کامیاب ہوں گے اور اگر انجان رہے تو خسارہ میں رہیں گے۔

دور مجنوں گزشت ونوبت ما است
ہر کسے پنج روز نوبت اوست

"مجنوں کا دور گزر گیا اب ہمارے باری ہے، ہر شخص کی پانچ دن کی باری ہے۔"

۲۱۲- **تفہیم:**

خاص منقبت

میرے رب جل جلالہ نے مجھے سمجھایا کہ ساری زمین تمہارے ہاتھ میں دے دی گئی ہے **اما ان تعذب واما ان تتخذ فیھم حسنا** "تم چاہے ان کو عذاب دو یا ان کے ساتھ بھلائی کرو"۔ چنانچہ میں نے کہا **اما من ظلم فسوف نعذبہ ثم یرد إلی ربہ فیعذبہ عذاباً نکرا** "جس نے ظلم کیا ہم اس کو عذاب دیں گے پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹے گا تو

وہ اس کو زیادہ سخت عذاب دے گا۔" (الکہف: ۷۶-۷۷) اور مجھے یہ سب کچھ، کچھ امور کا کفیل ضامن بنانے کے بعد سمجھایا۔ وہ سب ان کے کلیات اور جزئیات ہیں۔ پھر مجھے ایسا بنا دیا جیسے غسل دلانے والے کے ہاتھ میں میت ہوتی ہے۔ یا دودھ پلانے والی کی گود میں بچہ ہوتا ہے۔ چنانچہ میری مثال فوارہ جیسی ہے کہ اس سے پانی ہیئت مخصوصہ پر نکلتا ہے، اور اس کو نہ کوئی علم ہوتا ہے نہ کوئی اختیار۔ البتہ میری جبلت جمالی بنائی گئی ہے۔ عنقریب زمین میں جمال ظاہر ہو جائے گا اور جور و جفا محو ہو جائیں گے۔ اور میں اللہ سبحانہ سے امید رکھتا ہوں کہ اس کے اوپر کوئی آیت بینہ ظاہر فرما دے، جو جمال کے ظہور کے ساتھ بلند ہو اور وہ چشمہ اس عبد ضعیف کی اصل سے پھوٹتا ہے۔

۲۱۳- تفہیم:

مسرت یا مصیبت کے وجود سے پہلے تبشیر اور انذار اور ان دونوں میں راز

کبھی انسان موت یا مال کے ضیاع سے ہلاکت کے کنارہ پر ہوتا ہے۔ اس سے پہلے وحشت پیدا کرنے والے خواب نظر آتے ہیں یا تشتت خاطر، طبیعت پراگندہ ہو جاتی ہے۔ اور مقابر سے محبت کرتا ہے۔ اور بکثرت موت کا ذکر کرتا ہے یا تنہائی و پوشیدہ رہنے کو پسند کرنا یا ان دونوں باتوں سے کراہت کرتا ہے۔ اور اس کے لیے قرب سفر میں ہوتا ہے۔ وہاں اس کا احاطہ کر لیا جاتا ہے۔ اور یہاں اس کا نفس تشویش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور جس نے اس کے نفس کا امتحان لیا اس نے نہ کوئی مصیبت پائی نہ مسرت۔ مگر یہ کہ انذار اور تبشیر ان پر مقدم رہے۔ تو اب کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اس میں کیا راز ہے؟ جب اسباب سماویہ کسی واقعہ پر منعقد ہوتے ہیں۔ اس کے لیے وجود متحقق ہوتا ہے جو کہ متن میں واقع اس کے کمال کو پہنچنے سے پہلے ہوتا ہے۔ اور نفس کی جبلت شفاف ہوتی ہے اس میں ایک امر کا عکس عادتوں کی راہوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ نسمہ کے نزدیک ایسی صورت اختیار کرتا ہے، جو اس کے مناسب ہوتا ہے۔ انہوں نے ان علوم کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کی، تو ان کے لیے خوابوں کی تعبیر اور فال

ونحوست کے علوم ظاہر ہوئے۔ اورانہوں نے انسان اور امراض معنویہ، اخلاص فراخی اور فقر وغیرہ کی جبلت کی دونشانوں کے تناسب کا پتہ لگانے میں مبالغہ سے کام لیا۔ توان کے لیے علم قیافہ ظاہر ہوتا ہے۔ اور عالم سمندر کے نظام واحد میں اس کے انتظام کے مشابہ ہوتا ہے۔ جب اس کی کوئی ایک جانب حرکت کرتی ہے تو اس کے تمام جوانب حرکت کرتے ہیں۔ اور وہ نجوم اور فضائی وزمینی واقعات میں غور وفکر کرتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ سورج کی جبلت گرم اور خشک بنائی گئی ہے اور چاند کی جبلت سرد وتر۔

جاننا چاہیے کہ ہر نجم وستارہ کی ایک طبیعت ہوتی ہے۔ اور ہر طبیعت اعراض ومعانی وغیرہ مختلف احوال کے مناسب ہوتی ہے، جیسا کہ ہم نے صفرا کی مثال میں بیان کیا۔ اس سے واقعات محقق ہوتے ہیں۔ اس طرح ان کے لیے علم نجوم ظاہر ہوجاتا ہے۔ اب اگر تم کہو کہ طیرہ ونحوست اور نجوم کا کیا معاملہ ہے۔ اور ان سے کیوں روک دیا گیا جبکہ یہ علوم حقہ میں سے ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ نجوم سے ان لوگوں کو روکا گیا ہے جو تاثیر کی نسبت علم نجوم کے ماہرین کی طرف کرتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں خلاق مجید سے غافل رہتے ہیں۔ یا ان کا علم ناقص ہوتا ہے۔ اس لیے ظن وگمان میں تکلف سے کام لیتے ہیں۔ اور ظن، حق سے ذرا بھی مستغنی نہیں کرتا۔ اور طیرہ ونحوست سے اس وجہ سے روکا گیا ہے کہ جہلا بغیر دلیل وعلم کے اس کو اپنا لیتے ہیں جو ان حیوانات و پرندوں سے ہے، تم سمجھتے ہو کہ اگر وہ نہ ہوتا تو واقعات نہ ہوتے۔

اب اگر تم کہو کہ شعر کا کیا معاملہ ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے تھے؟ تو میں کہتا ہوں کہ شعر بادی الامر میں وعظ سے ملتبس ہوتا ہے۔ جب وہ دونوں نفس کو مغلوب کرنے میں مشترک ہوتے ہیں۔ اور ظہور فطرت سے ممتاز ہوتے ہیں جس پر اللہ نے شعر میں نہیں وعظ میں لوگوں کی فطرت بنائی ہے۔ اور یہ کہ مقدمات شعر وہمیہ ہوتے ہیں اور مقدمات وعظ کے لیے حق ہونا واجب ہے۔ اس لیے قرآن کفار پر مشتبہ ہوگیا تو ان کے لیے حقیقت امر کا کشف ہوگیا۔ اور جہاں تک اس شاعری کا تعلق ہے تو وہ عطا نہیں کرتا، اس لیے کہ وہ سلیقۂ حسیہ ہے، اس وقت قانون اور وزن سے حظ حاصل ہوتا ہے۔ اور انبیاء ہر سلیقۂ حسیہ سے خالی ہیں۔

۲۱۴- تفہیم:

جو شخص عالموں کے مقابل کو سمجھتا ہے اس پر علم تکوین اور اس کی تفصیل سے کچھ پوشیدہ نہیں رہتا

جو شخص دنیاؤں کے مقابل اور بعض نشانوں کے بعض سے پیدا ہونے کو سمجھتا ہے، اس کے اوپر علم تکوین سے کچھ پوشیدہ نہیں رہتا۔ کیا امتوں کے جمہور لوگ اس پر متفق نہیں ہیں؟ مثلاً ماہرین علوم طبیعی کا کہنا ہے کہ صفرا سے زردی نکلتی ہے۔ پھر سیاہی اور معانی سے غضب جرأت، بے چینی اور تیز گفتاری۔ اس طرح انہوں نے ہر مزاج گرم سرد، تر وخشک کے لیے متعین کیا ہے۔ خواہ وہ اصلی ہو یا عارضی۔ کچھ امور اس کے ساتھ خاص ہوتے ہیں اور اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور خلط میں ہر فساد کی آفتیں ہوتی ہیں جو معانی اور اعراض سے خاص ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے خوابوں، اخلاق، احادیث نفس اور اوصاف قلب کے لیے بھی ایسے اسباب بیان کیے ہیں، جو ان کے ساتھ مخصوص ہیں، اور ان سے پیدا ہوتے ہیں۔

کیا تمہارے کانوں میں یہ بات نہیں پڑی جو نسلوں کے بڑھنے کے بارے میں مذکر ومونث سے متعلق گمان کرتے ہیں۔ اور جو اوصاف بیان کرتے ہیں۔ اور یہ کہ صورت اور ہیئت سے کس طرح وراثت پاتے ہیں۔ حتیٰ کہ کاشتکار یقین رکھتے ہیں کہ یہ تربیت زراعت میں اس صفت کی وارث ہوتی ہے۔ اور پھلوں میں شیرینی کس طرح مختلف ہوتی ہے۔ اور کس لیے بیج وگٹھلیاں چھوٹی اور پھل بڑے ہوتے ہیں اور گلاب کے پھول کے رنگ کہاں سے خوشنما ہوتے ہیں۔ اور چرواہوں کو نسلوں کے بڑھانے میں ایسے تجربات ہوتے ہیں کہ بڑے بڑے ذہین لوگ ان پر تعجب کرتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق گفتگو کرنے والے (الھیون) نے عقول کو ثابت کیا ہے اور عوالم اور ان کے سایوں کو بنایا ہے اور اہل نجوم کے لیے نجوم کی طبیعتوں، ان کی حرکتوں اور واقعات ارضی سے جو کچھ پیدا ہوتا ہے، ان سب کے سلسلے میں ایک مقام حاصل ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ علم رمل کے ماہرین کی رائے میں داڑھی کی شکل لمبی داڑھی والے آدمی کے

مانند ہوتی ہے۔ اور وہ اس طرح جسموں اور معانی میں سے ہر ایک شکل کے لیے کچھ امور متعین کرتے ہیں۔

اور بالجملہ عامۃ الناس ان دونوں مسئلوں کی اصل پر متفق ہیں۔ اور ان کے جزئیات کے بیان کے سلسلہ میں کوشش و اجتہاد کرتے ہیں۔ البتہ ان کے خواص انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کو اس سلسلہ میں ید طولیٰ حاصل ہوتا ہے کہ وہ معاد کے راز اور اسماء کی تاثیرات اور دعاؤں وغیرہ سے پردے اٹھاتے ہیں۔ کیا یہ امر ممکن ہے کہ عامۃ الناس اور خواص کسانوں اور چرواہوں کو نکالے بغیر ان امور میں متفق ہو جائیں۔ کہ امر ظہور سے اس کے مراتب بہت بلند ہیں، اور ہمارا قول صحیفوں کے اثبات میں بھی اسی طرح ہے۔

کیا تم نے دیکھا نہیں ہے کہ لوگوں کے عوام و خواص، اہل مشرق و مغرب اور ان کے درمیان والے بھی اس کا اقرار کرتے ہیں۔ جب وہ ظلم اور ہتک حرمات سے بچتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کو تجربہ سے یا مخبر صادق کے خبر دینے سے ثابت ہو گیا ہے۔ مخبر صادق سے مدت طویل ہو جانے کی وجہ سے اس سے کی گئی روایت ان کے نزدیک ناپید ہو جاتی ہے۔ سوائے مشائین کے کہ میں ان کے اندر اپنے دین کے تعلق سے بصیرت اور یقین نہیں پاتا۔ وہ اپنے ذہنوں پر بھروسہ کرتے ہوئے اور اپنی ذہانتوں کے حقوق ادا کرتے ہوئے، اپنے ادراک پر عمل کرتے ہیں۔

۲۱۵- تفہیم:

اللہ نے بندہ کو اپنی معاش کا ذمہ دار بنایا ہے

اللہ سبحانہ کے اپنے بندوں کی تقدیروں کے سلسلے میں مختلف معاملات ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کی جبلت جمال پر بنائی ہے۔ ان کے معاملات میں ایسا کچھ بھی نہیں پایا جاتا جس میں بالکل جمال نہ ہو۔ چنانچہ اگر وہ کسی ضرورت اور اس تربیت کے اطلاق سے، حلال کی قسموں میں مبتلا ہو گیا تو اس میں یقینی طور پر جمال کی آمیزش ہو گی۔ اس طرح کے شخص کو عنقریب اللہ سبحانہ اس کی معاش کا ذمہ دار بنا دے گا۔ اور اس پر کوئی مصیبت نہیں آئے گی۔ اور ممکن ہے کہ اس پر اس طرح سنت جاری فرما دے کہ اس پر زکوٰۃ کو واجب کر دے۔ اللہ سبحانہ

نے اپنے کچھ بندوں کی معاش و پرورش خود کی۔ ان کے اوپر بالکل زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی، اور اس طرح کی ذمہ داری کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہتے ہوئے اشارہ فرمایا "إذا احب اللہ عبدا" اللہ جب اپنے کسی بندہ سے محبت کرتا ہے...... الخ

۲۱۶- **تفہیم:**

آدمی کے اندر پانچوں قربتیں متعدد وجوہ سے ایک ہو جاتی ہیں

آدمی کے اندر یہ پانچوں قربتیں اس کی ذات کی وحدت، نفس کی وحدت اور نسمہ کی وحدت کی وجہ سے ایک ہو جاتی ہیں۔ تب اس کا ایک کیا ہوا کمال اللہ سبحانہ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے۔ اس سے دوسری قسم کے فیض کا سوال کرتا ہے۔ اس بارے میں اصرار کرتا ہے۔ تو اس کا رب اس کو وہ عطا کر دیتا ہے جو وہ مانگتا ہے۔ اس وقت کے لیے یہ حق ہوتا ہے کہ فرشتوں کو دیکھے، ان کی باتیں سنے اور یہ مقام حقانیت ہوتا ہے۔

۲۱۷- **تفہیم:**

طریق کو ظاہر کرنا، جو کہ تمام طریقوں کی بنیاد اور سب سے زیادہ قریب ہے

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے طریقہ کو کس طرح ظاہر فرمایا جو کہ تمام طریقوں کی بنیاد اور سب سے زیادہ قریب ہے۔ چنانچہ فناء اول کو شرح صدر کا نام دیا، اور اس کی علامتوں میں سے دار الغرور (دنیا) سے دور رہنے اور موت کے آنے سے قبل اس کے لیے تیار رہنے کو قرار دیا۔ اور قرب نوافل کی تفسیر وہ کی جو رب العالمین سے نقل کیا لا یزال عبدی یتقرب إلی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ "میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، حتیٰ کہ میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں جب میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں تو اس کی قوت سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔" (الحدیث) اور قرب وجود کو ابدال سے متعلق اپنے اسی قول کے ذریعہ بیان فرمایا: إنما فضلهم الله سبحانه علی الخلق بسماحة النفس "اللہ سبحانہ نے ان کو مخلوق پر نفس کی سخاوت و فیاضی کے ذریعہ فضیلت عطا فرمائی۔" اور قرب فرائض کی شان کو اپنے اس قول کے ذریعہ

عظمت عطا فرمائی:ما تقرب إلی عبد احب إلی من قرب الفرائض "کسی بندہ نے میری قربت کسی ایسے عمل سے حاصل نہیں کی جو میرے نزدیک قرب فرائض سے زیادہ محبوب ہو۔اور قرب ملکوت سے اپنے اس قول کے ذریعہ پردے اٹھائے إذا احب اللہ عبداً نادی جبرئیل "جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرنے لگتا ہے،تو جبرئیل کو پکارتا ہے۔"(الحدیث)

۲۱۸-تفہیم:

دو مقدس افاضے جن سے تمام قربتوں کا نظام ہے

یہاں دو مقدس افاضے ہیں جن کی اصل ایک اور صورتیں مختلف ہیں۔انہی سے نظام قرب قائم ہے۔خواہ وہ کوئی بھی قرب ہو۔اور وہ دونوں تمام عمدہ قربتوں کا مغز ہیں۔ایک جذب ہے کہ بندہ قرب کے معدات کی طرف واقع ہوتا رہتا ہے۔اور اس کے اختیار کے بغیر اس کی طرف دھکیلا جاتا ہے۔دوسرے تولی،ذمہ دار بنانا۔اور وہ تولی قربت کے بعد ہوتا ہے۔بندہ اللہ سبحانہ کا عین اور اس کی عنایت وحمایت میں ہوتا ہے۔اور انبیاء اور جو ان کے طریقہ پر ہوتا ہے،ان کا جذب تولی ہے،اور ان کا تولی جذب ہے۔اور وہ جو ہیں وہ ہیں۔

۲۱۹-تفہیم:

طریق کا سالک،وحی کا خازن ہے

جس کو اللہ سبحانہ نے ہمارا طریق عطا فرمایا،اور وہ اس میں چلا یہاں تک کہ اس کو پورا کردیا۔تو وہ ان دونوں کے حسن وراست میں وحی کا خازن اور علم کا حامل ہے۔اور اس کے ہاتھ میں دین کا جھنڈا ہے اور وہ عالموں اور جہانوں کے اجمال کی حقیقت کی طرف عزت پاتا ہے۔چنانچہ اس کے لئے مبارک خیر وسعادت ہے۔پھر اس کے لیے مبارک خیر وسعادت ہے،اس کے لیے مبارک خیر وسعادت ہے۔

۲۲۰-تفہیم:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال سے پیدا ہونے والے شعبے

جس کمال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائم کیے گئے،اس سے بہت سے شعبے پیدا

ہوتے ہیں۔ان میں سے ایک ملک اوراس کا راز ہے۔شمول باطنی کا انقلاب امرظاہری ہے۔ چنانچہ یہ ابواب زکوۃ میں داخل ہوتا ہے۔اس کے اصول منعقد ہوتے ہیں،اورانہی میں سے قضا ہے۔اس کا مطلب جھگڑوں،مخاصمات اور تنازعات کوختم کرنا ہے،اوراس کا راز ہدایت عامہ ہے،جونسمہ کے اختلاط میں اس کے رنگ میں تجلی کرتا ہے۔اورانہی میں سے وعظ ہے۔اور یہ اس انتہائی مقام پر پہنچ گیا ہے کہ اس سے اوپر کا ارادہ نہیں کیا جاتا۔اوراس کے کچھ صیغے ہیں۔ ان کا احاطہ صرف وہی کرتا ہے جس کوخیر کثیر دیا گیا ہو۔اورانہی میں سے تولیہ ہے۔اور کتنی ہی آیتیں ہیں جن پراس کی بنیاد ہے۔اوراس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔اوران میں سے اہل کفر وفسق کی عداوت،ہجرت وجہاد یا خصومتیں ہیں۔اور تولیہ وولایت کے شعبوں میں سے دعا کی قبولیت،استغفار اور شفا طلب کرنا ہے۔جوان کوواضح اور روشن کردے۔اور وہ اسرار ہیں جن کی کنہ کونہ پہنچے ہوں۔اور ہر وصی اس کے سارے بوجھ کواٹھاتا ہے۔میں نے اشعار کہے ہیں:

لقد بلوتک فی سلم وفی عتب

فما وجدتک الا خالص الذهب

”میں نے تمہاری آزمائش،سلامتی اور عتاب میں کی،تو تمہیں خالص سونا پایا۔“

ابشر بجنة عدن سوف تدخلها

من الوجاهة والتفهيم والادب

”تمہارے لیے جنت عدن کی بشارت ہے تم عنقریب وجاہت،تفہیم اور ادب کے ساتھ اس میں داخل ہوگے۔“

ولم تسم بنور اللّٰه إلا لانه

عما قريب تكون النور فارتقب

”اور اللہ کے نور کے ساتھ تمہارا نام اس لیے مخصوص کیا گیا کہ عنقریب تم نور ہو جاؤ گے پس اس کا انتظار کرو۔“

فان يک حقا ما علمت فانه

سيلقى إليک الامر لا بد سائغ

”اگر حق وہ ہے جو تم جانتے ہو تو عنقریب،تمہاری طرف ایسا امر القا کیا جائے گا جو

لازمی طور پر جائز اور کامل ہوگا۔"

سیاتیک امر لا یطاق بهاء ہ
إلی کل سر لا محالة بالغ

"جلد ہی تمہاری طرف ایسا امر آئے گا کہ کوئی اس سے مانوس ہونے کی طاقت نہیں رکھتا، وہ لامحالہ ہر راز کی طرف پہنچنے والا ہے۔"

وثلج وبرد یجمعان شتائکم
یریحان هما فی فؤادک لا دغ

"اور برف اور ٹھنڈ میں جو تمہارے بکھرے ہوئے امور کو جمع کرتے ہیں، آپ کے دل کو ڈسنے والے غم کو راحت پہنچائیں گے۔"

۲۲۱-تفہیم:

اولیا کی اقسام کا بیان

اولیاء کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ان میں ایک وہ ہے جس کی نسمہ آگے بڑھ گئی اور نفس پیچھے رہ گیا۔ اور اس کو اس کی نسمہ کی جانب سے جذب دیا ہے۔ اور ان کی دو صنف ہیں۔ ایک صنف وہ ہے کہ اس کو جذب انوار طاعات سے دیا ہے۔ اور ایک صنف وہ ہے جس کو توحید محبت دی ہے۔ اور وہ اول کے تابع ہیں، اور نجم الکبریٰ اور خواجہ عبید اللہ احرار دوسری صنف سے ہیں۔ اور ان میں ایک قسم وہ ہے کہ اس کا نفس مقدم اور نسمہ موخر ہوگئی۔ اس کو جذب اس کے نفس کی جانب سے عطا کیا اور اس کے خصائص میں سے یہ ہے کہ اس کا علم اس کے حال سے زیادہ ہے۔ اور شیخ جنید پہلے شخص ہیں جس نے یہ طریقہ وضع کیا، اور اس کے قوانین بیان کیے۔ پھر اصحاب طریق کبھی ان قوانین کی تشریح کرتے رہے اور کبھی ان کا اختصار کرتے رہے۔ چنانچہ ان کے لیے قوت حال کی طرف باب کھول دیا۔ اور ان میں ایک قسم وہ ہے کہ جن کی عین مقدم ہوگئی اور شیخ ابن عربی انہی میں سے ہیں۔ یہ اس بنیاد پر ہے کہ ہر ولی کی فنا اور جذب اس کے نفس میں ہوتے ہیں پھر اللہ نے ایک شخص کو ہدایت عطا فرمائی تو اس نے نور نبوت کے قوانین ترتیب دیئے۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

۲۲۲-تفہیم:

واقعات سے پہلے بنیادوں کا آگے بڑھنا

ہر واقعہ سے پہلے ارہاص بنیادیں یعنی وقائع جزئیات ہوتے ہیں۔ان کی شکل ان کی ہیئت میں بنتی ہے۔اور ہر واقعہ سے پہلے اس کا وجود اجمالی ہوتا ہے جو شہادت میں ظاہر ہونے سے پہلے ہوتا ہے۔اور ان دونوں مسئلوں کا راز ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ مقرب فرشتے جب قضاء کو تقدیر کے منبع سے نیچے لاتے ہیں اور ان کا نیچے لانے کا عمل مکمل ہو جاتا ہے تو اس کے لیے عالم میں وجود متحقق ہو جاتا ہے کہ اس کے ادراک سے ادراک یعنی قوت مدرکہ ظاہر ہو جاتی ہے۔اور عالم،قضا کے آئینہ کے مانند ہوتا ہے۔چنانچہ وقائع جزئیہ اس سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔جن کی جبلت عکس بندی کی جلد پر ہوتی ہے۔اور یہ وجود اس کا وجود اجمالی ہوتا ہے۔اور جب ہمارے اوپر تسخیر عالم کے علم کا انکشاف ہوا تو ہم نے سمجھ لیا کہ دو رغبتیں ضروری ہیں۔ ایک اس کے اس وجود کے تحقق کے وقت کی رغبت۔اور دوسری اس کے وجود خارجی کے تحقق کے وقت کی رغبت۔اس کو اچھی طرح سمجھ لو۔

۲۲۳-تفہیم:

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سب سے زیادہ محبوب

میرے نزدیک آج اللہ سبحانہ کے اسماء میں سب سے زیادہ محبوب سید ہے اور وہ اس لیے کہ اس نے میرے نزدیک ہر سید کی سیادت اور ہر ولی کی ولایت کی نفی کر دی۔تو جب بھی میں اس کو کہتا ہوں وہ میرے مقام کی طرف دقیق اشارہ ہوتا ہے۔اور اس کے معنی میں اثبات ونفی دونوں جمع ہیں۔

۲۲۴-تفہیم:

محدث کی مثال

المحدث پر خاص طور سے جب وہ محدث ہو،شرائع اجتہادیہ کی اتباع کرنا لازم نہیں ہے کہ صبح چراغ سے بے نیاز ہوتی ہے۔اور اس کی رہنما وحی اور رسول صلوٰت اللہ علیہم اجمعین

کے علوم ہوتے ہیں۔

۲۲۵-تفہیم:

وصایہ کی حقیقت اور یہ کہ ہر زمانہ کے لیے وصی کا ہونا ضروری ہے

ہر نبی کے لیے وصی کا ہونا ضروری ہے۔ اور ہمارے نزدیک وصایہ کی حقیقت حکمت ہے۔ پھر قرب ملکوتی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے علوم کی شرح کا تحمل اور آپ کی امت کے لیے دعا سے تکفل ہے۔ اور اس کا منصب یہ ہے کہ امت میں نبی کے علم کا خازن اور آپ کے علم کا حامل ہو۔ چنانچہ زمانہ اس کی حجت سے خالی نہیں ہوتا۔ ورنہ دلیل دے کر خاموش کر دیا جائے گا۔ تو زمانہ جاہلیت کا زمانہ ہو جائے گا اور یہ کہ وقائع میں اس کا نائب ہو۔ چنانچہ جس طرح نبی کی امت شئے واحد ہوتی ہے۔ وہ اس کی احدیت ہوتا ہے۔ چنانچہ آدمی کی تدبیر اس کے بدن اور جسد کی تدبیر کرتی ہے اس طرح یہ وصی ہے۔ وہ اللہ سبحانہ سے دعا کرتا رہتا ہے کہ اللہ سبحانہ ان سے تنگی کو دور کر دے۔ اور ہر زمانہ کے لیے ایک وصی کا ہونا ضروری ہے۔ اور وہ ملت کے امر سے قائم ہوتا ہے۔

اور وصی قطب نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ قطب سے وجود کا تعلق ہوتا ہے۔ وہ کسی بھی شئے میں نبوت کے وارثوں میں سے نہیں ہوتا۔ اور وصی سے ملت خاصہ کے امر کا تعلق ہوتا ہے۔ اور اس کا زمین میں خلیفہ ہونا ضروری نہیں۔ اس لیے کہ وہ اپنے علوم کا خازن ہوتا ہے۔ اور آپؐ کی امت کے لیے داعی کو صرف یہی ہوتا ہے۔

۲۲۶-تفہیم:

ہر نبی کے لیے مجدد کا ہونا ضروری ہے

اور ہر نبی کے لیے مجدد کا ہونا ضروری ہے جو اس کے دین کی مذہب اختیار کرنے والوں کی مذہبیت سے تنقیح کرتا ہے۔ اور وہ ایسا محدث ہوتا ہے جس کو سکینت کا لباس پہنایا جاتا ہے۔ چنانچہ وجوب، تحریم، کراہت، سنیت اور اباحت کو ان کے مقام پر رکھنے لگتا ہے۔ اور شریعت کی احادیث موضوعہ، قیاس کرنے والوں کی قیاس آرائی اور ہر افراط و تفریط سے تنقیح کرتا ہے۔ اور فقیہ مجدد نہیں ہوتا۔ اگر مجدد بعینہٖ وصی ہوتا ہے تو معاملہ مکمل ہو جاتا ہے۔

۲۲۷–تفہیم:

مجددیت

میرے دورۂ حکمت ختم ہونے پر اللہ سبحانہ نے مجھے خلعت مجددیہ پہنائی، پھر میں نے خلعت حقانیہ پہنی اور مجھ سے تمام علم فطری وفکری سلب کر لیے گئے۔ میں حیران و ششدررہ گیا کہ مجھے مجددیت کس طرح دی گئی۔ پھر میرے رب جل جلالہ نے طریق خاص کی وضاحت کی۔ اس کے ذریعہ بغیر نظر فکری کے امیت اور مجددیت کے درمیان جمع کرنا ہے اور میں اب تک مجددیت کی تفصیل نہیں پا سکا۔ البتہ اس کا اجمال مجھے عطا کر دیا گیا اور میں مختلف امور کے درمیان جمع کا طریقہ جان گیا۔ اور میں یہ بھی جان گیا کہ شریعت میں رائے زنی کرنا تحریف اور قضا میں قابل قدر ہے۔

۲۲۸–تفہیم:

قرب قیامت کا ذکر

مجھے میرے رب جل جلالہ نے بتایا کہ قیامت قریب آ گئی ہے۔ اور مہدی خروج کے لیے تیار ہیں۔ اور طریقۂ متاخرہ کے حامل کے بعد کمال کا نمو منقطع ہو گیا ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہ وصی سب سے زیادہ طویل زندگیوں کی پرواہ نہ کرے۔ سبحان اللہ کمال کے امر کے لحاظ سے کیسے فتنے نازل ہوئے ہیں کہ اسی میں ان انوار کا عکس نظر آتا ہے جو وحی کے حامل ہیں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون.

۲۲۹–تفہیم:

عوام اور انبیاء کے درمیان فرق کا مبدأ

کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دل و دماغ میں پھونکنے اور کشف جیسے امور میں عوام انبیاء کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ خاص طور سے تکوینی امور میں۔ اور انبیاء ان کے درمیان کچھ امور میں مختص ہوتے ہیں۔ جیسے ان کی طرف فرشتے کا بھیجنا اور ان کا اس کو دیکھنا۔ لیکن ہمارے نزدیک معاملہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ عوام علم کے اخذ کرنے میں ان کے ساتھ بالکل بھی شریک نہیں ہوتے کہ ان کا وحی کو اخذ کرنا صرف اس لیے ہے کہ وہ اس پانی کی مانند ہے جس

سے درخت کے اگنے کی جگہ بھری ہوتی ہے کہ وہ شاخوں، پتوں اور کونپلوں میں منتقل ہوتا ہے۔ اس طرح ان کا وہ علم جس کو وہ دورۂ کمال سے حاصل کرتے ہیں جو کہ تمام دوروں کا اجمال ہوتا ہے کبھی نفث پھونکنا ہو جاتا ہے اور کبھی کشف، اور کبھی فرشتے کو بھیجنے کی صورت میں تصور کیا جاتا ہے اور کبھی اس کی رویت کی صورت میں تصور کیا جاتا ہے، اور عوام کبھی فرشتے کے بھیجنے سے حظ حاصل کرتے ہیں، کیا دیکھا نہیں کہ مریم نے جبرئیل کو کس طرح ایک مکمل مرد کی شکل میں دیکھا؟ اور کس طرح ان کو فرشتوں نے پکارا؟ اور حدیث میں ہے کہ ایک مومن نے اپنے بھائی کی گاؤں میں زیارت کی تو ایک فرشتہ گاؤں کے دروازہ پر انسانی شکل میں اس کے پاس آیا اور کہا کہ میں تیرے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ اور حدیث میں ہے کہ اگر تم ایک ہی حالت پر رہو تو فرشتے تم سے تمہارے بستروں میں مصافحہ کریں اور اسید بن حضیر نے فرشتوں کو بادلوں میں چراغوں کی شکل میں دیکھا۔ لیکن انہوں (مومنین) نے اس کو اس رویت میں نہیں دیکھا جو دورۂ کمال سے مستفاد ہوتی ہے۔

اس طرح عوام اور انبیاء کے درمیان فرق کا مبدأ کمال سے ایک قسط یا قرب سے ایک حصہ عطا کیے جانے کے بعد بعثت اور دعوت کی طرف جوش ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں، اور اس کے علاوہ جو فرق ہوتا ہے، وہ کلام میں تسامح اور کنارہ کشی ہے۔ جو شخص امت میں سے کسی امام کا مقلد ہو اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی بات پہنچے جو مسئلہ میں اس کے قول کے خلاف ہو۔ اور اس کا ظن غالب یہ ہو کہ وہ نقل صحیح ہے تو اس کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو اس کے غیر کے قول کی وجہ سے چھوڑنے میں (آج) کوئی عذر نہیں ہے۔ اور مسلمانوں کا کیا حال ہے ایسا کرنے پر نفاق کا ڈر لگتا ہے۔

۲۳۰-تفہیم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد:

’’تم اپنے سے پہلے والوں کی اتباع کرو گے‘‘

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لازمی طور پر ان کے طریقوں کی بالشت، بالشت اور ہاتھ ہاتھ پیروی کرو گے جو تم سے پہلے گزر چکے۔ حتیٰ کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ کے

سوراخ میں گھسا ہے تو تم اس کی بھی پیری کرو گے۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ یہود ونصاریٰ کی پیروی کی بات ہے۔ آپ نے فرمایا اور کون؟ (اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا اور ہم نے ضعیف مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کو دیکھا ہے کہ صلحا کو اللہ کی جگہ اپنا رب بناتے ہیں اور ان کی قبروں کو مسجد بناتے ہیں جیسا یہود ونصاریٰ کیا کرتے تھے اور ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ کلمات کو ان کی جگہ سے ہٹا کر تحریف کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں صالح لوگ اللہ کے لیے ہیں اور شریر، فسادی و بدکار میرے لیے ہیں جیسا کہ ان سے پہلے کے لوگوں نے کہا تھا۔ ہمیں آگ صرف چند دن کے لیے چھووے گی اور سچ بات تو یہ ہے کہ ہر طائفہ میں تحریف پھیل چکی ہے۔

صوفیا ایسے اقوال پیش کرتے ہیں جن کی کتاب وسنت سے کوئی مطابقت نہیں ہوتی۔ اور شریعت کی انہیں کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اور فقہاء کے فقہ میں کتنے امور ہیں کہ کوئی نہیں جانتا، انہوں نے وہ کہاں سے لیے ہیں جیسے دہ دردہ (دس ہاتھ لمبا دس ہاتھ چوڑا) کا مسئلہ اور کنوؤں کا مسئلہ وغیرہ۔ اور عقل پسند لوگ اور شعراء اور اصحاب دولت اور عام لوگ جو طاغوتوں کی عبادت کرتے ہیں اور صلحا کی قبروں کو مساجد اور مقام عید بناتے ہیں، ان میں جو گمراہیاں ہیں، ان کا ذکر وہ کہاں سے کرتے ہیں۔

اور بالجملہ شریعت کا تحریف سے محفوظ رہنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کی نقل ظاہر سے ظاہری ہے۔ خالص شریعت ان اوصیا کے پاس ہے جنہوں نے شریعت کا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ سے یا ان کامل لوگوں سے لیا ہے جن کو دورۂ کمال سے حصہ عطا کیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ شریعت پر آسودگی و آرام اور لطف ولذت کے ساتھ آئے۔

مصنف کی اہم مطبوعات

مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہؒ (جلد اول)	مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی	325.00
مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہؒ (جلد دوم)	//	300.00
مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہؒ (جلد سوم)	//	300.00
مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہؒ (جلد چہارم)	//	300.00
دلی کی تاریخی مساجد (حصہ اول)	//	200.00
دلی کی تاریخی مساجد (حصہ دوم)	//	100.00
پنجاب وہریانہ کی تاریخی مساجد	//	200.00
امام شاہ ولی اللہ اور ان کے افکار ونظریات	//	250.00
الواح الصنادید (حصہ اول)	//	150.00
الواح الصنادید (حصہ دوم)	//	100.00
مولانا عبدالماجد دریابادی، خدمات وآثار	//	200.00
ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کا حصہ	//	200.00
ہندو مندر اور اورنگ زیب کے فرامین (اردو)	//	20.00
ہندو مندر اور اورنگ زیب کے فرامین (ہندی)	//	20.00
نقوش خاطر (قلمی چہرے)	//	300.00
۱۸۵۷ء اور ہریانہ (ہریانہ کے مجاہدین آزادی کا تذکرہ)	//	250.00
المساجد التاريخيه بدهلي	//	500.00
معمار قوم ڈاکٹر اخلاق الرحمن قدوائی	//	300.00
مرد مومن ڈاکٹر اخلاق الرحمن قدوائی	//	300.00
شاہ ولی اللہ خصوصی نمبر (ماہنامہ براہین)	//	195.00
الامام الدہلوی خصوصی شمارہ (ماہنامہ براہین)	//	195.00
وقف ترمیمی بل ۲۰۱۳ء منظر، پس منظر	//	زیر طبع
ضمائر القرآن (ضمائر قرآن اور انکے مراجع)	ڈاکٹر ابوالنصر محمد خالدی، مرتبہ مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی	300.00
الاشباہ والنظائر فی القرآن الکریم (قرآن کے مرادف الفاظ اور امثال ونظائر)	//	350.00
وفیات اعیان الہند (امراء وسلاطین کی تاریخ ہائے وفات اور مختصر حالات)	//	300.00
مضامین خالدی (اسلامیات، قرآنیات اور دکنیات پر مشتمل مقالات)	//	300.00
قرآنی تشبیہات واستعارات	//	150.00

SHAH WALIULLAH INSTITUTE
Adjacent To Kaka Nagar Masjid, (Near NDMC Primary School)
Kaka Nagar, New Delhi-110003
Ph : 9811740661, 9811615455, 26953430
E-mail : shahwaliullah_institute@yahoo.in, swiinstitute26@gmail.com